٧٨٦

اساسُ الاِسلام

اساس الاسلام جلد اول اُن رسائل کا مجموعہ ہے۔ جو رسالہ حنیف میں "کفر و اسلام" یا "آریہ نیشنلزم اور اسلام" کے عنوان سے چار حصوں میں شایع ہوئے تھے

مصنف

غازی محمود دھرم پال بی۔ اے ایڈیٹر "حنیف"

لدھیانہ

آفتاب برقی پریس امرتسر میں باہتمام مولوی محمد عبداللہ منیجر سے چھپی

قیمت فی مجلد [illegible] روپے

جملہ حقوق محفوظ ہیں

۷۸۶

اساسُ الاِسلام

اساس الاسلام جلد اول اُن رسائل کا مجموعہ ہے۔ جو رسالہ حنیف میں کفر و اسلام
یا "نیشنلزم اور اسلام" کے عنوان سے چار حصوں میں شایع ہوئے تھے

مصنف

غازی محمود مصباح بی۔اے ایڈیٹر "حنیف"

لدھیانہ
[illegible] پریس امرتسر میں باہتمام مولوی محمد عبداللہ منشی [illegible] پرنٹر چھپا

قیمت مجلد [illegible] تین روپے

فہرست مضامین اساس الاسلام جلد اول

رجسٹرڈ نمبر ایل ۱۶۳۵

جملہ حقوق محفوظ ہیں

قل صدق اللہ فاتبعوا ملۃ ابراہیم حنیفا

خدا نے سچ فرمایا ہو کہ ابراہیم حنیف کے دین کی پیروی کرو

حنیف

جلد اول | نومبر سنہ ۱۹۲۴ء | نمبر ۵

کفر و اسلام حصہ اول

ایڈیٹر۔ غازی محمود دھرمپال بی۔ اے
لدھیانہ

سالانہ قیمت چھ روپے | ممالک غیر ۱ شلنگ | فی پرچہ

قارئین کرام حنیف کے موجودہ پرچے کا بغور مطالعہ کر کے اپنی رائے کا اظہار فرمائیں۔ ایڈیٹر

حنیف

نومبر ۱۹۲۴ء

ریشنلزم اور اسلام

کئی سال ہوئے میں نے اسلام لانے سے پیشتر ایک چھوٹی سی کتاب ریشنلزم اور اسلام کے نام سے شایع کی تھی۔ اس میں اسلام پر بعض ایسے اعتراضات کئے گئے تھے جو آجکل نئی روشنی کے تعلیمیافتہ عموماً کرتے دیکھے جاتے ہیں۔ ان اعتراضات کا بعد میں میں نے خود ہی جواب بھی دیا تھا۔ جنگ ارتداد کے زمانہ میں یہ کتاب نہایت مفید ثابت ہوئی۔ اور اس کی جس قدر کاپیاں میرے پاس تھیں وہ سب ختم ہو گئیں بعض تاجران کتب نے اس کتاب کو بھی میری بغیر اجازت کے چھاپکر خوب فروخت کیا۔ اور فروخت کر رہے ہیں۔ مگر احباب نے عرصہ سے یہ تقاضا کر رکھا تھا۔ کہ اس کتاب کے بعض مقامات سخت قابل اعتراض ہیں۔ اور کہ اب جبکہ میں اسلام میں آگیا ہوں میں "ریشنلزم اور اسلام" پر نظر ثانی کر کے اس کو ازسرنو شایع کر دوں۔ میں نے جب اسپر نظر ثانی کی۔ تو مجھے یہ کتاب سخت قابل اصلاح نظر آئی چنانچہ جن اعتراضات کو میں نے ریشنلزم اور اسلام میں ۴۴ صفحات میں ادا کیا تھا۔ انکو تو ۴۲ سطروں میں کر دیا اور جن جوابات کو ۴۴ صفحات میں ادا کیا تھا۔ انکو تقریباً دو سو صفحات پر پھیلا دیا اور کتاب کا نام بجائے "ریشنلزم اور اسلام" کے میں نے کفر و اسلام تجویز کیا ہے چنانچہ موجودہ کتاب اس کا پہلا حصہ ہے۔ دوسرا حصہ بھی تیار ہو چکا ہے۔ اور اگلے پرچہ میں چھپ جائیگا۔

اس کتاب میں ریشنلسٹ کا قایم مقام "اعرابی" کر کہا گیا ہے۔ جو اسلام پر سخت سے سخت

اعتراضات کر رہا ہے۔ اور آخرکار ان اعتراضات کے نہایت تسلی بخش جواب پاکر
حلقہ بگوش اسلام ہو جاتا ہے۔ مگر اسلام لانے کے بعد جن مسایل کی بابت وہ سوال
کرتا ہے۔ وہ سخت انقلاب انگیز ہیں چنانچہ اس کے ایسے سوالات کا جواب
کفر و اسلام کے دوسرے حصہ میں قلمبند کیا گیا ہے جس کا مطالعہ نئی روشنی کے دلدادہ
اور اعلیٰ تعلیمیافتہ اصحاب کیلئے خالی از دلچسپی نہیں ہوگا +

بجری ڈاکو

بعض کتب فروش ایسے بجری ڈاکو واقع ہوئے ہیں کہ جس کتاب
پر ان کو میرا نام نظر آتا ہے۔ وہ اسی کو اڑا لیجاتے ہیں۔ اور میری مرضی
اور اجازت کے بغیر اس کو چھاپ کر فروخت کرنے لگ جاتے ہیں میں بھی ان بجری
ڈاکوؤں کی دست برد سے اپنی کتابوں کو محفوظ رکھنے کیلئے جابجا سمندری سرنگیں بچھاتا
جا رہا ہوں۔ اگر ان ڈاکوؤں میں سے کوئی ان سرنگوں میں سے کسی سے ٹکرا گیا۔ تو بھک سے
اڑ جائیگا۔ چنانچہ کتاب ہذا کے جملہ حقوق کی حفاظت بھی اسی قسم کی سرنگ کے ذریعہ
کر دی گئی ہے۔ بجری ڈاکو ذرا سنبھل کر ادھر آئیں۔

آرہ کش اور بندر

گذشتہ سال جب فتنۂ ارتداد کے انسداد کیلئے میں نے قلم
اٹھایا تو بہت سے ارباب قلم نے یہ دیکھکر کہ یہ ایک نئی سونے
کی کان دریافت ہوئی ہے۔ فوراً "جوڑ توڑ" شروع کر دئے نتیجہ یہ ہوا۔ کہ سب پکڑے گئے۔ میں تو
یہ دھماچوکڑی دیکھکر چپکے سے گھر آبیٹھا۔ مگر یہ سونے کی کان کے متلاشی "کوہاٹ۔ گوجرانوالہ
لاہور۔ امرتسر دہلی وغیرہ میں اب ابھی تک پھنسے پڑے ہیں۔ مجھے ان لوگوں کی حالت
دیکھکر ایسپ کی حکایات میں سے آرہ کشوں اور بندروں کی ایک کہانی یاد آتی ہے۔ کسی جنگل
میں آرہ کش ایک بہت بڑے درخت کو آرہ سے چیر رہے تھے۔ کہ اتنے میں دھوپ
تیز ہو گئی۔ اور وہ چیر میں پچڑ ٹھوک کر آرام کرنے کے لئے گھر چلے گئے جنگل میں
پاس ہی بندروں کی ایک جماعت موجود تھی جو آرہ کشوں کے فن آرہ کشی کا بغور مطالعہ
کر رہی تھی۔ آرہ کشوں کی عدم موجودگی کا ان بندروں نے ناجائز فائدہ اٹھانا
چاہا۔ اور فوراً اس نیم چری لکڑی پر پل پڑے۔ چیر میں جو پچڑ دیا ہوا تھا۔ وہ اس کے
راز سے ناواقف تھے۔ چنانچہ بندروں نے زور مار کر چیر میں سے اس پچڑ کو نکال دیا
چیر میں سے پچڑ کا نکلنا تھا کہ چیر مل گیا۔ اور کسی کی ٹانگ اس میں پھنس گئی کسی کی دم۔

کسی کا پیر۔ تمام بندر چیخیں مارنے لگے۔ مگر چیر تھا بڑا سخت۔ نکلتے تو کیسے۔ آرہ کشوں نے جو بندروں کی اس حالت کو دیکھا تو وہ قہقہہ مار کر ہنس پڑے۔ کہ کم بختو! اگر تمہیں لکڑی چیرنے کا ہی شوق تھا تو پچڑ کو کیوں چیر سے باہر نکالا تھا۔ اب غلطی کا خمیازہ بھگتو۔ کیا مزہ کی بات ہے۔ ایک وہ وقت تھا کہ گورنمنٹ نے خود کفر توڑ کے مصنف کے سامنے یہ شرط پیش کی تھی کہ اگر اس کتاب کے جملہ حقوق سے دست بردار ہو جاؤ تو مقدمہ واپس لے لیا جائیگا۔ ایک یہ وقت ہے۔ کہ گورنمنٹ سے درخواستیں کی جا رہی ہیں۔ کہ معافی دیجاوے۔ مگر گورنمنٹ نہیں مانتی آخر اتنا فرق کیوں؟ صرف اس لئے کہ کفر توڑ کا مصنف چیر تو ڈال رہا تھا مگر پچڑ لگا کر۔ مگر ان حضرات نے چیر میں سے پچڑ ہی نکال دی۔ اور وہ بھٹ سے مل گیا۔ اب چیخنے سے کیا فائدہ؟

سونے کے انڈے اور پیٹ کا ڈھیر

سونے کا انڈا دینے والی مرغی کی کہانی مشہور ہے۔ اگر لاہور کے مسلم جرائد "زمیندار" اور "سیاست" سے پوچھا جاوے۔ کہ کیوں صاحب کیا آپ نے کبھی ایسی مرغی بھی دیکھی ہے۔ جو سونے کا انڈا دیتی ہو۔ تو وہ یہی جواب دینگے۔ کہ ایسی مرغی ہو یا نہ ہو۔ مگر کفر توڑ ایک ایسی کاغذی مرغی تھی۔ جس نے غازی دھرمپال کے ہاں سونے کے انڈوں کا ڈھیر لگا دیا "زمیندار" کے اندازہ کے مطابق ان انڈوں کی مقدار ۱۵ ہزار روپیہ نقد اور سیاست کے قول کے مطابق تو "کفر توڑ" کے منافع کا اندازہ لگانا ہی مشکل ہے لیکن اگر غازی دھرمپال سے اس کی بابت پوچھ جاوے تو وہ فوراً اسلامیہ سٹیم پریس لاہور کے مینجر کا مفصلہ ذیل رجسٹرڈ نوٹس دکھا دیگا:۔

از دفتر اسلامیہ سٹیم پریس لاہور

نوٹس رجسٹری نمبر 187

مکرمی جناب غازی محمود صاحب۔ السلام علیکم۔ مبلغ ۲۹۹ روپے بابت چھپوائی کتب عرصہ ایک سال سے آپ کے ذمہ ہیں لیکن آجتک آپ نے رقم کی ادائگی کی کوئی صورت نہیں کی۔ اور نہ کوئی جواب دیا۔ اب آپ کو

بذریعہ کارڈ رجسٹری مطلع کیا جاتا ہے۔ کہ یا تو ہماری رقم بھیجکر مشکور فرمائیں یا مفصل جواب سے اطلاع دیں۔ ورنہ پھر آپ ہمارے خرچہ وغیرہ کے ذمہ دار ہوں گے۔ کیونکہ آپ نے تجارتی اصول کے خلاف کیا ہے۔ اور کر رہے ہیں۔ یہ کارڈ بطور نوٹس کے بھیجا جاتا ہے۔ اگر آپ نے ایک ہفتہ تک روپیہ ادا نہ کیا۔ تو پھر مجبور ہو کر کاغذات وکیل کے سپرد کر دیئے جائیں گے۔ آپ کسی شکایت کے حق دار نہ ہوں گے۔

نیاز مند محمد لیئق مینیجر اسلامیہ سٹیم پریس لاہور

۱۔ اکتوبر ۲۴ء

"زمیندار" اور "سیاست" کے قابل ایڈیٹروں سے سوال کیا جا سکتا ہے کہ کیوں صاحب! اگر "کفر توڑ" سونے کا انڈا دینے والی مرغی تھی۔ اور اس نے غازی دہر سپال کے ہاں ۱۵ ہزار روپیہ کے انڈے دیئے۔ تو یہ "کفر توڑ" مرغی ۴۹۹ روپیہ کی بیٹھ کا ڈھیر اپنے پیچھے کیسے چھوڑ گئی؟

نئی قسم کا کھاد

الکتسر ضلع فیروزپور سے ایک ماہواری رسالہ بنام شریعت میرے پاس ریویو کے لئے پہنچا ہے۔ لکھائی چھپوائی بہت عمدہ ہے۔ سالانہ قیمت ۱ہ ہے۔ باغبانوں کے لئے یہ رسالہ بہت مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس میں نئی قسم کے کھاد کا بدیں الفاظ ذکر کیا گیا ہے:۔

"ایک سو ایک دفعہ بسم اللہ شریف لکھکر باغ میں دفن کر دیجائے تو باغ کا پھل وقت پر بہت عمدہ پیدا ہو گا۔ اور آفتوں سے سالم رہے گا۔ اور برکت ہو گی"

رسالہ شریعت نے ابھی تو بسم اللہ کے دفن کرنے پر ہی اکتفا کی ہے۔ تعجب نہیں کہ آگے چلکر وہ قرآن مجید کو دفن کرنے کی بھی تجویز پیش کریں۔ اسی پر ان لوگوں کو شکایت ہے کہ نئی روشنی کے لوگ ہماری باتوں پر مخول اڑاتے ہیں +

نعمت اللہ خان احمدی کی سنگساری

انہیں نے حنیف کے گذشتہ پرچہ میں نعمت اللہ خان احمدی کی سنگساری پر مختصر سا نوٹ دیتے ہوئے اس بات کا اظہار کیا تھا کہ باوجود تمام فروعی اختلافات کے ہم

احمدیوں کو از روے قرآن مجید مومن و مسلمان سمجھتا ہوں۔ اس لحاظ سے نعمت اللہ خاں احمدی کی سنگساری قتل مرتد نہیں۔ بلکہ قتل عمد مومن ہے۔ اور قاتل خواہ کوئی بھی ہو۔ دنیا و آخرت میں اس وعید سے نہیں بچ سکتا جس کا رب العزۃ نے قتل عمد مومن پر قرآن مجید میں ذکر کیا ہے۔ احمدیوں کو مرتد بنا برین واجب القتل ثابت کرنیکے لئے غیر احمدیوں نے جس قدر بحث اخبارات میں کی ہے میں نے نہایت غور سے اس کا مطالعہ کیا۔ میں بلا جھجک کہہ سکتا ہوں کہ جہاں تک قرآن مجید کا تعلق ہے اس بحث میں جس قدر ذلیل ترین شکست غیر احمدیوں نے کھائی ہے۔ وہ مذہبی دنیا میں اپنا ثانی نہیں رکھتی میرے خیال میں اب اگر اس بات پر بحث چھیڑی جاوے کہ آیا ایک ایسا مسلمان جس کا اعتقاد یہ ہو کہ قرآن مجید جیسا کہ وہ اس وقت ہمارے ہاتھوں میں موجود ہو مکمل نہیں ہو۔ بلکہ اسمیں سے بہت سی آیات یا کوئی آیت گم ہو گئی ہو۔ یا مرفوع التلاوۃ ہو گئی ہے۔ مومن و مسلم کہلانیکا مستحق ہو یا نہیں؟ تو میرے نزدیک علماء دیوبند کا وہ گروہ جن کے اعتقاد میں قرآن مجید کی بہت سی یا کوئی ایک آیت مرفوع التلاوۃ ہو چکی ہو۔ نہایت آسانی سے ارتداد کے گڑھے میں دھکیلا جاسکیگا۔ اسلئے کہ وہ رب العزۃ کے اس قول کا کہ "نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ" کا منکر ہے۔ اور وہ "ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ" کو باطل قرار دیتا ہوا "مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖ" کی ذد میں آتا ہے۔ اور اگر مرتد کی سزا رجم ہی ہو۔ جیسا کہ علماء دیوبند کا عقیدہ ہے جسکا کہ میں قایل نہیں ہوں۔ تو ان سے درخواست کی جاسکتی ہے۔ کہ یا تو وہ مذکورہ بالا عقیدہ سے تائب ہوں۔ ورنہ وہ کسی اسلامی سلطنت کی طرف سے رجم کئے جانیکا انتظار کئے بغیر خود ہی پتھر وں سے جاکر رجم ہوں۔ میں نے علماء دیوبند کے متعلق مذکورہ بالا خیال محض دار العلوم دیوبند کے نائب مہتمم حضرت میرک شاہ صاحب کے اس مضمون کو جو آیات مرفوع التلاوۃ کے متعلق بہت سے اخبارات میں چھپ چکا ہے۔ پڑھکر قایم نہیں کیا۔ بلکہ اس مضمون کے مطالعہ کے بعد میں نے ایک دیوبندی سے لودھیانہ میں بیس پچیس کے قریب معزز مسلمانوں کے سامنے یہ سوال کیا کہ آیا وہ اس بات کے قایل ہیں کہ قرآن مجید میں کوئی آیت یا بہت سی آیات مرفوع التلاوۃ ہیں یا گم ہو گئی ہیں۔ یا درج ہونے سے رہ گئی ہیں؟ میں نہایت افسوس کے ساتھ اس بات کا اظہار کرتا ہوں کہ میرے مذکورہ بالا سوال کا جواب اس دیوبندی

نے اثبات میں دیا۔ میں نے مسلمانوں کے مجمع کو مخاطب کیا کہ تم سن رہے ہو دیوبندیوں کا کیا عقیدہ ہے۔ اس پر اس دیوبندی نے ایک بار نہیں۔ بلکہ بار بار اس مجمع کے سامنے اس بات کا اعلان کیا۔ کہ ہمارا یہی عقیدہ ہے۔ کہ قرآن مجید میں ایک آیت نہیں۔ بلکہ بہت سی آیات درج ہونے سے رہ گئی ہیں۔ میں نے مسلمانوں کے مجمع کو اس پر گواہ ٹھہرایا۔ اس عقیدہ کو سنکر میرا دل نہایت پریشان ہوا۔ اور میں اپنے گھر پر جاکر دیر تک سوچتا رہا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر کابل کا تخت ایک دن کے لئے مجھے ملجائے۔ اور میرے سامنے احمدی اور دیوبندی کے ارتداد و رجم کا سوال پیش کیا جاوے۔ تو میں احمدی کو چھوڑ دونگا۔ مگر دیوبندی کو اس کے مذکورہ بالا اعتقاد کی وجہ سے اگر وہ اس سے تائب نہ ہو۔ یا اسکی صحت کو پایۂ ثبوت تک نہ پہنچائے۔ ملزم گردانونگا اسلیئے کہ احمدی تفسیر و تاویل سے کام لیتا ہوا قرآن مجید میں تحریف کا قایل نہیں ہے جبکہ دیوبندی قرآن مجید کو ہی نامکمل و محرف مانتا ہے ۔

۳۔ میں احمدی نہیں ہوں اور نہ ہی میں احمدیوں کی بہت سی تاویلاتکو صحیح سمجھتا ہوں لیکن احمدیوں اور غیر احمدیوں کی قتل مرتد کے متعلق تمام بحث کو پڑھکر اگر میں مسلمانوں کے کسی فرقہ میں گھسنا ہوتا تو میں فوراً احمدی ہوگیا ہوتا۔ مگر چونکہ احمدیوں کا یہ عقیدہ کہ رب العزۃ نے مسیح کے اجلاس کیلئے کوئی کرسی خالی رکھ چھوڑی ہے۔ قرآن مجید کی کسی آیت سے صراحتًا یا کنایتًہ ثابت نہیں ہوتا۔ اسلئے احمدیوں کو مومن و مسلم سمجھتا ہوا بھی میں انکو قرآن مجید سے بہت دور بھٹکتا ہوا دیکھ رہا ہوں مگر اس کے ساتھ ہی میں غیر احمدیوں کی طرف سے احمدیوں پر اس الزام کو بھی کہ وہ خاتم النبیین کے غلط معنے کرتے ہیں سراسر فضول سمجھتا ہوں جبکہ امر واقعہ یہ ہو کہ غیر احمدی خود بھی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسیح ناصری کی آمد میں چشم براہ بیٹھے ہیں۔ حالانکہ اس آمد کا قرآن مجید میں کہیں اشارہ تک بھی نہیں ہے۔ پس جہاں تک ختم نبوت کا تعلق ہے احمدی اور غیر احمدی دونوں ایک ہی گڑھے میں گرے پڑے ہیں۔ سارا جھگڑا اس بات پر ہے۔ کہ میرزا غلام احمد نے مسیح موعود کی کرسی پر کیوں قبضہ کر لیا؟ اگر یہ کرسی رب العزۃ کی طرف سے اپنے حبیب پاک کے بعد ابن مریم کیلئے بچھائی گئی ہوتی تو میں بھی میرزا صاحب کو اس کرسی پر سے اُتارنے کیلئے ایک دھکا دیدیتا۔ مگر چونکہ یہ کرسی خدا کی طرف سے نہیں رکھی گئی۔ اور نہ ہی قرآن مجید میں اس کا کہیں ذکر ہے۔ اسلئے مسلمانوں کی طرف سے مسیح ناصری کی اس کرسی کو یونہی خالی دیکھکر ہر ایک شخص کا دل للچاتا ہے۔ کہ وہ

اسپر بیٹھکر ذرا مزہ لے۔ چنانچہ اسوقت تک ایک نہیں بلکہ درجنوں ہی مسیح معہود اور مہدی بنکر اس کرسی پر بیٹھکر رخصت ہو چکے ہیں کیا مسلمانوں کیلئے ابھی وقت نہیں آیا کہ وہ رسول پاک کو خاتم النبیین مانتے ہوئے اب مسیح ناصری کی اس فرضی کرسی کو جسکا قرآن مجید نے کہیں بھی ذکر نہیں کیا اٹھاکر ایک طرف رکھ دیں؟ اسلئے کہ مسیح کی آمد ثانی کا عقیدہ قرآن مجید نے بیان نہیں کیا۔ بلکہ عیسائیوں کی کتاب انجیل کا عقیدہ ہے۔ جو نہیں معلوم مسلمانوں میں کب اور کیسے رواج پا گیا۔

۴۔ اسمیں شبہ نہیں۔ کہ قتل مرتد کے متعلق قرآن مجید میں کوئی آیت نہیں ہے اور نہ ہی غیر احمدی لوگ کوئی آیت پیش کر سکے۔ مگر احمدیوں کو اس بات پر غور کرنا چاہیے۔ کہ جب تاجدار افغانستان کی طرف سے اپر پتھراؤ ہوتا ہے تو وہ قرآن مجید کی پناہ ڈھونڈتے ہیں لیکن جب وہ دمشق کے منارۃ البیضا کی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اور فرشتوں کے پروں پر بیٹھکر یا سوار ہوکر مسیح معہود بننے کا مزہ لینے کیلئے جاتے ہیں تو وہ قرآن مجید کی بات تک نہیں سنتے۔ چونکہ دمشق کے منارۃ البیضا کی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اور اسکی خالی کرسی حنفی اہل سنت والجماعت کیطرف سے مسیح ناصری کیلئے بچھائی گئی ہے۔ اس لئے حنفیوں کو اسبات کا حق حاصل ہے کہ اگر مسیح ناصری کے سوا کوئی حنفی مسلمان اس کرسی پر بیٹھ جائے تو وہ اسکو منارہ کی چوٹی سے گراکر چور چور کر دیں۔ بہتر ہو کہ احمدی یا تو مسیح کی اس خالی کرسی کو جسکے بچھانیوالے حنفی ہی ہیں۔ فوراً خالی کر دیں۔ یا پھر حنفیوں کے ہاتھ سے سنگساری منظور کریں۔ ورنہ یہ بھی کوئی بات ہے کہ حنفیوں کی طرف سے کرسی تو بچھائی جائے مسیح ناصری کیلئے اور بیٹھ جائے اسپر کوئی پنجابی! مجھے امید ہے کہ احمدی اور غیر احمدی جذبات سے اپیل کرنیکی بجائے نہایت ٹھنڈے دل سے اسبات پر غور فرمائینگے اور اپنے مذکورہ بالا عقیدہ کی تائید میں قرآن پاک کی کوئی آیت پیش کرینگے۔ ورنہ انکو سمجھ لینا چاہیے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک کیلئے آخری نبی ہیں۔ انکے بعد نہ اب مسیح آئیگا۔ نہ مہدی۔ نہ کوئی دوسرا حقیقی یا ظلی نبی۔ اور کہ قرآن مجید رب العزۃ کی آخری کتاب ہے۔ قصہ ختم۔

پریس کی تبدیلی

حنیف کا موجودہ پرچہ سوائے رنگین سرورق کے آفتاب برقی پریس امرتسر میں چھاپا گیا ہے۔ ایڈیٹر۔

پہلی فصل

کفر و اسلام

اعرافی۔ سلام صاحب!

مسلم۔ سلام! آئیے تشریف رکھیئے دکرسی دیکر،

اعرافی:۔ میں آپ کا مشکور ہوں۔

مسلم۔ جناب کا اسم مبارک؟

اعرافی۔ میرا نام اعرافی ہے۔

مسلم۔ ماشاء اللہ نام تو خوب نرالا ہے۔ کہاں سے تشریف لائے؟

اعرافی۔ اعراف سے۔

مسلم۔ کیا خوب! کیوں صاحب! یہہ شہر کس ملک میں ہے؟

اعرافی۔ آپ تو مسلم ہیں۔ آپ کو پتہ ہی ہے۔ کہ یہہ شہر کہاں ہے۔

مسلم۔ ہماری اصطلاح میں تو اعراف اس طبقہ کا نام ہے۔ جو بہشت اور دوزخ کے درمیان ہے۔

اعرافی۔ بس بس جناب میں اسی طبقہ کا رہنے والا ہوں۔ اور وہاں سے ہی آرہا ہوں۔

مسلم۔ ماشاء اللہ! آپ بڑے زندہ دل واقع ہوئے ہیں۔ کیوں صاحب آپ اس طبقہ میں کیسے پہنچ گئے؟

اعرافی۔ کفر و اسلام میں جنگ ہو رہا تھا۔ میں نے یہی مناسب سمجھا کہ ان دونوں

سے کنارہ کش ہوجاؤں۔ اور اعراف میں ڈیرہ لگادوں چنانچہ اسوقت
سے لیکر تمام ایندم میں وہاں ہی رہتا ہوں۔ بڑے آرام میں ہوں +
مسلم۔ تو پھر اعراف کا آرام چھوڑکر دوبارہ ایک مسلم کے پاس آنیکی وجہ؟
اعرافی۔ میں نے سنا ہے۔ کہ آپ اسلام کو ایک نئی شکل میں پیش کرتے ہیں میں نے
سمجھا چلو آپ سے ملیں۔ شاید آپ کی بات مجھے پسند آجائے۔ اور
میں اسلام کو قبول کرلوں +
مسلم۔ یہہ آپ کا حسن ظن ہے۔ میں تو اسلام کو نہ نئی شکل میں پیش کرتا ہوں نہ
پرانی میں۔ بلکہ اسلام کی جو اصلی شکل ہے۔ اسی کو پیش کرتا ہوں +
اعرافی۔ جناب! میں بھی اسی شکل کو دیکھنا اور قبول کرنا چاہتا ہوں +
مسلم۔ تو پھر بسم اللہ کیجیے۔
اعرافی۔ میں یوں تو بسم اللہ کرنیکا نہیں۔
مسلم۔ اچھا جیسے آپ کی مرضی۔
اعرافی۔ میری مرضی تو یہہ ہے۔ کہ پہلے آپ میرے سوالات کا جواب دیدیں +
مسلم۔ بہت بہتر۔ ارشاد فرمایئے +
اعرافی۔ سب سے پہلے میں یہہ جاننا چاہتا ہوں۔ کہ آپ کا اپنا مذہب کیا ہے؟
مسلم۔ میرا مذہب اسلام ہے +
اعرافی۔ (مسکراکر) یہہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ آپ مسلمان ہیں۔ اور آپ اسلام کو
مانتے ہیں۔ مگر میرا مطلب یہہ ہے۔ کہ آپ کا اصلی مذہب کیا ہے۔ سلام
تو کوئی اصلی مذہب نہیں۔ ہے +
مسلم۔ معاف کرنا۔ مجھے آپ کے اس سوال پر ایک لطیفہ یاد آگیا۔ اگر اجازت
ہو تو عرض کردوں +
اعرافی۔ بڑے شوق سے۔
مسلم۔ کسی شہر میں برہمنوں کے گھر دعوت ہو رہی تھی۔ بہت سے مہمان جمع تھے۔
انواع و اقسام کے کھانے پک رہے تھے۔ ایک بھوکا میراسی بھی ادھر
سے گذرا۔ بوقلموں کھانے دیکھکر اس کا جی للچایا۔ سوچنے لگا۔ کہ اگر میں بھی

ان کی پنگتی (صف) میں بیٹھ جاؤں۔ تو کیا مزے کا کھانا ملیگا۔ گھبرایا گھڑے کے نیچے سے مٹی کھرچ کر ماتھے پر لگا لی۔ اور چرخے کی مال توڑ کر گلے میں ڈال۔ الٹی سیدھی پگڑی کر مہمانوں میں جا بیٹھے۔ صاحب خانہ مہمانوں کے ہاتھ دھلا کر پوری کچوری لانے لگے۔ مگر انہوں نے میراثی کو اجنبی سا دیکھکر پوچھا کہ آپ کون لوگ ہوتے ہیں؟ میراثی بولا۔ کہ ہندو! برہمن نے کہا۔ یہہ تو میں نے مانا کہ آپ ہندو ہیں۔ مگر کون ہندو؟ میراسی نے جھٹ کہدیا۔ کہ برہمن۔ صاحب خانہ نے پوچھا۔ کہ کون برہمن؟ میراسی نے اس کا بھی فوراً جواب دیدیا کہ گوڑ برہمن! صاحب خانہ نے پھر پوچھا۔ کہ کون گوڑ؟ میراثی کی معلومات کا ذخیرہ ختم ہو چکا تھا۔ اس نے سمجھا۔ کہ گوڑ کہنے پر چھٹکارا ہو جائے گا اور روٹی مل جائے گی۔ مگر جب سلسلہ اور آگے بڑھتا نظر آیا۔ تو وہ حیران ہو کر بولا "توبہ اللہ گوڑوں کے بھی اگر پگوڑ ہوتے ہیں۔ تو بندہ ایسی روٹی سے باز آیا"! میراسی کے منہ سے توبہ اللہ کا نکلنا تھا کہ صاحب خانہ نے اس کو مسلمان جان کر باہر نکال دیا۔

اعرابی۔ واقعی لطیفہ تو مزیدار ہے۔ مگر میرے سوال سے اس کا کیا تعلق ہے؟

مسلم۔ میرا مطلب یہہ ہے۔ کہ آپ صرف اسی پر اکتفا کریں۔ کہ میں مسلم ہوں۔ اور کہ میرا اصلی مذہب اسلام ہی ہے۔ اس سے زیادہ پہچان اور کچھ نہیں ہے۔

اعرابی۔ صاحب! آپ میری بات کو کیوں ٹالتے ہیں۔ میرا مدعا تو یہہ ہے کہ آپ شیعہ ہیں۔ سنی ہیں۔ مالکی ہیں۔ شافعی ہیں۔ احمدی ہیں۔ اہل حدیث ہیں۔ مقلد ہیں۔ غیر مقلد ہیں۔ آخر آپ کا اصلی مذہب ہے کیا؟

مسلم۔ آپ کے اس سوال پر مجھے ایک اور لطیفہ یاد آگیا ہے۔ کہیے تو وہ بھی سنا دوں؟

اعرابی۔ آپ لطیفہ تو بے شک سنائیں۔ مگر میرے سوال کو نہ ٹالیں۔

مسلم۔ نہیں نہیں۔ میں آپ کے سوال کو نہیں ٹالوں گا۔ بلکہ آپ کے

سوال کا ہی جواب دے رہا ہوں۔ کہا جاتا ہے۔ کہ جب سکندر اعظم مرنے لگا۔ تو اس کی ماں نے رو کر پوچھا۔ کہ بیٹا۔ مجھے کیونکر تسلی ملیگی؟ سکندر نے جواب دیا۔ کہ ماں جب میں مر جاؤں تو میرے مرنے کے تیسرے دن بعد میری قبر پر جا کر آواز دینا۔ وہاں سے تجھے جو جواب ملیگا۔ اس سے تیری تسلی ہو جائے گی۔ چنانچہ جب سکندر مر گیا۔ اور اس کا کفن دفن ہو چکا۔ تو تیسرے دن اس کی ماں نے قبرستان میں جا کر اپنے بیٹے کی قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر آوازیں دینی شروع کیں سکندر! سکندر بیٹا سکندر! تو جواب تو دے۔ دیکھ میں کب سے تجھے پکار رہی ہوں۔ بڑھیا بہت دیر تک آوازیں دیتی رہی۔ آخر قبر کے ایک طرف سے آواز آئی۔ اری بڑھیا۔ تو کون سے سکندر کو پکارتی ہے؟ بڑھیا نے کہا۔ وہی سکندر۔ جو سکندر اعظم کے نام سے مشہور ہے۔ اور جس کی تمام دنیا پر سلطنت تھی۔ دوسری دفعہ پھر آواز آئی کہ ایسے ہزاروں سکندر یہاں دفن پڑے ہیں۔ تیرے سکندر کو کون جانتا ہے۔ بڑھیا نے کہا۔ کہ ہیں! یہاں میرے سکندر جیسے ہزاروں دبے پڑے ہیں۔ تو پھر میرے رونے چلانے سے کیا فائدہ۔ چنانچہ وہ صبر شکر کر کے گھر میں جا بیٹھی +

اعرابی۔ تو کیا جناب کا اس سے یہ مطلب ہے کہ میں اسلام میں نہ آؤں۔ واپس گھر چلا جاؤں؟

مسلم۔ نہیں میرا مطلب یہ نہیں ہے۔ بلکہ مدعا یہ ہے۔ کہ آپ اسلام میں آ تو بے شک آئیں۔ مگر اسلام میں آ کر اس بڑھیا کی طرح کسی خاص مذہب یا فرقہ کی تلاش نہ کریں۔ کیونکہ اسلام کا قبرستان بہت وسیع ہے۔ یہاں سینکڑوں ہزاروں فرقے دفن پڑے ہیں۔

اعرابی۔ تو کیا آپ کا ان فرقوں سے کسی کے ساتھ تعلق نہیں؟

مسلم۔ نہ صاحب! ان فرقوں میں سے میرا کسی ایک کے ساتھ بھی تعلق نہیں ہے۔ گو شروع شروع میں مجھے خیال ہوا تھا۔ کہ مجھے بھی کسی نئی یا پرانی قبر میں گھس جانا چاہئے مگر میں نے یہی مناسب سمجھا کہ۔

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ — چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

اعرابی۔ تو معلوم ہوا۔ آپ مسلمان تو ہیں۔ مگر لامذہب ہیں!

مسلم۔ لامذہب تو دنیا میں کوئی بھی شخص نہیں ہے۔ اس لئے کہ "لامذہبی" بھی بذات خود ایک مذہب ہے۔ میں نے تو عرض کر دیا کہ میرا مذہب اسلام ہے۔

اعرابی۔ یہ تو ٹھیک ہے۔ مگر مشکل یہ ہے۔ کہ اگر میں اسلام میں آؤں تو کونسے فرقہ میں شمولیت کروں۔ اسی لئے تو میں آپ سے بار بار پوچھ رہا ہوں۔ کہ آپ کا کس فرقہ سے تعلق ہے۔ تاکہ میں بھی اسی میں شامل ہو جاؤں +

مسلم۔ میں نے عرض کر دیا کہ میں مسلم ہوں۔ میرا مذہب اسلام ہے۔ اگر آپ رب العزۃ کی وحدانیت کے قائل ہیں۔ تو میں آپ کو اسی اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔

اعرابی۔ اگر کا تو یہاں سوال ہی نہیں ہے۔ میں رب العزۃ کی وحدانیت کا قایل ہوں +

مسلم۔ اگر آپ اس کی وحدانیت کے قایل ہیں۔ تو آپ کو یہ بھی تسلیم کرنا چاہیے کہ وہ رب العزۃ اپنے بندوں کی رہبری کے لئے کوئی نہ کوئی سامان ضرور کرتا رہتا ہے +

اعرابی۔ ہاں میں اس کا بھی قایل ہوں کہ رب العزۃ نے اپنے الہام کے ذریعہ ہر ایک زمانہ میں اپنے بندوں کی رہبری کی ہے۔ مگر میں اس بات کا قایل نہیں ہوں کہ قرآن مجید بھی اس کا کلام ہے۔ کیونکہ میرا خیال ہے۔ کہ اگر قرآن مجید اس کا کلام ہوتا۔ تو مسلمان ایک ہی خدا۔ ایک ہی رسول۔ اور ایک ہی قرآن کو مانتے ہوئے سینکڑوں فرقوں میں تقسیم ہو کر آپس میں جنگ و زرگری نہ کرتے۔

مسلم۔ آپ نے بہت بڑی چھلانگ ماردی ہیں چاہتا ہوں۔ کہ آپ ذرا آہستہ آہستہ چلیں۔ یوں چھلانگیں مارنے سے آپ بہت جلد تھک جائینگے آپ قرآن مجید کو الہامی مانیں یا نہ مانیں۔ مگر آپ اتنا تو مانتے ہیں۔ کہ الہام بھی کوئی چیز ہے؟

اعرابی۔ ہاں الہام کا تو میں قائل ہوں مگر میں جبرئیل کے ذریعہ وحی کے نزول

قائل نہیں ہوں جیسا کہ مسلمانوں کا خیال ہے۔

مسلم۔ آپ نے پھر چھلانگ ماردی۔ میں نے تو نہ جبریئل کا ذکر کیا۔ نہ اسرافیل کا۔ سردست تو میں آپ کے پہلے ہی سوال کا جواب دینا چاہتا ہوں

اعرابی۔ بہت بہتر پہلے اسی کو حل کر دیجئے۔

مسلم۔ جب آپ رب العزۃ کی ذات کے قائل ہیں تو آپ یہہ بھی تسلیم کرینگے کہ رب العزۃ جو بھی ارشاد کرتا ہے وہ درست ہوتا ہے؟

اعرابی۔ کیوں نہیں۔

مسلم۔ آپ قرآن مجید کو الہامی مانیں۔ یا نہ مانیں۔ مگر چونکہ بطور مسلم کے میں اسکو الہامی مانتا ہوں۔ اس لئے میرا یہہ عقیدہ ہے کہ اس میں جو کچھ لکھا ہے وہ درست ہے۔ چنانچہ اسی قرآن پاک میں یہہ دعوی کیا گیا ہے۔ کہ

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ حَدِیْثًا (النساء۔ ع)

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیْلًا (النساء ع)

یعنے رب العزۃ سے بڑھکر کسی کی بات زیادہ سچی اور کسی کا قول زیادہ صحیح نہیں ہو سکتا۔

اعرابی۔ مگر اس کے پیش کرنے سے آپ کا مطلب کیا ہے؟

مسلم۔ میرا مطلب اس سے یہہ ہے کہ رب العزۃ نے میرے لئے اسلام اور مسلم دو چیزیں پسند فرمائیں۔ یعنے اگر مجھ سے پوچھا جاوے کہ میں کون ہوں تو میں جواب دوں کہ مسلم۔ اگر مجھ سے پوچھا جاوے۔ کہ میرا مذہب کیا ہے۔ تو میں جواب دوں کہ اسلام۔

اعرابی۔ مگر اس کا ثبوت کیا ہے؟

مسلم۔ اس کا ثبوت خود رب العزۃ کا ہی کلام ہے۔ وہ فرماتا ہے۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ۔ یعنے رب العزۃ کے نزدیک دین حقیقی یہی اسلام ہے۔ چنانچہ اس نے خود فرمایا ہے۔ کہ۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ۔ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ (المائدہ ع)

"اے میرے بندو! میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا - اور اپنی اس نعمت کو تمام وکمال تم کو دیدیا - اور میں نے تمہارے لیے اسی دین اسلام کو پسند کیا ہے "

صرف یہی نہیں بلکہ :-

ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِیْ ھٰذَا لِیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ شَھِیْدًا عَلَیْکُمْ وَتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ (المومنون ع)

رب العزۃ نے اے اسلام والو! تمہارا نام مسلم رکھدیا ہے شروع سے لیکر تا ایں دم تمہارا یہی نام ہے - رسول نے تمہیں اسی کی شہادت دی ہے اور تم بھی لوگوں کے سامنے اسی کی شہادت دو +

اعرابی - یہہ تو بہت ٹھیک ہے - مگر پھر یہہ شیعہ سنی - اہل حدیث - اہل قرآن مقلد غیر مقلد - احمدی - وہابی - کہاں سے نکل آئے +

مسلم - جیسے گوڑ کے پگوڑ بنے - ویسے یہہ بھی بن گئے - رب العزۃ کے دئے ہوئے نام کے مقابلہ پر یہہ انسان کے تراشیدہ نام محض فضول ہیں -

اعرابی - کیا رب العزۃ نے قرآن پاک میں یہہ ذکر نہیں کیا - کہ ہم نے تم کو شیعہ بنایا یا سنی بنایا یا حنفی بنایا - وہابی بنایا یا مقلد یا غیر مقلد بنایا - اہل حدیث یا اہل قرآن بنایا - احمدی یا قادیانی بنایا ؟

مسلم - ہرگز نہیں مطلق نہیں -

اعرابی - تو پھر مسلمانوں میں اتنے فرقے ہو کیسے گئے ؟

مسلم - میں نے عرض کر دیا کہ جیسے ہندوؤں میں برہمن - برہمنوں میں گوڑ - اور گوڑوں میں پگوڑ بن گئے - اور آپس میں لڑنے بھڑنے لگ گئے - اسی طرح یہاں بھی بن گئے +

اعرابی - مگر کیا یہہ نقشبندی چشتی - مجددی - سہروردی - مودودی - وغیرہ کا بھی رب العزۃ نے قرآن مجید میں کہیں نام نہیں لیا ؟

مسلم - ہرگز نہیں -

اعرابی - تو پھر مجھے تو یہہ سب چاولوں کی رکابی کا ہی جھگڑا معلوم ہوتا ہے +

مسلم۔ اگر جادوں کی رکابی کا ہی معاملہ ہوتا تو جبر مضایقہ نہیں تھا۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ۔ سب مومن مسلم آپس میں بھائی ہیں۔ مل جل کر کھا لیتے تو کیا حرج تھا۔ مگر غضب تو یہہ ہے۔ کہ رکابی بیچ میں دھری ہے۔ اور یہہ لڑ رہے ہیں حالانکہ رب العزۃ نے کہہ بھی دیا تھا۔ کہ

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ الانعام ع ۱۹

دیکھو۔ ہم تمہیں پہلے ہی سمجھا دیتے ہیں کہ اسلام ہی شاہراہ ہے۔ اسی پر چلنا۔ کہیں پگ ڈنڈیوں پر نہ پڑ جانا۔ کیونکہ اگر تم پگ ڈنڈیوں پر چل کھڑے ہوئے تو صراط مستقیم سے دور جا پڑو گے اور تین تیرہ ہو جاؤ گے۔ پس ذرا بچکر چلنا۔

اعرافی۔ واقعی ٹھیک ہے۔ مسلمانوں میں جو آپس میں جوتم پیزار ہو رہی ہے۔ اسکا یہی باعث ہے کہ وہ صراط مستقیم کو چھوڑ کر پگ ڈنڈیوں پر چل پڑے کیا اسی لئے آپ نے ان فرقوں میں سے کسی کے ساتھ تعلق نہیں رکھا؟

مسلم۔ اسلام نے فرقہ بندی کی تعلیم نہیں دی۔ اور وہ انسانوں کو جھاڑیوں اور کانٹوں میں نہیں اُلجھاتا۔ بلکہ نہایت سیدھا اور نہایت آسان رستہ بتاتا ہے۔ کیا یہہ میری جہالت اور حماقت نہیں ہوگی۔ اگر میں صراط مستقیم کو چھوڑ کر خواہ مخواہ جھاڑیوں کانٹوں میں اُلجھا پھروں؟

اعرافی۔ آپ بات تو ٹھیک کہتے ہیں۔ مگر ایسے خیالات رکھکر آپ مسلمانوں کے نزدیک ایک مسلمان بھی کہلانے پا سکتے ہیں یا نہیں؟

مسلم۔ آپ نے یہہ سوال کیوں کیا؟

اعرافی۔ اس لئے کہ میں دیکھتا ہوں مسلمانوں کے ایک فرقہ نے دوسرے فرقہ پر کفر و ارتداد کا فتویٰ لگا کر دائرہ اسلام سے خارج کر رکھا ہے۔ کیا آپ بھی تو کافر و مرتد نہیں سمجھے جائیں گے؟

مسلم۔ قرآن پاک کی تعلیم یہہ ہے۔ کہ کافروں کو مسلمان بناؤ۔ رب العزۃ نے یہہ

کہیں نہیں کہا۔ کہ تم مسلمانوں کو کافر بناؤ۔ اگر کوئی مسلمان مجھے کافر سمجھ لے تو اس کا گناہ اس کی گردن پر ہے۔ مجھے اس سے کیا نقصان پہنچ سکتا ہے؟

اعرابی لیکن اگر مسلمان آپ کو کافر و مرتد سمجھ کر آپ کی گردن ماردیں تو پھر؟

مسلم۔ اس کا گناہ بھی گردن مارنے والوں کی گردن پر ہوگا۔ اس لئے کہ رب العزۃ نے فرمایا ہے:۔

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا أَلِيمًا (النساء ع ۱۳) +

اگر کوئی مومن و مسلم کو دیدہ و دانستہ قتل کر ڈالے تو مرنے کے بعد ایسے قاتل کی سزا جہنم ہے۔ ایسا قاتل اسی جہنم میں سڑتا رہیگا۔ مگر زندگی میں بھی رب العزۃ کا ایسے قاتل پر غضب نازل ہوگا۔ اور اس پر لعنت پڑیگی اور آخرت میں تو اس کو عذاب الیم دیا ہی جاوے گا +

اعرابی۔ مگر قاتل نے تو کافر سمجھکر قتل کر دیا۔ وہ تو مقتول کو مسلمان ہی نہیں سمجھتا تھا۔

مسلم۔ اس کے سمجھنے یا نہ سمجھنے سے کیا تعلق۔ رب العزۃ خود فرماتا ہے کہ امن و صلح کی حالت میں ہی نہیں۔ بلکہ اثنائے جنگ میں بھی اس بات کا خیال رکھو۔ کہ

إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (النساء ع ۱۳)

جن لوگوں سے تم جنگ کرنے لگے ہو۔ پہلے اچھی طرح دریافت کر لو۔ کہ کہیں وہ مسلمان تو نہیں ہیں۔ اگر وہ مسلمان ہوں تو ان کو لوٹ مار کے بہانے سے یہ نہ کہدو۔ کہ تم مسلمان ہی نہیں ہو۔ اس لئے تمہارا خون یا مال ہمارے لئے حلال ہے +

اعرابی لیکن اگر کسی مسلمان نے غلطی سے کسی دوسرے مسلمان کو مار ڈالا تو پھر؟

مسلم۔ ایسی صورت میں رب العزۃ فرماتا ہے:۔

وَمَنْ قَتَلَ مُوْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِیْرُ رَقَبَۃٍ مُّوْمِنَۃٍ وَّ دِیَۃٌ مُّسَلَّمَۃٌ اِلٰٓی اَھْلِہٖ۔

اگر کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو غلطی سے بھی قتل کر بیٹھے تو قاتل کو چاہیے کہ وہ اس خون کے عوض وارثان مقتول کو معاوضہ دے۔ اور ایک غلام کو آزاد کرے۔

اعرابی۔ تو پھر یہ جو مسلمانوں کے ایک فریق کی طرف سے دوسرے فریق پر کفر و ارتداد اور واجب القتل کے فتوے لگائے جاتے ہیں اسکی وجہ کیا ہے؟

مسلم۔ اس کی وجہ دین نہیں بلکہ دنیا ہے۔ ورنہ اسلام کی دینی کتاب قرآن مجید میں مومن و مرتد کا قتل تو ایک طرف کسی غیر مسلم کو بھی اس کے مذہب کی بنا پر قتل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ مرتد کا معاملہ بھی رب العزۃ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ اگر کہا تو صرف اتنا کہ :

وَمَنْ یَّرْتَدِدْ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَیَمُتْ وَھُوَ کَافِرٌ فَاُولٰٓئِکَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ۔ البقرہ ع

اے مسلمانو! تم میں سے اگر کوئی شخص رب العزۃ کے دین پاک سے منحرف ہو جائیگا۔ اور وہ اسی حالت کفر میں مر جائیگا۔ تو دین و دنیا میں اس کے اعمال ضایع ہو جائیں گے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ۔ (المائدہ ع)

اے مسلمانو۔ اگر تم میں سے کوئی شخص رب العزۃ کے دین سے انحراف کریگا۔ تو رب العزۃ کو اس کی کیا پرواہ ہے۔ وہ بنت اسلام کسی ایسی قوم کو دیدے گا جو خدا کی پیاری اور رب العزۃ سے محبت کرنیوالی ہوگی رب العزۃ نے قرآن پاک میں یہ کہیں بھی ارشاد نہیں فرمایا۔ کہ اگر کوئی مسلمان مرتد ہو جائے تو اس کو قتل کر ڈالو۔ چہ جائے کہ وہ یہ فرمائے۔ کہ کسی کلمہ گو مومن و مسلم کو بھی کسی فروعی اختلاف کی بنا پر کافر و مرتد قرار دیکر

قتل کر ڈالو جس طرح آجکل کے مفتی لوگ جنت کے ٹھیکہ دار بنے پھرتے ہیں بیشک اسی طرح کسی زمانہ میں یہودیوں اور عیسیوں کا بھی یہی دعویٰ تھا۔ مگر رب العزۃ نے اس دعوی کی لغویت کو یوں ظاہر کر دیا:۔

وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ ۗ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ ۗ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۔ بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ ۔ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۔ البقرہ ع ۱۳

یہودی اور عیسائی یہ کہتے ہیں کہ بہشت میں وہی لوگ جائیں گے۔ جو یہودی ہونگے یا عیسائی۔ یہ ان کے اپنے ہی خیالی پلاؤ ہیں۔ ذرا ان سے کہو۔ کہ بھلا اپنے اس دعوے کی صداقت پر کوئی دلیل تو دو۔ دیکھو! حقیقت تو یہ ہے۔ کہ اس میں یہودی عیسائی کی کوئی تخصیص نہیں۔ بلکہ جس شخص نے بھی رب العزت کے سامنے جبین نیاز کو جھکایا اور نیک عمل کرتا رہا۔ رب العزۃ کے ہاں اس کا صلہ موجود ہے۔ اور قیامت کے دن ایسے لوگوں کے لیے کسی قسم کا خوف یا حزن و ملال نہیں ہوگا۔ صرف یہی نہیں۔ بلکہ رب العزۃ نے اس کی مزید تشریح و توضیح فرمادی ہے کہ:۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۔ البقرہ ع ۶

وہ لوگ جو مسلمان ہوئے اور وہ لوگ جو یہودی اور عیسائی اور صابئین ہیں۔ ان میں سے جو بھی رب العزۃ پر اور یوم آخرت پر ایمان لاتا ہے اور نیک کام کرتا ہے۔ ان سب کو رب العزۃ کے ہاں صلہ ملیگا۔ اور ایسے کسی خدا پرست کو قیامت کے دن کسی قسم کا خوف یا حزن و ملال نہیں ہوگا۔ قرآن پاک کی ایسی کامل و اکمل رواداری اور منصفانہ تعلیم کے ہوتے ہوئے

بھی کسی کلمہ گو کا کسی دوسرے کلمہ گو کو کافر و مرتد قرار دیکر جنت کی وراثت سے محروم کرنے کے لئے دوڑنا نعوذ باللہ رب العزۃ کے ہاتھ سے جنت کی چابیوں کو چھیننے کے مترادف ہے۔ حالانکہ اس ذات پاک نے تو یہودیوں عیسائیوں اور صابیوں تک کو محض ان کے یہودی عیسائی یا صابی ہونے کی وجہ سے جنت سے محروم نہ کہا ہو۔ مگر ایک مسلمان یہ جسارت کرے کہ وہ دوسرے مسلمان کو جنت سے محروم کرنے کا دم بھرے۔ اس سے بڑھکر لغویت کیا ہوسکتی ہے! رب العزۃ نے تو اپنے رسول کی معرفت دنیا جہان کو اتحاد و اتفاق کی یہ تعلیم دی ہو کہ:-

تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَاءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ ۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْھَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ۔ آل عمران ع

آؤ۔ ہم اور تم ایک ایسی بات پر جمع ہو جائیں جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے۔ یعنے ہم رب العزۃ کے سوا کسی دوسرے کی پرستش نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور رب العزۃ کے سوا ہم اپنے میں سے ہی کسی انسان کو اپنا خدا نہ مانیں۔ اگر لوگ اتفاق و اتحاد کے اس بہترین اصول کو ماننے سے انکار کردیں تو پھر ان کو کہدو کہ گواہ اور آگاہ رہو۔ کہ ہم تو صرف اسی ایک خدا کے ہو چکے۔ تم خواہ ہمارا ساتھ دو یا نہ دو"! کیا یہ رونے کا مقام نہیں ہے کہ قرآن پاک نے تو دنیا جہان کو رب العزۃ پر ہی ایمان لانے کی صورت میں ایک ہی لڑی میں منسلک کر دینے کا پیغام دیا۔ مگر مسلمانوں کی کیا حالت ہے؟ ان کا خدا ایک۔ ان کا رسول ایک۔ ان کی کتاب ایک۔ ان کا قبلہ ایک انکا مکہ ایک۔ انکا مدینہ ایک۔ اس پر بھی یہ کیفیت ہے۔ کہ ایک نے دوسرے پر کفر ارتداد کا فتوے لگا کر دائرہ اسلام سے خارج سمجھ رکھا ہے حیف ہے۔ ایسی سمجھ پر۔ اور تف ہے ایسی فتویٰ نویسی پر! فریسی بھی رب العزۃ کے نام پر اسی قسم کی فتویٰ نویسی کیا کرتے تھے۔ مگر رب العزۃ

نے فرمایا۔

فَوَیْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا کَتَبَتْ اَیْدِیْهِمْ وَوَیْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا یَکْسِبُوْنَ۔

البقرہ ع ۹۔

"افسوس ہے ان لوگوں پر بسبب اس کے جو ان کے ہاتھوں نے لکھا۔ اور افسوس ہے اس روٹی پر جو یہہ لوگ اس طرح حاصل کرتے ہیں"۔ اعرافی! کیا آپ نے ابھی تک نہیں سمجھا کہ مسلمانوں میں یہہ جو کفر و تکفیر و ارتداد کے فتوؤں کی گرم بازاری ہے۔ اس کی اصلی وجہ کیا ہے؟

اعرافی۔ میں نے خوب سمجھ لیا۔ کہ یہہ محض پلاؤ کی رکابی کا جھگڑا ہے۔ اور کہ اس کفر و تکفیر کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے +

مسلم۔ مگر میں تو یہہ کہتا ہوں۔ کہ جس صورت میں کہ یہہ لوگ تمام مسلمانوں کو ہی کافر مرتد بنانے کے درپے ہوں تو ان کو آخر کار چاولوں کی رکابی بھی کون دیگا۔ اگر برہمن اپنے یجمانوں کو ہی ہاتھ سے کھو دیگا۔ تو وہ نیوتہ کس کے ہاں کھائیگا۔ برہمن کے پیٹ کی خیر تو اسی صورت میں ہے جبکہ اس کے یجمانوں کا دائرہ وسیع سے وسیع ہوتا چلا جاوے۔ جب یہہ خدا اور رسول کے ماننے والوں کو ہی دائرہ اسلام سے خارج کرتے چلے جاویں گے۔ تو اخیر میں انکی ہنڈیا گرم کرنے کے لئے کیا کافر آئیں گے؟

اعرافی۔ میرے خیال میں تو ایسے تمام مفتی جو کافروں کو مسلمان بنانے کے بجائے مسلمانوں کو ہی کافر بنا رہے ہوں۔ کافر کہلائے جانے کے مستحق ہیں۔ اسی لئے تو میں کفر و اسلام سے الگ ہوکر اعراف میں جا بیٹھا۔

مسلم۔ آپ کا خیال صحیح ہے۔ مگر ان لوگوں کی حالت کو دیکھکر ہمیں اسلام سے بیزار ہوکر اعراف میں جانے کی کوشش نہیں کرنا چاہئے +

اعرافی۔ مگر قرآن مجید کی آیتوں سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا اپنے ہی بھائی مسلمانوں کے برخلاف اس قسم کے کفر و ارتداد کے فتوے لگانا صریحاً ظلم ہے +

مسلم۔ اس میں کیا شک ہے قرآن پاک بھی تو یہی کہتا ہے۔

وَمَنْ لَمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ پ

یعنے جو شخص کفر و اسلام کے معاملہ میں خاص کر ایسے معاملہ میں جس میں کسی کی زندگی اور موت کا سوال ہو۔ کلام الٰہی کے سوا کسی دوسری کتاب سے فتویٰ دیتا ہو۔ وہ ظالم ہے۔ جب قرآن مجید نے کسی مذہبی عقیدہ کی بنا پر مومن و مسلم تو ایک طرف کسی کافر و مرتد تک کے قتل کا حکم نہ دیا ہو۔ تو سمجھ لینا چاہیئے کہ ہمارے مفتیوں کے کفر و ارتداد اور قتل و رجم کے فتوے کیا وقعت رکھ سکتے ہیں۔

اعرابی۔ یہ بالکل ٹھیک ہے۔

مسلم۔ مگر میں چاہتا ہوں۔ کہ آپ کو ایک قدم اور آگے لے چلوں اور آپکو بتاؤں کہ کافر و مرتد کا قتل تو کجا بعض صورتوں میں قرآن مجید نے کفر و ارتداد کو گناہ بھی نہیں سمجھا۔

اعرابی۔ توبہ۔ توبہ آپ ایسا نہ کہیں۔ اگر کہیں مسلمانوں نے سن لیا۔ تو آپ پر ہی کفر و ارتداد کا فتویٰ لگا کر خارج البلد کر دینگے۔

مسلم۔ مفتیوں کے فتووں سے ڈر کر حقیقت کو نہیں چھپانا چاہیئے۔ اس لیے کہ رب العزۃ نے ہی فرمایا ہے۔ کہ وَلَا تَکْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ یعنے اگر تمہیں حق بات معلوم ہو تو اس کو چھپا کر مت رکھو۔ میں کہتا ہوں کہ قرآن مجید نے جو کفر و ارتداد کی اجازت دی ہے تو وہ کن حالات میں؟ اس کو پڑھ اور سن لینا چاہیئے +

اعرابی۔ میں نہایت شوق سے اس کو سننا چاہتا ہوں۔ فرمایئے +

مسلم۔ مثلاً کسی جنگ میں مسلمانوں کی فوج کفار و مشرکین کی فوج کے نرغے میں آ گئی ہے۔ افواج کفار نے مسلمانوں کو چاروں طرف محصور کر لیا ہے۔ محصورین کے پاس سامان رسد ختم ہو گیا ہے۔ اب یا تو مسلمان فاقہ سے تباہ ہو جائیں یا اپنے آپ کو کفار کے رحم پر چھوڑ کر قلعہ سے باہر نکل آئیں اور کفار کی تلوار بے پناہ کا لقمہ بنجائیں۔ یا اگر انکو کسی طرف سے کمک پہنچنے کی امید ہو تو وہ محاصرہ کی حالت میں ڈٹے رہیں یہاں تک کہ انکو کمک مل جائے۔ مگر جس صورت

ہیں کہ محصورین کے پاس طیب و حلال اشیاء کا خاتمہ ہو چکا ہو صرف حرام اشیاء موجود ہوں۔ ایسی صورت میں قرآن پاک ان کو اجازت دیتا ہے کہ وہ اشیاء ممنوعہ کا استعمال کریں۔ اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

اعرابی۔ کیا اس کے متعلق قرآن مجید کی کوئی آیت موجود ہے؟

مسلم۔ ہاں موجود ہے۔ رب العزۃ فرماتا ہے۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۔ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ البقرہ ع۔

تمہارے لئے مردار خون۔ سور کا گوشت۔ اور ایسی چیزیں جو خدا کے سوا کسی دوسرے نام سے حلال کی گئی ہوں۔ حرام کر دی گئی ہیں۔ مگر حالت اضطرار میں ان کا استعمال گناہ نہیں ہے بشرطیکہ مضطر احکام الہٰی سے بغاوت کرنیوالا اور حد سے تجاوز کرنے والا نہ ہو۔

اعرابی۔ ذرا اس کو واضح کر دیجئے۔

مسلم۔ اس کی توضیح محصور فوج کی مثال کے ذریعہ کی جا چکی ہے۔ اپنے محاصرہ کی حالت میں جبکہ ایک طرف اسلام اور مسلمانوں کے مٹ جانیکا اور کفر و کفار کے غلبہ کا احتمال ہو۔ دوسری طرف ان اشیاء ممنوعہ کے ذریعہ اپنے جسموں میں جان کو قایم رکھکر کفر و کفار کو شکست دینے کا امکان ہو۔ تو ان اشیا کا بقدر ضرورت استعمال کر لینا قرآن پاک نے گناہ قرار نہیں دیا۔

اعرابی۔ مگر اس سے کفر و ارتداد کا جواز تو ثابت نہیں ہوتا۔

مسلم۔ یہ تعلیم تو محض اس لئے پیش کی گئی ہے۔ کہ قرآن پاک نے حالت اضطرار میں اشیا ممنوعہ کا استعمال گناہ نہیں ٹھہرایا۔ اب میں آپ کے سامنے قرآن پاک کی وہ آیت پیش کرونگا جس کی رو سے کفر و ارتداد بھی بہ حالت اضطرار گناہ نہیں رہتا۔

اعرابی۔ ضرور پیش کیجئے۔

مسلم۔ مگر آیت پیش کرنے سے پہلے اس بات کو مدنظر رکھنا چاہئے کہ مسلمانوں کی دو

زبردست فوجیں کفار کی ٹڈی دل افواج کا مقابلہ کر رہی ہیں۔ لڑائی اس گھمسان کی ہو رہی ہے۔ کہ اگر خدا نخواستہ مسلمانوں کے دونوں فوجوں کے جرنیل مارے جائیں۔ تو اسلامی فوج کے پاؤں اکھڑ جائیں گے۔ ہزاروں مسلمان مرد و عورت بچے۔ بوڑھے کفار کے ہاتھ سے تہ تیغ ہو جائیں گے۔ یا لونڈی غلام بنا لئے جائیں گے۔ انکی عزت و عصمت خاک میں ملا دیجائیگی۔ مسلمانوں کی مسجدیں مسمار کر دیجائینگی۔ اور اس حصہ زمین پر سے اسلام اور مسلمانوں کا نام تک بھی مٹ جائیگا۔ فرض کیجئے۔ اس گھمسان کی لڑائی میں اسلامی فوج کا ایک جرنیل شہید ہو جاتا ہے۔ تمام فوج کی کمان کا بوجھ دوسرے جرنیل کے سر پر آپڑتا ہے مگر اتفاق بد سے جب وہ اپنی تلوار ایک کافر کی گردن نا پنے کے لئے اٹھاتا ہے تو تلوار ٹوٹ جاتی ہے۔ اور وہ نہتا رہ جاتا ہے۔ اُدھر کافر کی دو دھاری تلوار اس کے سر پر چمکتی ہے۔ اور قریب ہے کہ یہ مسلمان دو ٹکڑے کر دیا جاوے۔ اور تمام اسلامی فوج شکست کھا کر بھاگ اٹھے۔ کہ اتنے میں وہ کافر یہ شرط پیش کرتا ہے کہ اگر تو اپنے دین سے مرتد ہو جائے اور میرے بتوں پر ایمان لے آئے۔ تو میں تجھ کو چھوڑ دونگا۔ مسلمان جرنیل یہ خیال کر کے کہ اگر میں قتل کر دیا گیا تو اسلامی فوج شکست کھا جائیگی۔ اور ہزاروں مسلمان کافروں کے ہاتھ سے بیدریغ قتل ہو جائیں گے لیکن اگر مجھے اتنی مہلت ملجاوے۔ کہ میں اس کافر کے مقابلہ کے لئے نئی تلوار پا سکوں جس سے میں اس کے دو ٹکڑے کر ڈالوں۔ تاکہ اسلام اور مسلمانوں کی فتح اور کفر و کفار کا صفایا ہو جائے۔ اور مجھے اس کافر کے سامنے اپنے دین سے مرتد ہو جانے اور اس کے بتوں کا کلمہ پڑھ لینے سے ہی ایسا موقع مل سکتا ہے پس مجھے فوراً اظہار ارتداد کر دینا چاہئے چنانچہ وہ مرتد ہو جاتا ہے۔ اور آخر کار اس کا ارتداد کفر و کفار کی شکست اور مسلمانوں کی عظیم الشان فتح کا باعث بنتا ہے تو ایسے ارتداد و کفر کی قرآن مجید نے اجازت دی ہے اور اس کو گناہ نہیں ٹھہرایا۔

اعرابی۔ مگر ذرا وہ آیت مجھے بھی تو دکھائیں!

مسلم۔ بڑے شوق سے دیکھئے رب العزۃ فرماتا ہے۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ
وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ
عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۔ النحل ۱۴ع

جس شخص نے مسلمان ہونے کے بعد اللہ کا انکار کر دیا۔ اور دل کھول کر کفر میں لگ گیا۔ ایسے لوگوں کے لئے اللہ کا غضب اور عذاب عظیم ہے۔ مگر جو شخص جبر و اکراہ سے مرتد ہو گیا ہو۔ اور اس کے دل میں نور ایمان ہو، وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔

اعرابی۔ بلکہ یہ کہیئے۔ کہ ایسے فاتح جرنیل کا کفر و ارتداد باعث تحسین و آفرین ہے۔ اور درجہ شہادت سے بھی افضل ہے۔

مسلم۔ اس کی تشریح آپ فرمائیں۔

اعرابی۔ میں تو اعرابی ہوں۔ اس لئے میری تشریح آپ کے نزدیک قابل قبول نہیں ہوگی۔ ورنہ میں تو یہی کہونگا۔ کہ اگر یہ فوج کا جرنیل اپنے دوسرے بھائی جرنیل کی طرح کافر کی تلوار سے دو ٹکڑے ہو جاتا۔ تو لشکر اسلام کو سخت شکست ہو جاتی۔ خدا معلوم کتنے مسلمان۔ مرد۔ عورتیں۔ بچے۔ کفار کے ہاتھ سے قتل ہوتے۔ غلام بنتے۔ عزت و عصمت سے محروم ہو جاتے۔ مسجدیں تباہ و برباد کر دی جاتیں۔ بیشک وہ خود تو شہید ہو جاتا۔ مگر اس کی شہادت اسلام اور مسلمانوں کے حق میں سخت نقصان دہ ہوتی۔ حالانکہ اس کے برعکس اس کے تھوڑے عرصہ کے کفر و ارتداد نے نہ صرف اس کو بلکہ اسلام اور مسلمانوں کو بدترین ذلت اور ہلاکت سے بچا لیا۔ اور کفر و کفار کو مٹا دیا۔ اس لحاظ سے تو اس کا یہ چند منٹ کا کفر و ارتداد شہادت سے بھی بڑھکر افضل ثابت ہوا قرآن مجید کی اس مدبرانہ تعلیم کو دیکھکر تو میرا دل یہی چاہتا ہے کہ ابھی اسلام قبول کر لوں۔

مسلم۔ تو پھر آپ سوچتے کیا ہیں؟

اعرابی۔ مجھے سفیان اسلام سے ڈر لگتا ہے کہ میں مسلمان بھی بنجاؤں۔ اور یہ مجھے کافر مرتد ہی کہتے رہیں۔ تو میری تو وہی مثل ہوگی۔ تیلی خصم کیا۔ مگر روٹی پھر بھی روکھی ہی ملی۔

مسلم۔ آپ اسلام میں آنا چاہتے ہیں یا تبلیغ کو خصم بنانا؟

اعرافی۔ آنا تو اسلام میں ہی چاہتا ہوں۔

مسلم۔ تو پھر آپ ایسے مفتیوں کے فتووں سے کیوں ڈرتے ہیں۔ جو قرآن پاک کے اس حکم کے تحت کہ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ۔ پ۔ خود ہی اپنے فتووں کے ذریعہ اپنے اسلام کو کفر میں تبدیل کر رہے ہیں۔ قرآن پاک کے ایسے صریح حکم کی موجودگی میں کفر و ارتداد کا ہر ایک وہ فتویٰ جو مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ کے بر خلاف ہو مفتی کے منہ پر دے مارنے کی چیز ہے۔

اعرافی۔ بات تو ٹھیک ہے۔ مگر جس صورت میں کہ مسلم سوسائٹی کی تمام باگ ڈور ان ہی مفتیوں کے ہاتھ میں ہو۔ مسجدوں پر انکا قبضہ۔ قبرستان پر انکا تصرف۔ اس صورت میں اگر میں ان فرقوں سے آزاد رہ کر مسلمان بھی بنا رہوں تو میرا نماز پڑھنا۔ اُٹھنا بیٹھنا۔ بیاہ شادی جینا۔ مرنا۔ کن میں ہوگا؟ میرا جنازہ کون اُٹھائیگا میرے جنازے کی نماز کون پڑھیگا؟

مسلم۔ آپ کو بہت دور کی سوجھی۔ خدا کی زمین بہت وسیع ہے۔ جہاں چاہنا نماز پڑھ لینا۔ جنازہ کی فکر نہ کیجئے۔ مردہ سڑیگا تو مسلمان تو کیا کافر تک کوشش کرینگے کہ اس کو کہیں ٹھکانے لگاؤ۔ اسلام پر مروگے۔ اعمال صالح ہوں گے۔ تو نماز جنازہ کے لئے فرشتے صف باندھینگے۔ رہا بیاہ شادی کا معاملہ۔ سوائے کسی ایسے مرد یا عورت کے جو اپنی مرضی سے مجرد رہنا چاہے۔ دنیا میں آجتک کوئی انسان بغیر جوڑے کے نہیں رہا۔

اعرافی۔ تو کیا میں اعراف کی حالت کو ترک کر کے اسلام قبول کر لوں؟

مسلم۔ فوراً قبول کیجئے۔

اعرافی۔ مگر مشکل یہ ہے۔ کہ میں اسلام کس کے ہاتھ پر قبول کروں۔ کیونکہ مجھے ایسا کوئی مسلمان نظر نہیں آتا۔ جو فرقہ بندیوں کی قید سے آزاد ہو میں نہیں چاہتا کہ ان لوگوں میں سے کسی کے ہاتھ میں ہاتھ دوں۔

مسلم۔ آپ نے اسلام اپنے اور اپنے خدا کے لئے قبول کرنا ہے یا انسانوں کیلئے

کے لیئے؟

اعرابی۔ اپنے لیئے اور اپنے رب کے لیئے۔

مسلم۔ تو پھر سوچتے کیا ہیں۔ یہ کتاب قرآن پاک رب العزۃ کا قانون ہے۔ اس کو تسلیم کیجئے۔ اس کے اوامر ونواہی کا مطالعہ کیجئے۔ جن اعمال کے کرنے کی اس میں تاکید ہے۔ وہ کیجئے۔ جن نواہی سے بچنے کی ہدایت ہے۔ ان سے بچئے۔ بس آپ مسلمان ہیں۔

اعرابی۔ یہ تو بڑا آسان طریقہ ہے۔

مسلم۔ آسان بھی ہے۔ اور مشکل بھی ہے۔ عامل کے لیئے یہہ آسان تر ہے مگر گریزندہ کے لیئے مشکل ترین ہے۔ اسلام سے بڑھکر دنیا میں کوئی آسان اور سادہ مذہب نہیں ہے۔ اور قرآن مجید سے بڑھکر دنیا میں کوئی مذہبی کتاب انسان کا بہترین رفیق وغمگسار نہیں۔

اعرابی۔ تو کیا اس سے آپ کا یہہ مطلب ہے۔ کہ میں اہل قرآن بن جاؤں۔ کیونکہ میں نے سُنا ہے کہ مسلمانوں میں ایک فرقہ اہل قرآن بھی ہے۔

مسلم۔ میں اس فرقہ کو خوب جانتا ہوں۔ وہ فرقہ اہل قرآن کی نسبت اہل لعنت کہلائے جانیکا زیادہ حقدار ہے۔ وہ صراط مستقیم سے بہت دور جا پڑا ہے۔ اور الجھنوں میں پھنسکر رہ گیا ہے۔ حالانکہ قرآن مجید الجھنوں سے نکالتا ہے میں آپ کو ہرگز مشورہ نہیں دونگا کہ آپ اس قسم کے فرقوں میں پھنسکر پریشان ہوں +

اعرابی۔ آخر لوگوں کو پتہ کیسے لگیگا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں؟

مسلم۔ (مسکراکر) اگر یہی شوق ہے تو چار آنے کے پیسے کسی ڈھول والے کو دیکر منادی کروا دینا۔ مگر آپ اس کے لیئے اتنا فکر کیوں کرتے ہیں۔ جب چاند نکلتا ہے تو سب ہی دیکھ لیا کرتے ہیں۔ نہ منادی ہوتی ہے۔ نہ شور وغل۔ مگر پہلے یہہ تو فرمائیں کہ آپ نے اب اور کوئی سوال تو نہیں کرنا ہے۔

اعرابی۔ سوال تو ابھی میرے کئی اور باقی ہیں۔

مسلم۔ تو پھر انکو حل کر لیجئے۔

اعرابی۔ بہت بہتر۔

دوسری فصل

علم و اسلام

اعرابی - یہہ تو میں نے مان لیا۔ کہ ایک خدا۔ ایک رسول اور ایک ہی کتاب پر ایمان رکھکر مسلمانوں کا سینکڑوں فرقوں میں تقسیم ہو کر ایک دوسرے کو کافر و مرتد کہنا انکی اپنی نفسانیت اور دوکانداری کی بنا پر ہے۔ اور کہ اسلام کا اس میں کوئی قصور یا دخل نہیں ہے۔ مگر اس کی کیا وجہ ہے۔ کہ اسلام اور مسلمانوں میں جہالت روز افزوں پر ہے؟

مسلم - مسلمانوں کی جہالت کو اسلام کی طرف منسوب کرنا غلطی ہے۔

اعرابی - کیوں صاحب! اگر اسلام نے یہ تعلیم نہ دی ہوتی۔ کہ مذہب میں علم و عقل کو دخل نہیں ہے۔ تو مسلمان اتنے جاہل کیوں ہوتے۔ پس مسلمانوں کی جہالت اسلام کی ہی بدولت ہے۔

مسلم - اسلام نے کہیں بھی یہ تعلیم نہیں دی کہ مذہب میں علم و عقل کو دخل نہیں ہے +

اعرابی - واہ! آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ دروغ گویم بر روئے تو۔ کیا اسلام نے یہہ نہیں کہا۔

علموں بس کریں او یار　　اکو الف تیرے درکار
بہتا علم عزازیل نے پڑھیا　　جھنگا چھاہا اوہدا سڑیا

مسلم - ماشاء اللہ چشم بد دور آپ نے تیر تو خوب نشانہ پر مارا۔ یہہ قرآن مجید کے کون سے پارہ کی آیت ہے؟

اعرابی - یہہ تو مجھے پتہ نہیں۔ مگر جس مسلمان سے پوچھو۔ وہ یہی کہتا ہے کہ شیطان فرشتوں کا اوستاد تہا۔ اس کو اپنے علم پر گھمنڈ تھا۔ بس اسی علم نے اس کا بیڑا غرق کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ علم نہیں پڑھنا چاہئے۔ خالی ڈنڈے بجانے چاہئیں +

مسلم - خالی ڈنڈے بجانے چاہئیں - یا ڈنڈے مارنے بھی چاہئیں؟

اعرابی - آپ تو مخول کرتے ہیں حالانکہ میں نے نہایت سنجیدگی اور متانت سے اہل اسلام کا مقولہ پیش کیا ہے۔

مسلم - میں مخول نہیں کرتا ہوں میں نے ڈنڈے بازی کا احتیاط اس لئے ذکر کر دیا تھا کہ شاید آگے چل کر آپ "اہل اسلام" کا یہ مقولہ بھی پیش کر دیں۔

چار کتاباں عرشوں آئیاں پنجواں آیا ڈنڈا
ڈنڈے باجھوں بھجدا ناہیں بیدینی دا کنڈا

اعرابی - میں اس کا مطلب نہیں سمجھا۔

مسلم - اس کا مطلب یہہ ہے - عرش سے چار کتابیں نازل ہوئیں۔ مگر پانچویں کتاب ڈنڈا بھی عرش سے ہی اُترا - ڈنڈے بازی کے بغیر بے دینی کے کانٹے نہیں ٹوٹ سکتے۔

اعرابی - کیا خوب! میں بھی تو یہی کہتا ہوں کہ اسلام نے ڈنڈے بازی کی تعلیم دی ہے - جدہر دیکھو اُدہر ہی ڈنڈیت مسلمان!

مسلم - ابھی تو آپ نے میرے منہ سے "ڈنڈے بازی" کا لفظ سُنکر مجھے مورد الزام گردانا تھا۔ مگر آپ اتنی جلدی خود ہی اس کے مدعی بھی بن گئے۔ اور اپنے پہلے سوال کو بھول گئے۔

اعرابی - نہیں میں پہلے سوال کو نہیں بھولا۔ مجھے وہ بھی یاد ہے۔ مگر یہہ ڈنڈے بازی کا سوال بھی تو میں نے کرنا ہے۔

مسلم - بہت بہتر۔ مگر آپ پہلے ایک سوال کا فیصلہ کریں۔ خواہ علم و عقل کا - خواہ ڈنڈے بازی کا۔

اعرابی - اچھا تو آپ پہلے اس سوال کا ہی جواب دیں۔ کہ اسلام نے مذہب میں علم و عقل کا دخل کیوں جائز نہیں رکھا۔

مسلم - آپ نے شیطان کا نام لیا تھا کہ وہ بہت علم کی وجہ سے مردود ہوا۔ بنا بریں علم نہیں پڑھنا چاہیئے۔ کیا میں اسی سے یہ بات ثابت نہ کر دوں کہ شیطان علم کی وجہ سے راندۂ درگاہ نہیں ہوا تھا۔ بلکہ اس کی وجہ اس کی جہالت تھی؟

اعرافی۔ واہ صاحب! سارے مسلمان تو اس کو فرشتوں کا استاد مانیں۔ اور آپ اس کو جاہل کہیں!

مسلم۔ نہ وہ فرشتوں کا استاد تھا۔ نہ پڑھا لکھا۔ بلکہ وہ محض کندہ ناتراش و اجہل وجود تھا چنانچہ اس کی جہالت ہی اس کی ہلاکت کا باعث ہوئی۔

اعرافی۔ کیونکر؟

مسلم۔ اگر آپ چند منٹ تک خاموشی سے سُننا پسند کریں تو میں اس معاملہ پر اور آپ کے سوال و جواب پر کچھ روشنی ڈالتا ہوں۔

اعرافی۔ میں خاموشی سے سنونگا۔ آپ بیان فرمائیں۔

مسلم۔ بہت بہتر۔ آپ نے فرمایا ہے کہ اسلام نے یہہ تعلیم دی ہے کہ مذہب میں علم و عقل کو دخل نہیں۔ اس بات کی تائید میں آپ نے ایک بازاری تک بھی پیش کی ہے۔ جو نہ قرآن مجید کی آیت ہے۔ نہ کسی عالم و فاضل کا قول ہے۔ میں قرآن پاک سے ہی اس بات کو ثابت کرونگا کہ مذہبی معاملات میں علم و عقل سے کام لینے اور اس پر غور و تدبر کرنے کی جس قدر زور شور کے ساتھ قرآن مجید نے تعلیم دی ہے۔ اسکی نظیر دنیا کی کسی دوسری مذہبی کتاب میں موجود نہیں ہے۔ میں تو یہہ کہونگا کہ اسلام کی بنیاد ہی علم و عقل پر ہے۔ اور کہ اسلام جہلا کا مذہب نہیں ہے۔ بلکہ وہ عالموں فاضلوں کا اور عقلمندوں کا مذہب ہے چنانچہ قرآن پاک کی ہی آیات مقدسہ سے یہہ ثابت ہوتا ہے کہ سب سے پہلا دعویٰ جو انسان نے اس دنیا میں آنکھ کھولتے کے ساتھ ہی کیا وہ علمیت کا دعوےٰ تھا۔ اور سب سے پہلی نعمت جو خداوند قدوس نے انسان کو اس دنیا میں ظاہر کر کے عطا کی تھی۔ وہ علم کی نعمت تھی اور سب سے پہلی بحث جو انسان نے اس دنیا میں آنکھ کھولتے کے ساتھ ہی کی وہ علمی بحث تھی۔ اور سب سے پہلی فتح جو انسان نے اس دنیا میں آنکھ کھولتے کے ساتھ ہی حاصل کی وہ علمی فتح تھی۔ اور سب سے پہلی سلطنت جو انسان نے اس دنیا میں قایم کی وہ علم کی سلطنت تھی۔ اور سب سے پہلی تلوار جو انسان نے اس دنیا میں اپنے مخالفوں کو مطیع کرنے کے لئے چلائی وہ علم کی تلوار تھی۔ چنانچہ اس علمی دعویٰ۔ اس علمی نعمت۔ اس علمی بحث اس علمی فتح۔ اس علمی سلطنت۔ اور اس علمی تلوار کا ذکر قرآن مجید نے نہایت ہی عمدہ

طور پر بدیں الفاظ کیا ہے:-

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً
قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ
وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ
مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ
عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ
اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ
فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝ وَاِذْ قُلْنَا
لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰى
وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ - (سورۃ البقرہ ع ۴)

جب ایک علم دوست قرآن مجید کی ان آیتوں پر نظر ڈالتا ہے۔ اور ان پر تدبر کرتا ہے۔ تو وہ اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ قرآن پاک نے علم کو ایسی طاقت تسلیم کیا ہے۔ کہ جس کے ذریعہ سڑی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ہوا انسان فرشتوں پر بھی فتح حاصل کر سکتا اور ان کو اپنے سامنے سر جھکانے کے لئے مجبور کر سکتا ہے۔ اگر ہم ان کے لفظوں کی ظاہری بندش کو مدنظر رکھتے ہوئے صرف وہی معانی لیں۔ جو کہ بغیر کسی قسم کی تغییر کے ان آیتوں کے الفاظ میں دیئے ہیں۔ اور ہم اس کو زمانہ گذشتہ کا ایک مقامی واقعہ ہی تسلیم کریں۔ تو بھی ہمیں یہ ضرور ماننا پڑیگا کہ آدم اور فرشتوں میں جو علمی بحث ہوئی۔ اس بحث کا فیصلہ ثالث نے آدم کے حق میں کیا۔ کیونکہ آدمؑ کا علم فرشتوں کے علم سے اعلیٰ و افضل تھا۔ اسی علمی فضیلت کی بنا پر فرشتوں نے آدم کے سامنے سر جھکا دیا جس صورت میں کہ ہمارے جد امجد نے محض علمی طاقت کے ذریعہ فرشتوں پر فضیلت حاصل کی ہو۔ اور فرشتوں نے بھی اس کی علمی فضیلت کو تسلیم کیا ہو۔ اس صورت میں یہ کہنا کہ اسلام اور قرآن مجید نے اسی جد امجد کی اولاد کو مذہبی معاملات میں علم و عقل سے کام لینے کی اجازت نہیں دی۔ اسلام پر

محض بہتان و افترا ہے۔ مگر ایک شخص جو آدمؑ اول کی پیدائش کا فرشتوں اور نہ ابلیس کے وجود کا منکر ہے۔ وہ یہہ کہتا ہے۔ کہ قرآن مجید کی ان آیتوں سے بیشک علم کی فضیلت تو ثابت ہوتی ہے لیکن اس بات کا کیا ثبوت کہ آدمؑ اور فرشتوں کا یہہ قصہ درحقیقت سچ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہہ قصہ ہی محض بناوٹ ہے۔ کیونکہ نہ آدمؑ پیدا ہوا۔ نہ فرشتونکا وجود ہے۔ نہ شیطان ہے۔ جب یہہ کچھ بھی نہیں تھا اور کچھ بھی نہیں ہے۔ تو پھر آدمؑ اور فرشتوں کا جو یہہ ڈراما گھڑا گیا ہے۔ یہ بھی محض بناوٹ ہی ہے۔ اس گھڑنت سے کیا فائدہ؟ اگر بفرض محال یہ مان بھی لیا جاوے۔ کہ اس قسم کا کوئی تواریخی یا مقامی واقعہ ہوا تھا۔ تو ہمیں اس سے کیا؟ وہ زمانہ گذر گیا۔ اس کے ساتھ ہی یہ واقعہ بھی رفت وگذشت ہو گیا۔ اب زندوں کے سامنے یہہ گڑے مردے اکھاڑنے سے کیا فائدہ؟ کیونکہ اب ہمارے سامنے نہ آدم ہے۔ نہ ہم کہیں فرشتونکا نام پاتے ہیں۔ نہ کہیں ابلیس کی شکل نظر آتی ہے۔ یہہ اعتراض نہایت معقول ہے۔ مگر میں کہتا ہوں۔ کہ آدمؑ نے جو علم کی طاقت سے فرشتوں پر بزرگی یا فتح حاصل کی وہ محض زمانہ ماضی کا ایک مقامی واقعہ ہی نہیں تھا۔ بلکہ یہہ ایک عالمگیر اصول ہے۔ جو اس وقت بھی ہمارے سامنے عمل کر رہا ہے۔ وہی خدا۔ وہی ملائکہ۔ وہی خلیفہ۔ وہی آدم۔ وہی ابلیس۔ وہی جنت اس وقت بھی ہمارے سامنے موجود ہیں۔ اور ہم اپنی آنکھوں سے اس تمام ڈرامے کو دیکھ رہے ہیں۔ ہم یہہ بھی دیکھ رہے ہیں۔ کہ آدمؑ اس وقت بھی علم کی تلوار کے ذریعہ ملائکہ کو مغلوب کر رہا ہے۔ ہم یہہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ آدم ہماری آنکھوں کے سامنے ممنوعہ درخت کا پھل کہانے کی پاداش میں جنت سے نکالا جا کر دکھ اٹھا رہا ہے۔ اور جب ہم اپنی آنکھوں سے اس ڈرامے کو دیکھ لیتے ہیں تو قرآن مجید کی صداقت پر نہ صرف ہمارا اعتقاد مضبوط ہو جاتا ہے۔ بلکہ ہمارا الیقین عین الیقین ہو جاتا ہے۔ جس وقت اس ڈرامے کا پہلا پردہ ہماری آنکھوں کے سامنے سے اٹھتا ہے۔ تو ہماری نظر ایسی مخلوق پر پڑتی ہے جن کی شکلیں بڑی نورانی ہیں۔ جو بڑے ہی خداترس اور خداپرست دکھائی دیتے ہیں۔ وہ خدا کی تسبیح اور تقدیس کرتے نظر آتے ہیں۔ رات دن خدا کی پوجا کرتے رہنا ہی اُن کا شغل اور اُن کا کام ہے۔ وہ دنیا

وما فیہا سے بالکل لاپرواہ اور زمانہ کی ہوا سے قطعی بے آگاہ ہیں۔ وہ اپنی حالت اور اپنے ارد گرد کے حالات میں کسی قسم کی تبدیلی کے خواہشمند نہیں ہیں۔ اُن کو اپنے زہد و اتقا۔ اپنی پوجا پاٹھ۔ تسبیح و تقدیس پر بڑا ناز اور بھروسہ ہے۔ یہاں تک کہ وہ خدا کو بھی اس کے کاموں میں مشورہ دینے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ اگر موقع ملے تو وہ خدا کی کسی تجویز کے برخلاف پروٹسٹ کرنے سے بھی نہیں جھجکتے۔ نہ ہی وہ اپنے علم و فضل سے کسی دوسرے کے علم و فضل کو بڑا سمجھتے ہیں۔ وہ اپنے آپکو سب سے افضل اور دوسروں کو اپنے سے کمتر سمجھنے کے عادی ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں۔ کہ خدا کے نام کی مالا جپتے جانا اور دوسروں پر فسادی۔ خونی۔ فتنہ پرداز وغیرہ کا فتویٰ لگاتے جانا ہی اُن کی زندگی کا مقصد ہے۔ پوجاریوں کے اس گروہ کو قرآن مجید میں ملائکہ یا فرشتوں کے نام سے پکارا گیا ہے۔ جب اس ڈرامے کا دوسرا پردہ اُٹھتا ہے تو ہم اس پہلی قسم کی مخلوق کو ایک دوسری قسم کی مخلوق کے برخلاف سرگوشی کرتا ہوا پاتے ہیں۔ چونکہ اس کائنات کے ناظم کی طرف سے کائنات کے سٹیج پر ایک ایسی مخلوق کے لانے کا انتظام کیا گیا ہے۔ جس کو نہ اپنی پیدائش پر ناز ہے۔ نہ اپنی شکل و صورت پر فخر ہے۔ نہ اپنے زہد و اتقا پر بھروسہ ہے۔ نہ اپنی پوجا پاٹھ کا گھمنڈ ہے۔ بلکہ وہ اپنے آپ کو محض ایک خاکی وجود سمجھتا ہے۔ جو کہ سڑی ہوئی مٹی سے اُٹھایا گیا ہے۔ وہ خاک سے پیدا کیا گیا ہے۔ اور خاکساری کی مثال ہے۔ وہ ملائک کی نظر میں ایک نفرت کی چیز ہے۔ وہ نہیں چاہتے کہ سٹیج کا ناظم ایسے خاکی وجود کو اُن میں لائے۔ یا اُن پر اُس کو فضیلت دے۔ اس مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے وہ سٹیج کے ناظم کو مشورہ دیتے ہیں کہ یہ خاکی وجود جس کو تو سٹیج پر لانا چاہتا ہے فتنہ و فساد برپا کریگا۔ یہ مفسد و خونی ہوگا۔ کیا ضرورت ہے کہ تو ایسے فسادی کو پیدا کرے۔ یہ ایک بڑی بھاری جسارت ہے۔ جو اس پوجاری کلاس سے ظہور میں آتی ہے۔ مگر سٹیج کا ناظم اس پوجاری کلاس کو اُنکے پوجا پر گھمنڈ کرنے اور اُن کی اس فتویٰ بازی پر اور اُن کے بلا مانگے مشورہ پر ڈانٹ بتاتا ہے۔ اور وہ اس خاکی وجود کو جو ملائک کی نظر میں ایک نفرت کی چیز ہے علم و عقل کے زیور سے آراستہ کرتا ہے۔ وہ اس کو زمانہ کے سرد و گرم سے بھی آگاہ کرتا ہے۔ وہ اس کو صرف پوجا کرنے کا علم ہی نہیں دیتا۔ بلکہ

اُس کو ان تمام علوم سے بھی آراستہ و پیراستہ کرتا ہے۔ جن کے ذریعہ وہ کائنات کے مختلف طبقات کو مطیع و منقاد کر کے اُن کو اپنے لیئے اور اپنے آپ کو اُن کے لیئے مفید ثابت کر سکے۔ سٹیج کا ناظم علم کل ہے۔ عقل کل ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس خاکی وجود کو جس پر پوجاری گروہ نے خونی اور فسادی کا فتویٰ لگایا اور اس کو حقارت کی نظر سے دیکھا علوم و فنون کے زیور سے آراستہ کر کے ملائک یا پوجاریوں کی جماعت پر بھی فضیلت دیکر اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کا ثبوت دے۔ جب اس ڈرامے کا تیسرا پردہ اٹھتا ہے۔ تو ہم دیکھتے ہیں۔ کہ کائنات کے اسی سٹیج پر ایک طرف تو پوجاریوں یا ملائک کا گروہ ہے جن کو اپنی عبادت یا پوجا پاٹھ پر اپنے زہد و اتقا پر۔ اپنے علم و فضل پر۔ اپنی فتوے بازی پر۔ اپنی نورانی شکل و صورت پر بڑا گھمنڈ ہے جو اسی گھمنڈ سے متحرک ہو کر خدا کو بھی اُس کے کاموں میں بلا مانگے مشورہ دینے کے لئے تیار ہیں۔ دوسری طرف دنیا کے کل علوم و فنون کا جامہ اوڑھے ہوئے ایک خاکی وجود ہے۔ جس کو نہ اپنی عبادت یا پوجا پاٹھ پر ناز ہے۔ نہ اپنے زہد و اتقا پر بھروسہ ہے۔ نہ اُس کو اپنی شکل و صورت پر گھمنڈ ہے۔ اس کائنات کے سٹیج کا مالک پوجاریوں کی جماعت پر اس حقیقت کا انکشاف کرنے کے لئے کہ خالی تھیالوجی (ملاازم) پر ہی ناز کر کے دوسروں کو اپنے سے کمتر سمجھ لینا کافی نہیں ہے۔ بلکہ تھیالوجی (ملاازم) سے بڑھکر کچھ اور بھی علوم و فنون ہیں۔ جن کا جاننا اور سیکھنا ناظم کی منشار کے مطابق ہے۔ وہ پوجاریوں۔ یا ملائک کی جماعت کے سامنے جو محض اپنی پوجا پاٹھ پر ہی گھمنڈ کر رہی تھی۔ دنیا کے مختلف علوم و فنون مثلاً جیالوجی۔ منرالوجی۔ بیالوجی۔ بوٹانی۔ فزیالوجی۔ زوآلوجی۔ اناٹومی سرجری۔ ہائی جین کیمسٹری۔ اسٹرانومی۔ پولیٹیکل اکانومی۔ پالیٹکس نیشنل اور انٹرنیشنل پالیٹکس۔ ٹریڈ اور فری ٹریڈ۔ ڈومسٹک اکانومی۔ سیکشوئل سائنس۔ ایلوپیتھی ہومیوپیتھی۔ کرومو پیتھی۔ اوکسی پیتھی۔ آگری کلچر۔ سیری کلچر۔ کٹلری سمتھی۔ کارپنٹری۔ ویونگ۔ سوئنگ۔ کوکنگ وغیرہ مختلف علوم و فنون کا پرچہ رکھدیتا ہے۔ اور پوجاریوں سے کہتا ہے کہ اگر تم سمجھتے ہو۔ کہ زندہ رہنے یا زندگی کے لئے محض پوجا پاٹھ کر لینا یا ہر نام کی مالا جپتے رہنا ہی کافی ہے۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ تم سب سے افضل اور عالم و فاضل ہو۔ اور کہ تمہاری موجودگی میں کسی ایسے دوسرے وجود کی ضرورت نہیں ہے۔ جو تمہاری

نسبت میری کائنات کو سمجھنے اور اس سے فائدہ اُٹھانے کا زیادہ ملکہ رکھتا ہو۔ تو ذرا ان ضروری سوالات کا جو کہ میری کائنات کے مختلف شعبوں کے متعلق ہیں مجھے جواب دو تاکہ میں جانوں۔ کہ تم نے میرے اس کائنات کے پیدا کرنے کے مقصد کو بخوبی سمجھا ہے۔ یا نہیں۔ پوجاریوں یا ملائک کی وہ جماعت جس کا اب تک یہی خیال تھا کہ محض رسمی طور پر پوجا پاٹھ کر چھوڑنا۔ یا وقت بیوقت خدا کی کسی تجویز یا کام پر نکتہ چینی کر دینا۔ یا دوسروں پر مفسد و فتنہ پرداز ہونے کا فتوے لگا دینا سب سے بڑا علم اور سب سے بڑا ہنر ہے۔ ان سوالات کو سُننے کے ساتھ ہی چلا اُٹھتے ہیں۔ کہ جناب! ہم نے تو تھیالوجی (ملاازم) کے سوائے دوسرا علم پڑھا ہی نہیں۔ ہم تو صرف اتنا ہی جانتے ہیں۔ کہ تیری پوجا کر لی۔ یا اس قسم کے خاکی وجودوں پر جس کو تو نے ہمارے درمیان کھڑا کیا ہے۔ خونی۔ فسادی۔ فتنہ پرداز وغیرہ کا فتویٰ لگا چھوڑا۔ ہم تو تھیولوجسٹ (ملاں) ہیں۔ ہمیں تھیالوجی (ملاازم) کے سوائے دنیا کے دیگر علوم و فنون سے کیا تعلق۔ جب تھیولوجسٹوں (ملاؤں) کا گروہ یہ جواب دے چکتا ہے۔ تو کائنات کے سٹیج کا ناظم اُس خاکی وجود کو ان علوم و فنون کے متعلق سوالات کا جواب دینے کے لئے آگے لاتا ہے۔ چنانچہ وہ تمام سوالات کا کما حقہ جواب دیتا ہے۔ اور بتلاتا ہے کہ ان علوم و فنون کا جاننا اور سیکھنا کیوں ضروری ہے۔ اس خاکی وجود کی اس علمی بزرگی کو دیکھکر پوجاریوں یا ملائک پر ناظم کی وہ حکمت آشکارا ہوتی ہے۔ جو کہ اُس نے خاکی وجود کے پیدا کرنے میں نہاں رکھی تھی۔ اور اُن کو پتہ لگتا ہے۔ کہ تھیالوجی (ملاازم) کے سوائے کچھ اور بھی علوم و فنون ہیں۔ جن کا جاننا اور سیکھنا ضروری ہے۔ کائنات کے سٹیج کے ناظم کی اس حکمت کو جانکر پوجاریوں یا ملائک کے گروہ کا سعادتمند حصہ اُس خاکی وجود کی علمی بزرگی کے سامنے سر جھکا دیتا ہے۔ مگر وہ جن کو اپنی خشک تھیالوجی (ملاازم) پر بے جا گھمنڈ ہے۔ اور جو کورے تھیالوجسٹ یا محض مٹھ ملاں ہیں۔ وہ اپنی تھیالوجی کے مقابلہ پر دیگر علوم و فنون کی ضرورت اور حق و حقانیت کی بزرگی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے ہیں علم و عقل کے ایسے دشمنوں حق و حقانیت کے مخالفوں۔ اپنی شخصیت پر اترانے گھمنڈ کرنے والے مغروروں کو قرآن مجید نے ابلیس کے نام سے پکارا ہے۔ انکساری۔ خاکساری۔ اور علوم فنون

کے نمائندے کو قرآن مجید نے آدم کے نام سے پکار کر ہدایت کی ہے۔ کہ:

يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ۝

جس زمین کی خلافت کے لئے تم کو پیدا کیا گیا ہے۔ تم اس میں سکونت اختیار کرو ہم نے تم کو علم و ہنر کی دولت سے مالا مال کر دیا ہے۔ تم اسی علم و ہنر کی طاقت سے اس زمین پر امن و چین کی زندگی بسر کرو۔ لطیف و مرغوب اشیاء کھاؤ پیو۔ اور جہاں مرضی ہے چلو پھرو۔ مگر خبردار۔ یہ علوم و فنون تمہیں تکبر اور گھمنڈ سے نہ بھر دیں اگر تم بھی ابلیس کی طرح متکبر اور گھمنڈی ہو گئے تو تم تباہ و برباد ہو جاؤ گے۔ آدم اور ابن آدم نے اپنے علم و ہنر کی بدولت زمین کو گلزار بنا دیا۔ مگر جب ہی اس نے اپنے علم و ہنر پر گھمنڈ کیا۔ اور دوسروں کو اپنے سے حقیر و بے بضاعت جان کر گردن بلند کی۔ تب ہی وہ تباہ و برباد ہو گیا۔ تواریخ اس قسم کے واقعات سے لبریز ہے۔ خود قرآن مجید اس قسم کے درجنوں واقعات ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔ دور کیوں جاتے ہو۔ یورپ کا نقشہ ہمارے سامنے موجود ہے۔ آدم نے اپنے علم و ہنر کی طاقت سے سرزمین یورپ کو بہشت کا نمونہ بنا دیا۔ جس میں ہر ایک قسم کی راحت کے سامان مہیا کیے گئے۔ مگر

فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۔

جس نخوت، تکبر اور گھمنڈ نے ابلیس کو برباد کیا تھا۔ اور جس تکبر اور گھمنڈ کے درخت کے نزدیک جانے سے آدم کو روکا گیا تھا۔ اسی گھمنڈ نے آدم اور ابن آدم میں راستہ پایا۔ اور ان کو امن پسندی، صلح جوئی۔ انکساری۔ خاکساری کی حالت سے باہر نکال کر تکبر و گھمنڈ سے بھر دیا۔ اور اس تکبر کے آنے کے ساتھ ہی ان کی امن چین۔ راحت و آرام کی زندگی کا خاتمہ ہو گیا۔ اور ایک دوسرے کے جانی دشمن ہو گئے۔ کیا یہ اسی تکبر اور غرور کا نتیجہ نہیں ہے کہ یورپ اپنے جنگ و جدل کی بدولت آج جہنم کا نمونہ بن رہا ہے۔ لاکھوں مرد قتل ہو گئے۔ عورتیں بیوہ

بچے یتیم۔ تجارت تباہ۔ گھر بار برباد ہو رہے ہیں۔ اور چاروں طرف بربادی ہی بربادی ہو رہی ہے۔ وہ شخص جو یہ کہتا ہے۔ کہ آدم۔ ملائک اور ابلیس کا جو ڈراما قرآن مجید ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔ وہ محض فرضی قصہ ہے۔ کیا وہ اس ڈرامے کو اپنی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہوا دیکھکر بھی حقیقت سے انکار کر سکتا ہے؟ آدم تو اس وقت بھی ہماری آنکھوں کے سامنے ملائک پر علمی فضیلت حاصل کر رہا ہے۔ ابلیس اس وقت بھی ہماری آنکھوں کے سامنے آدم کی اس فضیلت کے آگے سر جھکانے سے انکار کر رہا ہے۔ آدم اسی علم و ہنر کی بدولت ہماری آنکھوں کے سامنے اس زمین کو بہشت کا نمونہ بنا رہا ہے۔ اور آدم ہمارے سامنے ہی نخوت و تکبر کے ممنوعہ درخت کا پھل کھا کر اس زمینی بہشت کے آرام اور راحت سے محروم ہو کر سخت دُکھ اُٹھا رہا ہے۔ اگر آدم ملائکہ۔ اور ابلیس کے قصے کو زمانہ ماضی کا مقامی واقعہ ماننے سے انکار بھی کر دیا جاوے تو اس سے اس کی اصلیت و حقیقت میں کوئی فرق نہیں آسکتا۔ جب کہ یہ ڈراما اب بھی بعینہ اسی طرح ہماری آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے جس طرح کہ قرآن مجید نے اس کو بیان کیا ہے۔ صرف یہی ایک واقعہ نہیں بلکہ جب حقیقت کی روشنی میں اسلام کے بنیادی اصولوں کی کتاب قرآن پاک کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اسلام نے تمام دینی و دنیوی معاملات کو علم کے نیچے رکھا ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ قرآن پاک علم کی بزرگی بیان کرتا ہے کہ:۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ بقرہ ۴۲

جب تمہیں اس بات کا علم ہو جائے۔ کہ حقیقت کیا ہے۔ اور جھوٹ کیا؟ تو پھر تم حقیقت پر جھوٹ کا جل و جامہ نہ پہنو اور اس طرح حقیقت کو جھوٹ کے نیچے دبانے کی کوشش مت کرو۔ بلکہ جب تک آدم کی بزرگی کا علم نہیں ہوا تھا تب تک اُنہوں نے اس پر خونی اور فسادی ہونے کا فتویٰ لگایا تھا۔ اور خدا کو مشورہ دیا تھا۔ کہ ایسے شخص کو پیدا نہ کیا جاوے۔ لیکن جب ملائکہ کو واقفیت

کی بنا پر آدم کی علمیت اور بزرگی کا علم ہو گیا۔ تو اُنہوں نے حقیقت کو جھوٹ کے پردے میں چھپانے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ کھلے الفاظ میں اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے حق وحقانیت کے سامنے سر جھکا دیا۔ خدا کے سچے پرستاروں کی یہی نشانی ہوتی ہے۔ مگر حقیقت کا علم ہو جانے کے باوجود اس کو جھوٹ کے پردوں میں چھپانے کی کوشش کرنے والوں کو قرآن مجید میں ابلیس کے نام سے پکارا گیا ہے۔ انجیل میں لکھا ہے کہ:۔

"صلیب کا کلام ہلاک ہونے والوں کے نزدیک بیوقوفی ہے...... میں حکیموں کی حکمت کو نیست اور سمجھنے والوں کی سمجھ کو ہیچ کر دوں گا کہاں حکیم۔ کہاں فقیہہ۔ کہاں اس جہان کا بحث کرنیوالا۔ کیا خدا نے اس جہان کی حکمت کو بیوقوفی نہیں ٹھہرایا۔ اس لئے کہ جب حکمت الٰہی سے یوں ہوا کہ دنیا نے اپنی حکمت سے خدا کو نہ پہچانا تو خدا کی یہ مرضی ہوئی کہ منادی کی بے وقوفی سے ایمان لانیوالوں کو بچاوے۔ چنانچہ یہودی کوئی نشان چاہتے ہیں۔ اور یونانی حکمت کی تلاش میں ہیں۔ پر ہم مسیح کی جو مصلوب ہوا منادی کرتے وہ یہودیوں کے لئے ٹھوکر کھلانے والا پتھر اور یونانیوں کے لئے بیوقوفی ہے۔ خدا کی بے وقوفی آدمیوں کی حکمت کی نسبت حکمت والی ہے۔ اے بھائیو! تم اپنی بلاہٹ پر نگاہ کرو۔ کہ اس میں دنیا کے بہت سے حکیم اور بہت مقدور والے اور بہت اشراف شامل نہیں ہیں۔ مگر خدا نے دنیا کے بیوقوفوں کو چن لیا۔ تاکہ حکیموں کو شرمندہ کرے۔ اور دنیا کے کمینوں اور حقیر ذلکوں اور اُن کو جو شمار میں نہیں آتے۔ خدا نے چن لیا۔ تاکہ اُنہیں جو شمار میں ہیں ناچیز کر ڈالے"۔ (۱۔ قرنتیوں ۱:۱۸)

مگر کیا قرآن مجید بھی منادی کی "بیوقوفی" اور کلام کی "بیوقوفی" کے ذریعہ دنیا کے "کمینوں" اور "ذلیلوں" کو چن لینے اور حکیموں کی "حکمت" کو "نیست" اور سمجھنے والوں کی "سمجھ" کو "ہیچ" کر ڈالنے کا دعوے کرتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ وہ جا بجا صرف یہی نہیں

کہ دنیا کے حکیموں کی حکمت۔ اور سمجھ والوں کی سمجھ اور داناؤں کی دانائی سے
اپیل کرتا ہے۔ بلکہ وہ سلف ریسپکٹ کی بھی تعلیم دیتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو کسی
صورت میں بھی "بیوقوفوں" "ذلیلوں" اور "حقیروں" کی پوزیشن میں رکھنا گوارا
نہیں کر سکتا بلکہ

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا
آمَنَ السُّفَهَاءُ ۗ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَٰكِن لَّا يَعْلَمُونَ۔

(بقرۃ ۱/۲)

اگر وہ دیکھتا ہے۔ کہ مغرور لوگ اس کی تعلیم کو ماننے اور اس پر عمل کرنے کیلئے
تیار نہیں ہیں تو یہ نہیں ہوگا کہ وہ اپنی تعلیم کو "بیوقوفی کی منادی" یا اپنے ماننے
والوں کو "کمینہ، حقیر اور احمق" سمجھ کر خاموش ہو جائے نہیں بلکہ وہ اپنی طاقت اور
صداقت کے بھروسے پر حکمت و دانائی کی باتوں سے انکار کرنے والوں پر بیوقوف حقیر
یا احمق کا فتوے لگائیگا اور اپنی اور اپنے ماننے والوں کی پوزیشن کو جو کہ حق و حقانیت
کو لیکر ہے ہر صورت میں ڈیفنڈ کریگا۔ کیونکہ وہ بیوقوفی کا کلام نہیں ہے بلکہ۔

ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ (بقرہ ۱/۱)

وہ ایسا کلام ہے۔ جس کی ہر ایک بات شک و شبہ سے مبرا اور علم و عقل دلیل
براہان۔ تجربہ اور مشاہدہ پر مبنی ہے اور اس کی تعلیم

هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ بقرہ ۲۳/۲ +

ہر ملک۔ ہر طبقہ۔ ہر قوم۔ اور ہر ایک نسل کے انسانوں کے لئے بلا تمیز ذات پات۔
چھوت چھات۔ اونچ نیچ۔ رنگ و روغن کے رہبری کی خاصیت اپنے اندر رکھتی
ہے۔ اور اس میں جو اصول بیان کئے گئے ہیں۔ وہ ایسی کسوٹی ہیں کہ جن پر
پرکھنے سے صدق و کذب کا فوراً پتہ لگ جاتا ہے۔ قرآن مجید کو ان ہی اصولوں کی
صداقت اور فتح پر اسقدر یقین ہے کہ وہ انکے ماننے والوں کو کھلے طور پر بھروسہ دلاتا ہے کہ:۔

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ۔

(آل عمران)

ان اصولوں کو صدق دل سے مانکر تم کو دنیا کے کسی مذہب یا سوسائٹی کے آگے شرمندہ

نہیں ہونا پڑیگا۔ نہ ہی تم کو مذہبی دنیا میں کبھی نیچا دیکھنا پڑے گا۔ بلکہ تم اس میدان میں یقیناً فتح حاصل کروگے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ۔

(المائدہ - ۳)

قرآن مجید کسی قسم کے معموں اور بوجھارتوں کی کتاب نہیں ہے۔ بلکہ وہ ایک روشنی کی کتاب ہے۔ جس میں بغیر کسی قسم کے اینچ پینچ کے ہر ایک اصول کو بیان کر دیا گیا ہے۔ تاکہ

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ۔ (ابراہیم ۱۰)

وہ حق و حقانیت سے بے خبر لوگوں کو جو کہ توہمات کے اندھیرے میں بھٹک رہے ہیں اس تاریکی سے نکال کر حق و حق پرستی کی روشن زمین میں لائے علاوہ ازیں قرآن مجید کی بڑی بھاری خوبی یہ ہے۔ کہ

نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ۔ (النحل - ۱۲)

وہ دینی و دنیوی معاملات میں مکمل رہبر ہے۔ دین و دنیا کے تمام مسائل وہ صاف اور واضح الفاظ میں بیان کر دیتا ہے۔ وہ دینی معاملات میں ہماری رہبری کرتا ہے۔ وہ دنیوی معاملات میں ہمارے آرام کا باعث بنتا ہے۔ اور وہ ہمارے سامنے سے شک و شبہات کے تمام پردوں کو دور کر کے ہمیں اطمینان قلب سے بہرہ اندوز کرتا ہے۔ اس کی تعلیم کسی قسم کے معموں، بوجھارتوں، خلاف از علم و عقل مسائل کو پیش نہیں کرتی۔ یہاں تک کہ وہ رسالت کا منصب مبارک بھی ایسے مقدس انسانوں کے سپرد کرتا ہے۔ جو علم و عقل یا حکمت و دانائی کے دشمن نہ ہوں۔ بلکہ وہ

يُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ (البقرہ ۱۸)

اپنے قول و فعل سے۔ اپنی صحبت سے گرے ہوئے انسان کو اٹھانیوالے

ہوں - جاہلوں بیوقوفوں - احمقوں کو علم وعقل - دانائی وحکمت کی باتیں سکھانے والے ہوں اور جن عالمگیر اصولوں کا لوگوں کو پہلے علم نہیں ہوتا - یا وہ انکو فراموش کر چکے ہوتے ہیں - وہ اُن عالمگیر اصولوں کی تعلیم دینے والے ہوں - بالغرض وہ ہر ایک دینی و دنیوی پہلو میں حق وحقانیت کے معلم ہوں جس صورت میں کہ قرآن مجید تمام دینی و دنیوی معاملات کو حل کرنے کے لئے ہمارے سامنے علمی معیار رکھتا ہو - اور وہ کسی بات کو اندھا دھند ماننے کی تعلیم نہ دیتا ہو - اس صورت میں قرآن مجید یا اسلام پر یہ الزام لگانا کہ اس نے مذہبی معاملات میں علم وعقل کو دخل دینے کی اجازت نہیں دی - سراسر بے بنیاد اور لغو ہے - کیوں جناب اعرافی صاحب! ٹھیک ہے نہ؟

اعرافی - آپ کی تقریر سُنکر مجھے اپنی جہالت پر بھی افسوس آتا ہے - کہ میں نے بازاری تنگ بندیوں کو ہی اسلام کی تعلیم خیال کر کے اسلام کے متعلق غلط رائے قائم کر لی - یہ تو مجھے آج ہی معلوم ہوا - کہ شیطان اپنی جہالت کیوجہ سے راندہ درگاہ ہوا تھا - نہ کہ علمیت کی بنا پر اور کہ ہمارے جد امجد آدم علیہ السلام نے محض علم وفضل کی بدولت ہی فرشتوں پر فتح حاصل کی تھی - میں آپکا مشکور ہوں کہ آپ نے میری اس سخت غلط فہمی کو دور کر دیا۔

مسلم - اب ذرا آپ اپنی اُس سُنی سُنائی تُک کو تو پڑھیں -

اعرافی - بس رہنے دیجئے - اب آپ مجھے زیادہ شرمندہ نہ کریں - میں ایسی تکبندیوں کو ٹھکرا چکا اور آپ کا قیمتی وقت ضایع نہیں کرنا چاہتا - بلکہ میرا دل نہایت بیقرار ہو رہا ہے - کہ میں آپ کے ذریعہ اپنے تمام شکوک کو دور کروا کر جلد سے جلد اسلام قبول کر لوں - کیا آپ مجھے اجازت دینگے کہ میں آپ سے ایک اور سوال کروں؟

مسلم - بڑے شوق سے - ایک نہیں بلکہ ایک سو سوال کیجئے - اور جبتک آپکی تسلی نہ ہو جائے آپ برابر سوال کرتے جائیں - میں حتی المقدور انکا جواب دونگا۔

اعرافی - میں آپکا اس توجہ کے لئے نہایت مشکور ہوں

مسلم - اس میں کسی قسم کے اظہار تشکر کی ضرورت نہیں ہے - کیونکہ ہر ایک مسلم کا فرض ہے کہ وہ تبلیغ اسلام کرے - خواہ وہ ایک ہی آیت جانتا ہو - مگر وہ اسکو دوسروں تک پہنچا دے۔

تیسری فصل

عقل و اسلام

اعرافی - اچھا صاحب! میں نے اس بات کو تو مان لیا - کہ اسلام کی بنیاد علم پر ہے۔ مگر یہہ کیا معاملہ ہے - کہ اس میں عقل کو دخل نہیں ؟

مسلم - یہ آپ نے کس سے سُنا کہ اسلام میں عقل کو دخل نہیں ؟

اعرافی - یہہ بھی میں نے مولوی صاحبان سے ہی سُنا ہے - کہ دینی مسائل میں اپنی عقل سے دخل دینے والا جہنم میں جاتا ہے -

مسلم - تو کیا آپ کا یہہ خیال ہے - کہ اسلام بیوقوفوں کا مذہب ہے ؟

اعرافی - ہرگز نہیں -

مسلم - تو پھر جس رب العزۃ نے انسان کو عقل دی - وہ اس کو یہہ حکم کیونکر دے سکتا تھا - کہ تو نے اس سے کام نہ لینا ؟

اعرافی - بات تو ٹھیک ہے - مگر میں بھی تو غلط نہیں کہتا - کیونکہ میں نے تو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ ایک مولوی صاحب دو فٹا ہاتھ میں لئے پھر رہے تھے جب میں نے ان سے پوچھا کہ یہہ دو فٹا کیوں ہاتھ میں پکڑ رکھا ہے تو وہ فرمانے لگے کہ اسلام ناپنے کے لئے - مَیں نے حیران ہو کر پوچھا کہ بھئی مجھے بھی تو بتاؤ - اس دو فٹے سے اسلام کی لمبائی چوڑائی کا کیسے پتہ لگتا ہے - مولوی صاحب فرمانے لگے کہ میں اس دو فٹے سے پہلے تو داڑھی ناپتا ہوں - اور پھر پاجامہ جس کی داڑھی کی لمبائی اور پاجامہ کی ٹخنوں سے اوپر اونچائی ٹھیک نکلتی ہے - اس کو میں کہہ دیتا ہوں کہ تیرے اسلام کا طول و عرض ٹھیک ہے اور تو پکا مسلمان ہے - تیرے لئے بہشت کا دروازہ کھلا ہے - مگر جس کی داڑھی چھوٹی اور پاجامہ لمبا ہو - اسکو

میں کہدیتا ہوں کہ تیرے اسلام کا طول و عرض ٹھیک نہیں ہے۔ یا تو تو اس کو ٹھیک کر۔ ورنہ تو کافر ہے۔ اور تو سیدھا جہنم میں جائے گا۔

مسلم۔ استغفراللہ۔ وہ کوئی مولوی نہیں ہوگا مسخرہ ہوگا۔

اعرابی۔ نہیں صاحب، وہ مولوی تھا۔ اور عام لوگ بھی اس کو مولینا مولینا کہتے تھے۔ بلکہ میں نے ان سے پوچھا بھی کہ کیوں صاحب جن ملکوں میں داڑھی ہوتی ہی نہیں۔ یا جہاں لوگ ننگ دھڑنگ پھرتے ہیں۔ یا جن برفانی ملکوں میں پاجاموں کو ایڑیوں کے نیچے سی کر رکھتے ہیں۔ تاکہ سردی سے بچاؤ ہو۔ تو وہاں تو اسلام کا پودا اگنے کا نہیں۔ اس پر مولوی صاحب خفا ہو کر بولے۔ کہ تم کافر ہو۔ جو مذہبی معاملات میں عقل کو دخل دیتے ہو۔ میں نے تو اسی دن نتیجہ نکال لیا۔ کہ جس مذہب کی لمبائی داڑھی کے بالوں کے ساتھ بڑھتی اور بالوں کے گھٹنے سے گھٹتی ہو۔ یا پاجامہ کی اونچائی لمبائی سے ماپی جاتی ہو۔ وہ دقیانوسی مذہب ہے۔ اس میں داخل ہونے سے کچھ فائدہ نہیں۔

مسلم۔ افسوس ہے کہ یہہ "دو فٹے" مولوی صاحب آپ کی ٹھوکر کا باعث ہوئے اگر وہ عقلمند ہوتے تو ان کو صرف اتنا ہی کہنا چاہئے تھا کہ داڑھی منڈوانے میں وقت زیادہ ضایع ہو جاتا ہے۔ استرے سے زخم لگ جانے کا بھی خطرہ ہی ٹخنوں سے نیچے جو پاجامہ ہوگا وہ چلتے وقت دوسرے پاؤں سے اٹکیگا۔ زمین سے لگ کر خراب ہوگا۔ اس پہ کپڑا زیادہ صرف ہوگا۔ اس لئے داڑھی کو چھوڑ دینا۔ اور پائنجامے کو موڑ دینا چاہئے بس قصہ ختم۔

اعرابی۔ اجی صاحب! اگر وہ یہی جواب دیتے۔ جو آپ فرما رہے ہیں تو مجھے اس پہ کوئی اعتراض نہ ہوتا۔ کیونکہ یہہ نہایت معقول جواب ہے۔ مگر انہوں نے تو ایک دم مجھے کافر کہدیا محض اس لئے کہ میں نے ان سے اتنا ہی پوچھا تھا۔ کہ اسلام کی لمبائی چوڑائی ناپنے کے لئے دو فٹے بغل میں دبائے پھرنا کہاں کی معقولیت ہے۔ تب ہی تو میں کہتا ہوں۔ کہ اسلام نے مذہبی مسائل میں عقل کا دخل روا نہیں رکھا۔

مسلم۔ کسی "دو فٹے میاں" کی اسلام پیمائی کو دیکھ کر یہہ نتیجہ نکال لینا کہ مذہب میں

عقل کو دخل نہیں۔ ایک غلط نتیجہ ہے۔ حالانکہ قرآن مجید نے جس قدر عقل سے اپیل کی ہے۔ اتنی کسی دوسری مذہبی کتاب نے نہیں کی۔ قرآن مجید نے تو یہاں تک فرما دیا ہے۔ کہ جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے۔ وہ حیوان بلکہ حیوانوں سے بھی بدتر ہیں۔

اعرابی۔ اگر قرآن مجید نے ایسا دعوے کیا ہے تو وہ واقعی قابل قدر ہے۔

مسلم۔ یہاں اگر مگر کا تو سوال ہی نہیں۔ قرآن مجید موجود ہے۔ آپ اس کا مطالعہ کیجئے۔ اور دیکھئے کہ اس بے نظیر کتاب نے کس طرح انسان کو عقل و فکر غور و تدبر سے کام لینے کی تعلیم دی ہے۔

اعرابی۔ کیا آپ خود ہی قرآن مجید کی ایسی تعلیم کا تھوڑا سا حصہ مجھے سمجھا اور سنا نہیں دینگے۔

مسلم۔ اگر آپ مجھ سے ہی سننا اور سمجھنا چاہتے ہیں۔ تو مجھے کوئی عذر نہیں میں تقریر کرتا ہوں۔ آپ ذرا غور سے سنیں۔

اعرابی۔ میں نہایت غور سے سنونگا۔ آپ شروع کیجئے۔

مسلم۔ بہت بہتر۔ ذرا توجہ فرمائیے۔

اِس بات کا تو فیصلہ ہو چکا ہے۔ کہ انسان جو اِس کائنات کے مختلف شعبوں کے بارے میں کچھ نہ کچھ واقفیت یا علم حاصل کرتا ہے۔ قرآن مجید اس کے اس علم کو صرف یہی نہیں کہ "بیوقوفی" قرار نہیں دیتا۔ بلکہ وہ اس کی قدر کرتا ہے۔ اور اس کو علمی نعمت کا کماحقہ استعمال کرنے کی تاکید کرتا ہے جس طرح دودھ کو بلونے سے مکھن یا گھی نکالا جاتا ہے۔ اسیطرح علم کو بلونے سے انسان میں وہ طاقت پیدا ہوتی ہے جس کو کہ عقل کہا جاتا ہے جس شیرخوار بچہ کو دنیا کی چیزوں کا کوئی علم نہیں ہوا۔ اس کو عقل بھی نہیں ملی لیکن جس قدر وہ دنیا کی چیزوں کے متعلق علم حاصل کرتا جاتا ہے۔ اُسی قدر اسکی عقل میں بھی ترقی ہوتی جاتی ہے۔ علم کی پوزیشن زمین کی سی ہے۔ جس میں سے عقل کا نازک پودا پیدا ہوتا ہے۔ وہ مذہب جو علمی بنیاد پر قایم نہیں ہے۔ وہ نہ تو عقل کو پیدا کر سکتا ہے۔ نہ مذہبی امور میں عقل کو دخل دینے کی اجازت دے سکتا ہے۔ علم کا کام مختلف پرزوں کی ماہیت کو پانا ہے۔ عقل کا کام ان تمام پرزوں کو کسی خاص ڈھنگ پر لا کر ایک مفید مشین بنا دینا ہے

علم روشنی ہے۔ اس روشنی میں بست وکشاد کا کام کرنے والی عقل ہے۔ علم ایک ہتھیار ہے۔ مگر اس کو چلانیوالی عقل ہے۔ اگر ہتھیار موجود ہے لیکن اس کو چلانیوالا کوئی نہیں ہے۔ تو ہتھیار کس کام کا۔ ہتھیار کو الٹا یا سیدھا چلانا چلانے والے کے اختیار میں ہے۔ وہ مذہب یا وہ سوسائٹی جو علمی بنیاد پر قایم نہیں ہے۔ یا جو تحصیل علم کی اجازت دیتی ہو۔ مگر وہ مذہبی امور میں عقل سے کام لینے کی تعلیم نہیں دیتی۔ اس کی مثال بعینہ ایسی ہی ہے۔ جیسے کہ کسی شخص کو زمین تو بخشید بجاوے۔ مگر اس کو اس زمین کے کاشت کرنے بونے اور غلہ کاٹنے۔ یا اس زمین پر گھر بنانے اور رہنے سہنے کی اجازت نہ دیجاوے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا قرآن مجید میں اس عقل کی روشنی میں جو علم کا نتیجہ ہے کام کرنے اور اس ہتھیار سے لڑنے کی اجازت ہے یا نہیں۔ جب ہم قرآن مجید کا بغور مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں پتہ لگتا ہے۔ کہ وہ ہمیں تمام دینی و دنیوی معاملات میں عقل سے کام لینے کی سخت تاکید کرتا ہے۔ چنانچہ وہ ہمیں عقل کی باتیں بتاتا ہوا کہتا ہے کہ:۔

تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ حَتّٰي يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰي ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۔ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۔ رپ۔ انعام ۱۹ ع ۶

ادھر آؤ۔ میں تمہیں وہ باتیں سناؤں۔ جو تمہارے خدا نے تمہارے لئے لازم کی ہیں۔ سنو وہ باتیں یہ ہیں اول دنیا کی کسی چیز کو خدا کے برابر مت سمجھو۔ اپنے

والدین کے ساتھ ہمیشہ اچھا سلوک کرو۔ اپنی اولاد کو افلاس کے ڈر کے مارے قتل مت کرو۔ ہم اُن کو اور تم کو رزق دیتے ہیں۔ بے حیائی کی باتوں کے نزدیک مت جاؤ۔ خواہ وہ ظاہر ہوں خواہ پوشیدہ کسی نفس کو بلا وجہ قتل مت کرو۔ کیونکہ ایسا کرنا حرام ہے۔ خدا نے تم کو ان باتوں کی ہدایت کی ہے۔ تاکہ تم عقل سے کام لو۔ یتیم کے مال میں دست برد مت کرو۔ بلکہ جب تک وہ بالغ ہو جائے اُس کے مال کی اچھی طرح حفاظت کرو۔ اپنے ماپوں اور تولوں کو درست کرو۔ خدا کسی وجود پر اُس کی طاقت سے بڑھکر بوجھ نہیں ڈالتا۔ اگر تم کو شہادت دینی پڑے تو خواہ اپنا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ ہمیشہ سچ بولو۔ اور تم خدا کے نام پر جو وعدہ کرلو۔ اُس کو پورا کرو۔ خدا نے ان باتوں کی ہدایت کی ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ یہی خدا کا راستہ ہے۔ اسی پر چلو۔ اس اصول کو نظرانداز کر کے اگر تم فروعات میں پڑو گے تو تم خدا کے راستے سے بھٹک کر پھوٹ اور نفاق کا شکار ہو جاؤ گے۔ خدا تم کو اسی اصول پر چلنے کی ہدایت کرتا ہے۔ تاکہ تم ہلاکت سے بچو"۔

قرآن مجید نے مذکورہ بالا آیتوں میں نہ صرف دینی اور دنیوی معاملات کا نچوڑ پیش کر دیا ہے۔ بلکہ اس کی یہ تعلیم ایسی عالمگیر سپرٹ سے معمور ہے جو ہر ملک۔ ہر زمانہ اور ہر ایک قوم کے نزدیک علم و عقل کے مطابق ہے۔ دوسری جگہ فرمایا ہے کہ:۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ۚ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۔ (پ ۱۸۔ النور ۶۰)۔

اے لوگو! تم کھان پان یا چھوت چھات کے جھگڑوں میں مت پڑو۔ یہ تمہاری اپنی مرضی پر منحصر ہے۔ کہ اگر تمہارا دل دوسروں کے ساتھ مل کر کھانا کھانا نہ پسند کرے تو تم الگ الگ بیٹھکر کھا لیا کرو۔ اس میں دھرم ادھرم یا گناہ کی کوئی بات نہیں ہے۔ جب کسی کے گھر جاؤ تو یوں ہی اندر مت گھس جایا کرو۔ بلکہ تم کو چاہیے

کہ پہلے گھر والوں پر سلام وسلامتی کی دعا کیا کرو۔ اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ اگر گھر میں کوئی موجود ہو گا تو وہ تمہارے سلام کا تم کو جواب دے گا۔ اگر تمہارے سلام کا جواب نہیں ملتا تو سمجھ لو۔ کہ یا تو گھر میں کوئی موجود نہیں ہے۔ یا اگر موجود ہے تو اس کے حالات اُس کو اجازت نہیں دیتے کہ وہ اس وقت تم سے مل سکے پس اس سے تم اپنے لیے نتیجہ نکال لو گے کہ تمکو واپس لوٹ جانا چاہیے۔ یہ تعلیم تم کو اس لئے دیجاتی ہے۔ تاکہ تم عقل سے کام لو۔ اور آپس کی اُن بدمزگیوں، یا خرابیوں سے بچ سکو۔ جو جہالت یا نادانی کی وجہ سے کسی کے گھر میں بلا اجازت یا چپ چاپ گھس جانے سے پیدا ہوتی ہیں۔ اسی طرح قرآن مجید انسانی پیدائش کے متعلق ہمیں علم وعقل کی بنا پر تعلیم دیتا ہے کہ:۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُونُوا شُيُوخًا وَمِنْكُمْ مَنْ يُتَوَفَّىٰ مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوا أَجَلًا مُسَمًّى وَلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ۔ پ ۲۴۔ المومن۔ ۶۷

اس دنیا اور دنیا والوں کا خالق خداوند قدوس ہے۔ وہی ایسی ذات پاک ہے جو زمین سے نباتات کو پیدا کرتا ہے۔ وہی ذات پاک اپنی قدرت کاملہ سے اسی اناج یا نباتات سے نطفہ پیدا کرتا ہے۔ وہی ذات پاک اس نطفہ کو ماں کے رحم میں علقہ کی شکل میں لاتا ہے۔ وہی ذات پاک اس علقہ کو مختلف مدارج کے اندر سے گزار کر بچے کی شکل میں لاتا ہے۔ وہی ذات پاک اس اندھیری کوٹھڑی سے اس بچے کو باہر لاتا ہے۔ وہی اس کو ماں کا دودھ اور دنیا کی دیگر نعمتوں سے پرورش ہونے کا سامان دیکر جوان کرتا ہے۔ وہی ذات پاک جوانی کے بعد بڑھاپا لاتا ہے۔ بعض جوانی میں ہی مرجاتے ہیں۔ اور بعض پوری عمر بھوگتے ہیں یہ تمام واقعات ایسے ہیں کہ جن کے متعلق عقل سے کام لینے کی ضرورت ہے قرآن مجید نے ان آیتوں میں انسانی پیدائش کا جو ذکر کیا ہے وہ بالکل کھلے واقعات ہیں۔ ایسے کھلے واقعات پر غور کرنے اور عقل سے کام لینے کے لئے قرآن مجید نے ہمیں تاکید کی ہے۔ تاکہ ہم زیادہ سے زیادہ خدا کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ

کو سمجھ کر اس کے سامنے سربسجود ہوسکیں۔ موجودہ دنیا اور آنے والی دنیا کے تعلق قرآن پاک بتاتا ہے کہ:۔

وَمَا أُوتِيتُم مِّن شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِينَتُهَا وَمَا عِندَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ أَفَلَا تَعْقِلُونَ۔ (پ۔ القصص۔ ۶۰)

وہ لوگ جو روح کو محض کیمیائی فعل مانتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ دنیا میں عیش و عشرت کر لینا۔ اور دنیا کے سامانوں سے فائدہ اٹھا لینا۔ یا کھاؤ۔ پیو۔ موج کرو پر عمل کرتے رہنا ہی سب کچھ ہے۔ اُن کے نزدیک جب جسم نہیں ہوگا۔ تب روح بھی نہیں ہوگی بس اسی دنیا اور اسی زندگی پر سب کچھ ختم ہے۔ مگر یہ اُن کی بیوقوفی ہے۔ وہ حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ حالانکہ جس قدر نعمتیں خدا نے ہم کو اس دنیا میں دی ہیں۔ وہ ان نعمتوں کے مقابلہ میں جو وہ ہمیں آنیوالی زندگی میں دیگا۔ کچھ وقعت نہیں رکھتیں۔ اس لئے کہ ہم صریحاً دیکھ رہے ہیں کہ اس نے ہم کو ماں کے پیٹ میں جو کھانا۔ پانی ہوا وغیرہ نعمتیں دی تھیں۔ وہ موجودہ دنیا کی نعمتوں کے سامنے بالکل ہیچ تھیں۔ جب اس نے ماں کے پیٹ سے بڑھکر ہم کو اس دنیا میں زندگی اور اس کے سامانوں سے بہرہ اندوز کیا ہے۔ تو کیا وہ اس دنیا کی زندگی اور اس کے سامانوں سے کہیں بڑھکر آنیوالی زندگی کی خوشیوں سے بہرہ اندوز نہیں کریگا۔ قرآن پاک اس کا دوسری جگہ جواب دیتا ہے کہ:۔

اِعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَزِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُونُ حُطَامًا وَفِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٌ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ ۝ سَابِقُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أُعِدَّتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ

ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ۰ (پ ۲۷۔ الحدید ع ۳۔ ۲۱)۔

اے لوگو! اس بات کو ذہن نشین کر لو۔ کہ دنیا کی موجودہ زندگی کوئی اصلی زندگی نہیں ہے۔ بلکہ یہہ تو محض ایک قسم کا کھیل تماشہ اور باہر کی ٹیپ ٹاپ ہے۔ اسی ٹیپ ٹاپ کو لے کر تم ایک دوسرے پر فخر کرتے ہو۔ اور تم اپنی دولت اور اولاد کی کثرت پر اکڑتے پھرتے ہو۔ مگر تمہارے اس فخر اور گھمنڈ کی مثال ایسی ہے۔ جیسے وقت پر بارش ہونے سے کسان کھیتوں میں اناج بوتا ہے۔ اور جب اناج کے کھیت لہلہانے لگتے ہیں۔ تو کسان اُنکو دیکھکر خوش ہوتا ہے۔ مگر ناگہاں ایسی ہوا چلتی ہے کہ وہی کھیتی جو ابھی لہلہا رہی تھی پیلی پڑجاتی ہے اور رفتہ رفتہ سوکھ کر کانٹا ہو جاتی ہے۔ کسان کی تمام خوشیاں خاک میں ملجاتی ہیں یہی حالت اُن لوگوں کی ہے۔ جو دنیا کے مال و متاع پر اور اولاد کی کثرت پر خوشیاں مناتے اور فخر کرتے ہیں۔ کیونکہ اُن کی تمام خوشی اس مال و متاع کے چھن جانے پر یا اولاد کے مرجانے پر خاک میں مل جاتی ہے اور اس طرح اُن کا مال و متاع یا اُن کی اولاد آخر کار اُن کے حق میں بجائے خوشی کے سخت مصیبت اور عذاب کا باعث ہو جاتے ہیں۔ پس لازمی اور ضروری ہے کہ دنیا کی چیزوں میں دل لگانے کی بجائے خداوند قدوس کی خوشنودی کو ڈھونڈا جاوے۔ اس لیئے کہ دنیا کی خوشیاں چند روزہ ہیں۔ وہ لوگ جو اس حقیقت کو جان کر خداوند قدوس اور اُس کے برگزیدہ بندوں کی نزدیکی ڈھونڈتے ہیں۔ اُن کے لئے موجودہ دنیا مع اپنی تمام خوشیوں کے آنے والی دنیا کی خوشیوں کے مقابلہ میں بالکل ہیچ ہو جاتی ہے۔ آنے والی دنیا جس میں ہم اس دنیا کو عبور کر کے داخل ہونے والے ہیں۔ موجودہ دنیا سے بہت وسیع اور اُس کے سامان موجودہ دنیا کے سامانوں سے بہت زیادہ راحت بخش ہوں گے۔ اس لیئے کہ

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (پ ۲۷۔ الحدید ع ۱)۔

وہ خداوند قدوس جو ہماری آنکھوں کے سامنے اس زمین کو زندگی اور زندگی

کے سامانوں سے معمور کر رہا ہے۔ اس کی یہ قدرت موجودہ زندگی اور زندگی کے سامانوں کے ساتھ ہی ختم ہو جانے والی نہیں ہے۔ بلکہ اگر ہم عقل سے کام لیکر ان تمام واقعات پر غور کریں تو ہم کو پتہ لگ سکتا ہے کہ زندگی کا یہ سلسلہ ایک بہتر طریقہ پر آئندہ بھی جاری رہے گا۔ قرآن مجید اس حقیقت کو سوال و جواب کے پیرایہ میں ادا کرتا ہے:۔

وَهُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَاِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ (پ۔ مومنون)

قرآن پاک دعوے کرتا ہے۔ کہ جس ذات پاک نے تم کو اس زمین پر پیدا کیا ہے وہی ذات پاک تم کو مرنے کے بعد بھی زندہ کرے گا۔ کیونکہ جب تم صریحاً دیکھتے ہو کہ وہ رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات لاتا ہے۔ تو کیا تم کو اس قدر بھی عقل نہیں ہے۔ کہ تم اس بات کو سمجھ سکو۔ کہ مرنے کے بعد تمہارا کیا کیا حشر ہو گا۔ مگر منکر جواب دیتا ہے کہ:۔

قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ۝

کیا جب ہم مر جائیں گے۔ اور بالکل مٹی ہو جائیں گے۔ ہماری ہڈیاں بھی پراگندہ ہو جائینگی۔ کیا ممکن ہے کہ اس صورت میں ہم جسم کے ساتھ اٹھائے جائینگے ہم سے پہلے لوگوں کو اور ہمارے آباؤ اجداد کو بھی یہی کہا جاتا تھا۔ مگر یہ محض گپ ہے:۔

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝

ایسے لوگوں کو کہو۔ کہ ذرا علم و عقل سے کام لیکر یہ تو بتاؤ کہ یہ زمین اور زمین والے کس قدرت کے ماتحت ہیں تو وہ یہی جواب دینگے۔ کہ خدا کی قدرت کے مطیع ہیں۔ اب تم ان سے پوچھو۔ کہ جب یہ حالت ہے۔ تو پھر تم اسی سے دوسرا

نتیجہ بھی کیوں نہیں نکال لیتے ہو۔ اس مضمون کو قرآن مجید نے دوسری جگہ یوں بیان کیا ہے:۔

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا۔ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا۔ (پ۱۵۔ ع۶) +

وہ لوگ جو روح کو ایک کیمیائی فعل کا نتیجہ مانتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں۔ کہ روح جسم کے ساتھ ہی فنا ہو جاتی ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ جس وقت ہماری ایک ایک ہڈی الگ الگ ہو جائے گی اور ہم سڑ گل کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ کیا یہ ممکن ہے۔ کہ اس صورت میں ہم ایک بالکل نئے لطیف جسم کے ساتھ قایم رہیں ایسے لوگوں کو سنا دو۔ کہ خواہ تم پتھر اور لوہے کے ذروں میں بھی تبدیل ہو جاؤ۔ یا تم اپنے آپ کو ایسی حالت میں پہنچا ہوا بھی مان لو کہ جو تمہارے نزدیک قطعی ناممکن ہے۔ تو بھی تمہاری شخصیت قایم رہے گی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو ایسا جسم کون دیگا۔ اُن سے کہدو کہ جس خداوند قدوس نے تم کو موجودہ کثیف جسم دیا ہے۔ وہی تم کو ایک لطیف جسم کے ساتھ زندہ رکھے گا۔ یہ سُنکر وہ لاجواب ہو کر اپنے سر کو ہلا کر کہتے ہیں۔ کہ اچھا ہم نے مانا۔ کہ ایسا ہوگا لیکن یہ تو بتاؤ۔ کہ ایسا کب ہوگا۔ اُن سے کہدو۔ کہ ممکن ہے۔ کہ ایسا جلدی ہی ہو جاے روح کے جسم سے الگ ہونے کے بعد جب وہ اپنے آپ کو ایک لطیف جسم کے ساتھ زندہ دیکھینگے۔ تو وہ خداوند قدوس کی تقدیس کرینگے۔ اور خیال کریں گے۔ کہ ہم نے دنیا میں جو کثیف جسم کے ساتھ زندگی بسر کی تھی وہ اس لطیف جسم کی زندگی کے مقابلہ میں بالکل ہیچ تھی۔

ان اقتباسات سے یہہ بات بخوبی ثابت ہو جاتی ہے کہ قرآن مجید عقل سے کام لینے کی خاص تاکید کرتا ہے۔ نہ صرف ان ہی مقامات پر بلکہ قرآن مجید

میں درجنوں جگہ عقل سے اپیل کی گئی ہے۔ ان میں سے چند مقامات
مفصلہ ذیل ہیں:۔

(۱)

اَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ
تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (بقرۃ۔۵۔۵)

تم دوسروں کو تو کہتے ہو کہ اچھے کام کیا کرو۔ مگر تم آپ اس پر عمل نہیں
کرتے ہو۔ اور تم کتاب کا بھی مطالعہ کرتے رہتے ہو۔ مگر نہیں معلوم تم عقل سے
کام کیوں نہیں لیتے ہو؟

(۲)

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ
وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ
وَمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ
بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ
الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ
لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ۔ (بقرۃ۔۲۰)

"زمین و آسمان کی پیدائش کیونکر ہوئی۔ دن اور رات کے اختلاف کا کیا باعث
ہے۔ سمندروں میں تجارت کی خاطر جہازوں کے چلنے میں کیا فوائد ہیں۔ بادلوں
سے مینہ کیسے برستا ہے۔ اور اس سے مردہ زمین کیونکر زندہ ہو جاتی ہے۔ زمین پر
جو مختلف قسم کے چرند و پرند پھر رہے ہیں وہ کس مطلب کے لیے ہیں۔ مختلف
موسموں میں جو ہوا کا رخ بدلتا رہتا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے زمین و آسمان
کے درمیان جو بھاری بھاری بادل معلق رہتے ہیں یہ کیوں ہیں۔ یہ تمام سوالات
ایسے ہیں۔ جو ان لوگوں پر جو عقل سے کام لے کر ان سوالات کو حل کرتے ہیں۔
خدا کی قدرت کا انکشاف کرنے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔

(۳)

وَمَثَلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِیْ یَنْعِقُ بِمَا لَا یَسْمَعُ اِلَّا

دُعَآءً وَّ نِدَآءً صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ۔

(پ۲۔ بقرۃ ۲۱)

وہ لوگ جو خدا کے منکر ہیں۔ اور بت پرستی کرتے ہیں۔ اُنکی مثال ایسی ہی ہے۔ جیسے کوئی شخص ایسی چیز کے پیچھے پڑا چلا رہا ہو۔ جو نہ اُس کی آواز کو سنتی ہے نہ اُس کی دعاؤں کا نہ اُس کے چیخنے چلانے کا کچھ جواب دیتی ہے۔ بلکہ جس طرح وہ بت نہ سنتا ہے۔ نہ دیکھتا ہے۔ اسی طرح بت پرستوں کی حالت سمجھو۔ جو بت پرستی کرتے وقت عقل سے ذرا بھی کام نہیں لیتے۔

(۴)

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَاۤ اَلْفَیْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا۔ اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْـًٔا وَّ لَا یَهْتَدُوْنَ۔ (پ۲۔ بقرہ ۲۱ع) +

جب بت پرستوں سے کہا جاتا ہے کہ بت پرستی چھوڑ دو۔ خدا نے جو تعلیم تمہارے لئے نازل کی ہے۔ اُس پر چلو۔ تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم تو بت پرستی چھوڑنے کے نہیں۔ کیونکہ ہم نے اپنے آباؤ اجداد سے بت پرستی وراثت میں حاصل کی ہے۔ ہم تو اُن ہی کی تقلید کرینگے۔ کیا خوب! حالانکہ امر واقعہ یہ ہو کہ انکے آباؤ اجداد عقل سے محض کورے تھے۔ کیونکہ اگر وہ عقل سے کام لینے والے ہوتے۔ تو وہ پتھروں کو پوجنے کی بجائے خدا کی پرستش کرتے۔ اور اس طرح راہِ راست پر چلتے +

(۵)

وَاِذَا نَادَیْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّ لَعِبًا۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْقِلُوْنَ ۝ (پ۶۔ مائدہ ۹ع) +

اور جب ان کافروں کو تم لوگ خدا کی عبادت کے لئے بلاتے ہو تو یہ اسیر ہنسی اڑاتے ہیں۔ اور اُس کو محض ایک کھیل بتاتے ہیں۔ وہ ایسا اس لئے کرتے ہیں کیونکہ وہ خدا کی عبادت کی فلاسفی کو نہیں سمجھتے۔ اگر وہ عقل سے کام لیتے تو وہ اُس پر ہنسی ٹھٹول نہ کرتے +

(۶)

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَائِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ○ (پ ۷ - مائدہ - ۱۴ع)

بُت پرست کافر خدا پر یہہ الزام لگاتے ہیں کہ اُس نے ہی اُن کو یہہ تعلیم دی ہو کہ وہ بتوں کے نام پر بحیرہ یا کن پھٹی اونٹنی اور سائبہ یا سانڈ اور وصیلہ جس نے اوپر تلے دو ماہ بچے دیے ہوں اور حام یا شتر نر چھوڑ دیے جائیں جن کو کوئی نہ پکڑے نہ کام میں لائے۔ کیونکہ وہ بتوں کے سانڈ اور سانڈنیاں ہیں۔ کیا خوب! یہہ ان بت پرستوں کا خدا کے نام سفید جھوٹ تھوپنا ہے۔ حالانکہ اگر وہ عقل سے کام لینے والے ہوتے تو اُن کو فوراً معلوم ہو جاتا۔ کہ خدا ایسی لغو باتوں کی تعلیم نہیں دیتا +

(۷)

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ○ (پ ۹ - انفال - ۳ع) +

حقیقت تو یہہ ہے کہ وہ لوگ جو عقل سے کام نہیں لیتے۔ وہ گویا خدا کے نزدیک بدترین حیوان ہیں۔ وہ نہ حق و حقانیت کی باتوں کو سنتے ہیں۔ نہ حق و حقانیت کا اظہار کرتے ہیں +

(۸)

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ○ (پ ۱۱ - یونس - ۵ع) +

یہہ ممکن ہے کہ ایسے لوگوں میں سے بعض تمہاری باتوں کو سننا بھی چاہتے ہوں مگر آفت تو یہہ ہے کہ جب تک یہہ لوگ عقل سے کام نہیں لینگے۔ تب تک یہ تمہاری باتوں کو سنکر بھی اُن سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے +

(۹)

وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ - پ ۱۱ - یونس - ۱۰ع)

حقیقت تو یہہ ہے۔ کہ جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے۔ خدا اُن پر ذلت نازل کرتا ہے۔

(۱۰)

وَفِی الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِیْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَیْرُ صِنْوَانٍ یُّسْقٰی بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَّنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰی بَعْضٍ فِی الْاُكُلِ ۭ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ○ (پ۱۳ - رعد - ۱۳-۶) +

دیکھو! ایک ہی زمین ہے۔ اور ایک ہی زمین کے مختلف ٹکڑے ہیں۔ مگر کیا وجہ ہے۔ کہ اسی زمین میں سے ایک طرف تو انگور پیدا ہو رہے ہیں۔ دوسری طرف اسی زمین میں سے کھجوروں کے درخت اُگ رہے ہیں۔ اُن میں سے بعض دو شاخے ہیں۔ اور بعض دو شاخے نہیں۔ اس فرق کی کیا وجہ ہے؟ حالانکہ ایک ہی زمین ہے۔ اور ایک ہی پانی سے وہ سیراب ہوتے ہیں۔ مگر پھر بھی اُنکا پھل یکساں نہیں۔ بلکہ ایک سے دوسرے کا ذائقہ الگ اور اعلیٰ ہے۔ جو لوگ عقل سے کام لیتے ہیں۔ اُن کے لیئے یہی بات خدا کی قدرت کو تسلیم کرنے کے لئے کافی نشان ہے۔

(۱۱)

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ○

(پ۱۴ - النحل - ۲-۶) +

اے لوگو! غور کرو۔ کس ذات پاک نے یہہ قانون باندھا ہے کہ رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات ایک مقررہ طریقہ پر آئے۔ کس قانون کے ذریعہ سورج اور چاند اپنے دستور پر چل رہے ہیں۔ کس قانون کے ذریعہ تمام ستارے گردش کر رہے ہیں۔ وہ کونسا قانون ہے کہ جس سے جکڑے جا کر وہ ایک دوسرے سے ٹکرانے نہیں پاتے۔ حقیقت یہہ ہے کہ وہ لوگ جو عقل سے کام لیتے ہیں اُنکے لئے رات اور دن۔ سورج۔ اور چاند۔ اور ستاروں کا ایک خاص قانون

کے ماتحت چلنا اس قانون کے مقنن کی ہستی کا بہت بڑا ثبوت ہے +

(۱۲)

وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۖ نُّسْقِيكُم مِّمَّا فِي بُطُونِهِ مِن بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِّلشَّارِبِينَ وَمِن ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا حَسَنًا ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝ (پ ۱۴ - النحل - ۹ ع) +

اے لوگو تمہارے ارد گرد چارپائے ہیں۔ ذرا ان کے متعلق ہی غور کرو۔ دیکھو یہ گھاس پات کھاتے ہیں جو ان کے پیٹ میں گوبر اور خون بنجاتا ہے۔ مگر اسی گوبر اور خون کے علاوہ ان کے پیٹ میں ایک ایسی چیز بھی تیار ہو جاتی ہے جس کو کہ خالص دودھ کہا جاتا ہے۔ جو پینے والوں کو خوب مزہ دیتا ہے بتاؤ! یہہ خالص دودھ کون پیدا کرتا ہے؟ اور دیکھو! تمہارے ارد گرد ہی کھجور اور انگور کے درخت ہیں۔ جب تم ان کے تازہ پھل کھاتے ہو۔ تو وہ تمہارے لئے بہترین خوراک ثابت ہوتے ہیں۔ مگر جب ان ہی پھلوں کو سڑا گلا کر تم شراب بنا لیتے ہو تو یہی پھل تمہاری عقل کو زائل اور جسم کو تباہ کر دینے کا باعث بنجاتے ہیں۔ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ وہ لوگ جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ ان کے لئے یہہ تمام سوالات بڑے معرکہ کے سوالات ہیں +

(۱۳)

أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ ۚ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ ۖ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا ۝ (پ ۱۹ - فرقان - ۴ ع) +

کثرت سے وہ لوگ جو نہ سچی باتوں کو سنتے ہیں۔ اور نہ عقل سے کام لیتے ہیں کیا تم سمجھتے ہو۔ کہ وہ انسان ہیں؟ ہرگز نہیں۔ وہ انسان نہیں۔ بلکہ حیوان ہیں بلکہ حیوانوں سے بھی بدتر ہیں۔ کیونکہ حیوانوں کو ڈنڈا مار کر یا لگام اور نکیل کے ذریعے سیدھے راستے پر چلایا جاسکتا ہے۔ مگر علم و عقل کے دشمن ایسے اڑیل ہوتے ہیں۔ کہ وہ ڈنڈے اور لگام سے بھی سیدھے نہیں ہوتے +

(۱۴)

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَحْيَا بِهِ
الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ ۚ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ
بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝ وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا
إِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۚ وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ
كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (پ ۲۱ - الروم - ۶۰۷) +

اگر تم لوگوں سے یہ پوچھوگے کہ بادلوں سے مینہ کون برساتا ہے اور کون مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے تو یقیناً وہ یہی جواب دینگے۔ کہ خدا ہی ایسا کرتا ہے شکر کا مقام ہے کہ وہ اتنا تو مانتے ہیں مگر افسوس یہ ہے کہ ان میں زیادہ تر ایسے لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے اگر وہ عقل سے کام لینے والے ہوتے۔ تو انکو فوراً معلوم ہو جاتا کہ یہ دنیا محض کھیل تماشہ ہے اور اس کے بعد جو زندگی ملنے والی ہے۔ وہی زندگی اصلی زندگی ہے۔ کاش لوگ اس حقیقت کو جانتے

(۱۵)

تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ۚ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا
يَعْقِلُوْنَ ۝ (پ ۲۸ - الحشر - ۶۲) +

وہ لوگ جو علم و عقل سے کام نہیں لیتے۔ وہ خواہ تعداد میں تم کو کتنے ہی زیادہ نظر آئیں مگر پھر بھی وہ بزدل ہوا کرتے ہیں۔ اور وہ مغلوب ہو جایا کرتے ہیں +

(۱۶)

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۝ كَذٰلِكَ
يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ - (پ - البقرۃ - ۶۳)

دیکھو اگر تم کسی عورت کو طلاق دو۔ تو اس کو ذلیل کر کے بے سر و سامانی کی حالت میں گھر سے مت نکالو۔ کیونکہ تم نے اس کے ساتھ بطور شریف آدمی کے شادی کی تھی۔ تمہاری شرافت اس بات کی مقتضی ہے۔ کہ تم اس سے قطع تعلق کرتے وقت روپیہ پیسہ۔ کھانے پینے یا کپڑے لتے وغیرہ سے اس کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ خدا تمہیں کھلے طور پر اپنے احکام سناتا ہے۔ تاکہ تم ایسے معاملات میں عقل سے کام لیا کرو +

قُلْ يٰٓأَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا إِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَ

بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا
وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا
فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَاجُّوْنَ
فِيْ اِبْرٰهِيْمَ وَمَا اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْ بَعْدِهٖ ؕ
اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (پ۳ - ال عمران - ۷ - ۶)

اہل کتاب سے کہدو۔ کہ آؤ جو باتیں ہم میں اور تم میں یکساں ہیں۔ اس پر اتفاق کریں یعنی ہم خدا کے سوائے کسی دوسرے کی پرستش نہ کریں۔ اور نہ ہی اس کے ساتھ کسی کو شریک کریں۔ اور نہ ہی ہم اپنے جیسے انسانوں میں سے کسی انسان کو اپنا خدا مانیں پس اگر وہ (اہل کتاب) اس بات کو ماننے سے انکار کریں۔ تو اُن سے برملا کہدو۔ کہ ہم تمہاری طرح نصرانی نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ہم ایک ہی خدا کے پرستار یا مسلم ہیں۔ نہ کہ تین خداؤں کے۔ اہل کتاب سے جو یہ بحث کرتے ہیں۔ کہ ابراہیم یہودی یا نصرانی تھا۔ یہ بھی کہدو کہ یہ اُن کی بحث ہی سراسر نامعقول ہے۔ کیونکہ یہودی مذہب کی بنیاد توریت پر اور نصرانی مذہب کی بنیاد انجیل پر ہے۔ مگر ابراہیم کے زمانہ میں نہ توریت تھی نہ انجیل تو وہ یہودی یا نصرانی کیونکر ہوا۔ یہ تو ایک موٹی سی بات ہے۔ مگر جو عقل سے کام نہیں لیتے۔ وہ اس موٹی سی بات کو نہیں سمجھتے +

(۱۸)

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ
خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (پ۷ - انعام - ۴ - ع)

اے لوگو! تم اپنی عقل سے کیوں کام نہیں لیتے ہو۔ دیکھو جس زندگی پر تم اس قدر گھمنڈ کرتے ہو۔ وہ محض کھیل تماشہ ہو۔ حالانکہ جس آنیوالی زندگی کی طرف سے تم لاپرواہ ہو وہی اصلی زندگی ہے اور وہ موجودہ زندگی سے بہتر ہوگی۔ مگر اُن لوگوں کے لیے جو اس زندگی میں پاک وصاف رہتے ہیں +

(۱۹)

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ
اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ (پ۲ - بقرہ - ۲۷) +

تم سے لوگ سوال کرتے ہیں۔ کہ خدا کی راہ میں کس قدر خرچ کرنا چاہئے۔ اس سوال کا جواب یہ ہے۔ کہ جس قدر تمہاری ضرورتوں کو پورا کرنے کے بعد بچ رہے اس کو تم خدا کی راہ میں خرچ کر سکتے ہو۔ خدا تمام باتیں تم پر کھول کر بیان کر رہا ہے تاکہ تم خود بھی سوچ سمجھ سے کام لیا کرو +

(۲۰)

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ۔ (پ ۴ - ال عمران ۲۰)

آسمان اور زمین میں جس قدر مخلوقات بھری پڑی ہے۔ اور رات اور دن میں جسقدر مختلف واقعات ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ عقلمند لوگ اُن کے ذریعہ خدا کی قدرت کا ثبوت پاتے ہیں +

(۲۱)

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ۔ (پ ۹ - اعراف ۲۲)

لوگوں کو تواریخ کی باتیں سناؤ۔ تاکہ وہ عقل سے کام لیا کریں +

(۲۲)

كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (پ ۱۱ - یونس ۳)

ہم جو قرآن مجید کی آیتوں کو کھول کھولکر بیان کر رہے ہیں۔ اس سے وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ جو سوچ سمجھ اور عقل و فکر سے کام لیتے ہیں +

(۲۳)

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِىْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ثُمَّ كُلِىْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِىْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ۔

(پ ۱۴ - النحل ۶۹) +

غور کرو شہد کی مکھی کا پہاڑوں۔ درختوں۔ گھروں کی چھتوں پر ایسی عجیب و غریب لیاقت سے گھر بنانا کہ جس کو دیکھکر بڑے بڑے مہندسوں کی عقل چکر کھا جاتی ہے

سوچو! اس چھوٹے سے کیڑے نے یہہ کاریگری کس سے سیکھی - اور پھر اس کا مختلف پھل پھول والے درختوں میں سے رس چوستے پھرنا - اور دور دراز کے سفر کے باوجود اپنے گھر کو نہ بھولنا کس کی عقل کی بدولت ہے؟ اور پھر اُس کے پیٹ کے ایک خانہ میں مختلف رنگوں کے شہد کا تیار ہونا - اور اس شہد میں لوگوں کی مختلف بیماریوں کے دور کرنے کی خاصیت کا موجود ہونا کس کی قدرت سے ہے۔؟ یقیناً اس چھوٹے سے کیڑے کی یہ تمام کاریگری اُس کی لیاقت و خوبی اور اس کی عقل محض خداداد ہے - وہ لوگ جو سوچ سمجھ اور علم و عقل سے کام لینے والے ہوتے ہیں - وہ شہد کی مکھی سے بھی بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں -

(۲۴)

وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَاۤ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ۝

وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا وَ

جَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ

یَّتَفَكَّرُوْنَ - (پ ۲۱ - الروم - ۳-۶) +

اے لوگو! دیکھو - یہہ کس قدر بڑی قدرت خدا ہے - کہ انسانی نطفہ کی جڑ نباتات کی وساطت سے مٹی ہے - اسی مٹی سے پیدا شدہ نطفہ سے تمہارے جیسے جوان رعنا مرد پیدا ہو جاتے ہیں - یہہ بھی اسی کی قدرت ہے کہ وہ تمہاری جنس میں سے تمہارے لئے تمہاری بیویاں پیدا کرتا ہے - جو تمہاری راحت کا باعث ہوتی ہیں - یہ اسکی قدرت ہے کہ مرد اور عورت ایک دوسرے کے لئے کشش محسوس کرتے ہیں - جو بقاء نسل کا موجب ہوتی ہے - وہ لوگ جو عقل و فکر سے کام لیتے ہیں - اُن کے نزدیک یہہ تمام باتیں خدا کی قدرت کا کافی ثبوت ہیں +

(۲۵)

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ ؕ

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ - (پ ۲۵ - الجاثیۃ ۲-۱۲) +

اے لوگو! کیا تم نہیں دیکھتے ہو - کہ خداوند قدوس نے زمین اور آسمان کی تمام چیزوں کو اپنے قوانین میں ایسا جکڑ رکھا ہے - کہ تم اُن سب سے فائدہ اُٹھا رہے ہو - اتنی سی بات

میں ہی سوچنے سمجھنے اور علم و عقل سے کام لینے والوں کے لئے کافی مصالحہ موجود ہے۔

مذکورہ بالا تمام آیتوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن مجید نے جابجا علم و عقل سے اپیل کی ہے۔ اور تمام معاملات میں سوچ سمجھ سے کام لینے کی تعلیم دی ہے۔ نہ صرف یہی بلکہ قرآن مجید خود اپنے بارے میں کہتا ہے کہ:-

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (محمد ۳ع)

وہ لوگ جو قرآن مجید کی آیتوں کا علم و عقل کی روشنی میں مطالعہ نہیں کرتے اُن کے دل حق و حقانیت کے نور سے منور نہیں ہو سکتے۔ نہ ہی اُن کے دلوں پر سے جہالت تعصب ہٹ دھرمی تنگ نظری اور شرارت کا قفل ٹوٹ سکتا ہے۔ پس جس صورت میں کہ قرآن مجید اپنے متعلق بھی یہی حکم دیتا ہو کہ اس کا علم و عقل کی روشنی میں مطالعہ کیا جاوے۔ تو یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ وہ دین و دنیا کے دیگر مسائل کو اندھا دھند مان لینے کی تعلیم دے۔ اس تمام بیان سے اس بات کا فیصلہ ہو گیا کہ وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ اسلام نے مذہب میں عقل کو دخل دینے کی اجازت نہیں دی وہ محض بکتے ہیں۔ حالانکہ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ یعنے قرآن مجید نے مذہب کی بنیاد ہی علم و عقل پر رکھی ہے۔ یہاں تک کہ لفظ اسلام کے معنے ہی اُن باتوں کو تسلیم کرنا ہے جو علم و عقل کے مطابق ہوں۔ نہ یہ کہ ایسی باتوں کو تسلیم کیا جاوے جن پر جہالت و حماقت کی مہر لگی ہوئی ہو۔ پس ایسی اعلیٰ تعلیم کی موجودگی میں یہ کہنا کہ اسلام یا قرآن مجید نے مذہب میں عقل کا دخل روا نہیں رکھا۔ صریحاً ظلم ہے۔ کہئے اعرابی صاحب آپ کے سوال کا جواب ملا یا نہیں؟

اعرابی۔ میرے سوال کا جواب مل گیا۔ اور بہت ٹھیک مل گیا۔

مسلم۔ مگر میں آپ کو ذرا دو قدم اور آگے لے جانا چاہتا ہوں۔ اور آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ آیا قرآن مجید مذہبی معاملات میں اسی علم و عقل کے ذریعہ ہمیں دلیل و برہان سے کام لینے کی اجازت بھی دیتا ہے۔ یا نہیں جس طرح علم کا نتیجہ عقل ہے۔ اسی طرح علم و عقل کا نتیجہ دلیل و برہان ہے۔ اگر کوئی مذہب اپنے مسائل میں علم و عقل کو تو دخل دینے کی اجازت دیتا ہو۔ مگر وہ دلیل و برہان کو برداشت نہ کر سکتا ہو۔ تو وہ مذہب حق و حقانیت پر مبنی نہیں کہا جا سکتا۔ نہ ہی وہ رشید

ہوا کرتا ہے۔ جو قرآن مجید اسلام کی بنیاد علم و عقل پر بتاتا ہے۔ دیکھنا چاہیے کہ وہ مذہبی مسایل میں کس قسم کے دلایل اور براہین سے کام لینے کی تعلیم دیتا ہے۔ آیا وہ محض کٹ حجتی سکھاتا ہے۔ یا دلیل محکم و برہان قاطع کا سبق پڑھاتا ہے۔ اس کے متعلق وہ ایک مثال دیتا ہے کہ :۔

اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِیْلُ الَّتِیْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ۝

حضرت ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں سے پوچھا۔ کہ جن خود ساختہ بتوں کے سامنے تم گھٹنے ٹیک کر دعائیں مانگ رہے ہو۔ ذرا مجھے بھی تو اس بت پرستی کی فلاسفی سمجھاؤ۔ کہ آخر اس کی حقیقت کیا ہے۔ اور یہہ معاملہ کیا ہے۔ یہہ ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم نے بت پرستوں سے علمی و عقلی بنا پر یہ ایک سوال کیا تھا۔ مگر بت پرستوں نے بت پرستی کی فلاسفی بیان کرنے میں جس قسم کی دلیل سے کام لیا۔ وہ یہہ تھی :۔

قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِیْنَ۔ (پ۱۷۔ الانبیاء۔ ۶۵)

انہوں نے جواب دیا۔ کہ ہم بت پرستی کے حق میں اس سے بڑھکر اور کوئی دلیل نہیں دے سکتے کہ یہہ ہمارا سناتن دھرم ہے۔ ہمارے باپ دادا سب ہی بت پرست تھے۔ بت پرستوں کا یہ جواب کوئی تسلی بخش جواب نہیں تھا۔ انکے اس لچر جواب کو سنکر حضرت ابراہیم فرماتے ہیں :۔

قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔ (پ۱۷۔ الانبیاء ۶۵)

تمہارا یہ کہدینا کہ چونکہ تمہارے باپ دادا بھی بت پرست تھے۔ اس لئے تمہارا بت پرستی کرنا ٹھیک ہے کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس کا کیا ثبوت کہ تمہارے باپ دادا بھی غلطی پر نہیں تھے؟ یہ ظاہر ہے کہ بت پرست لوگ حضرت ابراہیم کے سامنے بت پرستی کے حق میں کوئی علمی یا عقلی دلیل پیش نہیں کر سکتے تھے۔ نہ ہی وہ اپنے اس فعل کو حق و حقانیت پر مبنی فعل ثابت کر سکتے تھے۔ اگر انہوں نے دلیل دی تو صرف اتنی کہ یہہ ہمارا سناتن دھرم ہے۔ جب حضرت ابراہیم نے اس جواب پر جرح کی تو وہ لاجواب ہو گئے۔ اب وہ حضرت ابراہیم سے پوچھتے ہیں۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِیْنَ۔

کہ ہم تو بت پرستی کے حق میں کوئی علمی و عقلی دلیل نہیں دے سکتے۔ مان لو۔ کہ ہمارا یہ فعل عبث ہے۔ لیکن اب تم بتاؤ کہ ہمیں کرنا کیا چاہیے۔ تم کہتے ہو۔ کہ بت پرستی باطل ہے۔ مگر کیا تم اب ہمیں اس باطل کے مقابلہ میں حق و حقانیت کا بھی پتہ دو گے۔ یا تم ہمارے ساتھ محض دل لگی کر رہے ہو۔ جب بت پرستوں کے تخانہ کو حضرت ابراہیم نے دلیل و برہان کے ایک گولہ سے اڑا دیا اور میدان صاف ہو گیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ:-

قَالَ بَل رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِیْ فَطَرَهُنَّ وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ۔

میں اگر بت پرستی کی بطالت کو تم پر ظاہر کر رہا ہوں۔ تو یہ دل لگی کے طور پر نہیں۔ بلکہ اس لیے ہے۔ کہ میں تم کو حق پرستی کا راستہ دکھاؤں۔ اور تم کو بتاؤں کہ جس ذاتِ پاک کی تم کو عبادت کرنی چاہیے۔ وہ کون اور کیا ہے؟ سنو وہ ذات پاک وہی ہے جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا۔ اسی ذاتِ پاک نے تم کو بھی بنایا ہے۔ اور وہی کائنات کا پرورش کنندہ ہے۔ اس کے برعکس جن بتوں کی تم پوجا کرتے ہو وہ نہ تو گھاس کا ایک تنکا تک پیدا کر سکتے ہیں۔ نہ وہ تم کو روٹی دے سکتے ہیں میں جو کچھ تم سے کہتا ہوں اس کے حق میں واقعات کی بنا پر دلیلِ محکم پیش کرتا ہوں۔ مگر تم جو کچھ کہتے ہو۔ تم اسکے حق میں کوئی دلیل نہیں دے سکتے۔ سوائے اس کے کہ تم کہو یہ ہمارا سنا تن دھرم ہے۔ بت پرست لوگ بت پرستی کو دلیل و برہان سے حق ثابت کرنے میں پہلے ہی عاجز آ چکے تھے۔ اب انکے سامنے جو حق پیش کیا گیا۔ وہ اگرچہ اس کو دلیل و برہان سے کاٹنے سے عاجز تھے۔ مگر پھر بھی وہ بت پرستی پر جمے رہے جب حضرت ابراہیم نے انکی ہٹ دھرمی کو دیکھا تو کہا کہ:-

وَتَاللّٰهِ لَاَكِیْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِیْنَ۔

تم نے مجھ سے حق بات پوچھی تھی۔ میں نے تم کو بتا دی۔ مگر تم حق کو تسلیم کرنے سے روگردانی کرتے ہو۔ اور بدستور سابق بت پرستی پر قایم رہنا چاہتے ہو۔ اچھا تم سب نوٹ کر لو۔ کہ اب میں تمہارے سامنے ایسی برہانِ قاطع اور دلیلِ ساطع پیش کرونگا۔ کہ جس کے ذریعہ تمہاری بت پرستی تیرہ کھلے طور پر حماقت ثابت ہو جائیگی اور تم خود ہی اس

کو حماقت تسلیم کرو گے +

فَجَعَلَهُمْ جُذَاذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ۔

چنانچہ ایک روز حضرت ابراہیم نے بت خانے میں جا کر سوائے بڑے بت کے باقی تمام بتوں کو توڑ پھوڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ بڑے بت کو اُنہوں نے کیوں نہ توڑا۔ اِس لیے کہ اُن پر حجت پوری کی جاوے۔ چنانچہ :۔

قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔

جب بت پرستوں نے دیکھا کہ کوئی اُن کے بتوں کو توڑ گیا ہے۔ تو وہ چیخنے چلانے لگے کہ ہائے ایسا ظالم کون ہے جس نے ہمارے بتوں کے ساتھ یہ بد سلوکی کی ہے۔ اُن میں سے ہی بعض نے کہا کہ :۔

قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ۔

ہم نے سنا ہے۔ کہ ایک نوجوان ابراہیم نامی یہاں ایسا ہو۔ جو بت پرستی کا کھنڈن کرتا رہا ہے۔ ہو نہ ہو۔ یہ کارستانی اسی کی ہے۔ اِس رپورٹ کو سنکر

قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ۔

اُن کے چوہدریوں نے مشورہ کیا۔ کہ ابراہیم کو سب کے سامنے بلایا جاوے اور اُس کا بیان لیا جاوے۔ تاکہ سننے والے بھی گواہ رہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ حاکم وقت کے سامنے جا کر انکار کر دے چنانچہ حضرت ابراہیم کو بلایا جاتا ہے۔ اور اُس سے سوال کیا جاتا ہے۔

قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ۔

کہ اے ابراہیم! تو سچ سچ بتا۔ کہ کیا ہمارے بتوں کے ساتھ یہ سلوک تو نے کیا ہے۔ یا کسی اور نے؟ حضرت ابراہیم نے دیکھا کہ اب ان احمقوں پر اُن کی بت پرستی کی حماقت کو طشت از بام کرنے کا سنہری موقع ہے۔ جواب دیا۔

قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ

تم کہتے ہو یہ بُت تمہاری دعائیں سنتے تمہاری ضرورتوں کو پورا کرتے اور تمہارے دکھ درد میں تمہارے مددگار ہوتے اور تم کو مصیبتوں سے نجات دیتے ہیں۔ تو کیا اب یہ اپنا دکھ درد تم کو نہیں بتا سکتے کہ ان کے ساتھ یہ سلوک کس نے کیا ہے ذرا اس بڑے بت کو تو دیکھو جو کندھے پر کلہاڑا لیے کھڑا ہے مجھے تو ایسا معلوم

ہوتا ہے کہ تم جوان کے سامنے مٹھائی کے ٹوکرے رکھے گئے تھے۔ ان ٹوکروں پر ان میں جھگڑا ہو پڑا ہوگا۔ ہر ایک نے یہی چاہا ہوگا کہ میں ہی مٹھائی کھا جاؤں۔ آخر بڑے بت نے سب کو قتل کر ڈالا ہوگا۔ اور آپ ساری ہی مٹھائی کا مالک بن گیا مجھ سے کیا پوچھتے ہو۔ ذرا اس بڑے بت سے ہی پوچھ لو۔ کہ آیا اس نے ہی یہ کام کیا ہے یا کسی اور نے۔ اگر اس نے کیا ہوگا تو وہ بتا دیگا۔ اگر اس نے نہیں کیا ہوگا بلکہ کسی اور نے کیا ہوگا۔ تو آخر یہ دیکھتا ہی ہوگا۔ وہ خود ہی اس شخص کا نام بتا دیگا۔ اگر وہ نہیں بتائیگا۔ تو ان چھوٹے بتوں سے پوچھو۔ شاید ان میں سے کوئی آپ بیتی سنا دے۔ بت پرستی کی لغویت پر مہر لگا دینے کے لئے حضرت ابراہیم نے جو یہ دلیل ساطع اور برہان قاطع پیش کی۔ اس کو سنکر آج بیسویں صدی کے معقول پسند بھی عش عش کئے بغیر نہیں رہ سکتے بت پرستی کے کھنڈن میں اس سے بڑھکر کوئی شخص اور کیا عقلی دلیل دیگا۔ اس برہان قاطع کو سنکر بت پرستوں کے منہ پر مہر لگ گئی۔ ان کے چھکے چھوٹ گئے۔

فَرَجَعُوا إِلَىٰ أَنفُسِهِمْ فَقَالُوا إِنَّكُمْ أَنتُمُ الظَّالِمُونَ ۝

وہ ایکدوسرے کا منہ تکنے لگے کہ ابراہیم کی بات کا جواب کون دے۔ اگر دے تو کیا دے؟ جب انکو کوئی جواب نہ سوجھا۔ تو وہ آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے۔ کہ دراصل ابراہیم کہتا تو سچ ہے ہمیں شک نہیں کہ ہمارا یہ بت پرستی کا فعل ہی تو بڑا فضول ہے ہم ہی مورد الزام ٹھہرتے ہیں مگر

ثُمَّ نُكِسُوا عَلَىٰ رُءُوسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هَٰؤُلَاءِ يَنطِقُونَ ۝

پھر بھی انہوں نے قطعی لاجواب ہو کر ڈھیٹھ اور بے حیا بنکر کمال ہٹ دھرمی سے اپنی اسی بت پرستی کی حماقت سے متحرک ہو کر احمقوں کی طرح منہ کھولا۔ اور کھسیانی آواز میں حضرت ابراہیم سے کہا میاں! یہ تو تو بھی جانتا ہو کہ یہ بت بولتے نہیں ہیں۔ تو پھر یہ ہمیں کیسے بتا سکتے ہیں کہ انکے ساتھ یہ سلوک کس نے کیا ہو؟ بس حق کی فتح ہو گئی۔ بطالت پاش پاش ہو گئی۔ اب حضرت ابراہیم نے شیر کی طرح گرجتے ہوئے ان احمقوں کو پھٹکارا اور کہا کہ:

أَفَتَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ ۝ أُفٍّ
لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝

کیا اسی برتے پر تم خداوند قدوس کو چھوڑ کر ان پتھروں سے سر پھوڑتے تھے۔ ارے احمقو! تم صریحاً دیکھتے ہو کہ جب یہ اپنی حفاظت آپ نہیں کر سکتے۔ اور اپنے آپ کو بچا نہیں سکتے

تو یہہ نہیں کسی قسم کا فائدہ یا دکھ سکھ کیا دے سکتے ہیں۔ دھتکار ہے تم پر اور تمہارے بتوں پر پتھر پڑیں تمہاری ایسی الٹی سمجھ پر۔ کیا تم کو شرم نہیں آتی۔ کہ تم خداوند قدوس کو چھوڑ کر ان پتھروں کو پوجتے ہو؟ اللہ اکبر! یہہ کیسی بجلی تھی جو بت پرستوں پر گری اور اُن کے قلعہ کو چور چور کر گئی۔ بس! حق وحقانیت کا ایک دم میں فیصلہ ہوگیا۔ اب کسی قسم کے مزید بحث مباحثہ کی ضرورت نہ رہی حضرت ابراہیم نے بت پرستوں کے سامنے بت پرستی کے برخلاف اور حق پرستی کے حق میں علمی دلایل بیان کیے۔ مگر وہ بت پرستوں کی سمجھ میں نہ آئے۔ آخر حضرت ابراہیم نے اُن کے بتوں کو چور چور کرکے ان کے سامنے بت پرستی کی بطالت اور خدا پرستی کی تائید میں عملی دلیل پیش کی۔ جو قاطع وساطع ثابت ہوئی۔ قرآن مجید علمی وعقلی دلائل سے کام لینے کی تعلیم ضرور دیتا ہے۔ مگر خوبی کی بات یہہ ہے۔ کہ جہاں علمی وعقلی دلائل بھی ناکامیاب ثابت ہوں وہاں وہ عملی دلیل کا بے خطا گولہ مار کر بطالت کو پاش پاش کردیتا ہے
اس دلیل ساطع وبرہان قاطع کی دوسری مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہی متعلق دی گئی ہے۔ یہودیوں کا دعوی تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے۔ عیسائیوں کا دعوی تھا کہ وہ عیسائی تھے۔ دونوں فریق حضرت ابراہیم کو اپنی اپنی طرف کھینچتے تھے۔ قرآن مجید نے دونوں کے جھگڑوں کا فیصلہ کرنے کے لئے یہہ علمی دلیل پیش کی کہ:۔

مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَٰكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُسْلِمًا
• وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ
اتَّبَعُوهُ۔ (پ ٣۔ آل عمران۔ ٦٧) ✦

ابراہیم نہ یہودی تھا نہ عیسائی۔ بلکہ وہ تو اس قسم کے جھگڑوں سے بیزار محض خدا کا پرستار ومسلم تھا۔ اور وہ خدا کے ساتھ کسی کو یہودیوں یا عیسائیوں کی طرح بطور بیٹے کے، شریک نہیں مانتا تھا سچی بات تو یہہ ہے کہ ابراہیم پر محض اُن لوگوں کا دعوے بادلیل وباثبوت ہوسکتا ہے۔ جو اس کی تعلیم کی پیروی کرتے ہوں۔ جو اس کی پیروی نہیں کرتے۔ اُن کا یہہ کہنا بلا دلیل وبلا ثبوت ہے۔ یہ ایک علمی وعقلی دلیل ہے جو قرآن مجید نے یہودیوں اور عیسائیوں سے حضرت ابراہیم کے متعلق جھگڑے کا

فیصلہ کرنے کے لئے پیش کی اور صاف ظاہر ہے کہ اس دلیل کا عیسائیوں اور یہودیوں کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ مگر پھر بھی وہ اپنی ضد پر اڑے رہے۔ اُن کی ضد کو توڑنے کے لئے اب قرآن مجید علمی دلیل پیش کرنے پر مجبور ہوا چنانچہ وہ یہ بھی کہا:۔

يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ
وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ پ۳۔ ال عمران ۶۷

اے یہودیو اور اے عیسائیو! تم اس بات پر کیوں ہٹ کر رہے ہو۔ کہ ابراہیم یہودی تھا۔ یا عیسائی تھا۔ اے یہودیو! تمہارے مذہب کا دارومدار توریت پر ہے۔ اور اے عیسائیو تمہارے مذہب کا دارومدار انجیل پر ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ ابراہیم کے وقت میں نہ تمہاری توریت کا کہیں نام و نشان تھا۔ نہ تمہاری انجیل کا۔ بلکہ ان کتابوں کا ابراہیم کے بہت عرصہ بعد ظہور ہوا۔ جب یہ بات ہو۔ تو ابراہیم کو یہودی یا عیسائی کیونکر کہا جا سکتا ہے۔ یہ تو ایک موٹی سی بات ہے۔ کیا تمہیں خدا نے اتنی بھی عقل نہیں دی کہ اس موٹی سی بات کو جو ایک تاریخی واقعہ ہے سمجھ سکو۔ سخت افسوس کی بات ہے کہ

هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ
فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۝

تم اس تاریخی واقعہ سے بخوبی آگاہ ہو اور جانتے ہو۔ کہ دراصل توریت و انجیل کا ظہور ابراہیم کے بہت عرصہ بعد ہوا۔ مگر پھر بھی تم جان بوجھ کر ابراہیم کے یہودی یا عیسائی ہونے کے متعلق کٹھ حجتی کرتے چلے جا رہے ہو جب تم ایک امر واقعہ کو جانتے ہوئے بھی اس کے برخلاف کٹھ حجتی سے باز نہیں آتے ہو تو تم ایسی باتوں کے متعلق جن کا تمہیں پتہ تک نہیں ہے جس قدر بھی کٹھ حجتی کرو۔ اسی قدر تھوڑا ہے۔ اس علمی دلیل کے ذریعہ قرآن مجید نے یہودیوں اور عیسائیوں کے اس جھگڑے کا جو وہ حضرت ابراہیم کے بارے میں کرتے تھے۔ یا کر سکتے ہیں۔ سر توڑ ڈالا۔ اب یا تو وہ یہ ثابت کریں کہ توریت و انجیل کا ظہور حضرت ابراہیم سے پیشتر ہوا۔ بنا بریں وہ یہودی یا عیسائی تھے۔ مگر چونکہ وہ ایسا نہیں کر سکتے بنا بریں انکا دعویٰ بھی سراسر باطل ہو گیا۔ اسیطرح قرآن مجید یہودیوں اور عیسائیوں کے جھگڑے کا جو کہ وہ حضرت مسیح

علیہ السلام کے بارے میں کرتے تھے فیصلہ کرنے کے لئے آگے آیا۔ یہودی حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ صدیقہ حضرت مریم علیہا السلام پر بہتان باندھتے تھے عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدایش کو معجزانہ رنگت میں تجسم الٰہی مانتے تھے۔ اور انکو ابن اللہ یا خداوند یا روح القدس کا فرزند تسلیم کرتے تھے۔ دونوں فریق افراط تفریط سے کام لے رہے تھے۔ قرآن مجید نے مسیح علیہ السلام کی پیدایش کو یہودیوں کے قابل نفرین اور عیسائیوں کے اعجازی دائرہ سے الگ کر کے فیصلہ سنا دیا کہ:-

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ۔ (پ۳۔ اٰل عمران۔ ۶۶) +

خدا کے نزدیک جیسے آدم۔ ویسے ہی عیسٰی۔ جیسے وہ خاکی۔ ویسے ہی عیسٰی بھی خاکی وہی ذات پاک۔

وَلَقَدْ خَلَقْنٰکُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰکُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ (پ۸۔ الاعراف ۶۲)

مٹی سے نباتات۔ نباتات سے نطفہ اور نطفہ سے تمہاری شکل و صورت بنانا ہی۔ اور وہی ذات پاک انسانکو فرشتوں پر فضیلت دیتا ہی۔ یہ ایک سنت اللہ ہی۔ اسپر کسی شخص کی ابنیت و الوہیت کے متعلق جھگڑا کرنا یا کسی کی پیدایش پر بہتان باندھنا سراسر عبث ہے +

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ فَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ۔ پ۳۔ ۶۶) +

جب تمہیں سنت اللہ کا پتہ لگ گیا۔ تو پھر کیوں مسیح کی پیدایش کے متعلق جھگڑے برپا کرتے یا اس کی الوہیت و ابنیت یا اس کے جسم الٰہی ہونے کے خبط میں مبتلا ہوتے ہو۔ صاف ظاہر ہے۔ کہ قرآن مجید نے مسیح کی پیدایش کو معجزانہ تسلیم کرنے یا نہ کرنے کے مسئلہ کو معمولی سی بات بتا کر یہودیوں اور عیسائیوں کے جھگڑے کا فیصلہ کر ڈالا مگر جب دونوں فریقوں کی اس علمی و عقلی دلیل سے تسلی نہ ہوئی تو قرآن مجید نے اپنی عادت کے مطابق انکے سامنے عملی دلیل پیش کرنے کی ٹھانی اور ان دونوں فریقوں کو للکارا کہ:-

فَمَنْ حَآجَّکَ فِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَکَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَکُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَکُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَکُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۔ پ۳۔ آل عمران ۶۶

اے یہودیو! اور اے عیسائیو! دیکھو مسیح کی پیدایش کے متعلق ہم نے تمکو علم و عقل کی بات بتادی

لیکن اگر باوجود اس کے تم اب بھی کٹھ حجتی چھوڑنے کے لیئے تیار نہیں ہو تو پھر ذرا میدان میں آکر فیصلہ کر لو۔ اس فیصلہ کے لیئے اے یہودیو اور اے عیسائیو! تم اپنے بیٹوں کو۔ اپنی بہو بیٹیوں کو اور اپنے آپکو میدان میں لے آؤ۔ ہم بھی اپنی بیٹوں کو۔ اور اپنی بہو بیٹیوں کو اور اپنے آپ کو میدان میں لے آتے ہیں۔ اے یہودیو! تم جو مسیح کی پیدایش کے متعلق حضرت مریم صدیقہ پر بہتان باندھتے ہو۔ سچ سچ بتاؤ۔ کیا تمہارے بیٹوں۔ تمہاری بہو بیٹیوں اور تم میں سے خود کوئی اسی طریقہ سے پیدا شدہ ہے۔ اگر تم مسیح اور اسکی والدہ صدیقہ کو بدنام کرنے کے لیئے جھوٹ موٹ ہاں کہدو گے تو تمپر خدا کی لعنت ہوگی جب تم اپنے بیٹوں۔ اپنی بہو بیٹیوں۔ اور اپنے آپ پر یہ الزام لگانا پسند نہیں کرتے ہو تو کس قدر شرم کی بات ہے کہ تم یہی الزام مسیح اور اس کی والدہ پر لگاتے ہو۔ ای عیسائیو! تم جو مسیح کی معجزانہ پیدایش پر زور دے رہے ہو۔ بتاؤ۔ تمہاری بیٹیوں۔ اور تم میں سے خود کوئی بھی معجزانہ طریقہ پر بغیر باپ کے پیدا ہوا ہے۔ اگر تم مسیح کی معجزانہ پیدایش کو ثابت کرنے کے لیئے اس سوال کا جھوٹ موٹ ہاں میں جواب دوگے تو یاد رکھو کہ جھوٹوں پر خدا کی لعنت ہوتی ہے۔ کوئی ہے تم میں جو یہ کہہ سکے کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوا ہے پس جب ایسا نہیں ہے۔ تو پھر تم مسیح کی پیدایش کے متعلق فضول جھگڑا کیوں کر رہے ہو؟

مسیح علیہ السلام کی پیدایش کے متعلق یہودیوں اور عیسائیوں کے جھگڑے کا فیصلہ کرنیکے لیئے قرآن مجید نے دلیل ساطع اور برہان قاطع کا جو حربہ آج سے تیرہ سو سال پیشتر استعمال کیا تھا۔ وہی عملی دلیل اب بھی اس جھگڑے کا فیصلہ کرنیکے لیئے بطور حربہ ہے۔ یہودیوں کا بہتان اس قدر خطرناک نہیں تھا جسقدر کہ عیسائیوں کا یہ کہنا کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے کیونکہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوا تھا۔ عیسائیوں کے اس دعویٰ کو توڑنیکے لیئے مذکورہ بالا عملی دلیل کے علاوہ قرآن مجید نے ایک دوسری دلیل دی اور فرمایا کہ:-

اَنّٰی یَکُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَکُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ۔ (پ۷۔ الانعام۔ ع۱۲)

جو لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے وہ اتنا نہیں سوچتے کہ بغیر بیوی کے خدا کے کیونکر بیٹا ہو سکتا ہے۔ حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ خدا نے کبھی جورو ہی نہیں کی۔ سبحان اللہ کیسی سیدھی سادی مگر اٹل دلیل ہے۔ اس سے صرف یہی نہیں۔ کہ عیسائیوں کے اس

دعویٰ کی مکمل تردید ہوگئی۔ جو یہ کہتے ہیں کہ مسیح خدا کا بیٹا تھا۔ بلکہ اس سے یورپ ایشیا افریقہ اور امریکہ کے ان لوگوں کے خیالات و اعتقادات کی بھی تردید ہوگئی جو اپنے اپنے ہادیان دین کو یا اپنی قوم کے بڑے بڑے آدمیوں کو روح القدس یا خداوند خدا کے بیٹے اور بغیر انسانی باپ کے پیدا شدہ مانتے تھے یا مانتے ہیں۔ قرآن مجید نے اکیلی ماں یا اکیلے باپ سے پیدائش کے مسئلہ کی تردید کردی اور کہہ دیا کہ اگر خدا کو بھی (نعوذ باللہ) بیٹا پیدا کرنے کی ضرورت پڑے تو اسکو بھی بیوی یا عورت کی ضرورت پڑیگی۔ جب خدا بھی اولاد کی پیدائش کیلئے اپنے لئے جوڑے یا بیوی کا ہونا ضروری سمجھتا ہو۔ تو کیا جن عورتوں کے متعلق یہ کہا جاتا ہے۔ کہ انہوں نے بغیر انسانی خاوند کے بیٹا جنا انکو خدا سے بھی افضل مان لیا جاوے اور یہ سمجھ لیا جاوے کہ خدا کو تو بیٹا پیدا کرنیکے لئے (نعوذ باللہ) جوڑے یا جورو کی ضرورت ہوسکتی ہے۔ مگر ان عورتوں کو جن کے متعلق کہا جاتا ہے۔ کہ انہوں نے بغیر خاوند کے بیٹے جنے۔ مرد یا جوڑے یا خاوند کی ضرورت نہیں ہوسکتی تھی۔ کیونکہ وہ خدا سے بھی افضل اور طاقتور تھیں۔ نعوذ باللّٰہِ مِنْ ذالک۔ ایسا ماننا قرآن پاک کی تعلیم اور سنت اللہ کے قطعی برخلاف ہے پس قرآن مجید نے دلیل ساطع و برہان قاطع کے ذریعہ اس بات کا فیصلہ کرڈالا کہ مرد بغیر عورت کے اور عورت بغیر مرد کے اولاد پیدا نہیں کرسکتا اور نہیں کرسکتی بلکہ اولاد کی پیدائش مرد اور عورت دونوں کے ملاپ سے ہی ہوتی ہے۔ یہی خدا کا قانون ہے۔

ممکن ہے عیسائی لوگوں نے مسیح کو خدا کا بیٹا یا اُس کو مجسم الٰہی بتانے میں بڑا بھاری فائدہ یہ سوچا ہو کہ جب انسانوں کو یہ کہا جاویگا کہ تمہاری ہدایت کیلئے تمہارے جیسا انسان نہیں بلکہ خود خدا مجسم ہوکر آیا ہے تو وہ مارے ڈر کے یا خدا کے لئے عزت کے جذبہ سے متحرک ہوکر فوراً اُس کو اپنا نجات دہندہ تسلیم کرلینگے۔ بت پرست لوگ عموماً اسی قسم کا اعتراض بھی کرتے تھے۔ کہ اگر خدا کو ہماری ہدایت کیلئے کوئی رسول ہی بھیجنا تھا تو وہ خود آتا۔ یا فرشتوں کو بھیجتا۔ اس خیال کی بطالت کو ظاہر کرنے کیلئے قرآن مجید نے ایک سیدھی سی مگر اٹل دلیل پیش کی اور کہا کہ:۔

قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا

عَلَیْھِمْ مِنَ السَّمَآءِ مَلَکًا رَّسُوْلًا (پ ۱۵۔ بنی اسرائیل۔ ۱۱ع)

اگر زمین پر فرشتوں کی آبادی ہوتی اور وہی اس پر آرام سے چلنے پھرنیوالے ہوتے۔ تو ہم انکی ہدایت کیلئے ضرور فرشتہ ہی نازل کرتے۔ مگر وہ فرشتہ کس شکل میں انپر ظاہر ہوتا سنو

وَلَوْ جَعَلْنٰہُ مَلَکًا لَّجَعَلْنٰہُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَیْھِمْ مَّا یَلْبِسُوْنَ

(پ ۷۔ الانعام۔ ۱ع) +

اگر ہم ان کے کہنے کے مطابق فرشتہ بھی بھیجتے تو وہ بھی اُن کے پاس انسان کی ہی شکل میں آتا۔ اس صورت میں بھی وہ یہی ہٹ کرتے رہتے۔ جو کہ وہ اب کر رہے ہیں چنانچہ اس کا ثبوت عیسائیوں کا مسیح کے متعلق اعتقاد موجود ہے۔ کہ انہوں نے قرآن پاک کی مذکورہ تعلیم سے فائدہ نہ اٹھا کر مسیح کو خدا کا بیٹا بلکہ خدا کا تجسم تک ماننے کا تجربہ کرنا چاہا۔ مگر انکو اس تجربہ میں ناکامیابی ہوئی۔ اور اس تجربہ کا نتیجہ وہی برآمد ہوا۔ جو قرآن مجید نے بیان کر دیا ہے۔ اسی طرح توحید باری تعالےٰ کے بارے میں قرآن مجید ایک سادہ سی دلیل دیتا ہے۔

لَوْ کَانَ فِیْھِمَآ اٰلِھَۃٌ اِلَّا اللّٰہُ لَفَسَدَتَا۔ (پ ۱۷۔ الانبیاء۔ ۲ع) +

اگر زمین و آسمان میں بہت سے خدا ہوتے تو دونوں کا نظام کبھی کا الٹ پلٹ گیا ہوتا خدا کی توحید کے متعلق کیا مزیدار دلیل ہے۔ نہ صرف دلیل بلکہ اس کے ساتھ ہی ان لوگوں کو جو بہت سے معبود مانتے ہیں چیلنج بھی موجود ہے کہ :۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِہٖٓ اٰلِھَۃً قُلْ ھَاتُوْا بُرْھَانَکُمْ (پ ۱۷۔ انبیاء۔ ۲ع)

وہ لوگ جو خدائے وحدہٗ لاشریک کو چھوڑ کر اپنے لئے بہت سے معبود بنائے بیٹھے ہیں۔ انکو چیلنج دو کہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں دلیل لائیں۔ قرآن مجید جو مسئلہ پیش کرتا ہے۔ اسکے حق میں دلیل و برہان لاتا ہے۔ مخالفین کے دعاوی کو اگر رد کرتا ہے تو دلیل و برہان کے ذریعہ اگر مخالفین کوئی دعوے پیش کرتے ہیں تو قرآن مجید ان سے دلیل و برہان مانگتا ہے الغرض علم و عقل دلیل و برہان کے بغیر قرآن مجید نہ خود کوئی قدم اٹھاتا ہے۔ نہ دوسروں کو اٹھانے دیتا ہے۔ وہ علمی اور عقلی دلائل دیتا ہے۔ اگر مخالف انکے سامنے سر خم نہ کرے۔ اور برابر ہٹ دھرمی اور کج بحثی سے ہی کام لیتا جاوے تو وہ اپنا آخری ہتھیار عملی دلیل کا استعمال کرتا ہے۔ اور مخالف کی تمام باتیں ملیا میٹ کر دیتا ہے۔ قرآن مجید کیا ہے؟ دین و دنیا کے ہر ایک مسئلہ کے

متعلق مباحثہ و مناظرہ کی جامع و مانع کتاب ہے۔ وہ قدم قدم پر دلیل و برہان سے کام لینا۔ اور دلیل و برہان کا مطالبہ کرتا ہے۔ قرآن پاک دلیل و برہان کا اس قدر عاشق ہے۔ کہ وہ اپنا نام ہی برہان رکھتا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ کہ:

یَا اَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَاءَکُمْ بُرْھَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا۔ (پ۶۔ النساء ع ۲۳)

اے لوگو! دیکھو! تمہارے خدا کی طرف سے تمہارے لئے یہ برہان (یا حجۃ اللہ) نازل ہوا۔ یہ وہ نور ہے جو ہر ایک معاملہ پر کھلی روشنی ڈالتا ہے۔ جس صورت میں کہ قرآن مجید کا نام ہی برہان ہو۔ اس صورت میں کب ممکن ہے۔ کہ وہ خود کوئی بھی بات بغیر برہان کے کرے۔ یا کسی بھی دعویٰ کو بغیر برہان کے تسلیم کرلے۔ چنانچہ وہ جا بجا دلیل و برہان کا ہی مطالبہ کرتا ہے۔ مثلاً

(۱)

وَمَنْ یَّدْعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ لَا بُرْھَانَ لَہٗ (پ۱۸۔ المومنون ع ۶)

وہ شخص جو خدا کے سوائے کسی دوسرے معبود سے دعا کرتا ہے وہ اپنے اس فعل کے حق ہونے پر کوئی برہان قاطع نہیں رکھتا۔

(۲)

وَقَالُوْا لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّۃَ اِلَّا مَنْ کَانَ ھُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی تِلْکَ اَمَانِیُّھُمْ قُلْ ھَاتُوْا بُرْھَانَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔ (پ۱۔ البقرۃ ع ۱۳)

یہودی کہتے ہیں۔ کہ یہودیوں کے سوائے کوئی دوسرا شخص اور عیسائی کہتے ہیں کہ عیسائیوں کے سوائے کوئی دوسرا شخص بہشت میں نہیں جائیگا۔ مگر یہ سب ان لوگوں کے خالی ڈھکوسلے اور خیالی پلاؤ ہیں۔ وہ اپنے اس دعوے کے ثبوت میں کوئی دلیل نہیں دیسکتے۔ اگر وہ سمجھتے ہیں کہ انکا یہ دعویٰ سچ ہے۔ تو انکو چیلنج دو۔ کہ ذرا وہ اپنے دعوے کی تائید میں کوئی برہان قاطع تو پیش کریں۔ مگر وہ ہرگز کوئی دلیل نہیں دیسکینگے۔ یہ تو ہوئی انکے دعوؤں کی اصلیت۔ اب سنو حقیقت کیا ہے:-

بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْھَہٗ لِلّٰہِ وَھُوَ مُحْسِنٌ فَلَہٗٓ اَجْرُہٗ عِنْدَ رَبِّہٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ (ایضاً)

حقیقت یہ ہے۔ کہ جس شخص نے خداوند قدوس کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔ اور وہ نیک کام کرنے والا بھی ہے۔ وہ خواہ یہودی ہو۔ خواہ غیر یہودی۔ خواہ عیسائی ہو۔ خواہ غیر عیسائی۔ ہر ایک ایسا خدا پرست اپنے اعمال کی جزا خدا کے ہاں پائیگا۔ اور یہی ہی نیکوکار لوگ ہیں۔ جو بہشت میں جانیوالے ہیں جہاں انکو کسی قسم کا خوف ہوگا نہ رنج والم۔ سبحان اللہ۔ قرآن پاک نے مخالفین کے دعویٰ بلا دلیل کو کاٹ دیا اور ان کے مقابلہ میں اپنا دعویٰ مع برہان قاطع کے پیش کر دیا۔ جو بطور قاعدہ کلیہ کے ہے۔ اور اکٹ ہے ۔

(۴)

اَتُجَادِلُوْنَنِیْ فِیْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّیْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۔ (پ۸ ۔ الاعراف ۹ع) ۔

کیا تم اپنے اور اپنے باپ دادوں کے گھڑے گئے مختلف نام کے بتوں کی عبادت کے بارے میں میرے ساتھ جھگڑا کرتے ہو۔ حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ بت پرستی بذات خود ایسی چیز ہے کہ جس کے حق ہونے میں خدا نے کوئی بھی دلیل نہیں دی تمہاری دلیلوں کا تو کہنا ہی کیا ہے ۔

(۵)

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِيُّ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بِهٰذَا ؕ اَ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ (پ۱۱ ۔ یونس ۷ع) ۔

بعض لوگ کہتے ہیں۔ کہ خدا نے بیٹا بنا رکھا ہے۔ خدا کی ذات اس قسم کی باتوں سے پاک ہے۔ اس کو اولاد وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ جو کچھ زمین و آسمان میں ہے سب اسی کا ہے۔ وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ خدا نے اپنے لئے کوئی بیٹا بنا رکھا ہے۔ ان کو چیلنج دو۔ کہ جو کچھ تم کہتے ہو۔ یا تو اس کی صداقت پر کوئی برہان قاطع پیش کرو۔ ورنہ خدا کے متعلق لاعلمی کی باتیں مت بناؤ ۔

(۶)

اَلَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (پ۲۴۔ المؤمن۔ ۶۳)

وہ بت پرست جو خدا کی آیتوں میں فضول جھگڑا کرتے ہیں۔ اور کوئی دلیل محکم پیش نہیں کرتے۔ ان کا یہ فعل خدا اور خدا پرستوں کے نزدیک محض حماقت ہے +

(۷)

اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰهُمْ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ (پ۲۴۔ المومن۔ ۶۶) +

وہ لوگ جو خدا کی آیتوں میں جھگڑا تو کرتے ہیں۔ مگر کوئی دلیل محکم پیش نہیں کرتے وہ محض شیخی خورے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہیں +

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ۔ پ۱۷۔ الحج ۶۹) +

بُت پرست لوگ خدا کے سوائے جن معبودوں کی پوجا کرتے ہیں وہ اپنے اس فعل کو نہ تو دلیل و برہان کے ذریعہ درست ثابت کرسکتے ہیں۔ نہ ہی علم و عقل کے ذریعہ۔ ایسے لوگوں کے بارے میں قرآن مجید نے خوب کہا ہے کہ:۔

اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا۔ پ۱۹۔ الفرقان۔ ۴۴ع) +

وہ لوگ جو نہ تو حق و حقانیت کی باتوں کو کان دھر کر سنتے ہیں۔ نہ ہی علم و عقل اور دلیل و برہان سے کام لیتے ہیں۔ کیا تم خیال کرتے ہو کہ وہ انسان ہیں؟ ہرگز نہیں۔ ایسے لوگ انسان نہیں۔ بلکہ ڈنگر ہیں۔ بلکہ ڈنگروں سے بھی گئے گذرے۔ ایسی تعلیم کی موجودگی میں اگر کوئی مسلم یا غیر مسلم یہ کہے۔ کہ قرآن مجید نے مذہبی معاملات میں علم و عقل یا دلیل و برہان سے کام لینے کی اجازت نہیں دی۔ سمجھ لینا چاہئے کہ وہ شخص اسلام اور قرآن مجید پر بے جا الزام لگا رہا ہے +

اعرابی۔ اس پہلو میں میرے تمام شکوک کا ازالہ ہوگیا۔ اب میں آپ سے ایک اور سوال پوچھنا چاہتا ہوں +

مسلم۔ بڑے شوق سے +

چوتھی فصل

جنگ و اسلام

اعرابی۔ یہ تو میں نے مان لیا کہ اسلام کی بنیاد علم و عقل اور دلیل و برہان پر ہے مگر پھر بھی میں قرآن مجید کو کلام الٰہی ماننے کیلئے تیار نہیں ہوں۔

مسلم۔ آخر اس کی وجہ؟

اعرابی۔ اس کی بڑی بھاری وجہ تو یہی ہے کہ قرآن مجید نے بلاوجہ جنگ و جدل اور قتل و غارت کی تعلیم دی ہے۔ اور خدا کے کلام میں ایسی تعلیم کا موجود ہونا نہایت معیوب ہے +

مسلم۔ قرآن مجید نے جنگ و جدل کی تعلیم تو بیشک دی ہے۔ مگر کیا آپ نے اس بات پر بھی غور کیا۔ کہ اس نے جنگ و جدل کی کن حالات میں اجازت دی ہے؟

اعرابی۔ میں نے تو یہی سنا ہے کہ مسلمان جہاں کہیں کافروں کو پائیں قتل کر ڈالیں۔ اور ان کا مال و اسباب لوٹ لیں۔

مسلم۔ آپ نے صرف سنا ہی ہے۔ یا قرآن مجید کا مطالعہ بھی کیا ہے؟

اعرابی۔ قرآن مجید کا میں نے سرسری مطالعہ کیا ہے۔ اس سے بھی مجھے یہی پتہ لگتا ہے کہ وہ کافروں کے مار دھاڑ کرنے پر بڑا زور دے رہا ہے۔ اسی لئے میں اس کو کلام الٰہی ماننے سے منکر ہوں۔

مسلم۔ اچھا اس بات کو توفی الحال رہنے دیجئے۔ کہ قرآن مجید کلام الٰہی ہے یا نہیں۔ میں سردست آپ سے ایک سوال کرتا ہوں۔

اعرابی۔ بڑے شوق سے۔

مسلم - فرض کیجئے کہ آپ اپنے آرام دہ گھر میں اپنے بال بچوں کے ساتھ آرام کر رہے ہیں۔ کہ اتنے میں ڈاکوؤں اور بدمعاشوں کا ایک گروہ آپ کے مکان پر ڈاکہ مارتا ہے۔ اور آپ کو یا آپ کے بیوی بچوں کو قتل کرنے کے درپے ہے۔ اور آپ کے مال و متاع کو بھی آپ سے چھین لیتا ہے۔ کیا ایسے ڈاکوؤں کے حق میں آپ دعا رِ خیر کرینگے۔ یا اپنی اور عیال و اطفال کی جان اور مال و متاع کی حفاظت کے لیئے ڈاکوؤں کا مقابلہ کرینگے؟

اعرابی - میں ڈاکوؤں کا یقیناً مقابلہ کرونگا۔

مسلم - کیوں؟

اعرابی - اس لیئے کہ اپنی اور اپنے عزیز و اقارب اور مال و متاع کی حفاظت کرنا اور ان کو دشمنوں کی دست برد سے بچانا فطرتی تقاضا ہے۔ اگر میں ایسا نہ کروں تو مجھ میں اور ایک پتھر کے ٹکڑے میں کچھ فرق نہیں ہوگا؟

مسلم - آپ کا خیال بالکل صحیح ہے۔ اب اسی اصول کو مدنظر رکھ کر قرآن مجید کی ان آیات کا مطالعہ کیجئے۔ جو جنگ و جدال کے متعلق ہیں۔ مثلاً

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ ن الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ۔ الحج ع ۶

یعنے جن مسلمانوں پر دشمنان اسلام ظلم کرتے ہیں اور ان سے محض اس بنا پر جنگ کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ خدا وحدہٗ لاشریک کے ماننے والے ہیں۔ اور اسی کلمۂ حق کی خاطر دشمنان اسلام مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکال دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں ایسے مظلوم مسلمانوں کو بھی خدا کی طرف سے کھلی اجازت ہے۔ کہ وہ ایسے ظالموں کا مقابلہ کریں ظلم کی ابتدا کفار کی طرف سے ہوتی ہے۔ مسلمان صرف مدافعت کرنے کے لیئے مجبور ہیں۔ ایسی مدافعانہ جنگ کے متعلق آپ کیا رائے دینگے؟

اعرافی - میرے خیال میں اس قسم کی مدافعانہ جنگ ایک فطرتی تقاضا ہے۔ اگر مسلمانوں کو حفاظت نفس کے لیئے ہی جنگ کرنی پڑے۔ تو میں انکو بالکل حق بجانب سمجھوں گا۔

مسلم۔ بہت اچھا۔ اب قرآن مجید کی دوسری آیت لیجئے:۔

فَاتِلُوا فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ۔ البقرۃ ع

جو لوگ تم سے جنگ کر رہے ہیں۔ تم بھی فی سبیل اللہ ان سے جنگ کرو۔ مگر جارحانہ کارروائی نہ کرو۔ کیونکہ خدا اس قسم کی زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ کیوں صاحب! آپ کا اس پر کیا اعتراض ہے؟

اعرابی۔ کوئی اعتراض نہیں۔ یہ بالکل ٹھیک تعلیم ہے۔

مسلم۔ بہت بہتر۔ اب دوسری آیت اور لیجئے:۔

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّکَثُوْٓا اَیْمَانَھُمْ وَھَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَھُمْ بَدَءُوْکُمْ اَوَّلَ مَرَّۃٍ۔ التوبۃ ع

جن لوگوں نے عہد و پیمان کو خاک میں ملا دیا ہو۔ اور انہوں نے اللہ کے رسول کو اس کے وطن سے بے وطن کیا ہو۔ اور بلاوجہ مسلمانوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی ابتدا کی ہو۔ کیا وجہ ہے۔ کہ ایسے لوگوں کے چیلنج کو قبول کر کے ان کے ساتھ جنگ نہ کی جاوے؟

یہ ایک نہایت ہی معقول اور اشد ضروری سوال ہے۔ کہئے آپ کے پاس اس سوال کا کیا جواب ہے؟

اعرابی۔ اس سوال کا جواب سوا اس کے دوسرا کوئی نہیں ہو سکتا کہ ایسے ظالم اور بدعہد لوگوں کے ساتھ جنہوں نے اپنے تمام قول و قرار کو بالائے طاق رکھ کر جنگ کی ابتدا کی یقیناً مدافعانہ جنگ ہونی چاہئے۔ کوئی معقول پسند انسان مسلمانوں کو اس قسم کی جنگ کے لئے مورد الزام نہیں گردانیگا۔

مسلم۔ بہت بہتر۔ اب ذرا دوسری آیت اور لیجئے۔

وَاِنْ نَّکَثُوْٓا اَیْمَانَھُمْ مِّنْ بَعْدِ عَھْدِھِمْ وَطَعَنُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّۃَ الْکُفْرِ۔ ع

اگر دشمنان اسلام صلح و امن قایم رکھنے کے متعلق اپنے عہد و پیمان کو بالائے طاق رکھدیں اور وہ مسلمانوں کے مذہبی معاملات میں مداخلت کرنے لگ جائیں۔

ایسی صورت میں قیام امن اور تحفظ دین کی خاطر ایسے مفسدین کے ساتھ جنگ کرد کیجئے صاحب! آپ اِس کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟

اعرابی۔ میرے خیال میں چونکہ عہد شکنی غیر مسلموں کی طرف سے ہوئی۔ اور نہ ہی معاملات دین میں چھیڑ چھاڑ یا جنگ کی ابتدا بھی ان سے ہی ہوئی۔ ایسی صورت میں مسلمان اگر اپنی اور اپنے دین کی حفاظت کے لئے حملہ آوروں کے حملوں کا جواب دیں تو وہ بالکل حق بجانب ہوں گے۔

مسلم۔ بہت خوب! اب ذرا اور آگے چلئے:۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا (النساء ع)۔

کیا تم ایسے ظالموں کے ساتھ نہیں لڑو گے جو کسی شہر کے کمزور اور بوڑھے مردوں اور عورتوں اور چھوٹے بچوں پر مظالم توڑ رہے ہیں۔ اور وہ مظلوم رب العزۃ کے حضور میں رو رو کر یہ فریاد کر رہے ہوں کہ اے مولا کریم! تو ہمیں ایسے ظالموں کے پنجے سے نجات دے۔ کیوں صاحب! آپ اس سوال کا کیا جواب دینگے؟

اعرابی۔ میں اس کا یہی جواب دوں گا کہ ایسے ظالموں کے پنجے سے کمزور اور بوڑھے مردوں اور عورتوں اور بچوں کو بچانا ہر ایک ہمدرد انسان کا فرض ہے۔ اور کہ اس فرض کی ادائیگی میں اگر جنگ بھی کرنا پڑے تو مضایقہ نہیں۔

مسلم۔ بہت بہتر۔ اب دوسری آیت اور لیجئے۔

الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ۔ التوبۃ ع۔

جن بت پرستوں نے تمہارے ساتھ عہد نامہ کیا ہے۔ اور انہوں نے اس عہد نامہ کو توڑا نہیں ہے۔ اور نہ ہی انہوں نے اپنے عہد کے مطابق تمہارے برخلاف کسی کو جنگ میں مدد دی ہے۔ تو تم بھی اس عہد نامہ کے لئے جتنی مدت کے لئے کہ یہ کیا گیا ہے۔ وفادار رہو۔ کیوں صاحب! اس پہ کوئی اعتراض؟

اعرابی۔ کوئی اعتراض نہیں۔
مسلم۔ اب ذرا دوسرا پہلو بھی دیکھئے۔ قرآن مجید میں رب العزۃ کا حکم ہے۔ کہ
وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا۔ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ
فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ۔ الانفال ۶
اگر دشمنان اسلام صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی فوراً صلح پر آمادہ ہو جاؤ۔ اور اگر تمہیں یہہ اندیشہ ہو کہ وہ صلح کے پردے میں تمہیں دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔ تو کچھ مضائقہ نہیں۔ رب العزۃ تمہارا حامی و ناصر ہے۔
کیوں صاحب! اس سے بڑھکر دشمنان اسلام اور کیا چاہتے ہیں؟ رب العزۃ تو یہہ فرماتا ہے کہ وہ خواہ تمہارے ساتھ جھوٹی صلح بھی کرنا چاہتے ہوں۔ اور ان کے دلوں میں دھوکہ اور فریب ہو۔ مگر تم اس صورت میں بھی ان سے صلح کرلو۔ کہئے اس پر کیا اعتراض ہے؟
اعرابی۔ میں نہیں جانتا اس سے بڑھکر صلح اور امن پسندی کی تعلیم اور کیا ہو سکتی ہے۔ یہ نہایت ہی شریفانہ اور شجاعانہ سپرٹ ہے۔
مسلم۔ مگر ذرا اور دیکھئے۔ رب العزۃ فرماتا ہے:۔
فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا
جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا۔ النساء ۱۲۔
اے مسلمانو! اگر دشمنان اسلام تم سے کسی قسم کی چھیڑ چھاڑ نہ کریں اور نہ ہی تم سے لڑیں بھڑیں۔ بلکہ وہ تمہارے ساتھ صلح و امن سے رہنا چاہیں۔ تو خبردار! ایسی صورت میں رب العزۃ نے تمہیں ہرگز یہ حق نہیں دیا ہے۔ کہ تم ان سے کسی قسم کی چھیڑ چھاڑ کرو۔ کیوں صاحب! کیا قرآن مجید کی اس تعلیم سے افضل و اعلیٰ اور معقول کوئی دوسرا قانون امن و صلح ہو سکتا ہے؟
اعرابی۔ ہرگز نہیں۔
مسلم۔ تو پھر آپ نے یہہ نتیجہ کیسے نکال لیا تھا کہ قرآن مجید مسلمانوں کو بلا وجہ غیر مسلموں کے ساتھ لڑنے بھڑنے۔ یا انکو قتل کرنے اور لوٹنے مارنے کی تعلیم دیتا ہے؟
اعرابی۔ واقعی میری یہہ سخت غلطی تھی۔ کہ میں نے قرآن مجید پر غور و تدبر کرنے کے

بغیر محض سرسری طور پر مطالعہ کرکے ہی یہہ سمجھ لیا تھا کہ چونکہ قرآن مجید لڑنے بھڑنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اس لئے وہ خدا کا کلام نہیں ہے۔ ورنہ امر واقعہ تو یہہ ہے کہ اپنی اور اپنے لواحقین کی جان کی حفاظت کرنا انسان تو ایک طرف ادنےٰ درجہ کے جانداروں میں بھی قدرت کا بہترین تقاضا ہے۔ اگر خدا نے حفاظت نفس کا جذبہ جانداروں میں نہ رکھا ہوتا تو آج صفحہ ہستی پر ایک جاندار بھی نظر نہ آتا سب ایک دوسرے کے ہاتھ سے ہلاک ہو گئے ہوتے۔

مسلم۔ آپ کا خیال بالکل ٹھیک ہے۔ قرآن مجید نے اسی اصول کو مدنظر رکھ کر مدافعت کی تعلیم دی ہے۔ یہ عالمگیر اصول صرف مسلمانوں تک ہی محدود نہیں ہے۔ بلکہ جملہ نوع انسان پر حاوی ہے۔ رب العزۃ نے خود اسی اصول کی بدیں الفاظ تشریح کی ہے۔ کہ

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ
وَبِيَعٌ وَصَلَوٰتٌ وَمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيرًا۔ الحج۔

اگر خداوند کریم انسانوں کو ایک دوسرے کے حملوں سے مدافعت کرنے کی تعلیم نہ دیتا تو اس کا نتیجہ یہہ ہوتا کہ یہودی عیسائیوں کے گرجے اور عیسائی یہودیوں کے عبادتخانے اور یہودی اور عیسائی دونوں ملکر مسلمانوں کی مسجدیں مسمار کر ڈالتے حالانکہ مسجدوں میں ہی سب سے زیادہ رب العزۃ کی تقدیس کے گیت گائے جاتے ہیں۔ مگر رب العزۃ نے قرآن مجید کے ذریعہ مسلمانوں کو تعلیم دی۔ کہ وہ عبادتخانوں کی حفاظت کریں۔ خواہ وہ اُن کی اپنی ہوں خواہ غیر مسلم لوگوں کی۔ اگر کوئی قوم کسی دوسری قوم کو رب العزۃ کی پرستش کرنے سے روکتی ہے۔ تو یہہ ایک ایسی شرارت ہے۔ جو جنگ و جدل سے بھی بڑھکر خوفناک ہے۔ چنانچہ رب العزۃ کا فرمان ہے:۔

وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ
أَهْلِهٖ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ۔ البقرۃ۔

خدا کی عبادت کرنے سے روکنا اور خدا کے برخلاف کفر بکنا اور لوگوں کو مسجد مقدس میں جانے سے منع کرنا۔ یا مسجد سے نماز پڑھنے والوں کو نکال دینا خدا کے نزدیک بدترین

جرم ہے۔ اور یہ ایک ایسی شرارت ہے۔ جو قتل و غارت سے بڑھکر خوفناک ہے۔ ایسی شرارت یا فتنہ پردازی کی سزا کیا ہونی چاہیئے؟

اعرابی۔ کسی انسان کو خدا کی عبادت کرنے سے روکنا یا اس کو عبادتگاہ سے نکال دینا نہایت شرمناک حرکت ہے۔ اس سے بڑھکر فتنہ پردازی اور کوئی نہیں ہوسکتی۔ ایسے فتنہ پردازوں کو جو بھی سخت سے سخت سزا دیجا سکتی ہو۔ دینی چاہیئے +

مسلم۔ میں پوچھتا ہوں۔ ایسے شریر انسان اگر باوجود سمجھانے بجھانے کے اپنی مذکورہ شرارت سے باز نہ آئیں تو پھر کیا کرنا چاہیئے؟

اعرابی۔ آپ ہی فرمائیں۔

مسلم۔ میں کیوں فرماؤں۔ خود رب العزۃ فرماتا ہے:۔

كُلَّمَا رُدُّوا إِلَى الْفِتْنَةِ أُرْكِسُوا فِيهَا فَإِن لَّمْ يَعْتَزِلُوكُمْ وَيُلْقُوا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوا أَيْدِيَهُمْ فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأُولَٰئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا مُّبِينًا (النساء ع۱۳)

جب فتنہ پرداز ایسے مفسدین کو فتنہ پردازی کے لیے بھڑکاتے ہوں۔ اور وہ بھی اندھا دھند فتنہ پردازی پر اُتر آتے ہوں۔ اور باوجود سمجھانے بجھانے کے وہ اپنی مذکورہ بالا مجرمانہ حرکات سے باز نہ آتے ہوں۔ اور صلح و امن کے ساتھ رہنا پسند نہ کرتے ہوں۔ اور اپنی دست درازیوں اور مار دھاڑ سے باز نہ آتے ہوں۔ تو پھر ایسے بدذاتوں کی یہی سزا ہے۔ کہ جہاں ان مفسدین کو پاؤ۔ پکڑ لو۔ اور اُن کی گردن مار دو۔ ایسے بدذاتوں کی مذکورہ بالا مفسدانہ بدذاتیاں اس بات کی بین دلیل ہیں۔ کہ وہ تمہارے ہاتھ سے کیفر کردار کو پہنچیں۔ کیوں صاحب! اس پر کوئی اعتراض؟

اعرابی۔ ہرگز نہیں۔ اس لئے کہ جن جرائم کی پاداش میں انکو مذکورہ بالا سزا دینی تجویز کیگئی ہے۔ وہ جرائم ہی ایسے ہیں کہ انکی بیخ کنی کیجاوے۔ اور پھر قرآن مجید نے تو یہہ خوبی رکھی ہے۔ کہ ایسے مفسدین کو پہلے خوب سمجھانا چاہیئے کہ وہ اپنی

مفسدانہ حرکات سے باز آجائیں اور صلح و امن سے رہیں۔ باوجود اس نرمی
ملاطفت کے بھی اگر وہ باز نہ آئیں تو پھر ایسے بدذاتوں کی وہی سزا ہونی چاہیئے
جو قرآن مجید نے تجویز کی ہے۔
مسلم۔ صرف یہی نہیں کہ قرآن مجید نے محض لوٹ مار کرنے یا کسی ہمسایہ کا ملک
دبا لینے کی خاطر کہیں بھی تلوار اُٹھانے کی اجازت نہیں دی۔ بلکہ اسلام کی تمام
تواریخ اس بات کی شاہد ہے۔ کہ وہ دنیا میں بطور مظلوم کے آیا اور مظلوم کی
طرح رہا۔ اور مظلوم کی ہی حیثیت میں اُس نے اپنی حفاظت کی خاطر ظالموں
کے برخلاف تلوار ہاتھ میں لی۔ دنیا بھر کی تواریخ چھان ڈالیئے۔ اسلام نے لوٹ
مار کی خاطر کبھی پیش قدمی نہیں کی۔ رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم کو ظالموں نے
محض اس بات کے لیئے کہ وہ بتوں کی بجائے رب حی وقیوم کی عبادت کرتے
تھے۔ ان کے وطن مالوف سے نکلنے کے لیئے مجبور کیا۔ ان کے ساتھیوں کو اسی
جرم میں قتل کیا گیا۔ جو کلمہ گو اپنی جان بچا کر ابی سینیا وغیرہ ممالک میں چلے گئے تھے
ان شریروں نے وہاں بھی انکا تعاقب کیا۔ آخر کار جب یہ فرزندان اسلام
مدینہ منورہ میں جا کر پناہ گزین ہوئے۔ تو ان دشمنان اسلام نے وہاں بھی ان کی
بیخ کنی کی خاطر لشکر کشی کی۔ جب اُن کے مظالم ناقابل برداشت ہو گئے۔ تو فرزندان
اسلام نے اپنی حفاظت کے لیئے تلوار میان سے نکالی۔ اور تمام عرب کو ایسے
فتنہ پردازوں سے صاف کر ڈالا۔ جب ان بت پرستوں کے حمایتی آتش پرستان
فارس نے فرزندان اسلام کو بلاوجہ دق کرنا شروع کیا۔ اور باوجود صلح و امن
کی اپیلوں کے وہ اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے تو فرزندان اسلام نے فارس
کو بھی ایسے مفسدین سے پاک کر ڈالا۔ اسی طرح جب دوسری طرف سے رومیوں
نے فرزندان اسلام کی بیخ کنی کے لیئے اپنے غرور و نخوت کے نشے سے متوالا ہو کر
عرب پر فوج کشی کی ٹھانی۔ اور باوجود صلح و امن کی درخواستوں کے وہ اپنے
مفسدانہ ارادوں سے باز نہ آئے۔ تو فرزندان اسلام نے بحالت مجبوری ان
رومیوں کی شرارتوں سے ایشیا کے ایک وسیع رقبہ کو پاک کر دیا۔ ادھر جب سندھ
ہند نے اپنے ایرانی آتش پرست بھائیوں کی حمایت میں مسلمانوں کو بلاوجہ تنگ کرنا

شروع کیا۔ اور باوجود سمجھانے بجھانے کے وہ اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے تو مسلمانوں نے اس علاقہ کو بھی ان کی شرارتوں سے صاف کر ڈالا۔ جب پنجاب کے راجاؤں نے کابل و غزنی کے مسلمانوں سے بلاوجہ چھیڑ چھاڑ شروع کی۔ ان تمام عہدناموں کو جو صلح و امن کے لئے مرتب کئے گئے تھے توڑ ڈالا۔ تو مسلمانوں کو اس کے سوائے کوئی چارہ نہ رہا۔ کہ وہ اپنی حفاظت کی خاطر عہد شکن لوگوں کے برخلاف تلوار میان سے نکالیں۔ چنانچہ انہوں نے پنجاب کو فتنہ و فساد سے پاک کر دیا مگر جب ہندوستان کے دیگر راجگان نے اپنے پنجاب کے بھائیوں کی مدد میں علم بلند کیا تو مسلمانوں کو بحالت مجبوری ان کے برخلاف تلوار اٹھانی پڑی۔ غرضیکہ دنیا بھر میں جہاں کہیں بھی مسلمانوں کا بطور فاتحین کے قدم گیا۔ وہ ان کی اپنی مرضی سے نہیں۔ بلکہ دشمنان اسلام کی طرف سے دعوت ملنے پر گیا۔ مسلمانوں نے جوع الارض سے متحرک ہو کر کبھی جنگ نہیں کیا۔ اور نہ ہی اسلام دنیوی سلطنتیں قایم کرنے کے لئے دنیا میں آیا۔ اس کا مشن صرف اتنا ہی تھا۔ کہ جس خالق و مالک نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ وہ اسی کی عبادت کریں۔ شجر و حجر و خس و خاشاک کی پوجا سے اجتناب کریں۔ صلح و امن کی زندگی بسر کریں۔ زمین میں فتنہ و فساد برپا نہ کریں۔ ایکدوسرے کے حقوق کو غصب نہ کریں۔ مگر جب زمین کے فرزندوں نے اسلام کی امن آسمانی دعوت کو سینے سے انکار کر دیا۔ تو زمین کے مالک نے زمین کی بادشاہی بھی فرزندان اسلام کو دیدی۔ اور جب تک وہ اس کے مستحق سمجھے گئے وہ اس کے قلید بردار رہے۔ مگر جب رب العزۃ نے دیکھا۔ کہ وہ اسلام کے نام لیوا ہو کر اسلام کا نمونہ نہیں رہے۔ تو رب العزۃ نے اپنی امانت ان سے پھر چھین لی۔ کیونکہ زمین کا مالک وہی ہے۔ وہ جس کو چاہے اس کی حکومت دیدے۔ اور جس سے چاہے چھین لے اس نے خود یہہ فرمایا ہے کہ لوگوں کو سنا دو کہ

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاۗءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاۗءُ ۡ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاۗءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاۗءُ ۭ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۭ اِنَّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔ (آل عمران ع

اے حی و قیوم خدا زمین کا مالک تو ہی ہے۔ تو جس کو چاہے۔ اس کی بادشاہت

دیدے۔ اور جس سے چاہے چھین لے۔ تو جس کو چاہے دنیا میں بزرگی دے۔ اور جس کو چاہے پست کر دے۔ خیر و خوبی کا مالک تو ہی ہے۔ اور تو ہر ایک چیز پر کامل اختیار رکھتا ہے۔ کیوں صاحب! آپ کے دل میں اب بھی کوئی شک باقی ہے؟

اعرابی۔ درحقیقت میرے بڑے بڑے شکوک تو رفع ہو گئے ہیں۔

مسلم۔ مگر چھوٹے چھوٹے شکوک ابھی باقی ہیں؟

اعرابی۔ ہاں! بات تو یہی ہے۔

مسلم۔ تو پھر آپ ان چھوٹے چھوٹے شکوک کو بھی ظاہر کیجیے۔ تاکہ میں ان کا جواب دینے کی بھی کوشش کروں۔

اعرابی۔ بہت اچھا۔

چوتھی فصل

رسالت و اسلام

اعرابی۔ دیکھیے صاحب! میں توحید کا تو صدق دل سے قائل ہوں۔ مگر میں اس بات کے لئے تیار نہیں ہوں کہ لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ بھی کہا جاوے۔

مسلم۔ آخر اس انکار کی کوئی وجہ؟

اعرابی۔ اس کی بڑی وجہ تو یہی ہے۔ کہ قرآن مجید میں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا کلمہ ہی موجود نہیں ہے۔ یہ تو آپ لوگوں نے دو کلمات کو مختلف مقامات سے اٹھا کر جوڑ دیا ہے۔ جب ہمیں نے قرآن مجید کو ہی ماننا ہے۔ تو پھر مجھے اسی صورت میں اس کو ماننا چاہیے۔ جس صورت میں کہ وہ موجود ہے۔ مجھے یہ جوڑ توڑ پسند نہیں ہیں۔

مسلم۔ ماشاء اللہ! آپ تو اسلام لانے سے پہلے ہی مجتہد بن رہے ہیں مجتہد

بھی اہلِ قرآن +

اعرابی۔ نہ صاحب! میں نہ مجتہد نہ اہلِ قرآن ہیں تو ایک متلاشی حق ہوں جب آپ فرما چکے ہیں کہ مجھے اُن الجھنوں میں جو ما انزل اللہ کے برخلاف ہیں نہیں پڑنا چاہیے۔ تو میں اس لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ کے جھگڑے میں کیوں پڑوں۔ جبکہ یہہ کلمہ ہی قرآن مجید میں موجودہ شکل میں موجود نہیں ہے۔ تو آپ کیوں کہتے ہیں کہ میں اس کو پڑھوں؟

مسلم۔ ابھی تک تو میں نے آپ سے یہہ ذکر تک بھی نہیں کیا۔ کہ آپ اس کلمہ کو پڑھیں۔ مگر میں پوچھتا ہوں۔ کہ کیا آپ نے اس بات کی تحقیق کر لی ہے کہ یہہ کلمہ قرآن مجید میں موجود نہیں ہے۔

اعرابی۔ ہاں صاحب! میں نے خوب تحقیق کر لیا ہے کہ یہہ کلمہ محض مولویوں کا جوڑ توڑ ہے۔ قرآن مجید میں موجود نہیں ہے۔

مسلم۔ بھلا میں بھی تو آپ کی تحقیقات ذرا سنوں؟ فرمایئے۔ آپ نے کیا تحقیق کیا ہے؟

اعرابی۔ میری تحقیقات یہہ ہے کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا سالم کلمہ جیسا کہ یہہ میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں کہیں بھی نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں۔ کہ قرآن شریف میں لا الٰہ الا اللہ تو جابجا ملتا ہے۔ مگر محمد رسول اللہ تمام قرآن شریف میں دو جگہ واضح طور پر دیکھنے میں آتا ہے۔

• مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ + (پ۲۲۔ احزاب)

"محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کا باپ نہیں ہے۔ بلکہ وہ خدا کا فرستادہ ہے۔ اور آخری پیغمبر" +

• مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۔ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ۔ پ۲۶ فتح +

"خدا کا فرستادہ محمد اور وہ لوگ جو اُس کے ساتھ ہیں۔ کافروں کے حق میں سخت ہیں دیگر، آپس میں بہت رحمدل ہیں" +

تمام قرآن میں مذکورہ بالا دو جگہوں کے سوا ے اور کہیں بھی "محمد رسول اللہ" نہیں آیا۔ اور ان دونوں جگہوں میں بھی وہ لا الہ الا اللہ کے بغیر آیا ہے۔ ان میں سے ایک جگہ محمد رسول اللہ سے اس بات کی توضیح کی گئی ہے۔ کہ محمد تم میں سے کسی کا باپ نہیں ہے۔ دوسری جگہ اس بات کی تشریح کی گئی ہے کہ محمد اور اُس کے ساتھی کافروں کے حق میں تو سخت ہیں۔ مگر آپس میں بہت رحمدل ہیں۔ دونوں مقامات پر محمد رسول اللہ کے ساتھ لا الہ الا اللہ کا کلمہ ندارد ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کا سالم کلمہ قرآن شریف میں کہیں بھی اس صورت میں نہیں ملتا جس صورت میں کہ وہ ہمارے پیش کیا جاتا ہے۔ نہ ہی قرآن شریف میں ہمیں کوئی اس قسم کی لازمی شرط ملتی ہے۔ کہ جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ نہیں کہتا وہ مسلمان نہیں ہو سکتا جس حالت میں کہ یہ کلمہ ہی قرآن شریف میں اس شکل میں نہ ملتا ہو جس شکل میں کہ وہ ہمارے پیش کیا جاتا ہے۔ تو اس کے ساتھ دوسری شرط کیونکر قرآن شریف سے مل سکتی ہے؟ اب سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ جب قرآن شریف میں کلمہ شریف کی یہ حالت ہے۔ تو پھر از روئے قرآن شریف مسلمان بننے کے لیے "لا الہ الا اللہ" اور "محمد رسول اللہ" دونوں میں سے کونسا جز لازمی قرار دینا چاہیے۔ اس کا جواب ہمیں خود قرآن شریف کے صفحات سے ہی ملتا ہے۔ جبکہ وہ ہمارے سامنے اسلام کی وسعت کا ذکر کرتا ہے۔ اور ہمیں مسلمان بننے کے لیے لا الہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ" کے جوڑنے کی ضرورت سے آزاد کر دیتا ہے چنانچہ لکھا ہے:۔

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۚ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۚ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ (المومنون-ع)

"تمہارے لئے دین میں کوئی تنگی نہیں ہے (یہ) تمہارے باپ ابراہیم کا دین ہے۔ اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا"۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم کو اسلام میں داخل ہونے یا مسلمان بننے کے لئے "محمد رسول اللہ" کی تقلید کی ضرورت نہیں تھی۔ دوسری

جگہ حضرت ابراہیم کی دعا بدیں الفاظ ہے :-

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ - (بقرہ - ۱۵ع)

"اے ہمارے خدا تو ہم کو اپنے لئے مسلمان بنا - اور ہماری اولاد میں سے بھی تو اپنی مسلمان قوم پیدا کر" +

اسی طرح تیسری جگہ حضرت ابراہیم کے بارے میں یہ لکھا گیا ہے :-

وَمَا كَانَ اِبْرَاهِيْمُ يَهُوْدِيًّا - وَلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا - وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (آل عمران ۷ع)

"ابراہیم نہ تو یہودی تھا - نہ نصرانی - بلکہ وہ تو حنیف مسلمان تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھا" +

مذکورہ بالا آیتوں میں حضرت ابراہیم کا مذہب اسلام بتایا گیا ہے - اور ان کو مسلمان لکھا گیا ہے - اب سوال یہ ہے - کہ کیا حضرت ابراہیم نے لا الہ الا اللہ کے ساتھ "محمد رسول اللہ" کا کلمہ بھی پڑھا تھا ؟ جواب ملتا ہے کہ نہیں - اس سے اتنا تو ثابت ہو گیا کہ اسلام میں داخل ہونے یا مسلمان بننے کے لئے "محمد رسول اللہ" کہنا کوئی لازمی یا ضروری شرط نہیں ہے - اسی طرح قرآن شریف میں حضرت موسیٰ اپنی قوم کو اسلام کی طرف دعوت دیتا - اور اُن کو مسلمان بننے کی بدیں الفاظ تاکید کرتا ہے :-

وَقَالَ مُوْسٰى - يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ - (یونس ۱۳ع) +

"اور موسیٰ نے کہا - اے قوم اگر تم خدا پر ایمان رکھتے ہو - تو اسی پر بھروسہ کرو - اگر تم مسلمان ہو" +

اور پھر جب حضرت موسیٰ پر ایمان لانے سے بعض جادوگروں کو فرعون نے مارنا شروع کیا تو انہوں نے یہ دعا کی :-

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ (اعراف ۱۴ع)

اے خدا تو ہم کو صبر کی توفیق زیادہ سے زیادہ دے - اور تو ہم کو مسلمانوں

کی حالت میں مارو"۔

حضرت موسیٰ اور اس کی قوم نے اسلام کی منادی کی۔ مگر کیا اس کے ساتھ "محمد رسول اللہ" کی شرط موجود تھی؟ جواب ملتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ اسی طرح حضرت نوح نے اپنی قوم کو مخاطب کر کے کہا:۔

فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَمَا سَاَلْتُکُمْ مِّنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ وَاُمِرْتُ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ یونس ع۲

اے میری قوم اگر تم پیٹھ پھیر لو گے۔ تو میں تم سے کوئی صلہ نہیں چاہتا ہوں میری خدمات کا صلہ خدا کے پاس ہے۔ اور مجھے یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلمانوں (فرمانبرداروں) میں سے ہوں"۔

ظاہر ہے کہ حضرت نوح اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے۔ کیا ان کے اسلام کے دروازے پر "محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا؟ جواب ملتا ہے۔ ہرگز نہیں اسی طرح حضرت سلیمان کے بارے میں قرآن شریف ہمیں بتاتا ہے۔ کہ وہ مسلمان تھے۔ اور انہوں نے اسلام کی منادی کی۔ چنانچہ ملکہ سبا کے نام جو انہوں نے پیغام بھیجا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ وَاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ (النمل ع۲)

"میرے سامنے سرکشی مت کرو۔ اور میرے پاس مسلمان ہو کر چلے آؤ"۔

کیا حضرت سلیمان کا اسلام کی منادی کرنا محمد رسول اللہ کی شرط کے ساتھ تھا؟ ہرگز نہیں۔ اسی طرح حضرت لوط کے بارے میں قرآن شریف میں لکھا ہے کہ وہ مسلمان تھے۔ چنانچہ خدا کے فرستادوں نے حضرت لوط کے متعلق حضرت ابراہیم سے کہا:۔

فَمَا وَجَدْنَا فِیْهَا غَیْرَ بَیْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ (الذاریات ع۲)

"ہم نے اس بستی میں حضرت لوط کے گھر کے سوائے کوئی دوسرا گھر مسلمانوں کا نہ پایا"۔

کیا حضرت لوط "محمد رسول اللہ" کا کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوئے تھے۔ جواب ملتا ہے ہرگز نہیں۔ اسیطرح حضرت یعقوب نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی

کہ اے میرے بیٹو!

فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ۔ (پ ۱ ع ۹)

نہ مرو۔ مگر اس صورت میں کہ تم مسلمان ہو۔

قرآن شریف نے اُنکو اسلام کا واعظ اور مسلمان بتایا ہے۔ مگر کیا اُنکا اسلام "محمد رسول اللہ سے شروع ہوا تھا؟ جواب ملتا ہے۔ ہرگز نہیں حضرت عیسٰی مسیح کو بھی قرآن شریف نے مسلمان اور اسلام کا واعظ لکھا ہے۔ چنانچہ خود اُن کے حواریوں کی زبان سے یہہ کلمات نکلوائے گئے ہیں:۔

قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ۔ (پ ۳ ع ۱۳)

"حواریوں نے کہا کہ ہم خدا کے طرفدار ہیں۔ ہم اس پر ایمان لائے۔ اور تو گواہ رہ کہ ہم مسلمان ہیں"

دوسری جگہ لکھا ہے:۔

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيِّيْنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ قَالُوْا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ (پ ۷ ع ۶)

"اور جب ہم نے حواریوں کی طرف وحی بھیجی کہ تم مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے اور تو گواہ رہ کہ ہم مسلمان ہیں"

قرآن شریف میں حضرت عیسٰی مسیح کو اسلام کا واعظ اور اُن کے شاگردوں کو مسلمان لکھا گیا ہے۔ سوال یہ ہے۔ کہ کیا حضرت عیسٰی مسیح اور ان کے حواری "محمد رسول اللہ" کا کلمہ پڑھکر مسلمان ہوئے تھے؟ جواب ملتا ہے۔ ہرگز نہیں الغرض مذکورہ بالا تمام آیتوں کے مطالعہ سے یہ بات بخوبی ظاہر ہو جاتی ہے کہ اسلام میں داخل ہونے یا مسلمان بننے کے لئے لا الہ الا اللہ کے ساتھ "محمد رسول اللہ" کا جوڑ کوئی لازمی شرط نہیں ہے۔ خود قرآن شریف میں بھی جیسا کہ میں کہہ آیا ہوں۔ یہ دونوں کلمات کسی جگہ پر ایک دوسرے سے جڑے ہوئے نہیں ملتے۔ اگر یہہ تسلیم کر لیا جاوے جیسا کہ مسلمانوں کی طرف سے اس بات کے تسلیم کرنے پر زور دیا جاتا ہے۔ کہ جب تک "محمد رسول اللہ" کا صدق دل سے اقرار

نہ کیا جاوے۔ تب تک صرف یہی نہیں کہ "لا الہ الا اللہ" میں جان نہیں پڑ سکتی بلکہ اس کے ساتھ ہی کوئی شخص اسلام کے دائرہ میں داخل ہو کر مسلمان نہیں کہلا سکتا۔ تو قرآن شریف کی شہادت کے بموجب یہ سوال بڑے زور سے نمودار ہوتا ہے۔ کہ قرآن شریف میں جو حضرت ابراہیم۔ حضرت لوط حضرت نوح۔ حضرت موسیٰ۔ حضرت یعقوب۔ حضرت سلیمان۔ حضرت عیسیٰ مسیح۔ اور اُن کے حواریوں کو مسلمان بنایا گیا ہے۔ وہ کیا اس شرط پر ہے۔ کہ انہوں نے "محمد رسول اللہ" کا کلمہ پڑھا تھا۔ کیا اُن کا اسلام "محمد رسول اللہ کی تقلید کو لے کر تھا؛ خاصکر جب کہ یہہ امر واقعہ ہو کہ یہہ تمام رسول یا انبیا تواریخی شہادت سے حضرت صاحب سے صدیوں پہلے ہوئے تھے۔ اب یہاں پھر ہمارے سامنے یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ اگر اسلام میں داخل ہونے یا مسلمان بننے کے لئے "محمد رسول اللہ" کو صدق دل سے تسلیم کر لینا لازمی شرط ہے۔ تو پھر یا تو مذکورہ بالا تمام انبیا اور ان کے معتقدین مسلمان نہیں تھے۔ یا وہ اول درجہ کے غیر مقلد تھے۔ اور اُنکا اسلام اُن قیود سے آزاد تھا۔ جو کہ آجکل دیکھی جاتی ہے۔ اور کہ وہ اس قسم کے مقلد مسلمان نہیں تھے جس قسم کے مسلمان آجکل موجود ہیں۔ اس کا جواب یہی ہو سکتا ہے کہ ان کے نزدیک اسلام کے معنے بت پرستی سے الگ رہنے اور مسلمان کے معنے ایک امن پسند شہری بننے کے تھے۔ اگر اس معقول جواب کو ماننے کے بجائے اس بات پر زور دیا جاوے کہ وہ صرف بت پرستی سے بیزار اور امن پسند شہری ہونے کو ہی کافی نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ ان کے لئے ایک یہ بھی لازمی شرط تھی کہ وہ "محمد رسول اللہ" کا کلمہ پڑھیں۔ کیونکہ اس کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا۔ تو یہ بات تواریخی نقطۂ خیال سے ایک مضحکہ خیز ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس صورت میں اُن رسولوں کا اسلام اسلام نہیں رہ سکتا نہ ہی ان کو مسلمان کہا جا سکتا ہے۔ اس سے قرآن شریف کا یہ بیان بھی کہ وہ مسلمان تھے۔ قابل اعتراض ٹھہرتا ہے۔ مطلب یہ ہے۔ کہ اسلام میں داخل ہونے کے لئے "محمد رسول اللہ" کا ماننا کوئی لازمی شرط نہیں ہے۔ کیونکہ جس طرح کہ حضرت سے پہلے لوگوں کا اسلام حضرت کی رسالت کے بغیر تھا۔ اسی طرح آجکل بھی

ان کی رسالت کو تسلیم کرنے کے بغیر کام چل سکتا ہے۔ اور چلنا چاہیے۔ ایسا کرنے سے محمدیت تو دنیا میں قایم نہیں رہ سکیگی۔ مگر اسلام کا دائرہ بہت وسیع ہو جائیگا۔ کیونکہ اس صورت میں وہ تمام انبیا جن کو کہ قرآن شریف میں مسلمان کہا گیا ہے مثلاً حضرت ابراہیم۔ حضرت موسیٰ۔ حضرت عیسیٰ مسیح مع اپنے اپنے معتقدین کے اسلام کے دائرہ میں شمار کیے جانے کے مستحق ہو جائینگے۔ اور اس پر اگر مسیحی لوگ یہ عذر پیش کرینگے۔ کہ از روئے قرآن شریف وہی لوگ مسلمان ہو سکتے ہیں جو حضرت مسیح پر ایمان رکھتے ہوں تو جس طرح قرآن شریف نے اسلام کو حضرت کی شخصیت سے پہلے کا مذہب بتایا ہے۔ اسی طرح اس نے اسلام کو مسیح کی شخصیت سے پیشتر کا مذہب بتایا ہے۔ اسی بنا پر مسیحیوں کو مسیح کی تقلید سے آزاد کرکے اور موسائیوں کو موسیٰ کی تقلید سے آزاد کرکے آخر کار ہم اسلام کے اصلی سرچشمہ تک پہنچ جائیں گے۔ جو کہ ازلی و ابدی نظر آئیگا۔ اس طرح ہم حقیقی معنوں میں غیر مقلد ہو کر خالص اسلام کا پتہ لگانے میں کامیاب ہو جائینگے۔ یہی وہ اسلام ہوگا جو کہ ازلی و ابدی دین نظر آئیگا۔ اور جو ہر ایک قسم کی شخصی غلامی سے پاک و مبرا ہوگا۔ اس اسلام کے سامنے سر جھکانے میں مجھے کوئی عذر نہیں ہوگا۔

مسلم۔ ماشاء اللہ! آپ نے بہت عمدہ تقریر کی۔ کہ جس صورت میں کہ لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ کا کلمہ ہی قرآن مجید میں موجود نہیں ہے۔ اس صورت میں ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے۔ کہ ہم اسلام میں داخلہ کی لازمی شرط اسی کلمہ کو قرار دیں۔ اور ہم لاالہ الااللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ کیوں پڑھیں۔ مگر یہاں محمد رسول اللہ کی ہی شرط نہیں ہے۔ بلکہ اسلام میں داخل ہونے کے لئے دنیا بھر کے انبیا و رسل کی رسالت پر ایمان لانا اور صدق دل سے انکی رسالت کا کلمہ پڑھنا لازمی امر ہے چنانچہ اسلام میں داخلہ کے ٹکٹ پر لکھا ہوا ہے:۔

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۔ پ ۳۔ آل عمران ۔ ۹ع ۔

اب یہہ سوال اٹھتا ہے۔ کہ دنیا بھر کے انبیا و رسل پر ایمان لانا مسلم کیلئے کیوں
لازمی قرار دیا گیا ہے؟ اس لیئے کہ دنیا میں جس قدر انبیا و رسل ہوئے۔ ان سب نے
دنیا کو اسلام کی دعوت دی۔ اور اہل دنیا کو فسق و فجور۔ فواحشات و منکرات۔ اور
بت پرستی سے بچنے کے لیئے یہہ پیغام سُنایا کہ:۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ
اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۔ پ۱۷ ۔ الانبیا ۔ ع۲، +

انبیا و رسل یہی پیغام لے کر دنیا میں آتے رہے۔ اسی پیغام کے لانیوالوں کی حیثیت
سے ہی ہم اُنکو انبیا و رسل ماننے کے لیئے مجبور ہیں۔ اب رہا یہہ سوال کہ ہم لا الہ الا اللہ
کے ساتھ انبیا و رسل کی رسالت کا اقرار کیوں کریں؟ اس لیئے کہ اگر ہم ان کی رسالت
کو نظر انداز کر دیں تو پھر لا الہ الا اللہ بھی ہمارے لیئے محض مخول کی چیز بنجاتی ہے۔ چنانچہ دنیا
کے جن مذاہب نے رسالت کے اس مدعا کو نہ سمجھ کر محض لا الہ الا اللہ کہنا ہی کافی سمجھا تھا
انکے لیئے لا الہ الا اللہ بھی محض تمسخر کی چیز بنگیا۔ یہاں تک کہ اُنہوں نے نہ صرف اپنے
رسولوں یا نبیوں کو خدا یا خدا کا اوتار یا خدا مجسم مان لیا۔ بلکہ بعض صورتوں میں
اُنہوں نے کیڑے مکوڑوں اور سوئر مچھلی تک کو بھی خدا سمجھ لیا۔ رسالت کے اس مفہوم
کو نہ سمجھنے کی وجہ سے عیسائی۔ یہودی۔ ہندو۔ بدھ وغیرہ تمام گمراہ ہو گئے۔ دنیا کو اس
گمراہی سے نکالنے اور اہل اسلام کو اس ٹھوکر سے بچانے کے لیئے لا الہ الا اللہ کیساتھ
محمد رسول اللہ کہنا لازمی قرار دیا گیا۔ تاکہ ہر ایک کس و ناکس کو ہر وقت اس بات کا
علم رہے کہ محمد خدا نہیں ہے۔ خدا کا بیٹا نہیں۔ خدا کا اوتار نہیں۔ خدا کا مجسم نہیں بلکہ
وہ محض اس کا ایک رسول ہے۔ اور رسول ہونے کی حیثیت سے اس کا ایک بندہ
یا مخلوق ہے۔ اگر بغور دیکھا جاوے تو اسلام میں داخلہ کے ٹکٹ پر لا الہ الا اللہ کیساتھ محمد رسول اللہ
کا ہونا ایک ایسی خوبی حکمت و دانائی ہے۔ کہ دنیا بھر کا کوئی مذہب اپنے اندر اس خوبی
یا حکمت کا نشان نہیں تبلا سکتا۔ اگر لا الہ الا اللہ سے محمد رسول اللہ کو یا محمد سے رسول اللہ
کے لفظ کو الگ کر دیا جاوے تو تمام مسلم دنیا۔ عیسائیوں۔ یہودیوں۔ بدھوں اور ہندوؤں کی
طرح محمد کو بھی خدا یا خدا کا بیٹا۔ یا خدا کا اوتار بنا لینے کے خطرہ میں پڑ جائیگی تعجب نہیں
کہ وہ انکی طرح سوئروں اور کچھووں تک کو بھی خدا ماننے لگ جائیں مسلم کو اس آفت در

گمراہی سے بچانے کے لئے لا الہ الا اللہ کیساتھ محمد رسول اللہ کا کلمہ پڑھنا لازمی قرار دیا گیا۔
اب رہا یہ سوال کہ اگر اسلام میں داخلہ کی قیس لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہی ہے
تو کیا محمد سے پیشتر جس قدر انبیاء رسل اور انکے ماننے والے ہوئے وہ سب اسلام سے خارج
تھے جبکہ انہوں نے محمد کا کلمہ نہیں پڑھا تھا؟ اس سوال کا جواب قرآن پاک خود دیتا ہے:۔

۱۔ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ"۔ پ۱۴۔ النحل۔ ع۵۔

۲۔ "يَا اَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ۔ اِنَّ هٰذِهٖ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ"۔ پ۱۸۔ المومنون۔ ع۳۔

رسولوں کا یہ مشن تھا کہ وہ دنیا کو خدا کی طرف بلائیں۔ اور انکو فسق و فجور سے روکیں
رسولوں کا آپس میں یہ تعلق بتایا گیا کہ وہ سب اسی ایک مشن کو پورا کرنے والے ہونیکی وجہ سے
ایک ہی برادری کے ممبر تھے۔ ان میں سے کسی ممبر کو یہ حق حاصل نہیں تھا کہ وہ:۔

"مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ"۔ پ۳۔ ال عمران ع۸۔

خدا سے کتاب اور عقل سلیم اور نبوت حاصل کرکے لوگوں کو یہ کہتا پھرے۔ کہ تم خدا
کو چھوڑ کر میری بندگی کرو۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ یہ کہتا ہے کہ تم خدا وحدہ لا شریک کی پرستش
کرو۔ جب انبیاء و رسل کے منصب کا پتہ لگ گیا تو اسکے ساتھ ہی ہمیں اس بات کا پتہ بھی لگ گیا
کہ وہ اپنے سے پہلے تمام انبیاء و رسل پر ایمان لاتے تھے۔ اور انکی تصدیق کرتے تھے۔ یا
ایک لفظ میں وہ توحید کے منادا اور رسالت کے قائل تھے۔ یہی اسلام میں داخلہ کا
ٹکٹ ہے۔ اور اسی شرط کو تمام انبیاء و رسل پورا کرتے آئے اور اسی بنا پر اُن کو
قرآن پاک میں مسلم کے نام سے پکارا گیا ہے۔ اسی شرط کو فی زمانہ ہر ایک شخص
پورا کرکے اسلام میں داخل ہو سکتا ہے۔

اعرافی۔ اس کا تو یہ مطلب ہوا۔ کہ اگر میں قرآن مجید کو تو من کل الوجوہ منزل من اللہ
مان لوں۔ مگر لا الہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ نہ پڑھوں۔ تو میں مسلمان ہی

نہیں ہو سکتا۔
مسلم۔ میرا اس سے ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر آپ قرآن مجید کو منزل من اللہ مان لیں۔ اور اس کے اوامر و نواہی کے قائل و عامل بن جائیں تو اس صورت میں بھی جب تک کہ آپ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا مشترکہ کلمہ نہ پڑھیں تب تک آپ مسلمان نہیں ہوں گے۔ بلکہ میرا مدعا یہ ہے۔ کہ کسی شخص کا خدا کو وحدہٗ لا شریک مان لینا اس وقت تک خالی از خطر نہیں ہے۔ جب تک کہ وہ توحید باری تعالےٰ کے ساتھ دنیا بھر کے انبیاء و رسل یا انسانوں کو شریک کرنے سے محترز نہ رہے۔ اور اگر آپ قرآن مجید کو منجانب اللہ تسلیم کر لیں تو میرے نزدیک آپ کے مسلمان ہونے کے لئے یہ امر نہایت ہی کافی ووافی ہے۔ اس لئے کہ جب آپ نے قرآن پاک کو منجانب اللہ تسلیم کر لیا ہے۔ تو آپ نے لا الہ الا اللہ کو اور محمد رسول اللہ کو بھی تسلیم کر لیا۔ اس لئے کہ قرآن پاک کی پہلی ہی آیت میں یہ دعوے کیا گیا ہے کہ

ذَالِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ

یعنے قرآن پاک میں ایک بھی بات ایسی نہیں ہے۔ جو مشکوک ہو۔ بلکہ وہ کامل و مکمل ہدایت نامہ ہے۔

اعرابی۔ مگر میں نے قرآن مجید کو تو منجانب اللہ مان لیا ہے۔
مسلم۔ لیکن آپ کو لا الہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ کہنے سے جھجک آتی ہی؟
اعرابی۔ جھجک بھی کوئی نہیں۔ صرف اتنی بات ہے۔ کہ چونکہ یہ سالم کلمہ قرآن مجید میں کسی ایک جگہ موجود نہیں ہے۔ اس لئے مجھے ایک آیت کو اسکی اصلی جگہ سے ہٹا کر دوسری آیت کے ساتھ جوڑنے کی کیا ضرورت ہے۔
مسلم۔ بہت بہتر۔ اگر صرف اتنی ہی بات ہے۔ تو پہلے آپ لا الہ الا اللہ کہہ لیا کریں۔ اور اس کے بعد ذرا دم لے کر محمد رسول اللہ کہہ دیا۔ توحید الگ، اور رسالت الگ دونوں کا اقرار بھی موجود۔
اعرابی۔ مگر آپ محمد رسول اللہ پر کیوں زور دے رہے ہیں؟
مسلم۔ اس لئے کہ قرآن پاک ہی یہ کہہ رہا ہے۔ کہ محمد خدا کا شریک نہیں ہے

بلکہ وہ ہماری تمہاری طرح خدا کا بندہ ہے۔ وہ نہ خدا۔ نہ خدا کا اوتار نہ خدا کا بیٹا۔ نہ خدا کا بھائی یا شریک ہے۔ اس میں ہم سے بڑھکر جو فضیلت ہے۔ وہ یہہ کہ بندہ ہونے کے علاوہ وہ رب العزۃ کا پیغام سنانے والا ہے۔ چنانچہ رب العزۃ اپنے اس بندہ کو یہہ پیغام دیتا ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ کہف ع۱۲

اے محمد تو لوگوں کو سنا دے کہ میں تو تمہاری طرح ایک انسان ہوں۔ ہاں رب العزۃ نے مجھے یہہ پیغام دیا ہے کہ میں تم کو یہہ بتا دوں کہ تمہارا خالق و مالک وہی رب العزۃ وحدہ لاشریک ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۗ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ۔ حم۔ السجدہ ع۱

اے محمد تو لوگوں کو سنا دے کہ میں تو تمہاری طرح ایک انسان ہوں۔ ہاں رب العزۃ نے مجھے یہہ پیغام دیا ہے۔ کہ تمہارا خالق و مالک وہی وحدہ لا شریک ہے۔ اسی رب العزۃ کی عبادت پر مضبوطی سے قایم رہو۔ اور اگر تم سے کوئی لغزش ہو جائے۔ تو اسی رب العزۃ سے معافی کے خواستگار ہو۔ اور اگر تم اس خالق و مالک کے علاوہ کسی اور کی پرستش کروگے تو تمہارے لئے یہہ نہایت ہی نقصان دہ بات ہوگی۔

اعرابی۔ میں کب کہتا ہوں کہ محمدؐ خدا کا شریک یا خدا کا اوتار یا خدا کا بیٹا ہے۔ میں بھی تو انکو خدا کا رسول ہی مانتا ہوں۔ اس سے تو میں منکر نہیں ہوں۔ میرا مطلب تو صرف اس قدر ہے۔ کہ جب یہ کلمہ اس شکل میں خداوندکریم نے قرآن مجید میں نازل نہیں فرمایا۔ تو اس بات پر کیوں زور دیا جارہا ہے۔ کہ کلمہ کی جو شکل قرآن مجید کے مختلف مقامات کو جوڑ جاڑ کر بنائی گئی ہے۔ صرف اسی کا اقرار کرنے سے کوئی شخص مسلمان ہوسکتا ہے۔ اور کہ اگر وہ تمام قرآن مجید پر ایمان لانے کا اظہار کرے تو وہ مسلمان نہیں بن سکتا۔ یہ بدعت میری سمجھ میں نہیں آتی۔

مسلم۔ یہہ میں نے کب کہا ہے۔ کہ اگر آپ قرآن مجید کو منجانب اللہ بھی مان لیں۔ مگر

مروجہ کلمہ کا جو قرآن مجید کے ہی دو متفرق مقامات کو ملا کر بنایا گیا ہے۔ زبان سے ادا نہ کریں تو آپ مسلمان نہیں ہو سکتے؟

اعرابی۔ بہت اچھا۔ اگر آپ ایسا نہیں کہتے۔ تو لیجئے میں اقرار کرتا ہوں۔

الم۔ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ۔

فرمائیے۔ قرآن پاک کے اس دعوے کی تصدیق کر کے اور اسکو منجانب اللہ مانکر اور اس کے تمام اوامر کا عامل اور نواہی سے محترز رہنے کا عہد کر کے میں مسلمان کہلا سکتا ہوں یا نہیں؟

مسلم۔ میرے نزدیک آپ مسلمان کہلا سکتے ہیں۔ اور اگر آپ صدق دل سے یہ تسلیم کرتے ہیں۔ کہ قرآن مجید منجانب اللہ ہے اور اسکی تمام تعلیم لاریب فیہ ہے تو آپ مسلمان ہیں۔

اعرابی۔ ہاں میں صدق دل سے مانتا ہوں کہ قرآن مجید لاریب فیہ ہے۔

مسلم۔ بس تو آپ مسلمان ہیں۔ جب آپ نے قرآن مجید کو اپنا دستور العمل بنا لیا تو آپنے کلید جنت کو پکڑ لیا۔ نہ صرف یہی بلکہ دنیا میں بھی فوز و فلاح کی چابی آپکے ہاتھ میں آگئی۔ میں نے تو شروع میں ہی آپکو کہدیا تھا کہ اگر آپ قرآن مجید کو کلام الٰہی مانکر اسکو اپنا دستور العمل بنا لیں۔ تو آپ مسلمان ہیں۔ مگر مجھے اندیشہ تھا۔ کہ شاید آپ اتنے بار گراں کو اٹھانیکا حوصلہ نہ کر سکیں۔ اسلئے میں نے عام دستور کے مطابق آپکے سامنے قرآن مجید کے دو اصول یعنے توحید و رسالت کو بشکل لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پیش کیا تھا مگر جس صورت میں کہ آپ تمام قرآن مجید کو ہی منجانب اللہ تسلیم کر کے اسکو اپنا دستور العمل قرار دے رہے ہیں۔ تو رب العزۃ کے مذکورہ بالا دونوں احکام بھی اسی میں آگئے اور آپ مسلمان ہو گئے۔

اعرابی۔ تو کیا اب میں اپنے آپکو اعرابی کی بجائے مسلم یا اہل اسلام کہوں۔ یا اہل قرآن؟

مسلم۔ اہل قرآن نہیں۔ بلکہ آپ اپنے آپکو مسلم یا اہل اسلام ہی کہیں۔

اعرابی۔ بہت بہتر۔ چونکہ وقت زیادہ ہو گیا ہے۔ اسلئے میں آپ سے رخصت ہوتا ہوں کل پھر ملونگا۔

مسلم۔ اچھا خدا حافظ۔ (کفر و اسلام کا دوسرا حصہ بھی ملاحظہ ہو۔ ایڈیٹر)

آفتاب برقی پریس امرتسر میں باہتمام مولوی محمد عبد اللہ منہاس پرنٹر چھپا
اور غازی محمود دھرمپال بی اے پبلشر رسالہ حنیف نے لودیان سے شائع کیا

ایک احمدی کی سنگساری

ماہ گذشتہ میں دنیائے اسلام کا اہم ترین واقعہ کابل میں مجلس شرعیہ افغانیہ کے ہاتھ سے ایک احمدی نعمت اللہ خان کی اس الزام پر سنگساری ہے کہ وہ حنفی ہو کر میرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے متبع بنا بریں از روئے فقہ حنفی مرتد واجب القتل تھے۔ اس سنگساری کے فعل کی علماء دیوبند اور جمعیت العلماء ہند نے تائید و تصدیق کی ہے۔ مسلم پریس کے ایک حصہ نے اس پر مسرت و اطمینان کا اظہار کیا ہے۔ اور یہ ثابت کرنیکی کوشش کی ہے۔ کہ چونکہ احمدی لوگ اپنے عجیب و غریب عادی و تعلیمات کو مانتے ہوئے اپنے آپکو حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بھی متبع مانتے ہیں۔ اس لیے وہ از روئے مذہب امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مرتد بنا بریں واجب القتل ہیں۔ احمدیوں اور غیر احمدیوں میں اس مسئلہ کے متعلق جو بحث ہو رہی ہے۔ اُسنے نہایت ناگوار اور تلخ صورت اختیار کر لی ہے۔ جہاں تک میرا خیال ہے۔ میں قرآن پاک کی رو سے احمدیوں کو مومن و مسلم سمجھتا ہوں۔ اگر اس بات پر بحث چھڑ جائے۔ کہ قرآن پاک نے ایک مومن و مسلم کو کسی فروعی اختلاف کی بنا پر یا مرتد کے متعلق قتل کا حکم دیا ہے یا نہیں۔ تو یہ فیصلہ کن بحث ہو گی۔ مگر افسوس ہے کہ اسوقت تک جس قدر بھی اس مسئلہ کے متعلق بحث ہوئی ہے۔ وہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے زاویہ نگاہ کو مد نظر رکھکر کیگئی ہے۔ اگر حنفی شریعت کے مطابق مرتد کی سزا قتل ہے جیسا کہ علماء حنفیہ و حنفی پریس نے ثابت کیا ہے تو میرے خیال میں احمدیوں کے لئے اسکے سوا دوسرا کوئی راستہ نہیں رہتا کہ وہ یا تو اس سزا کو برضا و رغبت قبول کریں یا حنفی شریعت کے جوئے کو جسکی رو سے وہ مرتد واجب القتل ٹھہرائے جاتے ہیں اپنی گردنوں سے اتار پھینکیں۔ نہ کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ وہ حنفی کہلا کر حنفی شریعت کے شیریں پہلو سے مستفید ہوں۔ اور تلخ سے گریز کریں۔ از روئے قرآن مجید میں احمدیوں کو مومن و مسلم سمجھتا ہوا نعمت اللہ احمدی کی سنگساری پر اظہار تاسف اور احمدی جماعت کیساتھ اظہار ہمدردی کرنیکے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اگر احمدی جماعت کی گردن پر حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کا جوا نہ ہوتا تو ہمیں افغانستان کے تاجدار اور ہندوستان کے علماء کے مذکورہ بالا فعل پر سخت نفرین اور حقارت کا اظہار کرتا۔ مگر جس صورت میں کہ تاجدار افغانستان اور احمدی جماعت حنفی شریعت کے متبع

ہوتے ہوئے دونوں ہی اہل سنت والجماعت کہلاتے ہوں تو پھر کس کی مذمت کیجاوے
اور کس کی حمایت؟ احمدیوں کے نزدیک حنفی تاجدار کا مذکورہ بالا فعل "وحشیانہ فعل" ہے
مگر کیا احمدی جماعت "شریعت حنفیہ" کو جسکی رو سے یہ سنگباری عمل میں آئی "وحشیانہ شریعت"
ماننے کیلئے تیار ہے؟ اور کیا وہ ایسی "وحشی شریعت" کی تقلید کا جوا اپنی گردن سے اتار پھینکنے
کا حوصلہ کر سکتی ہے۔ اگر ہاں۔ تو پھر احمدیوں کو چاہئے۔ کہ وہ بہت جلد ایسا اعلان کر دیں۔
ورنہ بصورت دیگر انکو اپنے پیر بھائی حنفیوں کے برخلاف واویلا کرنیکا حق نہیں ہے۔
انکی طرف سے جو اینٹ پتھر یعن طعن آئے۔ احمدی برداشت کریں۔ ان کا اپنے
پیر بھائی حنفیوں کے برخلاف غیر حنفیوں بلکہ غیر مسلموں کے پاس شکایت کرنا اسوقت
تک یقیناً بے اصولا پن تصور کیا جاویگا۔ جب تک کہ وہ خود بھی اپنے آپ کو حنفی
اہل سنت والجماعت سمجھتے۔ کہتے اور لکھتے۔ اور حنفی شریعت کے پابند مداح
ظاہر کرتے رہینگے۔ احمدیوں کی طرف سے اس دو عملی کا خاتمہ ہو جانیکے بعد حنفی تاجدار
افغانستان کے فعل پر فرد قرارداد جرم لگائی جانی بہت آسان ہو جائیگی۔ کیا احمدی
جماعت نہایت ٹھنڈے دلکے ساتھ اپنی پوزیشن کے اس نازک پہلو پر غور فرمائیگی؟ (ایڈیٹر)

جزاء الاحسان

۱۔ رسالہ المومن پنجاب میں جس قوم کو جولاہے کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ پورب میں اسکو مومن کہتے ہیں۔
کلکتہ کے مومن بھائیوں نے اس پسماندہ قوم کی اصلاح و بہبود کیلئے ایک انجمن قائم کر کے ماہواری رسالہ
المومن بھی جاری کر رکھا ہے۔ رسالہ کے مضامین نہایت علمی اور محققانہ ہوتے ہیں۔ اسمیں ثابت کیا جاتا
ہے کہ جس پیشہ کو عام طور پر ذلیل سمجھا جاتا ہے۔ بڑے بڑے ائمہ کرام اور اولیاء عظام نے اسکو ذریعہ معاش
بنا رکھا تھا۔ رسالہ کی طباعت جاذب نظر ہے۔ دینی خوبیوں کے لحاظ سے بھی یہ ایک ایسا بیش بہا مخزن ہے کہ
ہر ایک تعلیمیافتہ کی میز کی زینت کا مستحق ہے۔ سالانہ قیمت تین روپے۔ بنیا پوکھر روڈ ۱۳۳
کلکتہ سے زیر ادارت مولانا محمد یحییٰ صاحب شائع ہوتا ہے +

۲۔ الفقیہ۔ زیر ادارت حکیم معراج الدین احمد صاحب امرتسر سے ہفتہ وار
شائع ہوتا ہے۔ اولیائے عظام اور صوفیائے کرام کے متعلق غلط فہمیوں کو دور کرنا
اس اخبار کا طغرائے امتیاز ہے۔ نہایت متانت سے ایڈٹ کیا جاتا ہے۔ سالانہ قیمت چھ روپے +

حنیف پریس لودیانہ محلہ دھوبیوال میں باہتمام غازی محمود دھرمپال بی۔ اے پرنٹر و پبلشر چھپکر شائع ہوا۔

رجسٹرڈ نمبر ایل ۱۲۳۵

۷۸۶

جملہ حقوق محفوظ ہیں

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا

کہہ اللہ نے سچ فرمایا پس پیروی کرو ابراہیم حنیف کے دین کی

آل عمران

حنیف

جلد اول | دسمبر سنہ ۱۹۲۴ء | نمبر ۶

کفر و اسلام حصہ دوم

ایڈیٹر۔ غازی محمود دھرمپال بی۔اے

لدھیانہ

سالانہ قیمت ۳ روپے

فی پرچہ بارہ آنے

ممالک غیر ۱۰ شلنگ

کام کی باتیں

۱۔ حنیف ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو لدھیانہ سے شائع ہوتا ہے۔

۲۔ حنیف کی سالانہ قیمت چھ روپیہ ششماہی اسے ممالک غیر ۱۰ شلنگ۔ فی پرچہ ۱۲ ار ہے۔

۳۔ حنیف کا معمولی حجم ایکسو صفحہ ماہوار ہے۔ مگر اس میں کمی بیشی بھی ممکن ہے۔

۴۔ حنیف کا ہر ایک پرچہ دوسرے پرچہ سے مختلف ہوگا۔ نمونہ دیکھکر اسکی خریداری کا فیصلہ کرنا غلط فیصلہ ہے۔

۵۔ قیمت بذریعہ منی آرڈر آنے پر پرچہ فوراً جاری کر دیا جاتا ہے۔ مگر وی۔ پی کی صورت میں جبتک وی۔ پی کا روپیہ وصول نہ ہو۔ پرچہ جاری نہیں ہوگا۔

۶۔ کسی ایسے منی آرڈر یا وی پی کی رقم کے لئے جو ڈاک خانہ کی غفلت کی وجہ سے حنیف کے دفتر میں نہ پہنچے۔ ایڈیٹر جوابدہ نہیں ہوگا۔

۷۔ حنیف کا ہر ایک پرچہ ایڈیٹر کی زیر نگرانی ڈاکخانہ میں ڈالا جاتا ہے۔ اگر کسی صاحب کو وقت پر نہ ملے تو وہ اپنے ڈاکخانہ میں شکایت کریں۔

۸۔ کسی مہینہ کی ۵ تاریخ تک اگر کسی کو پرچہ نہ ملے اور وہ دفتر حنیف میں شکایت کرے تو اسکے صحیح ہونیکی صورت میں دوسرا پرچہ بیرنگ بھیجا جاسکتا ہے۔ ۵ تاریخ کے بعد کی شکایت کی شنوائی نہ ہوگی۔

۹۔ ایسے خط کا جسکے جواب کیلئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ نہ بھیجا گیا ہو کوئی جواب نہیں دیا جائیگا۔

۱۰۔ حنیف میں کسی قسم کا ادویہ کا اشتہار بڑی سے بڑی اجرت پر بھی نہیں چھپیگا۔ دیگر اشیا کا اشتہار بہ اجرت دس روپیہ ماہوار فی صفحہ چھپ سکتا ہے۔ بشرطیکہ ایڈیٹر کو یہ یقین دلایا جاوے کہ جن اشیا کا اشتہار ہو ان میں کسی قسم کی دھوکہ بازی نہیں ہے۔

۱۱۔ اگر حنیف میں کسی اشتہار دہندہ کے برخلاف کسی خریدار کی کوئی شکایت آئیگی تو وہ مشتہر کے پاس بھیجدی جائیگی۔ اگر وہ دو ہفتہ کے اندر اندر خریدار کی تسلی نہیں کر دیگا تو شکایت کو درج رسالہ کر دیا جاویگا۔

۱۲۔ اشتہار کی قیمت اشتہار کے مسودہ یا اشتہار کی کتابت شدہ کاپی کیساتھ پیشگی آنی چاہیے۔

(ایڈیٹر)

حنیف

دسمبر ۱۹۲۴ء

ضروری اطلاع

حنیف کے اس پرچہ کے ساتھ حنیف کی پہلی ششماہی پوری ہوگئی جن احباب نے چھ ماہ کے لئے پرچہ اپنے نام جاری کروایا تھا۔ انکو چاہیے کہ وہ اگلی ششماہی کا چندہ یا تو بذریعہ منی آرڈر بھیج دیں۔ یا وی۔ پی کی اجازت دیں۔ جن احباب نے چھ ماہ کا چندہ چار روپیہ دیا تھا۔ وہ اب باقی چھ ماہ کے لئے صرف دو روپیہ بھیجیں۔ جنہوں نے ساڑھے تین روپیہ بھیجا تھا۔ وہ باقی چھ ماہ کے لئے صرف ڈھائی روپیہ بھیجیں۔ یہہ رعایت صرف منی آرڈر کے ذریعہ چندہ بھیجنے والوں کے لئے ہے۔ اور صرف ان ہی خریداروں کے لئے ہے۔ جو پہلی ششماہی کا چندہ ادا کرچکے ہیں۔ دوسروں کے لئے نہیں ہے۔ جو احباب منی آرڈر کے ذریعہ باقی چھ ماہ کا چندہ بھیجکر اس رعایت سے فائدہ نہ اٹھانا چاہیں اور وہ ضرور وی۔ پی ہی منگوانا چاہیں۔ انکے نام ہرصورت میں دوسری ششماہی کے لئے ساڑھے تین روپیہ کا وی۔ پی بھیجا جاویگا۔ چونکہ حنیف کی ماہواری ضخامت ایکسو صفحہ ہو۔ اسلئے یہ خیال کرکے کہ اسکی جلد زیادہ بھاری نہو۔ تجویز کیگئی ہے کہ سال میں بجائے ۱۲ پرچونکی جلد کے اسکی چھ چھ پرچوں یعنے چھ چھ صفحونکی دو جلدیں کردیجایا کریں۔ اس لحاظ سے حنیف کی پہلی ششماہی کے ساتھ اسکی پہلی جلد بھی ختم کردیگئی ہے۔ اگلے پرچے سے اسکی دوسری جلد شروع کیجاویگی احباب کو یہ بات نوٹ کرلینی چاہئیں۔ ایڈیٹر

طاہرہ خاتون کا انتقال

ہندوستان کی اسلامی اور غیر اسلامی دنیا میں ماہ گذشتہ کا سب سے بڑا المناک حادثہ طاہرہ خاتون مادر ہند کا انتقال پر ملال ہے۔ طاہرہ خاتون شیران اسلام علی برادران کی ہی والدہ ماجدہ نہیں تھیں بلکہ وہ ہمہ گیر محبت و شفقت کی وجہ سے جو ان کے نیک و وسیع دل میں جملہ باشندگان ہند کے لئے موجزن تھی۔ وہ حقیقی معنوں میں مادر ہند کہلائے جانے کی مستحق ہیں۔ علی برادران کی اسیری کے دنوں میں باوجود اپنی پیرانہ سالی اور عالم ضعیفی کے طاہرہ خاتون نے جس طرح ہندوستان بھر میں دورہ لگا کر مایوس اور مردہ دلوں میں برقی رو کی لہر پیدا کر دی تھی وہ درحقیقت محیر العقول تھی۔ مرحومہ مغفورہ دو دفعہ لدھیانہ تشریف لائیں۔ اور دونوں دفعہ ہی انکا جس شان و شوکت سے استقبال و احترام کیا گیا۔ وہ بہت تھوڑے سے لیڈروں کو نصیب ہوا ہوگا۔ آپ کی تقریر کا یک ایک لفظ درد و اخلاص اور شفقت و محبت مادری سے پُر ہوتا تھا۔ کسی کو اس بات کا وہم تک بھی نہیں تھا۔ کہ مرحومہ و مغفورہ اتنی جلدی فرزندان ہند کو اپنے انتقال سے داغ مفارقت دیجائینگی۔ جس وقت مرحومہ کے انتقال کی خبر دفتر حنیف میں پہنچی۔ اسی وقت ایڈیٹر کی طرف سے ایک تار ہمدردی اور دعاء مغفرت کا علی برادران کے نام دہلی کے پتہ پر اور دوسرا تار اخبار زمیندار، سیاست، بندے ماترم اور مسلم آؤٹ لک لاہور کے نام اس مضمون کا روانہ کر دیا گیا۔ کہ مرحومہ و مغفورہ کے حق میں دعا خیر اور پسماندگان کیساتھ اظہار ہمدردی کیلئے ہندوستان بھر میں ایک خاص دن مقرر کیا جاوے۔ اور اگر ممکن ہو تو نصف دن کی ہڑتال کیجاوے۔ تار کا مضمون تو اخبارات میں شایع ہو گیا مگر ابھی تک دوسری طرف سے یہ تحریک نہیں ہوئی۔ کہ مرحومہ و مغفورہ کے حق میں دعا خیر کرنے کیلئے کوئی دن مقرر کیا جاوے۔ مجھے کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ مہاتما گاندھی کے فاقہ کشی کے خاتمہ کی یاد میں تو یوم الدعا ہندوستان بھر میں منایا جاوے لیکن طاہرہ خاتون مادر ہند کی جسمانی زندگی کے خاتمہ پر مرحومہ کے حق میں دعاء خیر و مغفرت کرنیکے لئے خاص یوم الدعا مقرر نہ کیا جاوے۔ حالانکہ اگر بغور دیکھا جاوے تو طاہرہ خاتون کی زندگی طبقہ اناث کیلئے ہی نہیں بلکہ مردوں کیلئے بھی بعض پہلوؤں میں مہاتما گاندھی سے بھی بڑھکر سبق آموز اور قابل تقلید تھی۔ رب العزۃ مرحومہ و مغفورہ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ اور انکے فرزندان نجابت اور دیگر پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

علمائے دیوبند کا چیلنج گذشتہ ماہ کے شروع میں میں نے لدھیانہ میں یہ تقریر کی۔ کہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے موجودہ وقت نہایت نازک ہے۔ دشمنان اسلام آپس کے تمام اختلافات کو مٹا کر اسلام اور مسلمانوں کے مقابلہ پر ایک ہو رہے ہیں مسلمانوں کو بھی چاہئے کہ اس وقت شیعہ سنی، مقلد۔ غیر مقلد، حنفی۔ وہابی۔ احمدی۔ غیر احمدی کے جھگڑوں کو خیرباد کہکر کفر و کفار کے حملوں سے محفوظ رہنے کے لئے متفق و متحد ہو جائیں۔ میری اس نہایت مختصر سی تقریر کو سنکر بعض دیوبندی حضرات جو اس مجمع میں موجود تھے۔ چلا اٹھے۔ کہ احمدی ہرگز مسلمان نہیں ہیں جو شخص احمدیوں کو مسلمان سمجھتا ہے۔ وہ بھی کافر ہے۔ میں نے ان حضرات کو سمجھایا کہ آپ میری تقریر میں نہ بولیں۔ اگر میں کوئی بات قابل اعتراض کہوں تو آپ نے بعد میں پلیٹ فارم پر آ کر اس کی تردید کر دینا۔ آپ کو پورا وقت دیا جاوے گا۔ مگر یہ حضرات اس قدر سیخ پا ہوئے کہ ان کو اس جگہ بیٹھنا بھی مشکل ہو گیا۔ اور اٹھکر چلے گئے۔ اس کے بعد میری تقریر کے خاتمہ پر ایک دوسرے دیوبندی پلیٹ فارم پر تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ اگر آپ کا عقیدہ یہی ہے۔ کہ احمدی مسلمان ہیں تو آپ بھی کافر ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کا کفر کا فتوٰی تو ان لوگوں پر اثر کر سکتا ہے جنہوں نے کبھی کفر کی بو تک بھی نہ سونگھی ہو۔ مگر میں تو بارہ چودہ سال تک کفر کی بھٹی میں رہ کر بالکل کفر پروف بلکہ کفر توڑ ہو چکا ہوں۔ اس لئے یہ کفر کا ڈرڈوا تو دیوبند کے کسی تاریک حجرہ میں ہی رکھ آئیں۔ ہاں اگر آپ کو اس بات کا تصفیہ منظور ہے کہ قرآن پاک نے کفر و ایمان یا ارتداد و اسلام کی کیا تعریف کی ہو۔ اور اس کے مطابق کون مسلم اور کون مرتد ہے تو اس پر آپ جس وقت چاہیں مباحثہ کریں میں تیار ہوں ــــ اس پر اس دیوبندی نے یہ وعدہ کیا۔ کہ ہم آپ کے ساتھ مباحثہ کرنے کے لئے علماء دیوبند کو بذریعہ خط یا تار بلا مینگے۔ مگر ایک مہینہ ہونے کو آیا نہ کوئی دیوبندی مسلمان آیا نہ کوئی کافر گر۔

منکرین ختم نبوت سے مطالبہ میں نے حنیف کے پچھلے پرچہ میں اس بات کا اعلان کیا تھا۔ کہ قرآن پاک سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ نبوت کی کرسی قیامت تک کے لئے رب العزۃ نے اٹھالی ہے

اب نہ کوئی مسیح آئے گا۔ نہ مہدی۔ نہ کوئی دوسرا ظلی یا امتی نبی۔ یہ میرا عقیدہ ہے۔ جس کو میں نے قرآن پاک سے حاصل کیا ہے۔ احمدیوں اور غیر احمدیوں میں ختم نبوت کے متعلق جو فتنہ و فساد برپا ہے۔ میں اس میں ان دونوں گروہوں کو ختم نبوت کا قطعی منکر سمجھتا ہوں۔ اس لئے کہ احمدیوں نے تو میرزا غلام احمد کو مسیح موعود یا ظلی یا امتی نبی تسلیم کرکے ختم نبوت سے انکار کر دیا۔ اور غیر احمدیوں نے مسیح علیہ السلام کی آمد ثانی کے عقیدہ سے ختم نبوت کو اٹھا کر پرے پھینک دیا ہے۔ پس از روئے قرآن پاک احمدی اور غیر احمدی دونوں کے دونوں ختم نبوت کے منکر ہیں۔ میں ان منکرین ختم نبوت کو اب دوبارہ چیلنج دیتا ہوں کہ اگر ان کے پاس اپنے اس عقیدہ کی تائید میں قرآن پاک کی کوئی آیت یا کوئی لفظ یا شوشہ تک بھی موجود ہو تو وہ اس کو پیش کریں۔ ورنہ ایک ایسے مسئلہ کے متعلق جس کا قرآن پاک میں رب العزت نے کہیں اشارۃً تک بھی نہیں کیا۔ ان دونوں کا آپس میں سر پھٹول ہونا سخت افسوسناک ہے جنیف کا پرچہ احمدی اور غیر احمدی مرکز دل میں جاتا ہے کیا وجہ ہے۔ کہ وہ دونوں کے دونوں ہی میرے چیلنج پر خاموش ہیں۔ کیا ان کے ہاتھوں میں یا ان کے گھروں میں قرآن پاک کا اب کوئی نسخہ نہیں رہا۔ جس کو وہ پڑھیں۔ اور میرے مطالبہ کا جواب دیں؟

اہل حدیث اور اہل قرآن کا جھگڑا

امرتسر کے اہل حدیث کے ۲۱ نومبر کے پرچہ میں ایک مضمون "اہل حدیث اور اہل قرآن کی نزاع میں تنقیح" کے عنوان سے شایع ہوا ہے۔ ان دونوں فرقوں نے عرصہ سے دنگل مچا رکھا ہے۔ اہل قرآن کہلانے والے تو حدیثوں کی مٹی پلید کر رہے ہیں۔ اور اہل حدیث نے قرآن مجید کو نامکمل ثابت کرنے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ تنقیح والے مضمون میں اہل حدیث نے اہل قرآن کو چیلنج دیا ہے۔ کہ اگر تم قرآن مجید کو کامل مانتے ہو۔ تو اس میں نماز کی تشریح دکھاؤ۔ ادھر اہل قرآن حضرات جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ" کی آیت میں سے نماز کی رکعتیں ثابت کرکے قرآن پاک کا مضحکہ اڑا رہے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید نے جس قسم کی نماز یا عبادت کا ذکر

کیا ہے۔ وہ نہ اہل حدیث کی نماز ہے نہ اہل قرآن کی بلکہ رب العزۃ نے اپنے کلام پاک میں جس نماز یا عبادت کا ذکر کیا ہے۔ اس پر یہہ دونوں گروہ عمل کرنے سے محروم ہیں۔ انہوں نے قرآن مجید سے باہرا پنے لیے نماز کی جو ترتیب و شکل۔ یا آمین رفع یدین اور تعداد رکعت گھڑلی ہے۔ یا تعداد فرض و سنت مقرر کر لی ہے صرف اسی شکل وصورت اور تعداد کے لیئے یہ دونوں گروہ لڑبھڑ رہے ہیں۔ اگر اہل حدیث یا اہل قرآن کی بجائے وہ اہل اسلام کی حیثیت سے قرآن پاک کا مطالعہ کریں۔ تو آن کو فوراً پتہ لگ جائے گا۔ کہ وہ کس بات پر فتنہ برپا کر رہے تھے۔ خدا ان دونوں کو ہدایت دے ♦

قادیانیوں اور ایقانیوں کا جھگڑا

فارس کے شہید صادق میرزا علی محمد باب خدا ان کی روح کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ ان شہیدان صادق میں سے تھے جنہوں نے انسانوں کے دلوں کی تنگی وتاریکی کو دور کرنے کے لیئے قربانیاں کیں۔ یہہ شہید صادق فارس کے ملنٹوں کی جہالت وظلمت کے برخلاف جہاد کرتے ہوئے بغیر کسی قسم کے خوف و خطر کے ظالموں کی گولیوں کا نشانہ بنکر اپنی لاش مبارک کو بغیر گور وکفن کے ظالموں کے پنجے میں چھوڑ کر دنیا اور دنیا والوں کے لیئے اسوۂ حسنہ قایم کر کے رب العزۃ کی حضوری میں چلے گئے۔ ان کے بعد قرۃ العین جیسی ہمہ صفت موصوف طاہرہ نے اسی جہالت و ظلمت کے برخلاف روحانی جہاد کرتے ہوئے اپنی جان عزیز قربان کردی۔ غرضیکہ سینکڑوں اور ہزاروں بابیوں نے شربت شہادت نوش کیا۔ اس کا مفصل ذکر خنجر بیداد کے نام سے حنیف کے پرچہ میں کیا جاچکا ہے۔ ہمارے دل میں ان شہیدوں کیلئے سچی عزت اور محبت ہے۔ مگر کس قدر افسوس کی بات ہے کہ آج ان کے نام لیوا ہندوستان میں اس جھگڑے میں اُلجھ گئے ہیں کہ آیا براہین احمدیہ کا مصنف معہود ادیان تھا یا ایقان کا مصنف یہ بحث اس قدر سوقیانہ رنگت اختیار کرتی چلی جارہی ہے۔ کہ ماں۔ بہن۔ بہو۔

بیٹوں تک نوبت پہنچگئی ہے۔ جو از حد شرمناک ہے۔ اور فریقین کے لئے باعث ذلت ہے۔ قادیانیوں کو تو ہم کچھ نہیں کہتے۔ کیونکہ ان سے ہمیں چنداں امید نہیں ہے۔ کہ ہماری بات کو سنیں۔ ہاں ہم اپنے محترم اور فاضل دوست مولنا حشمت اللہ صاحب بی۔ اے سے بزور استدعا کرینگے کہ وہ اس بحث کو قطعاً بند کردیں۔ کیونکہ جب ہم لوگوں کو اس بحث سے صدمہ پہنچ رہا ہے۔ تو بابی مشن کے شہیدان صادق کی پاک روحوں کو اس سے کس قدر رنج پہنچ رہا ہوگا۔ اگر آگرہ کے بہائیوں نے ہماری اس نصیحت پر عمل نہ کیا تو وہ یاد رکھیں کہ وہ اپنے مشن کے دشمن ثابت ہونگے اور وہ ہند میں اس کی ترقی کو مسدود کرینگے ‌+

وہابی اور حنفی کا جھگڑا

مسلمانوں میں پہلے ہی کیا کم سرپھٹول ہورہا تھا۔ کہ اب ان میں وہابیت اور حنفیت کا جھگڑا بڑے زور سے شروع ہوگیا ہے۔ یو۔پی اور پنجاب کے بعض اردو اخبارات میں اس قسم کے مضامین شائع ہورہے ہیں۔ کہ وہابی خدا و رسول کے دشمن ہیں۔ اور سخت کافر ہیں۔ جھگڑے کی بنا یہہ ہے۔ کہ نجد کے سلطان ابن سعود نے سلطان شریف حسین کو مکہ سے بھگا دیا ہے۔ ہندوستان میں میٹھکریوں کا غذی ٹٹو چلانے سے تو یہہ بہتر ہے۔ کہ جو شریف کے طرفدار ہوں وہ شریف کی فوج میں جاکر بھرتی ہوجائیں۔ اور جو نجدیوں کے حامی ہوں وہ نجدیوں کی فوج میں جاکر تلوار کے ذریعہ فیصلہ کرلیں۔ کہ دونوں میں سے کون کافر اور کون مسلمان ہے۔ ورنہ ہندوستان میں بیٹھ کر مقلد غیر مقلد یا حنفی وہابی کے جھگڑے برپا کرکے مسلمانان ہند میں جو تم پیزار کروانا سخت افسوسناک ہے۔ یہہ تو وہی مثل ہوئی۔ کہ جوگی جوگی لڑیں۔ اور کھپروں کا نقصان۔ حالانکہ مسلمانوں کے سامنے سوال یہہ ہونا چاہیے کہ مکہ معظمہ پر توحید یا تثلیث کے پرستاروں یا حامیوں میں سے کس کا قبضہ ہونا مسلمانان عالم کے لئے مفید ہوسکتا ہے۔

خدا کے بندو! ۲۲ کروڑ بت پرست ہندوستان میں - ۵۰ کروڑ چین و جاپان و تبت و برہما میں اور ۵۴ کروڑ تثلیث پرست دنیا بھر میں موجود ہیں - اگر ہمت ہے تو ان کو مسلم بناؤ - یہہ کیا نامردی اور ہیجڑا پن ہے - کہ اُٹھے اور مسلمانوں کو کافر بنا دیا ۔

اسلامی انجمنوںکو ضروری اطلاع

ملک کے مختلف صوبوں سے اسلامی انجمنوں کے اکثر دعوتی خطوط میرے پاس آتے رہتے ہیں - کہ آیا میں ان کے جلسوں میں شرکت کرسکتا ہوں یا نہیں - چنانچہ گذشتہ ہفتہ بھی گورکھپور - بدایون لکھیم پور - سلطان پور وغیرہ سے اسی قسم کے خطوط آئے ہیں ایسی تمام انجمنوں کو یہہ اطلاع کردینا چاہتا ہوں کہ تبلیغ اسلام تو ہر ایک مومن و مسلم کا فرض ہے - مگر آج کل یہہ مشکل آن پڑی ہے - کہ دیوبندی حضرات نے لاکھوں کلمہ گو مسلمانوں کو کافر و مرتد قرار دے کر اور قرآن مجید کی آیتوں کے گم ہو جانے کا فتنہ برپا کر کے مسلمانوں میں سخت اضطراب اور انتشار برپا کر رکھا ہے - چونکہ یہہ لوگ اسلامی انجمنوں کے جلسوں میں جاکر اسی قسم کے کفر و تکفیر کے مضامین شروع کر دیتے ہیں جس سے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچتا ہے - اس لئے میں نے یہہ فیصلہ کرلیا ہے کہ ایسی کسی بھی انجمن کے جلسے میں مطلقاً شرکت نہ کی جاوے - جس کے اراکین کلمہ گو مسلمانوں کو کافر گردانتے یا کافر گر علما کے حامی ہوں - جو انجمن مجھے شرکت جلسہ کی دعوت دے - اس کو چاہیئے کہ وہ اس بات کا بھی مجھے تحریری اطمینان دلائے کہ وہ انجمن دیوبندی لوگوں کے زیر اثر نہیں ہے - اور اگر وہ زیر اثر ہے تو وہ اپنے جلسہ میں اس بات کی بھی اجازت دیگی - کہ دیوبندیوں کے مذکورہ بالا نقصان دہ اور فاسد عقیدوں کے متعلق کھلم کھلا بحث کی جاوے -

تمام جھگڑوں کا دو ٹوک فیصلہ

کون نہیں جانتا کہ مسلمانوں میں فروعی اختلافات کی بنا پر کسقدر جھگڑے برپا ہیں۔ ہم ہندو پر تو یہ الزام لگاتے ہیں کہ انکے ہاں جتنے کنکر اتنے ہی شنکر۔ مگر ہماری اپنی حالت کیا ہے؟ گھر بگھر کوچہ بکوچہ فرقہ بندی ہے۔ کہیں آمین رفع یدین کے جھگڑے ہیں۔ کہیں رکعتوں پر سر پھٹول ہے۔ کہیں ختم نبوت یا مسیح کی آمد ثانی پر جھگڑا ہے۔ کہیں شیعہ سنی حنفی وہابی یا مقلد غیر مقلد۔ احمدی۔ غیر احمدی کے تنازعات ہیں۔ غرضیکہ جدہر دیکھو عجیب طوائف الملوکی ہے۔ ایک گروہ نے دوسرے پر کفر و ارتداد کا فتویٰ لگا کر اسلام سے خارج سمجھ رکھا ہے۔ یہ سب واہیات باتیں محض اس لئے ہو رہی ہیں کہ ہم نے قرآن پاک کو ثالث ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ رب العزۃ کا ہی حکم ہے۔ کہ اگر کسی معاملہ میں جھگڑا ہو جائے تو اسکو قرآن پاک سے حل کرو۔ اگر اسکا فیصلہ منظور نہ ہو۔ تو مباہلہ کے طور پر صدق و کذب کا فیصلہ خدا کے سپرد کر دو جیسا کہ رسول پاک نے یہودیوں اور عیسائیوں کو قرآن پاک کی طرف بلایا۔ مگر جب انہوں نے قرآن پاک کو ثالث ماننے سے انکار کر دیا تو انکو مباہلہ کا چیلنج دیا۔ افسوس یہ ہے کہ ہر ایک فرقہ نے قرآن مجید کو ثالث ماننے کی بجائے اپنا ثالث الگ الگ مقرر کر رکھا ہے۔ کوئی ان جھگڑوں کو حدیثوں سے مٹانا چاہتا ہے۔ کوئی فقہ سے۔ کوئی تفسیروں سے مگر فضول۔ حالانکہ اگر قرآنمجید کو ثالث مان لیا جائے تو پھر کوئی جھگڑا ہی نہیں رہتا۔ اسکو واضح کرنیکے لئے جنیف میں کفر و اسلام کے عنوان سے بعض مسائل کا دو ٹوک فیصلہ کر کے دکھا دیا گیا ہے۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ کے متعلق یا تو فرقہ بند لوگ قرآن مجید کے اس فیصلہ پر اعتراض کریں یا اسکو قبول کر کے باہمی تفرقہ بازی کو بند کر کے خالص مومنین اہل اسلام بنجائیں۔ زمانہ نازک ہے دشمنان اسلام نے چاروں طرف سے اسلام کا محاصرہ کر رکھا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ جو بات جس حد تک اور جس شکل میں قرآن مجید سے ثابت ہوتی ہے اسکو اسی حد تک اور اسی شکل میں ہم قبول کریں۔ فروعات میں جسکی مرضی ہو۔ لمبا چوڑا ہوتا پھرے۔ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ۔ مجھے امید ہے کہ قارئین کرام "کفر و اسلام" کا نہایت غور سے مطالعہ فرمائینگے۔

اور اگر ان معاملات میں انکو کسی قسم کا شک شبہ پیدا ہو تو وہ اسکا اظہار فرمائیں۔ اگر کسی صاحب نے اس مضمون کے برخلاف کچھ لکھنا ہو تو وہ قرآنمجید کو ہی پیش کریں۔ اسلئے کہ کفر و اسلام کے تصفیہ کے لئے ما انزل اللہ کے سوا دوسری کوئی کتاب سند نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ قرآنمجید ہی ایک ایسی کتاب ہے جو مستند بالذات ہے۔ باقی جتنی روایات ہیں چونکہ انکی صحت کا دار و مدار ان کے راویوں کی ثقاہت پر ہے۔ اور ہر ایک راوی اپنی ثقاہت کیلئے دوسرے انسانوں کی شہادت کا محتاج ہے۔ بنا بریں یہی ہے کہ

روایت مستند بالغیر ہونیکی وجہ سے کفر و اسلام کے تصفیہ کیلئے کسی صورت میں بھی حکم یا ثالث نہیں ہو سکتی۔

چھٹی فصل

اسلام مسجد کے اندر

اعرافی۔ السلام علیکم
مسلم۔ وعلیکم السلام کہیئے صاحب! آپ تو کل کا وعدہ کر گئے تھے۔ مگر آج تین ہفتہ کے بعد تشریف لائے۔ اتنی دیر کہاں رہے؟

اعرافی۔ جب آپ میری پریشانی کی کہانی سنینگے تو آپ یقیناً میرے ساتھ ہمدردی کا اظہار فرمائینگے۔ اور میری وعدہ خلافی کے لئے مجھے معذور سمجھینگے +

مسلم۔ کیوں! خیر تو گذری؟

اعرافی۔ اجی صاحب خیر کیا گذرنی تھی۔ میں اپنی بدقسمتی اور جہالت پر افسوس کرتا ہوں کہ کیوں پچھلا میں اعراف سے نکل آیا تھا۔ اور اسلام میں داخل ہوگیا تھا۔ مگر اب طبیعت ایسی متنغض ہو رہی ہے کہ میں پھر دوبارہ اعراف میں جانے کی تیاری کر رہا ہوں۔ میں نے سوچا۔ کہ ذرا آپ سے ملتا اور آخری سلام کرتا جاؤں +

مسلم۔ آخر بات کیا ہے؟

اعرافی۔ بات یہ ہے کہ مجھے ایسے اسلام کی ضرورت نہیں جو گورکھ دھندوں میں پھنسا تا ہو میں نے تو سمجھا تھا کہ اسلام سیدھا سادھا مذہب ہے۔ مگر مسلمان بنکر مجھے پتہ چلا۔ کہ اس سے بڑھکر پیچیدہ مذہب دنیا میں دوسرا کوئی نہیں ہے۔ توبہ الٰہی یہ مذہب ہے یا گورکھ دھندا! باہر کچھ اندر کچھ۔ کہنا کیا اور کرنا کیا۔ مجھے تو اس مذہب سے ایسی نفرت ہوگئی ہے۔ کہ میں اب ایک منٹ بھی اس میں رہنا پسند نہیں کرتا۔ آپ نے تو اپنی لمبی چوڑی تقریروں میں یہ ثابت کیا تھا کہ یہ علم و عقل کا مذہب ہے۔ مگر مسلمانوں میں گھسکر مجھے عملی طور پر پتہ لگا۔ کہ جتنی جہالت ان لوگوں میں ہے۔ اس کا عشر عشیر بھی دوسری جگہ

نہیں ہے۔ میں تو حیران ہوں کہ لوگ مسلمان کیوں ہو جاتے ہیں +

مسلم۔ خدا معلوم! آپ کو کن لوگوں سے واسطہ پڑ گیا۔ جو آپ اتنے پریشان ہو رہے ہیں۔ آخر آپ بتائیں تو سہی۔ کہ یہہ معاملہ کیا ہے؟ آپ اتنے کیوں گھبرا رہے ہیں کیا کہیں کسی تل اعوذئے ملنٹے کے اڑنگے تو نہیں چڑھ گئے تھے؟

اعرافی۔ ہاں صاحب معاملہ تو یہی ہوا ہے۔

مسلم۔ (مسکرا کر) بھئی تب تو تمہاری کہانی بڑی مزیدار ہو گی۔ میں خود بھی کسی زمانہ میں ایسے ہی ملنٹوں کے ہاتھ سے پریشان ہوا تھا۔ ذرا سناؤ تو سہی۔

اعرافی۔ حضرت! مجھے اندیشہ ہے۔ کہ کہیں آپ میری کہانی کو سنکر خود بھی پریشان نہ ہو جائیں۔ اس سے بہتر یہی ہے۔ کہ میں آپ کو آخری سلام کر کے اعراف میں ہی چلا جاؤں +

مسلم۔ میاں اعراف میں چلے جانا تو کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ مگر اکیلے جا کر وہاں گھبراؤ گے۔ ذرا اپنی پریشانی کا حال تو سناؤ۔ شاید میں بھی تمہارے ساتھ چلا چلوں +

اعرافی۔ اچھا صاحب! اگر یہی بات ہے تو سن لیجئے۔ میں آپ سے رخصت ہو کر ایک مسجد کے پاس سے گذر رہا تھا کہ نماز کی آذان میرے کان میں پڑی۔ میں نے کہا۔ کہ جب میں نے خدا کے سچے مذہب اسلام کو قبول کر لیا ہے تو کیوں نہ اب اسی خدا کی درگاہ میں جبین نیاز کو جھکا دوں۔ یہہ سوچکر میں مسجد میں داخل ہوا۔ منہ۔ ہاتھ اور پاؤں دھو کر میں نماز میں شامل ہو گیا۔ امام صاحب سورہ فاتحہ پڑھ رہے تھے جب انہوں نے اس سورۃ کو ختم کر کے ولاالضالین کہا۔ تو پیچھے سے کسی نمازی نے بڑے زور سے آمین پکاری۔ اس شخص کا آمین کہنا تھا کہ چار پانچ نمازیوں نے نماز چھوڑ کر شور مچانا شروع کر دیا۔ کہ کس پلید نے ڈکار دیا ہے۔ کون مردود مسجد میں آ گھسا ہے۔ نکالو اس وہابڑے کو باہر۔ یہ کہکر انہوں نے ایک مسلمان کو پکڑ کر لپاڈگی شروع کر دی۔ "دے مکا"! "دے گھسن" +

مسلم۔ (مسکرا کر) کیا واقعی ایسا ہوا؟

اعرافی۔ میں سچ کہتا ہوں۔ ایسا ہی ہوا۔ مگر ذرا سنئے تو سہی۔ جب اس غریب نے چیخنا چلانا شروع کیا۔ تو باقی نمازیوں نے بھی نیت توڑ ڈالی۔ یہاں تک کہ امام

صاحب نے بھی قبلہ کی طرف سے منہہ موڑ لیا۔ اور اس دنگل کو دیکھنے میں مشغول ہو گئے +

مسلم۔ مگر کیا امام صاحب نے ان لوگوں کو ایسی لغویت سے منع نہ کیا؟

اعرابی۔ اجی۔ واہ! آپ بھی کیا فرماتے ہیں۔ امام صاحب نے منع کیا! کیا معنے بلکہ امام صاحب خود بھی آگ بگولا ہو کر فرمانے لگے کہ اس پلید کو خوب پیٹو۔ خوب مارو اس ناپاک نے آج ہماری نمازہی خراب کر دی۔ ایسا مارو کہ یہ مردود کبھی مسجد میں جا کر ڈکار نہ لے سکے۔

مسلم۔ واقعی یہ نہایت شرمناک نظارہ ہوگا +

اعرابی۔ ذرا آگے تو سنئے کہ کیا ہوا۔ امام صاحب کے حکم کو سنکر دس بارہ اور نمازی اُدھر پل پڑے میں نے جب دیکھا کہ یہ لوگ کہیں اس غریب کو جان سے ہی نہ مار ڈالیں۔ تو میں نے مداخلت شروع کی۔ اور ان نمازیوں سے کہا کہ خدا کے بندو! اس غریب کو کیوں مارتے ہو۔ اگر اس نے آمین زور سے کہدی تو کیا گناہ کیا؟ میرا اتنا کہنا تھا کہ پانچ چھہ مسلمان میری طرف بھی لپکے کہ یہ بھی اسی مردود کا ہم مذہب معلوم ہوتا ہے۔ اس کو بھی ٹھوکو۔ چنانچہ مجھے بھی ان لوگوں نے مارنا شروع کیا ایک دفعہ تو میرے جی میں آیا کہ ڈنڈا پکڑ کر ان سب کا کھلیان کر دوں۔ مگر مسجد کے احترام کو مد نظر رکھکر اور یہہ سوچکر کہ میں ایک نومسلم ہوں۔ اور یہ پرانے مسلم ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ کسی کا سر پھٹ جائے اور میں ایک مومن و مسلم کو ضرب شدید پہنچانے کی پاداش میں دنیا و آخرت میں قابل مواخذہ گردانا جاؤں۔ میں نے چپ چاپ مار کھاتے جانا ہی پسند کیا +

مسلم۔ جزاک اللہ آپ نے بہت اچھا کیا۔ واقعی ایک مومن و مسلم کی یہی شان ہو۔ کہ وہ خدا کے گھر کا احترام کرے۔ اور اس میں کسی قسم کا دنگہ نہ کرے۔

اعرابی۔ جب یہ لوگ ہم دونوں کو مارتے مارتے تھک گئے۔ تو انہوں نے ہمیں دھکے دیکر مسجد کی سیڑھیوں کے نیچے پھینکدیا۔ میں باہر کھڑا دیکھتا اور سنتا رہا۔ کہ امام صاحب نے حکم دیا کہ تمام لوٹے توڑ ڈالو اس لئے کہ یہ مشکوک ہو گئے ہیں نہیں معلوم اس مردود نے کس لوٹے سے پانی لیا ہوگا۔ چنانچہ لوٹے تڑاق۔ تڑاق ٹوٹنے لگے۔ جب لوٹے ٹوٹ

رہے تھے۔ تو مجھے اندیشہ لگ رہا تھا۔ کہ کہیں کوئی من چلا میرے سر میں لوٹا نہ دے مارے۔

مسلم۔ مگر کیا آپ ننگے سر تھے؟

اعرافی۔ نہیں صاحب پگڑی باندھے ہوئے تھا۔

مسلم۔ تب ہی آپ بچ گئے۔

اعرافی۔ (مسکرا کر) تو کیا بہدف نشانہ باز ننگے سر کی چاندماری بھی کیا کرتے ہیں۔ حضرت میں سچ عرض کرتا ہوں۔ کہ لوٹے اس طرح تڑاق تڑاق ہو رہے تھے۔ کہ گویا سچ مچ کی چاندماری جاری ہے جب لوٹوں کا صفایا ہو گیا تو امام صاحب فرمانے لگے کہ اب اس مسجد کے صحن کو خوب دھو ڈالو جب مسجد کو دھونے کا نام سنا تو ایک صاحب بولے۔ کہ میاں جی لوٹے تو سب ٹوٹ چکے ہیں۔ اب ہم پانی کاہے میں بھریں۔ میاں جی صاحب فرمانے لگے ارے کم بختو! چار پانچ لوٹے تو رکھ لیتے۔ اسپر سب لوگ ہنس پڑے۔ کہ حضرت آپ نے ہی تو فرمایا تھا کہ لوٹے سب مشکوک ہو گئے ہیں۔ انکو توڑ ڈالو۔ ہم نے تو آپ کے فتوی کی تعمیل کر دی تھی۔ سو کر دی۔ میاں جی بھی اس پر ہنس پڑے۔ اور بولے۔ کہ تم بھی عجب احمق ہو ہمارا مدعا یہ تھوڑا ہی تھا۔ کہ تمام لوٹے توڑ ڈالو۔ مطلب تو صرف اتنا تھا کہ ان مردودوں پر رعب و خوف جاری کرنے کے لئے ایک دو لوٹوں کی خالی باڑھ مار دو۔ مگر تم نے تو سچ مچ ہی تڑاق پڑاق کر دی۔ تم نے ایک روپیہ کے لوٹے شہید کر ڈالے۔ اب بتاؤ یہ نقصان کون بھریگا۔

مسلم۔ تو کیا میاں جی نے فہرست چندہ کھولنے کے لئے ارشاد نہ فرمایا؟

اعرافی۔ (قہقہہ لگا کر) اجی صاحب! میاں جی نے یہی فرمایا کہ اب فہرست چندہ کھولو۔ اور مسجد کا نقصان پورا کرو۔ چندہ کا نام سننا تھا کہ میں جھٹ چھلانگ مار کر مسجد میں پہنچا۔ اور جیب سے اٹھنی نکال کر زور سے چلایا کہ میاں جی اس چندہ میں اٹھنی میں دیتا ہوں۔

مسلم۔ میاں! تمہیں سوجھی خوب! ہاں تو تمہاری اٹھنی پر میاں جی صاحب کیا بولے؟

اعرافی۔ اجی حضرت! بولنا کیا تھا۔ گز بھر کا لمبا بازو پھیلا کر اور اٹھنی میرے ہاتھ سے لیکر فرمانے لگے۔ کہ جزاک اللہ۔ دیکھو نہ سچے مسلمانوں کی یہی نشانی ہے کہ جب ان سے خدا اور رسول کے نام پر جان و مال کی قربانی مانگی جاتی ہے۔ تو وہ سب سے پہلے آگے نکلتے ہیں۔ اللہ تعالی نے سچ فرمایا ہے کہ السابقون الاولون اولئک المقربون

دیکھو اس بھائی فی سبیل اللہ نے سب سے پہلے اٹھنی دی ہے یہ سچا اور پکا مسلمان ہے اور مقربین باری تعالیٰ میں سے ہے۔ خدا اسکو جزائے خیر دے کہ اس نے اللہ میاں کے گھر کو آباد کرنے کے لئے عملی قدم اُٹھایا ہے۔ کیوں بھائیو تم بھی تو کچھ دو۔ خاموش کیوں ہو۔ میاںجی کی اس آواز پر ایک صاحب بول اُٹھے کہ حضرت یہ دوہاڑا معلوم ہوتا ہے۔ اس کی اٹھنی مت لیجیے۔

متکلم۔ تو کیا میاںجی صاحب نے آپ کی اٹھنی پھینک نہ دی؟

اعرافی۔ ہاں صاحب ایسا ہی ہوا۔ میاںجی صاحب نے اٹھنی اس شخص کے سامنے پھینک دی اور غصہ سے چلائے مردود! تو کیا مجتہد بنتا ہے۔ دیکھ تو یہ اٹھنی کیسی کھری ہے بتا تو ذرا اس اٹھنی میں دوہاڑپن کہاں گھس رہی ہے؟ یہ تو خدا کا نیک بندہ اللہ کے گھر کو آباد کرنے کے لئے اٹھنی دیتا ہے اور تو اس کو دوہاڑا۔ دوہاڑا کہہ رہا ہے بہش! نالایق! میاںجی یہ کہہ ہی رہے تھے۔ کہ اتنے میں ایک سفید روپیہ مسجد کی سیڑھیوں کی جانب سے گھسٹتا ہوا میاںجی کے قدموں میں آکر گرا۔ میاںجی نے اور سب حاضرین نے جو اُدھر آنکھ اُٹھا کر تو وہی حضرت جنکو اتنی مار پڑی تھی سیڑھیوں پر بیٹھے چلا رہے تھے کہ میاںجی اس کار خیر میں یہ ایک روپیہ میرا بھی جمع کر لیجئے۔

متکلم۔ تو کیا میاںجی نے وہ روپیہ اُٹھا لیا؟

اعرافی۔ جی حضرت! روپیہ اُٹھا لیا اور اس شخص کو پکارنے لگے۔ کہ میاں ذرا تم آگے آجاؤ۔ سیڑھیوں پر کیوں بیٹھ رہے ہو۔ وہ شخص کراہ کر بولا کہ حضرت میری چوٹیں سخت درد کر رہی ہیں اور میں آگے آنے سے معذور ہوں۔ اس پر میاںجی صاحب نے چار پانچ آدمیوں کو حکم دیا۔ کہ جاؤ خدا کے اس نیک بندے کو اُٹھا کر آگے لے آؤ۔ آدمی جو اس کو اٹھانے کے لئے آگے بڑھے۔ تو وہ سمجھا کہ اب دوبارہ مرمت کرنے کے لئے آئے ہیں۔ چلا اُٹھا کہ حضرت! اگر میرا روپیہ مجھے مجرم بناتا ہے۔ تو میں خواستگار معافی ہوں۔ روپیہ لوٹا دیجئے۔ مگر خدارا مجھے اب دوبارہ زدوکوب نہ کریں۔ میں مر جاؤنگا۔ کیونکہ میری تمام ہڈی پسلی پہلے ہی درد کر رہی ہے۔ اس پر میاںجی اور دیگر سب لوگ ہنس پڑے۔ اور کہنے لگے کہ نہیں نہیں۔ ڈرو مت۔ بلکہ مسجد کے صحن میں تشریف لے چلیئے۔ میاںجی آپ کے متعلق کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ یہ مظلوم بیچارہ ڈرتا

ڈرتا مسجد کے صحن میں جا بیٹھا۔ میاںجی نے سب لوگوں کو مخاطب کرکے فرمایا۔ کہ دیکھو تم لوگ کیسے نادان ہو۔ جو خداوند کریم کے احکام کے برخلاف لوگوں کی عبادت میں مخل ہوتے ہو۔ حالانکہ خداوند کریم نے صاف فرما دیا ہے۔ کہ

عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ۔ سَوَاءٌ مِّنكُم مَّنْ أَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَن جَهَرَ بِهِ۔ الرعد ع۲۔

خداوند کریم باطن اور ظاہر دونو کا جاننے والا ہے۔ خواہ تم اونچی آواز سے پکارو خواہ دل ہی دل میں پکارو۔ مگر خدا کے نزدیک یہ دونوں برابر ہیں۔ اے نادانو! دیکھو خداوند کریم نے قرآن پاک کی اس سورہ الرعد کے اسی رکوع میں دوسری جگہ۔ خدا کو بلند اور دھیمی آواز سے پکارنے کا فیصلہ بھی کر دیا ہے کہ

وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْمَلَائِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ الرعد ع۲

بادلوں کی کڑک یعنی بجلی بہ آواز بلند اسکی حمد و ثنا کرتی ہے۔ مگر دوسری طرف فرشتے خاموشی سے اسکی حمد و ثنا میں مصروف ہیں۔ اے نادانو! جب خداوند کریم نے بجلی کی کڑک کی سی بلند آواز کے ساتھ اپنی حمد و ثنا کی اجازت دی ہے تو اس شخص نے جو تمہاری صف میں کھڑے ہو کر ذرا اونچی آواز سے آمین پکار دی تو تم نے کیوں سمجھ لیا کہ تمہاری نماز خراب ہو گئی؟ کیا اسکی آواز بجلی کی کڑک سے بھی بلند تھی؟ اور پھر جب خدا نے یہ صاف فرما دیا ہے۔ کہ تم خواہ دل ہی دل میں اس کا نام لو۔ خواہ بلند آواز سے اس کو پکارو۔ مگر خدا کے نزدیک یہ دونوں باتیں برابر ہیں تو پھر تم اس شخص کے آمین پکارنے پر اتنے کیوں بگڑ گئے کہ اس غریب کا مار مار کر بھرکس نکال دیا۔

مسلم۔ کیا خوب! یہ میاںجی تو بڑی خوبی کے آدمی تھے۔ مگر ان کے اس وعظ کو سنکر کسی نے کوئی اعتراض نہ کیا؟

اعرافی۔ کیوں نہیں! سب لوگ چلا اٹھے۔ کہ میاںجی! ہمارا اس میں کیا قصور ہے۔ آپ نے ہمیں یہ مسئلہ بتا رکھا تھا۔ کہ جو لوگ اونچی آواز سے آمین کہتے ہیں۔ وہ غیر مقلد۔ نجدی۔ وہابڑے ہوتے ہیں۔ انکو مسجد میں مت گھسنے دو۔

مسلم۔ میاںجی نے اس کا کیا جواب دیا؟

اعرافی۔ میاں جی فرمانے لگے کہ ہاں یہ تو ٹھیک ہے کہ یہ لوگ وہابڑے ہوتے ہیں

مگر میرا مطلب یہ تھوڑا ہی تھا۔ کہ اگر ان میں سے کوئی شخص تمہاری مالی مدد کرے اور تمہیں چندہ دے۔ تب بھی وہ پاک نہیں ہوگا۔ ہرگز نہیں بلکہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ۔ (التوبۃ ع)

کہ اگر یہ لوگ تمہیں چندہ دے دیں تو لیلو۔ اور سمجھ لو کہ یہ پاک و صاف ہو گئے۔ ایسی صورت میں تم ان کے ساتھ مل کر یا ان کو اپنے ساتھ ملا کر نماز پڑھ لیا کرو۔ اے نادانو! جب اس شخص نے مسجد کے لوٹے خریدنے کے لئے ایک روپیہ چندہ دیا ہے۔ تو تم ہی بتاؤ۔ کہ ایسے شخص کو مسجد میں آنے سے روکنا کتنا بڑا ظلم ہے۔ کیا تم نہیں جانتے ہو کہ خداوند کریم نے فرمایا ہے کہ

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَا اِلَّا خَآئِفِيْنَ لَهُمْ فِی الدُّنْيَا خِزْیٌ وَّلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔ البقرہ ع

اس شخص سے بڑھکر ظالم کون ہو سکتا ہے۔ جو کسی انسان کو خدا کی مسجد میں خدا کا ذکر کرنے سے منع کرے۔ اور اس طرح مسجدوں کو اجاڑنے کا موجب ہو۔ مسجدوں میں لوگوں کو نماز پڑھنے سے روکنے والے ظالم بذات خود اس قابل ہیں کہ انکو ایسی سزا دیجائے کہ وہ مسجدوں میں آکر ایسی شرارتیں کرنے سے ڈرتے ہیں۔ ایسے ظالموں کو دنیا میں بھی سزا دیکر خوار و ذلیل کرنا چاہئے۔ اور قیامت میں تو ان کو خدا کی طرف سے دردناک عذاب دیا ہی جاویگا۔ اے نادانو! تم نے کتنا بڑا ظلم کیا جو اس شخص کو محض آمین کہنے پر اتنا زدوکوب کیا۔ خدا سے ڈرو۔ اور توبہ کرو ورنہ قیامت کے روز خداوند کریم کی طرف سے تم کو سخت سزا دیجاوے گی۔

مسلم۔ میاںجی کی اس تقریر کو سنکر لوگوں نے کیا جواب دیا؟

اعرافی۔ اکثر لوگ یہ کہکر مسجد سے چلے گئے کہ ان ملنٹوں کا کیا اعتبار ہے۔ ابھی تو میاںجی صاحب یہ کہہ رہے تھے۔ کہ اس دہا بڑے کو مارو۔ لوٹے توڑ دو۔ مسجد ناپاک ہو گئی۔ مگر اب جو اس شخص نے ایک روپیہ چندہ دیدیا تو اب اس کی تائید میں قرآن پاک کی آیتیں فرفر پڑھ رہا ہے بھلا کیا قرآن مجید میں یہ آیتیں اسوقت

موجود نہیں تھیں جب اس میانجی نے یہ کہا تھا کہ اس دہابڑے کو ایسا ٹھوکو۔ کہ یہ پھر کسی مسجد میں جاکر ڈکا نہ دے سکے۔ درحقیقت یہہ ملنٹے ہی فسادکی جڑ ہیں جب تک ہماری مسجدیں اس قسم کے فسادی ملنٹوں سے پاک نہیں ہونگی۔ تب تک مسلمانوں کو باہمی صلح و امن سے رہنا نصیب نہیں ہوگا۔ غرضیکہ اسی قسم کی چہ میگوئیاں کرتے ہوئے کئی مسلمان تو اس مسجد سے گھروں کو چلے گئے۔ اور کئی وہاں بیٹھے رہے۔ میانجی نے ایک روپیہ کے لئے اپیل کی تھی۔ مگر ایک اٹھنی میری اور ایک روپیہ اس نظام کا ملاکر ایک کا ڈیڑھ تو اسی وقت ہوگیا۔ آٹھ آنے ایک اور شخص نے دیدئے۔ دو روپیہ لیکر میانجی نے اپنا وعظ ختم کیا۔ مجھے اجنبی سا دیکھکر اپنے حجرہ میں لے گئے اور پوچھنے لگے۔ کہ میاں تمہیں اس سے پیشتر میں نے کبھی اس مسجد میں نہیں دیکھا۔ کہاں سے آئے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ حضور میں ایک نومسلم ہوں۔ میرے باپ دادا بڑے سیٹھ ساہوکار تھے۔ میری طبیعت اسلام کی طرف مائل تھی چنانچہ میں مسلمان ہوگیا ہوں اب میں اس فکر میں ہوں کہ کوئی عالم دین ملے تو اس سے اسلام کی تعلیم حاصل کروں یہ سنکر میانجی فرمانے لگے کہ دیکھو تم ہمارے دارالعلوم میں چلے جاؤ۔ وہاں دین کے بڑے بڑے عالم فاضل موجود ہیں۔ میں بھی اسی دارالعلوم کا سند یافتہ ہوں مسجد کی امامت کے علاوہ میں اسی دارالعلوم کا ایجنٹ بھی ہوں۔ آپ جیسے متلاشی حق کو چھٹی پتری دیکر اسی دارالعلوم کو روانہ کرنا میرا خاص کام ہے۔

مسلم۔ یہ دارالعلوم کہاں ہے؟

اعرابی۔ مجھے خود بھی اس کا علم نہیں تھا۔ مگر جب میانجی نے مجھے اس کا نام "دین بندھو" بتایا۔ تو میں دوسرے ہی دن وہاں پہنچا۔

مسلم۔ میاں! تمہاری سرگذشت تو بڑی دلچسپ معلوم ہوتی ہے۔ ذرا "دین بندھو" کے حالات بھی تو سناؤ۔ کہ وہاں کیا گذری؟

اعرابی۔ جناب کیا عرض کروں جب میں "دین بندھو" پہنچا تو سیدھا دارالعلوم میں گیا۔ وہاں جاکر پتہ لگا کہ دارالعلوم کے مدرس اعلیٰ شہر کی جامع مسجد میں وعظ فرمانے گئے ہوئے ہیں چنانچہ میں سیدھا جلسہ میں پہنچا۔ وہاں جاکر کیا دیکھتا ہوں کہ جم غفیر جمع ہے اور لوگوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ آرہے ہیں۔ جب مجمع بہت زیادہ ہوگیا۔ تو دارالعلوم

کے مدرس اعلیٰ ممبر پر تشریف لائے اور اعوذ و بسم اللہ کے بعد قرآن مجید کی تلاوت فرمائی۔ بعد ازاں لوگوں کو مخاطب کرکے فرمایا کہ میں آج آپ لوگوں کو اس حدیث شریف کا کہ مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ مطلب سمجھانا چاہتا ہوں۔ چنانچہ آپنے اس پر بہت طول وطویل تقریر فرمائی۔

مسلم۔ مگر اس کا خلاصہ مجھے بھی تو سنائیے۔

اعرابی۔ اس کا خلاصہ یہ تھا کہ جو شخص کسی قوم کی نقل اتارتا ہے۔ وہ اسی قوم کا ممبر سمجھا جائیگا اور قیامت کے دن اسی قوم میں اس کا حشر و نشر ہوگا۔ اس لئے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ غیر مسلموں کی کسی بات میں نقل نہ کیا کریں۔ جو مسلمان غیر قوموں کی نقل کرتے ہیں وہ مسلمان نہیں بلکہ کافر ہیں۔ جو لوگ مسلمان ہو کر کافروں کی طرح چھری کانٹے سے کھاتے ہیں۔ وہ کافر ہیں۔ جو کوٹ پتلون پہنتے ہیں۔ وہ بھی کافر ہیں۔ جو کالر نکٹائی لگاتے ہیں وہ بھی کافر ہیں۔ جو بوٹ پہنتے ہیں وہ بھی کافر ہیں۔ جو پیشانی پر بال لمبے رکھتے ہیں وہ بھی کافر ہیں۔ جو داڑھی منڈواتے ہیں وہ بھی کافر ہیں۔ جو مونچھیں لمبی رکھتے ہیں وہ بھی کافر ہیں۔ جو انگریزی پڑھتے ہیں وہ بھی کافر ہیں۔ جو ہندی سیکھتے ہیں وہ بھی کافر ہیں۔ جو ٹخنوں سے نیچے پاجامہ پہنتے ہیں وہ بھی کافر ہیں۔ جو انگریزی ٹوپی رکھتے ہیں وہ بھی کافر ہیں۔ اس لئے کہ یہ تمام باتیں سنت نبوی کے برخلاف ہیں۔ اور جو اتباع سنت نہیں کرتا۔ بلکہ اس کے برعکس کفار کے اوضاع و اطوار کی پیروی کرتا ہے وہ مسلمان نہیں بلکہ کافر ہی ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو کافروں کی نقل کرتا ہے وہ کافر ہے۔ پس اے عزیزو! تمکو چاہئے۔ کہ ایسی تمام باتوں سے بچو۔ نہ صرف یہی بلکہ تم ایسے فاسقوں اور فاجروں کے ساتھ تعلق بھی نہ رکھو۔ جو کفار کی ملازمت یا وکالت کرتے ہوں۔ دیکھو۔ وکیلوں کے گھر کا کھانا پینا تمہارے لئے قطعاً حرام ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی مزدور کسی وکیل کے گھر میں جا کر مزدوری کرے اور مزدوری کے ان پیسوں کا آٹا دال خرید کر تمہاری دعوت کرے۔ تو اس دعوت میں جا کر شرکت کرنا یا کھانا بھی قطعاً حرام ہے۔ بس تم ایسے لوگوں کے ساتھ اکل و شرب سے پرہیز کرو۔ دیکھو فتاویٰ حنفیہ صفحہ ۳ پر مولینا رشید احمد گنگوہی اور مولینا محمود حسن صاحب دیوبندی کا وکیلوں کی کمائی کے حرام ہونے کے متعلق صاف فتوے موجود ہے بلکہ یہاں تک

لکھا ہے کہ جیسی فاحشہ رنڈی کی کمائی حرام ہے۔ ویسی ہی وکیل کی کمائی بھی حرام ہے پس عزیزو! ایسے حرام کا پیشہ کرنیوالوں کے ساتھ اکل و شرب کرنے سے پرہیز کرو۔ ایسا نہ ہو کہ خدا کا غضب تم پر نازل ہو۔

مسلم۔ میاں اعرابی! یہ تو بڑا خطرناک وعظ تھا۔ مگر تم نے اس سے کیا نتیجہ نکالا؟

اعرابی۔ اجی حضرت! ذرا آپ سنتے تو جائیں کہ اس کا نتیجہ کیا نکلا۔ جہلا تو دم بخود تھے مگر ایک طرف کچھ ترکی ٹوپی پہنے چند نئے فیشن کے تعلیمیافتہ جنٹلمین بھی کھڑے تھے۔ ان میں ایک صاحب میاں نثار قطب پلیڈر ہائی کورٹ بھی تھے جو کسی زمانہ میں میرے ہم جماعت رہ چکے تھے۔ میں نے ان کو اور انہوں نے مجھ کو دیکھ لیا۔ اور آنکھوں ہی آنکھوں میں ہماری ملاقات ہوگئی۔ میں خوب تاڑ رہا تھا۔ کہ مولوی صاحب کے وعظ کو سنکر میاں نثار قطب صاحب کے چہرے پر ایک رنگ آتا تھا اور دوسرا جاتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی گہری سازش کا نقشہ باندھ رہے ہیں۔ جب مولویصاحب وعظ ختم کر چکے تو نثار میاں فوراً آگے بڑھے۔ اور مولٰینا سے مصافحہ کرتے ہی چپکے سے پانچ روپیہ اُن کی مٹھی میں دیدئے۔ اور نہایت ادب سے کہنے لگے کہ مولٰینا میری بیوی کا انتقال ہوگیا ہے۔ مگر مرحومہ یہ وصیت کر گئی ہے۔ کہ میں آپ کے دارالعلوم میں مرحومہ کی یادگار میں ایک کمرہ بنوادوں اور آپ کی بھی کچھ خدمت کروں۔ اس لئے اگر آپ کل بارہ بجے دن کو میرے غریب خانہ پر ماحضر تناول فرمانے کے لئے تشریف لائیں۔ تو میں مرحومہ کے زیورات اور کچھ نقد جناب کی خدمت میں حاضر کردوں۔ میاں نثار قطب نے جو روپیہ مصافحہ کرتے وقت مولٰینا صاحب کی مٹھی میں دیا تھا۔ وہ تو مولٰینا نے چپکے سے جیب میں ڈال لیا۔ اور دعوت کے متعلق فرمانے لگے کہ میں انشاءاللہ ضرور دولت خانہ پر حاضر ہوں گا۔ خدا مرحومہ کو غریق رحمت کرے کہ وہ رحلت فرماتے وقت دارالعلوم کے لئے ایسی گرانقدر امداد دینے کی وصیت کر گئیں۔

مسلم۔ میاں تمہاری کہانی بڑی دلچسپ ہے۔ پھر کیا ہوا؟

اعرابی۔ حضرت! ذرا آپ سنتے جائیں۔ مولٰینا نے تو میاں نثار قطب کی دعوت قبول کی۔ مگر نثار میاں نے مجھے بھی شرکت کے لئے کہا۔ میں نے ہرچند معذرت کی۔

مگر اُنہوں نے ایک نہ مانی۔ مولینا صاحب تو اپنے دارالعلوم میں چلے گئے۔ مگر نثار صاحب مجھے کھینچ گھسیٹ کر اپنے مکان پر لے گئے۔ مولینا کے وعظ کے متعلق ہم دونوں میں خوب بحث ہوتی رہی۔ نثار قطب صاحب تھے تو ہائی کورٹ کے وکیل۔ مگر مذہبی معاملات میں بڑی دلچسپی لیتے تھے۔ فرمانے لگے۔ کہ میاں اعرافی! تم نے مولینا کے وعظ کا کیا نتیجہ نکالا۔ میں نے کہا کہ میں نے تو اس سے یہی نتیجہ نکالا ہے۔ کہ ہمیں کلام رسول کی نقل نہیں کرنی چاہیئے۔ نثار میاں بولے۔ کہ مولینا کا تمام زور اتباع سنت پر تھا۔ میں نے کہا۔ ہاں ٹھیک ہے۔ نثار کہنے لگے۔ کہ دیکھو اس شخص نے کس جرأت اور دلیری سے ہمیں فاحشہ رنڈیوں کی طرح حرام کا پیشہ کرنے والا کہا۔ میں اب کل آپ کو اس کی اتباع سنت کا تماشہ دکھانا چاہتا ہوں۔ میں نے پوچھا کہ وہ کیونکر؟ فرمانے لگے کہ بس اس کا پتہ آپ کو کل ہی لگیگا۔ میں نے کہا۔ کہ کیا غریب مولوی پر نالش کر دوگے؟ فرمانے لگے۔ ہرگز نہیں!

مسلم۔ تو کیا کہیں مولوی کو پٹوانے کی سازش تو نہیں تھی؟

اعرافی۔ اجی حضرت! آپ ذرا خاموشی سے سُنتے جائیں۔ دوسرے دن علی الصباح میاں نثار قطب نے بڑے وسیع پیمانہ پر دعوت کی تیاری کی۔ انواع واقسام کے کھانے تیار کیے گئے۔ زردہ۔ بریانی۔ قورمہ۔ متنجن۔ کوفتے۔ کباب۔ غرضیکہ ایک درجن سے زیادہ لذیذ کھانے بنائے گئے۔ وقت مقررہ سے چند منٹ پیشتر اپنے کھانے کے کمرہ میں میز۔ کرسی۔ لگا نہایت صاف ستھرے دسترخوان بچھا کر کھانوں کو چن کر کمرہ کو مقفل کر دیا۔ اس کے بعد میاں نثار قطب صاحب اپنے غسلخانہ میں کچھ جادو ٹونہ کرنے کے لیئے چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد باہر نکلے اور غسل خانہ کو بھی مقفل کر دیا۔ میں ان کی تمام حرکات کو دیکھکر دم بخود تھا۔ کہ معلوم نہیں۔ یہہ شخص آج کیا شرارت کریگا۔ کہ اتنے میں اُنہوں نے اپنے کوچوان کو حکم دیا۔ کہ فٹن لے جاؤ اور مولینا کو لے آؤ۔ چنانچہ کوچوان اسی وقت فٹن لے کر چلا گیا۔ اور دم زدن میں مولینا کو لے آیا۔ میاں نثار نے دس قدم آگے بڑھکر مولینا کا استقبال کیا۔ اور نہایت ادب و احترام سے فٹن سے اتار کر ان کو گول کمرے میں لے گئے۔ تھوڑی دیر اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے فرمانے لگے۔ کہ مولینا کھانا تیار ہے

تشریف لے چلیں۔ مولینا صاحب یہ سمجھ کر کہ آج وکیل صاحب کے ہاں دعوت ہے علاوہ تر مال کے کچھ نقد و جنس بھی ملیگا۔ عجیب ادا کے ساتھ جھوم کر اُٹھے۔ اور میاں نثار کے ہمراہ ہو گئے۔ میاں نثار نے غسل خانہ کے دروازے پر مولینا کو لیجا کر قفل کھولا۔ اور اندر داخل کر کے کواڑ لگا لیا۔ میں غسلخانہ کی کھڑکی میں سے یہ تماشہ دیکھ رہا تھا۔ کہ مولینا صاحب کی کیا خاطر و تواضع ہوتی ہے۔ میں نے دیکھا۔ کہ غسلخانہ میں ایک پھٹا پرانا ٹاٹ کا ٹکڑا بچھایا ہوا ہے۔ اس پر ایک طرف کاٹھ کا پیالہ پانی سے لبریز ہے۔ اور ساتھ ہی چار پانچ روز کی سوکھی ہوئی جو یا باجرے کی روٹیوں کے ٹکڑے دھرے ہیں۔ نثار میاں نے ٹاٹ کی طرف اشارہ کر کے مولینا کو فرمایا کہ حضرت کھانا موجود ہے بسم اللہ کیجئے۔ مولینا نے میاں نثار کے چہرہ کی طرف دیکھا۔ اور نہایت غضب آلود لہجہ میں کہا۔ کہ یہہ کیا حماقت ہے؟

میاں نثار۔ مولینا یہ حماقت نہیں ہے۔ بلکہ اتباع سنّت ہے۔ چونکہ آپ سنت کے حامی ہیں۔ اور آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ رسول پاک کاٹھ کے پیالہ میں پانی پیتے تھے۔ اور جو کی روٹی باسی تباسی کھاتے تھے۔ اس لیئے میں نے آپ کو متبع سنت سمجھکر یہی کھانا تیار کیا ہے۔

مولینا۔ مگر یہ تمہاری محض شرارت ہے۔ کہ تم مجھے اس طرح غسلخانہ میں بند کر کے ذلیل کر رہے ہو۔ اور میرے سامنے کتوں کی طرح پیالہ میں پانی اور روٹی کے سوکھے ٹکڑے رکھکر جن کو کتے اور بھیڑ بکری بھی کھانا پسند نہ کریں۔ رسوا کرنے پر آمادہ ہو۔ کیا میں ایسا ہی ذلیل ہوں کہ ان سوکھی کنکریوں کو چباؤں۔ اور اس لکڑی کے پیالے کو منہہ سے لگاؤں۔

نثار۔ مگر مولینا گستاخی معاف۔ ہم نے آپ حضرات کو بارہا یہی کہتے سنا ہے۔ کہ حضور سرورکائنات علیہ التحیۃ والصلواۃ کے پانی پینے کا پیالہ لکڑی کا تھا۔ اور وہ بھی ٹوٹا ہوا۔ اور حضور اسی قسم کی باسی تباسی نان جویں پر قناعت فرمایا کرتے تھے۔ اور کہ ہمیں بھی حضور علیہ الصلواۃ والتسلیم کی سنت کی پیروی کرنی چاہیئے۔ چونکہ جناب نے رات بھی اپنے وعظ میں اتباع سنت پر زور دیا تھا اس لیئے میں نے آپ کے ارشاد کی لفظاً و معناً تعمیل کرتے ہوئے آپ کے لئے

یہی کہانا تیار کیا ہے۔ تاکہ آپ کو سنت نبوی کے بر خلاف کوئی لذیذ کہانا کھلا کر میں گنہگار نہ ہوں۔

مولینا۔ یہ تمہاری شیطنت ہے۔ کہ تم ہمیں کہانا کہلاتے وقت اتباع سنت یے بیٹھے ہو اگر تم نے یہی شرارت کرنی تھی تو مجھے پہلے ہی بتا دیا ہوتا۔ تاکہ میں تمہارے گھر پر قدم بھی نہ رکھتا۔ استغفراللہ! یہ کیسی بے حیائی ہے۔ کہ مجھے یوں ذلیل کیا گیا۔

تبسم۔ میاں بہو نثار قطب بھی عجیب مذاق کا آدمی نکلا۔ اچھا تو پھر کیا ہوا؟

اعرافی۔ حضرت ذرا سنئے تو سہی جب مولینا صاحب نے یوں توں تڑاق شروع کی تو میاں نثار نے کھونٹی پر سے گینڈے کی کہال کا ہنٹر اُتار لیا اور مولینا صاحب کے سر پر بلند کر کے بجلی کی طرح کڑک کر کہا۔ ارے تو نے مجھے کیا سمجھ رکھا ہے جو یوں بدزبانی کر رہا ہے۔ خبردار! اگر تو سنت نبوی پر عمل کرنے سے ذرا بھی چون و چرا کریگا۔ تو مارے ہنٹروں کے تیری کہال اُتار دونگا۔ تو اس نان جویں کو جس کو حضور سرور کائنات صبر و شکر کے ساتھ کہاتے رہے۔ کتوںکی روٹی کہتا ہے اور تو اس پیالہ کو ٹھکراتا ہے۔ تیرا قورما پلاؤ آج نہ نکال دوں تو میرا نام نثار نہیں! اگر تو اپنی خیر چاہتا ہے تو بہتر یہی ہے۔ کہ چپ چاپ ٹاٹ پر بیٹھکر یہ جو کی روٹی کہا۔ اور پانی کا پیالہ پی کر میرے حق میں دعائے خیر کر۔ ورنہ یاد رکھ کہ یہ ہنٹر ہوگا۔ اور تیری پیٹھ۔" میاں نثار گرانڈیل جوان تھے۔ بھبھوں پر تاؤ دیکر جو کڑک کی سی آواز نکالی۔ اور ہنٹر کو ذرا جھٹکا دیا۔ تو مولینا کی روح قبض ہونے لگی۔ یہ خیال کر کے کہ یہاں نہ کوئی یار مددگار ہے نہ مرید و شاگرد جو مدد کو پہنچے۔ قہر درویش برجان درویش۔ چپکے سے ٹاٹ پر بیٹھکر سوکھی روٹی کا ٹکڑا توڑ منہ میں ڈالکر چبانے لگے۔ مگر مولینا نے کبھی کاہے کو ایسی روٹی کہائی تھی۔ وہ تو زردہ۔ پلاؤ۔ قورمہ متنجن۔ بریانی اور شیرمال کے اُڑانے والے تھے۔ اتباع سنت نبوی کا ڈھول تو وہ دوسروں کے لیئے ہی بجایا کرتے تھے۔ سوکھے ٹکڑوں کو دانتوں سے توڑتے اور داڑھوں سے چباتے اور پانی کا گھونٹ بھر کر گلے سے اُتارنے کی کوشش کرتے تھے۔ مگر ٹکڑا حلق میں پھنسکر رہگیا اور مولینا کی آنکھیں باہر آگئیں۔ اب تو ہاتھ جوڑ کر دبی الفاظ میں میاں نثار سے اپیل کرتے ہیں کہ خدارا معاف کرو۔ اتنا کہنا تھا کہ میاں نثار نے غسل خانہ کے ساتھ والے کمرہ کا بٹن دبایا۔ دروازہ جھٹ پٹ کہل گیا۔ اور میاں نثار

قہقہہ مار کر ہنس پڑے۔ اور مولینا کو نہایت ادب سے گلے لگا ساتھ والے کمرہ میں جہاں انواع واقسام کے کھانے پیشتر سے ہی چن رکھے تھے۔ لے گئے۔ نہایت عزت سے کرسی پر بٹھا کر فرمانے لگے۔

نثار۔ حضرت معاف کرنا۔ بندہ نے آج آپ کی بے طرح گستاخی اور بے ادبی کی ہے۔

مولینا۔ نہیں۔ نہیں مضائقہ نہیں۔ یہ تو میں پہلے ہی سے جانتا تھا کہ آپ میرے ساتھ دل لگی کر رہے ہیں۔ ورنہ یہ بھی کوئی بات تھی۔ کہ آپ جیسا نئی روشنی کا جنٹلمین مجھے اس طرح کاٹھ کے پیالہ میں پانی اور ٹاٹ کے ٹکڑے پر خشک روٹی دیگا۔

نثار۔ مگر مولینا آپ نے بھی تو رات اپنے وعظ میں غضب کر دیا کہ ہمکو ہمیشہ ور رنڈیوں کا ساتھی بنا دیا۔ اور ہمارے گھر کا کھانا پینا تک حرام کر دیا۔ اور آپ خود متبع سنت کہلا کر بڑے متقی و پرہیزگار بن گئے۔ میں نے تو صرف اتنا ہی دیکھنا تھا۔ کہ آپ واقعی متبع سنت ہیں۔ یا آپ کا حلق بھی ہمارے حلق جیسا ہی ہے۔ سو جناب پتہ لگ گیا کہ آپ کے حلق میں اور ہمارے حلق میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ جس طرح جو کی روٹی کے سوکھے ٹکڑے ہمارے حلق سے نیچے نہیں اترتے۔ اسی طرح وہ آپ کے حلق سے بھی نیچے نہیں جاتے۔ مولینا میرے ایک دوست میاں اعرافی بھی میرے مکان پر تشریف فرما ہیں۔ ذرا انکو بھی میز پر بلا لوں۔ یہ کہکر میاں نثار نے مجھے آواز دی۔ میں اندر گیا۔ اور مجھے مولینا صاحب سے انٹروڈیوس کروایا۔ اس کے بعد میاں نثار نے نہایت شرارت بھری نگاہ سے مجھے گھورا۔ اور کہنے لگے کہ میاں اعرافی آپ کو پتہ ہے کہ میں مولنا صاحب کو غسلخانہ میں کیوں لے گیا تھا؟

اعرافی۔ جناب خود ہی فرمائیں کہ یہ کیا معاملہ تھا۔ کیونکہ میں نے دیکھا تو سب کچھ مگر میری سمجھ میں نہیں آیا۔ کہ آپ نے یہ سب کھیل کیوں کھیلا؟

نثار۔ میں جانتا ہوں۔ آپ نومسلم ہیں۔ نومسلموں کو چونکہ ہمارے مولویوں کی حالت کا پتہ نہیں۔ اس لئے وہ ان کے بیہودہ اور دور از کار باتوں کو سن کر اکثر گھبرا جاتے ہیں۔ اور اسلام کو ترک کر جاتے ہیں۔ میں نے آج جو کچھ کارروائی کی وہ آپ پر اس بات کو ظاہر کرنے کے لئے تھی۔ کہ جن لوگوں کو ہم تقدس مآب حاملان شریعت سمجھتے ہیں۔ اور جن کے لمبے چوغے اور عمامے ان کی بزرگی کے مظہر ہانے

جاتے ہیں۔ وہ عملی زندگی کے لحاظ سے ہم سے کسی صورت میں بھی بہتر نہیں ہوتے بلکہ وہ اکثر صورتوں میں مسیح کے الفاظ میں چونہ کی ہوئی قبروں کی مانند ہوتے ہیں۔ اس لیے ہمیں ان لوگوں کے کفر و تکفیر کے فتوؤں کو سنکر گھبرانا نہیں چاہیے کیا آپ دیکھتے نہیں ہیں۔ کہ یہی مولینا صاحب جو رات اتنے مجمع میں اتباع سنت پر زور دے رہے تھے۔ اور ہم وکیلوں۔ کوٹ پتلون پہننے والوں۔ داڑھی منڈوں کو کافر کہہ رہے تھے۔ اور ہمارے گھر کا کھانا تک حرام بتاتے تھے۔ آج کس مزے سے وکیل کے ہاں دعوت اڑا رہے ہیں۔ حالانکہ اگر یہ خود بھی متبع شریعت ہوتے تو ان لذیذ کھانوں کو ہاتھ تک نہ لگاتے۔ بلکہ وہی سوکھی روٹی کا ٹکڑا کھا کر شکر خدا بجا لاتے۔ کیوں مولینا صاحب! وہ سوکھی روٹی کا ٹکڑا کیسا مزیدار تھا؟ یہ کہکر میاں نثار قطب نے ایک فرمائشی قہقہہ لگایا اور ساتھ ہی پانچسو روپیہ کے نوٹ اور ایک جوڑی طلائی کنگن جو تقریباً پانچسو روپیہ کے ہونگے۔ مولینا صاحب کے سامنے رکھدیے اور کہنے لگے۔ حضرت! یہ میری مرحومہ بیوی کی وصیت ہے۔ جو آپ کے دار العلوم کے لیے دیتا ہوں۔ مولینا صاحب نے جوں ہی اس گرانقدر رقم کو دیکھا تو ان کی باچھیں کھل گئیں۔ اور بجائے اس کے کہ وہ میاں نثار قطب صاحب کے سلوک اور انکی ملامت آمیز تقریر کو سنکر اظہار ملال کرتے۔ وہ اسیدم میاں نثار کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے لگے۔ اور جس حدیث کی بنا پر رات کو انہوں نے کوٹ پتلون پہننے والوں۔ داڑھی منڈوں وغیرہ کو کافر کہا تھا۔ اس کے متعلق انہوں نے اب یہ خیال ظاہر کیا کہ حضرت یہ حدیث کوئی متفق علیہ نہیں ہے۔ اور اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ آپ جیسے مخیر اور نیک مسلمانوں کو کافر کہا جاوے۔

نثار۔ مگر جناب وہ جو آپ نے مولینا رشید احمد صاحب گنگوہی اور مولینا محمود حسن صاحب دیوبندی کے فتوؤں کا ذکر کیا تھا۔ کہ وکیلوں کا پیشہ حرام ہے۔ اس کی کیا کیفیت ہے؟

مولینا۔ ہاں فتاوائے حنفیہ میں ان حضرات کا فتوٰی تو یہی ہے۔ جو میں نے رات سنایا تھا۔ مگر یہ ان کا اپنا اجتہاد تھا ہم اس کے قائل نہیں ہیں۔

نثار۔ حضرت! اگر آپ کے نزدیک وہ فتویٰ صحیح ہے۔ تو مہربانی کر کے یہ پانچسو روپیہ کے نوٹ اور طلائی کنگنوں کی جوڑی واپس کر دیجئے۔ میں علیگڈھ کالج میں بھیجدونگا۔

مولینا۔ واہ صاحب! یہ بھی کوئی بات ہے۔ میں نے کہہ جو دیا۔ کہ ہم لوگ مولینا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اور مولینا محمود حسن صاحب دیوبندی کے اجتہاد کو صحیح نہیں سمجھتے۔

نثار۔ تو پھر رات کے وعظ میں آپ ہم لوگوں کے برخلاف جو اتنے بگڑ رہے تھے۔ اس کی وجہ؟

مولینا۔ میاں! میرے ذہن میں اس وقت میرزا نیاز بیگ وکیل تھے جو ہمارے دارالعلوم کے مخالف ہیں۔ کہیے اگر ہم ایسے ایسے مخالفوں کو شریعت کے ڈنڈے سے نہ ماریں تو اور کیا کریں؟

نثار۔ تو پھر آپ نے میرزا نیاز بیگ کا نام لے کر حملہ کیا ہوتا؟

مولینا۔ کیا خوب! آپ کا مطلب یہ ہے۔ کہ میں زیر دفعہ ۵۰۰ تعزیرات ہند اپنے برخلاف مقدمہ کھڑا کروا لیتا۔ اور پھر وہ بھی کس کی طرف سے۔ ایک وکیل کی طرف سے جو پڑھا لکھا جن ہو۔ اور ہماری کسی جھاڑ پھونک سے بھی نہ اُترے۔

الغرض دعوت کے بعد مولینا صاحب ہنسی خوشی رخصت ہوئے۔ ان کے جانے کے بعد میاں نثار نے مجھ سے کہا۔ کہ اعرانی! آپ نے دیکھا۔ اِن ملنٹو نکے قول و فعل میں کس قدر بعد المشرقین ہے۔

مسلم۔ جب میاں نثار قطب نے آپ کو تمام حقیقت عملی طور پر دکھادی تو پھر آپ نے یہ کیوں کہا تھا کہ آپ اسلام سے بیزار ہو کر اعراف میں ہی جانا چاہتے ہیں۔

اعرانی۔ جناب میاں نثار قطب کے ہاں سے تو میں بہ اطمینان خاطر ہی واپس آیا تھا۔ مگر اس کے بعد تین چار باتیں میں نے ایسی دیکھیں کہ میں سخت پریشان ہو گیا۔

مسلم۔ وہ بھی تو فرمادیجئے۔

اعرانی۔ ایک مسجد کے دنگل کا حال تو میں آپ کو بتا چکا ہوں۔ اب دو اور سنئے۔

دارالعلوم سے واپس آکر میں ایک دن ظہر کی نماز پڑھنے کے لئے چبوترہ کی مسجد میں
گیا۔ اور وضو کر کے نماز کی نیت باندھی۔ کہ اتنے میں دو آدمیوں نے مجھے اسی حالت
میں اُٹھا کر مسجد سے باہر پھینکدیا۔ اور کہنے لگے۔ کم بخت بدعتی۔ مقلد کہیں کا؟ کیا تجھے
ہماری ہی مسجد میں آکر یہ بدعت پھیلانی تھی۔ میں حیران تھا۔ الٰہی کیا ماجرا ہے۔
میں نے کونسی بدعت پھیلائی۔ آخر پوچھا۔ کہ بھائی یہ کیا بات ہے۔ فرمانے لگے
کہ ارے احمق تجھے اتنا بھی پتہ نہیں ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کے سامنے کھڑے ہوتے
وقت سینے پر ہاتھ رکھنے چاہئیں؛ تو ان کو پیٹ اور ناف سے بھی نیچے لئے جارہا
ہے۔ جو سخت بے ادبی بلکہ بے شرمی کی بات ہے۔ چل دور ہو یہاں سے۔ چونکہ نماز
کا وقت تنگ ہو رہا تہا۔ اس لئے میں وہاں سے جلدی جلدی چلا۔ تاکہ پاس ہی
سنہری مسجد میں نماز پڑھ لوں۔ یہ خیال کر کے کہ سینے اور ناف کا جھگڑا ہی اڑا دینا
چاہیئے میں مسجد میں داخل ہوا۔ اور ہاتھ سیدھے چھوڑ کر نماز کی نیت باندھ لی۔
ابھی ایک منٹ بھی نہیں ہوا تہا۔ کہ مسجد کے حجرے سے ایک موٹا سا آدمی نکلا۔ اور
اس نے مجھے زور سے دھکا دیا۔ اور مسجد سے باہر پھینک کر کہنے لگا۔ کہ میاں! یہہ
مسجد ہے شیعوں کا امام باڑہ نہیں ہے۔ میں وہاں سے بھی نکلا۔ اور یہہ خیال کر کے
کہ امام باڑہ آزادی کا میدان ہوگا۔ میں لوگوں سے پوچھتا ہوا امام باڑہ پہنچا
اور جھٹ سے نماز کی نیت باندھ لی۔ ابھی سورۂ فاتحہ ہی پڑھ رہا تھا۔ کہ اتنے میں
تین چار بڈھوں نے مجھے کوسنا شروع کیا۔ کہ دیکھو تو یہی ان لوگوں نے خلافت
کو تو غصب کیا ہی تہا۔ اب امام باڑوں کو بھی غصب کرنے کی ٹھانی ہے۔ نماز کے
بہانے سے گھسنے لگے ہیں۔ نکالو اس کو باہر۔ چنانچہ رکوع کرنے سے پیشتر ہی مجھے
ان بڈھوں نے امام باڑہ سے باہر دھکے مارا۔ میں سخت حیران و پریشان تھا۔ کہ الٰہی
یہ کیا معاملہ ہے۔ تیرے ذکر کے لئے یہ مسجدیں بنائی جائیں۔ مگر ان میں تیرا نام لینے
کی اجازت نہ دی جائے۔ آخر میں نے یہی فیصلہ کر لیا۔ کہ دراصل یہہ نماز ہی
جھگڑے فساد کی چیز ہے۔ مجھے اس جھگڑے کی بات کو ہی خیرباد کہدینا چاہیئے
چنانچہ آج دس روز ہوئے کہ میں نے کسی مسجد میں جاکر قدم تک بھی نہیں رکھا۔ اور
نماز کو ہی میں نے خیرباد کہدیا ہے۔ ایسی ایسی باتوں کو دیکھکر میرا دل تو یہی چاہتا ہے

کہ دوبارہ اعراف میں چلا جاؤں۔

مسلم۔ میں نے آپ کی تمام سرگذشت سن لی ہے۔ افسوس ہے مسلمانوں اور انکے علما کی ہاں ہی تو تو میں میں آپ کی ٹھوکر کا باعث ہوئی۔ آپ چونکہ تھکے ماندے ہیں۔ فی الحال آپ آرام فرمائیں۔ میں اس کے متعلق آپ سے مفصل گفتگو کرونگا۔ اور خدا نے چاہا تو آپ کی تمام پریشانی اور گھبراہٹ مبدل براحت ہو جائے گی۔ میں چونکہ خود کسی زمانہ میں ان ہی پتھروں سے ٹھوکر کہا چکا ہوں۔ اس لئے مجھے تجربہ حاصل ہے۔ کہ ان ٹھوکر کہلانیوالے پتھروں سے ہمیں کیونکر بچکر چلنا چاہیئے۔ آپ بطلق نہ گھبرائیں اطمینان رکھیں۔ کہ آپ کو اعراف میں واپس جانے کی ہرگز ضرورت نہیں پڑیگی۔

اعرافی۔ یہ آپ کی میرے حال پر عین مہربانی ہوگی۔ کہ آپ مجھے اعراف میں واپس جانے سے روک لیں۔ ورنہ میں تو پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ میں اس وقت آپ سے صرف آخری ملاقات اور آخری سلام کے لئے آیا ہوں۔

مسلم۔ نہیں۔ نہیں یہ آخری ملاقات نہیں ہے۔ بلکہ آپ کو سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ ہماری یہ ملاقات نہایت مبارک ثابت ہوگی۔ فی الحال آپ آرام فرمائیں۔

اعرافی۔ بہت بہتر۔

ساتویں فصل

اسلام مسجد سے باہر۔

اعرافی۔ جناب میں کافی آرام کر چکا ہوں۔ اب میں چاہتا ہوں کہ آپ میری تسکین کے لئے کچھ فرمائیں یا مجھے اجازت دیجئے۔ کہ میں آپ کو آخری سلام کر کے اعراف میں چلا جاؤں۔

مسلم۔ اعراف میں جانے کی ضرورت تو تب پڑے گی۔ اگر آپ کے دل میں

کسی قسم کے شکوک باقی رہ جائینگے جب آپ نے پہلی ہی ملاقات میں اس بات کو تسلیم کر لیا تھا۔ کہ قرآن پاک کلام ربانی ہے۔ اور اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ جو مشکوک ہو۔ یا انسان کو شک و شبہ میں ڈالنے والی ہو۔ تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایسی لاریب فیہ کتاب اور نور مبین کو مان کر اور اس کو سمجھ کر بھی کسی انسان کے دل میں شکوک باقی رہجائیں۔

اعرابی۔ مگر میرے دل میں تو اس قدر شکوک کے بادل ہجوم کر رہے ہیں کہ میں نماز تک سے بیزار ہو گیا ہوں۔ اور میں ان مسجدوں میں جو بظاہر خدا کی عبادت کے لیئے بنائی گئی ہیں۔ قدم تک رکھنے کا خواہشمند نہیں ہوں۔ اور ان ملنٹوں کا تو خدا مجھے منہہ تک بھی نہ دکھائے۔ یہ عباد اللہ نہیں ہیں۔ بلکہ عباد الدراہم ہیں۔ خدا کے پرستار نہیں ہیں۔ بلکہ زر پرست ہیں۔ یہ ایک ہی منہہ سے سرد و گرم پھونکیں مارتے ہیں۔ میں نے خوب دیکھ لیا ہے۔ کہ یہہ صداقت و حقیقت کو روپیہ پیسہ کی آڑ میں چھپاتے ہیں جس مسلمان کے ساتھ ان کے دل میں حسد و کینہ و دشمنی ہوتی ہے۔ اس کو کافر۔ فاسق۔ منافق ثابت کرنے کے لیئے یہ قرآن مجید اور حدیث شریف کے حوالے پیش کر دیتے ہیں لیکن اگر وہی مسلمان ذرا ان کی مٹھی گرم کر دے۔ اور انکو چائے کی پیالی یا پلاؤ کی رکابی کھلا پلا دے۔ تو یہ اس کے حق میں اپنا بانس ٹیڑھا کر دیتے ہیں۔ میں قدم قدم پر انکا تجربہ کر چکا ہوں میرا دل تو ان لوگوں کے قول و فعل میں بعد المشرقین دیکھکر ایسا بیزار ہو رہا ہے۔ کہ میں اسلام کو ہی خیرباد کہنے پر تیار بیٹھا ہوں۔

مسلم۔ میاں اعرابی! آپ کی وہی مثل ہے۔ کہ سر منڈاتے ہی اولے پڑے۔ آپ نے میرے ساتھ ایک ہی ملاقات کی تھی۔ اور ابھی بہت سی قیل و قال کے بعد آپ ابھی اس بات پر رضامند ہوئے تھے۔ کہ آپ قرآن پاک کے من جانب اللہ ہونے پر ایمان لے آئیں۔ اس کے بعد اسلام کے دیگر مسائل پر آپ سے بہت کچھ گفتگو ہونی تھی۔ مگر مثل مشہور ہے۔ نیا مسلمان اللہ ہی اللہ پکارے۔ آپ میرے پاس سے اٹھ کر سیدھے مسجد میں چلے گئے۔ مجھ سے تو آپ نے پوچھا تک بھی نہیں۔ کہ میں کسی مسجد میں جاؤں یا نہ؟ نماز پڑھوں یا نہ؟ اگر پڑھوں تو کس طرح اور کس جگہ۔

اور کس کے پیچھے؟ آپ اِن معاملات میں مجھ سے گفتگو کر لیتے۔ تو ہرگز ٹھوکر نہ کھاتے اب آپ ایک طرف تو مسجدوں سے بیزار ہو رہے ہیں۔ دوسری طرف نماز کو جواب دے رہے ہیں۔ تیسری طرف ملّنٹوں پر پتھر برسا رہے ہیں۔ معاملہ بہت کچھ پیچیدہ ہو گیا ہے مگر مضایقہ نہیں۔ آسانی سے سلجھ جاویگا۔

دیکھو میاں! میں آپکو مسجد میں جانے سے نہیں روکتا۔ اور نہ روکونگا۔ مگر آپ کو پہلے یہ دیکھ لینا چاہیئے۔ کہ جس مسجد میں آپ داخل ہونا یا نماز پڑھنا چاہتے ہیں وہ کہیں مسجد ضرار۔ مسجد کفر۔ مسجد تفریق۔ مسجد ارصاد یا دنگل تو نہیں ہے۔ اگر وہ مسجدان اقسام میں سے کسی قسم کی ہے۔ تو رب العزۃ نے اس مسجد میں نماز پڑھنا تو ایک طرف اس میں قدم تک رکھنے سے منع فرمایا ہے۔

اعرابی۔ یہ تو آپ نے بالکل نئی بات بیان فرمائی ہے۔ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ جس عمارت کے اوپر گنبد بنے ہوئے ہوں۔ اندر محراب و ممبر ہو۔ سامنے نالی بنی ہوئی ہو۔ اور اس میں چند ایک مٹی کے لوٹے دھرے ہوئے ہوں۔ اور چٹائی بچھی ہوئی ہو۔ بس وہی مسجد ہے۔ مگر یہ مسجد ضرار۔ مسجد کفر۔ مسجد تفریق۔ مسجد ارصاد کا کیا مطلب؟

مسلم۔ جو علامتیں آپ نے بیان فرمائی ہیں۔ وہ تو عمارت کے نشانات ہیں۔ یہ نشانات تو ایک کافر و مشرک بھی اپنے مندر میں بنا سکتا ہے۔ مگر ان بیرونی علامتوں سے وہ مندر مسجد نہیں کہلا سکتا۔ تاوقتیکہ اس عمارت میں اسی تقویٰ و طہارت کا ظہور نہ ہو جس کا رب العزۃ نے بیان فرمایا ہے۔

اعرابی۔ مگر کیا آپ مسجد ضرار۔ تفریق وغیرہ کی قدرے تشریح فرما دینگے۔

مسلم۔ مجھے ان الفاظ کی چنداں تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ آپ نے مسجدوں میں جانے۔ وہاں زدوکوب ہونے یا دھکے کھا کر باہر نکالے جانے کی جو کہانی سنائی ہے۔ وہ مسجد ضرار۔ مسجد تفریق۔ مسجد کفر وغیرہ کی عملی تشریح و تفسیر ہے۔ یعنے جن مسجدوں میں مسلمانوں کو ادا ر نماز میں ضرر پہنچایا جاتا ہو۔ ان کو زدوکوب کیا جاتا ہو۔ اور آمین وغیرہ کے جھگڑوں پر مسلمانوں میں تفرقہ ڈالا جاتا ہو۔ اور خدا اور رسول کے احکام کو پس پشت ڈالکر مسلمانوں کے ساتھ دنگل مچایا جاتا ہو اور ان پر کفر کے فتوے لگائے جاتے ہوں۔ ایسی تمام مسجدیں مسجد ضرار وغیرہ کے

تحت میں آتی ہیں۔ رب العزۃ نے ان مسجدوں میں جانے یا ان میں نماز پڑھنے سے اپنے حبیب پاک کو اور مسلمانوں کو منع فرمایا ہے۔

اعرابی۔ مگر کیا اس کے متعلق رب العزۃ نے قرآن مجید میں کوئی آیت نازل فرمائی ہے؟

مسلم۔ ہاں اس کے متعلق رب العزۃ نے نہ صرف آیت نازل فرمائی ہے۔ بلکہ نہایت سختی سے یہ حکم دیا ہے۔ کہ ایسی مسجدوں میں قدم تک نہ رکھو۔

اعرابی۔ کیا آپ مجھے وہ آیت دکھا سکینگے؟

مسلم۔ بڑے شوق سے دیکھئے رب العزہ کا فرمان ہے کہ:۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ
الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ
وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ
لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا۔ التوبۃ ع ۱۳

وہ لوگ جنہوں نے مسجد بنائی تاکہ اس مسجد کو مسلمانوں کے لئے باعث ضرر بنائیں۔ ان پر کفر کے فتوے لگائیں۔ اور مسلمانوں میں پھوٹ اور نفاق پھیلائیں اور اسکو ایسے لوگوں کے لیے جن کے قول و فعل خدا اور رسول کے برخلاف ہوں۔ پناہ گاہ بنائیں۔ یہ لوگ خواہ ہزار قسمیں کھائیں کہ انہوں نے فتنہ و فساد کی نیت سے نہیں۔ بلکہ خدا ترسی و خداپرستی کے ارادہ سے مسجد بنائی ہے۔ مگر رب العزۃ نہایت زور سے شہادت دیتا ہے۔ کہ یہہ لوگ جھوٹے ہیں۔ ان کی قسمیں بھی جھوٹی ہیں۔ اے رسول! خبردار! تونے ایسی مسجد میں ہرگز ہرگز قدم بھی نہ رکھنا۔

اعرابی۔ یہ حکم تو بالکل صاف ہے۔ تو کیا ہمیں پھر کسی مسجد میں بھی داخل نہیں ہونا چاہئے کیونکہ آجکل تو جتنی مسجدیں بھی ہیں۔ ان سب میں اسی قسم کے فتنہ و فساد اور آمین وغیرہ کے جھگڑے دیکھے جاتے ہیں۔

مسلم۔ نہیں نہیں سب مسجدوں میں اسی قسم کے جھگڑے نہیں ہیں۔ بلکہ وہ مساجد جو خالص اسلامی ہیں۔ اور مسلمانوں کے کسی خاص فرقہ بندی کی بنا پر تعمیر نہیں کی گئیں۔ بلکہ وہ ہر ایک مومن و مسلم کے لیے عبادت کے واسطے کھلی ہیں۔ ان میں جانا اور نماز پڑھنا چاہیے۔

دیکھو! ایسی مسجدوں کے متعلق خدا کا خاص فرمان مفصلہ ذیل ہے:۔

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْهِ فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ
التوبہ ع

وہ مسجد جو پہلے ہی دن سے خدا ترسی اور خدا پرستی کی خاطر بنائی گئی یقیناً وہی ایسی مسجد ہے جس میں تمہیں نماز پڑھنی چاہیے۔ وہ مسجد مسلمانوں میں کسی قسم کے فتنہ و فساد یا پھوٹ و نفاق کے لئے نہیں بنائی گئی۔ بلکہ اس میں ایسے لوگ نماز پڑھتے ہیں جن کے دل اس قسم کے فسق و فجور۔ کفر و نفاق۔ پھوٹ و تفریق سے پاک و صاف ہیں۔ اور رب العزۃ بھی ایسے ہی پاک و صاف دل رکھنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اعرابی۔ خداوند کریم کا فیصلہ تو نہایت صاف ہے۔ مگر اس بات کا پتہ کیونکر لگایا جاوے کہ شہر میں کونسی مسجد ایسی ہے۔ جو پھوٹ و نفاق یا فرقہ بندی کی وبا سے پاک ہو +

مسلم۔ فی زمانہ ایسی مسجد کا پتہ لگنا اسوقت تک نہایت مشکل ہے جب تک کہ کوئی شخص ایسی تمام مسجدوں میں آپ کی طرح زدوکوب ہو کر یا دھکے کھا کر نہ دیکھ لے۔ جویندہ یابندہ۔ آخر کسی جگہ تو اس کو آزادی سے نماز پڑھنی نصیب ہوگی بس سمجھ لینا چاہیے کہ جہاں نماز میں اس قسم کی آزادی ہو۔ وہی اصلی مسجد ہے۔

اعرابی۔ (مسکرا کر) بندہ ایسے تجربہ سے باز آیا مجھ میں تو ایسی ہمت نہیں ہے کہ اپنی پسلیوں کو ایسے نمازیوں یا بلنٹوں کے مکوں اور گھونسوں کے لئے تجربتہً پیش کروں +

مسلم۔ اچھا تو پھر میں تمہیں ایک ترکیب بتاتا ہوں۔ اس پر عمل کرو کوئی تم کو آفت تک نہیں کہیگا۔

اعرابی۔ بہت بہتر فرمائیے۔

مسلم۔ جب آپ کسی مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے جائیں تو جس طریقہ پر وہ لوگ نماز پڑھ رہے ہوں۔ اسی طریقہ پر نماز ادا کریں۔ مثلاً اگر اس مسجد کے نمازی آمین زور سے کہتے ہوں۔ تو آپ بھی زور سے کہیں۔ اگر وہ زور سے نہ کہتے ہوں تو آپ بھی خاموش رہیں۔ اگر وہ رفع یدین کرتے ہوں تو آپ بھی کریں۔ اگر نہ کرتے ہوں تو آپ بھی نہ کریں۔ اگر وہ سینہ پر ہاتھ رکھکر نماز پڑھ رہے ہوں تو آپ بھی اسی طرح ایسا ہی کریں۔ اگر وہ زیر ناف یا بالکل کھلے چھوڑ کر نماز پڑھتے ہوں۔ تو آپ بھی اسی طرح پڑھیں۔ غرضیکہ جس طرح پر وہ لوگ نماز ادا کرتے ہوں

اسی طریقہ پر آپ بھی ادا کریں۔ پھر کسی کی کیا مجال ہے۔ جو آپ کو کچھ کہہ سکے۔

اعرابی۔ (قہقہہ لگا کر) آپ بھی مجھے خوب منافقت کا سبق دے رہے ہیں۔ گویا میں گنگا گئے تو گنگا رام اور جمنا گئے تو جمنا داس بنجاؤں۔ میں جو اتنے ٹنٹوں میں پڑوں۔ تو اس سے کیا فائدہ؟ ایسی جھگڑے کی چیز نماز کو ہی کیوں نہ خیر باد کہدوں۔

مسلم۔ میاں منافقت تو تب ہو۔ اگر آپ اپنے کسی خاص عقیدہ کو چھپا کر کسی دوسرے عقیدہ کا اظہار کریں۔ میں تو کہتا ہوں کہ آپ کا عقیدہ ہی یہہ ہونا چاہئے۔ کہ جس طریقہ پر بھی کوئی فرقہ رب العزۃ کی عبادت کر رہا ہو۔ آپ اس کو اہل اسلام ہی سمجھیں۔ اور اس کے ساتھ رب العزۃ کی عبادت میں شمولیت اختیار کریں۔ اس عقیدہ کا فائدہ یہہ ہوگا۔ کہ جتنے مختلف طریقوں پر لوگ خدا کی عبادت کرتے ہیں وہ سب آپ کے ہونگے اور آپ کو ہر طرح آزادی حاصل ہوگی۔ کہ اس گلستانِ صلوۃ میں سے جس پھول کو چاہیں لے لیں۔ اور اس کی خوشبو سے اپنے دماغ اور روح کو معطر کریں۔ آپ غلام کی بجائے آزاد اور کرایہ دار کی بجائے مالک مکان کیوں نہ بنجائیں۔ آپ ان تمام فرقوں پر چھا جائیں اور ایک بادشاہ کی طرح یہ سمجھ لیں۔ کہ یہہ مختلف فرقے آپ کی رعایا ہیں۔ اور آپ ان سب کے بادشاہ ہیں۔ فرقہ بندی کے ان مریضوں میں جو چھوت چھات ہے۔ آپ اس سے قطعاً بالاتر ہوجائیں بجائے اس کے کہ ان فرقوں میں سے آپ کسی فرقہ کا لقمہ تر بنیں آپ اہل اسلام یا مسلم کی حیثیت سے ان تمام فرقوں کو ہی ڈکار جائیں۔ اس لئے کہ مسلمانوں کا کوئی بھی فرقہ ایسا نہیں ہوسکتا۔ جو مسلم یا اہل اسلام کے جبڑوں میں آنے سے بچ سکے۔ اس لئے کہ مسلم یا اہل اسلام ہی الٰہی نام ہے۔ باقی جس قدر فرقے ہیں وہ سب انسانوں نے گھڑے اور کھڑے کئے ہیں۔ الٰہی نام کے سامنے انسانی ترشت کی کیا حقیقت؟

اعرابی۔ حضرت آپ نے یہ ترکیب تو ایسی بتائی ہے کہ میرا دل باغ باغ ہوگیا۔ مگر میری غرض ہے کہ جس طریقہ پر یہ فرقہ بند لوگ نمازیں پڑھتے ہیں۔ ان میں آخر کونسا طریقہ صحیح ہے جس کی کہ قرآن مجید نے تعلیم دی ہے؟

مسلم۔ نماز کی جو ترتیب یا طریقے اس وقت مسلمانوں میں جاری ہیں۔ ان میں سے کوئی ترتیب یا طریقہ ایسا نہیں جس کی قرآن مجید نے تشریح کی ہو۔ یا جس کی پابندی پہ زور دیا ہو

رب العزۃ نے انسانوں سے صرف اتنا مطالبہ کیا ہے۔ کہ وہ اسی ذات پاک کی عبادت کریں کس شکل میں اس کی عبادت کریں۔ اس کے متعلق اس نے اپنے بندوں کو مکمل آزادی دے دی ہے۔

اعتراض۔ مگر مولوی لوگ جو کہہ رہے ہیں کہ رسول پاک نے صرف اسی طریقہ پر نماز ادا کی۔ جس طریقہ پر کہ انکا خاص خاص فرقہ نماز ادا کرتا ہے۔ اور کہ باقی طریقے غلط ہیں۔ اس کا کیا مطلب ہے؟

مسلم۔ ذرا سوچنے کی بات ہے۔ کہ ان میں سے ہر ایک فرقہ کا یہ دعویٰ ہے۔ کہ صرف اس کی نماز صحیح ہے۔ کیونکہ اس کا طریقہ سنت نبوی کے مطابق ہے۔ باقی فرقوں کی نماز غلط ہے۔ کیونکہ وہ سنت نبوی کے مطابق نہیں ہے۔ ہر ایک فرقہ دوسرے فرقہ کے متعلق یہی فتوے دیتا ہے جسکا دوسرا مطلب یہ ہے۔ کہ یہ سب ایک دوسرے کے نزدیک غلط اور جھوٹے ہیں۔ حالانکہ امر واقعہ یہ ہے۔ کہ رسول پاک نے اپنے عمل سے رب العزۃ کی عبادت کے متعلق اس آزادی کا ثبوت دے کر دکھا دیا۔ جو قرآن پاک نے بندوں کو عطا کی ہے۔ آپ نے چلتے پھرتے۔ اٹھتے۔ بیٹھتے۔ سفر و حضر میں جنگ میں۔ امن میں بیماری میں تنہائی میں۔ مسجد میں غرضیکہ ہر ایک صورت میں اور ہر ایک حالت میں بیشمار طریقوں پر خدا کی عبادت کر کے ایک مثال قایم کر دی۔ کہ تم جس طرح بھی چاہو۔ رب العزۃ کی عبادت کر سکتے ہو۔ عبادت کے متعلق رب العزۃ کی طرف سے عطا کی ہوئی آزادی ہمیں بھی کامل و مکمل طور پر حاصل ہے۔ اور قرآن پاک اس آزادی پر مہر تصدیق لگاتا ہے۔ اور ہمیں نماز کے کسی خاص طریقہ یا ترتیب کا غلام نہیں بناتا۔ یہی توجہ ہے کہ رب العزۃ نے اپنے کلام پاک میں نماز کی کوئی خاص ترتیب ہمارے سامنے پیش نہیں کی۔ یہانتک کہ اس نے یہ بھی نہیں کہا۔ کہ فلاں وقت تم اتنے فرض ادا کیا کرو۔ اتنی سنتیں پڑھا کرو۔ اتنی رکعتیں قایم کیا کرو۔ اتنے رکوع اور اتنے سجود کیا کرو۔ رب العزۃ نے اپنی عبادت کے لئے اس قسم کی کوئی قید قرآن پاک میں ہرگز ہرگز عاید نہیں کیں۔ بلکہ اپنے پرستاروں کو مکمل آزادی دی ہے۔ اور اعلان کر دیا ہے کہ ہم نے تم کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ مگر عبادت کے طریقہ و ترتیب میں تمہیں کامل و مکمل آزادی ہے۔

اعرابی۔ رب العزۃ آپ کو جزائے خیر دے۔ آپ کی اس تقریر کو سنکر میرے دل پر سے ایک زبردست بوجھ اور شکوک و شبہات کے تاریک ترین بادل دور ہو گئے ہیں میرے دل میں مسجدوں میں جانے اور نماز پڑھنے کے متعلق جو نفرت پیدا ہو گئی تھی وہ آپ کی اس تقریر کو سنکر کافور ہو گئی ہے۔ اور مجھے پتہ لگ گیا کہ میں غلام نہیں ہوں بلکہ آزاد ہوں۔ میں کرایہ دار نہیں ہوں۔ بلکہ مالک مکان ہوں۔ اب میں دیکھونگا کہ قرآن پاک کے اس اصول پر کاربند ہو کر کونسا ملنٹا یا کسی مسجد کے کونسے نمازی مجھے نماز پڑھنے سے روک سکتے ہیں۔ مگر از راہ کرم مجھے آپ اتنا بتا دیجیے کہ قرآن مجید نے جہاں جہاں نماز پڑھنے کا ذکر کیا ہے۔ کیا فی الواقعہ وہاں نماز کی خاص ترتیب یا طریقہ کا ذکر نہیں ہے۔

مسلم۔ اس میں شک و شبہ کی کونسی بات ہے۔ قرآن پاک میں جہاں جہاں رب العزۃ نے اپنی عبادت کا۔ صلوٰۃ یا نماز کا۔ حمد و ثنا کا تسبیح کا۔ رکوع و سجود کا ذکر کیا ہے آپ ان مقامات کا بغور مطالعہ کر جائیں۔ آپ کو بخوبی معلوم ہو جائیگا۔ کہ اپنی عبادت کے متعلق رب العزۃ نے ہمیں کامل و مکمل آزادی دے رکھی ہے۔ وہ ہمیں کسی خاص طریقہ یا ترتیب سے اس کی عبادت کرنے پر مجبور نہیں کیا۔

اعرابی۔ کیا از راہ کرم! آپ مجھے قرآن مجید کی ایسی آیات سناتے جائینگے۔ تاکہ میری مزید تسلی ہو سکے۔

مسلم۔ بہت بہتر۔ سنئیے رب العزۃ فرماتا ہے:۔

(۱)

ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ ۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ ۔ البقرۃ ۶۔

یہ قرآن مجید ایسی کتاب ہے۔ جس میں کوئی بات بھی مشکوک نہیں ہے۔ اس سے وہی لوگ روشنی حاصل کر سکتے ہیں جو ہمیشہ اس کے احکام کی پیروی کرتے۔ رب العزۃ پر ایمان لاتے۔ اس کی عبادت کرتے۔ اور رب العزۃ کی عطا کردہ نعمتوں یا طاقتوں کا جائز استعمال کرتے ہیں۔

(۲)

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ
البقرۃ ع۵

اے خدا کے بندو ہمیشہ خدا کی عبادت کیا کرو۔ اور تزکیہ پر زور دو۔ اور جو رب العزۃ کے سامنے سرنیاز خم کرتے ہیں۔ تم بھی ان کے ساتھ شمولیت کیا کرو۔

(۳)

وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ۔ وَاِنَّھَا لَکَبِیْرَۃٌ اِلَّا
عَلَی الْخٰشِعِیْنَ۔ ع۵

اے خدا کے بندو! رب العزۃ سے ہی مدد مانگو۔ اگر کوئی مصیبت آن پڑے۔ تو صبر سے کام لو۔ اور خدا کی عبادت کرو۔ اگر تمہاری عبادت میں حضوری قلب و زاری نہیں ہے۔ تو وہ محض بیگار ہے۔

(۴)

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ
مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْہُ عِنْدَ اللّٰہِ۔ اِنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
بَصِیْرٌ۔ ع۱۳

اے خدا کے بندو۔ ہمیشہ رب العزۃ کی عبادت کرو۔ اور تزکیہ پر زور دو علاوہ ازیں جو بھی نیک اعمال تم کرتے جاؤ گے تم رب العزۃ کے ہاں اپنے لئے انکا اجر پاؤ گے۔ وہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے۔

(۵)

لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ
وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ
وَالْکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی
وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَ
فِی الرِّقَابِ۔ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ وَالْمُوْفُوْنَ
بِعَھْدِھِمْ اِذَا عٰھَدُوْا وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ

وَحِیْنَ الْبَأْسِ اُولٰئِكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ۔ (البقرہ ع ۲۲)

اے خدا کے بندو! یہ کوئی نیکی بدی یا دہرم ادھرم کی بات نہیں ہے۔ کہ تم عبادت کے وقت اپنا منہہ مشرق کی طرف کرتے ہو۔ یا مغرب کی طرف! بلکہ دین دہرم کی بنیاد تو یہ ہے۔ کہ جس شخص نے رب العزۃ کو اپنا خالق و مالک مان لیا۔ اور وہ نیک و بد اعمال کی جزا سزا کا قایل ہوگیا۔ اور ملائک۔ کتاب اللہ اور اس کے انبیا پر ایمان لے آیا۔ اور اس نے رب العزۃ کی محبت کے نشے میں سرشار ہوکر اپنا مال عزیز و اقارب کیلئے اور یتیموں۔ مسکینوں۔ مسافروں۔ سائلوں۔ اور غلاموں۔ قیدیوں کی خاطر خرچ کیا۔ اور ہمیشہ خدا کی عبادت کرتا رہا اور تزکیہ میں مصروف رہا۔ اور ایسے لوگوں نے جب کسی سے کوئی وعدہ کیا تو اس کو پورا کیا۔ اگر ان پر کوئی تکلیف یا مصیبت آن پڑی تو صابر رہے یہی وہ لوگ ہیں جو دین دھرم کے سچے اور پکے ہیں۔

(۶)

حَافِظُوْا عَلَى الصَّلٰوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ۔ البقرہ ع ۳۱ +

ہمیشہ رب العزۃ کی عبادت کرو۔ اور عبادت بھی ایسی جو مرکزی یا قلبی ہو۔ اور تم حضوری قلب کے ساتھ رب العزۃ کے دربار میں حاضر ہوجاؤ۔

اعرافی۔ ذرا ٹھہریئے۔ میرے دل میں ایک شبہ پیدا ہوگیا ہے۔ پہلے اسکا ازالہ فرمائیں۔

مسلم۔ وہ کیا؟

اعرافی۔ آپ نے آتوالزکوٰۃ کا ترجمہ تزکیہ ہی رہنے دیا ہے۔ حالانکہ میں نے ایک مولینا صاحب کو اس بات پر زور دیتے ہوئے سنا ہے۔ کہ زکوٰۃ کے معنے ہیں مال کا چالیسواں حصہ فی سبیل اللہ خیرات کرنا۔ یہہ کیا معاملہ ہے؟

مسلم۔ قرآن مجید کی آیت میں نہ تو بیسویں حصہ کا ذکر ہے۔ نہ چالیسویں حصے کا۔ بلکہ اس میں تو آتی المال علی حبہ کا ذکر ہے۔ یعنے رب العزۃ کی محبت میں اپنا مال عزیز و اقارب۔ یتیم و مسکین۔ مسافر و سائل۔ غلام و مقروض وغیرہ کی مدد میں

خرچ کرنا۔ اور تزکیہ کا تعلق مال تک ہی محدود نہیں بلکہ دین دنیا کے تمام معاملات میں تزکیہ کی ضرورت ہے۔ چنانچہ رب العزۃ نے فرمایا ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا۔ الشمس ع

جس شخص نے تزکیہ نفس کر لیا۔ وہ نجات پا گیا۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا وَذٰلِکَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَکّٰی۔ طٰہٰ ع۳

جس شخص نے تزکیہ کر لیا۔ اس کی جزا یہ ہے کہ وہ دائمی بہشت میں داخل کیا جاویگا جس میں سرور روحانی کی نہریں موجزن ہوں گی۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی اعلٰی ع

جس شخص نے تزکیہ کر لیا۔ اور رب العزۃ کی عبادت میں لگا رہا۔ وہ نجات پا گیا زکوۃ کے معنے جو مال کا چالیسواں حصہ فی سبیل اللہ دینا۔ ہے۔ اس کا مطلب بھی تزکیہ مال ہی ہے۔ مگر خالی تزکیہ مال نجات کے لئے کافی نہیں ہے۔ اس لئے کہ اگر نجات کی یہی شرط ہوتی تو یہ بڑی آسان بات تھی۔ ایسا تو ایک کافر و مشرک۔ فاسق و فاجر۔ زانی۔ و شرابی۔ خائن و ڈاکو۔ چور و نقب زن بھی کر سکتا تھا۔ مگر کیا اس سے وہ نجات حاصل کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں پس قرآن مجید میں جہاں اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ کے ساتھ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ کا ذکر ہے۔ بہتر ہے کہ اس کے معانی کو تزکیہ مال تک محدود نہ کیا جاوے۔ بلکہ انکو اس قدر وسیع رکھا جائے۔ کہ اس میں تزکیہ مال۔ تزکیہ نفس۔ تزکیہ روح۔ غرضیکہ دین و دنیا کے تمام معاملات میں تزکیہ کو حاوی سمجھا جاوے۔

اعرابی۔ بہت خوب! مگر آپ نے یہ جو صلوۃ الوسطےٰ کا ترجمہ "مرکزی یا قلبی عبادت" کیا ہے۔ اس کا کیا مطلب؟ حالانکہ میں نے ایک مولوی صاحب کو اس کا ترجمہ نماز عصر کرتے سنا ہے۔ اس لئے کہ دو نمازیں یعنے نماز فجر اور ظہر عصر سے پہلے اور دو نمازیں یعنے مغرب و عشاء اس کے بعد ہوتی ہیں۔ اس لئے عصر کی نماز کو صلوۃ الوسطیٰ کہا گیا ہے۔

مسلم۔ تو پھر جس مولوی صاحب سے آپ نے صلواۃ الوسطی کے معنے نماز عصر کے سُنے تھے۔ اس سے آپ نے ڈنڈے بھی تو کھائے تھے۔ یہ کیا بات ہے کہ آپ مولوی صاحب کے معانی کو پسند کرتے ہیں۔ اور ڈنڈوں سے بھاگتے ہیں؟

اعرابی۔ مگر مولوی صاحب فرماتے تھے کہ تمام مفسرین نے صلوۃ الوسطی کے معنے نماز عصر ہی کیئے ہیں۔

مسلم۔ بہت خوب! ذرا ایسے مفسرین کی صلواۃ الوسطی کی اس تفسیر کو پڑھ کر تو سنا ئیے یہ تفسیر موجود ہے۔

اعرابی۔ (تفسیر پڑھکر سناتا ہے)

"وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰے۔ اور محافظت کی شرطیں خاص کر صلوۃ وسطی کے ساتھ ادا کیا کرو۔ اور صلواۃ وسطے یعنے بیچ والی نماز۔ انس بن مالک اور معاذ بن جبل اور ابو امامہ اور جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قول پر فجر کی نماز ہے۔ اس واسطے کہ رات کی سیاہی اور دن کی سفیدی کے بیچ میں پڑھتے ہیں۔ یا اس واسطے کہ رات کی دو نمازوں اور دن کی دو نمازوں کے بیچ میں ہے۔ یا اس واسطے کہ اس کے دونوں طرف ایسی نمازیں ہیں۔ کہ ان میں قصر کرتے ہیں۔ اور ابن عامر اور زید بن اُسامہ اور بعض اور صحابہ رضی اللہ تعالے عنہم کے قول پر ظہر کی نماز ہے۔ اسواسطے کہ دن کی نمازوں کے بیچ میں ہے۔ اور حضرت عمر فاروق اور حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت بی بی عائشہ صدیقہ۔ اور حضرت بی بی ام سلمہ اور حضرت بی بی حفصہ اور ابن مسعود اور بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دوسرے ایک گروہ کی روایت کے موافق عصر کی نماز ہے۔ اور اس باب میں ایک حدیث صحیح وارد ہوئی جنگ احزاب میں کہ شَغَلُوْنَا عَنِ الصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰے۔ ای صَلٰوۃِ الْعَصْرِ یعنے باز رکھا انہوں نے ہمیں صلوۃ الوسطی نے کہ نماز عصر ہے۔ اور عصر کی نماز کو صلوۃ الوسطی یعنے بیچ والی نماز اس لیئے فرمایا کہ ایک طرف دن کی دو نمازیں ہیں۔ ان دونوں میں سے ایک میں قصر ہے۔ اور ایک میں قصر نہیں۔ اور دوسری طرف رات کی دو نمازیں اسی طور کی ہیں۔ یعنے مغرب اور عشا کی نماز۔ اور ابن عباس اور قبیصہ بن ذویب رضی اللہ تعالے عنہم سے ایک روایت یہ ہے۔ کہ صلوۃ الوسطے مغرب کی نماز ہے۔

اور وہ نمازوں کی تعداد کے لحاظ سے اوسط درجہ کی نماز ہے۔ اس واسطے کہ فرض نمازوں میں بہت رکعتیں چار ہیں۔ اور کم دو۔ اور مغرب کی نماز میں تین رکعتیں ہیں تو وہ بہت اور کم کے بیچ میں ہیں۔ یا اس واسطے کہ دو اخفائیہ نمازیں یعنے جن میں چپکے سے قرأت کی جاتی ہے۔ ان کے اور دو جہریہ نمازوں کے بیچ میں ہے یعنے جن میں پکار کر قرأت کی جاتی ہے۔ اور ایک گروہ نماز عشا کو صلوٰۃ الوسطیٰ جانتے ہیں۔ اس لئے کہ دو جہریہ نمازوں کے بیچ میں واقع ہوئی ہے کہ رات کی عبادتوں کا آغاز اور انجام ان ہی دو نمازوں پر ہے۔ یا اس واسطے کہ وہ ایسی دو نمازوں کے بیچ میں ہے۔ کہ دونوں میں قصر نہیں ہوتا۔ اور ان نمازوں میں سے ہر ایک کی تخصیص کر یہی صلوٰۃ الوسطیٰ ہے۔ اور اس سے جو نکتے پیدا ہوتے ہیں۔ جواہر التفسیر میں بہت شرح وبسط سے مذکور ہیں۔

مسلم۔ کہیے اب آپ کو جواہر التفسیر یا کوئی دوسری تفسیر بھی دکھائی جاوے؟

اعرابی۔ حضرت رہنے دیجیے۔ مجھے کسی تفسیر کی ضرورت نہیں۔ میرے لئے یہی تفسیر کافی ہے۔ میں سمجھ گیا۔ کہ یہہ محض علی الٹپ ٹوٹے ہیں۔ جن کا سر نہ پیر۔

مسلم۔ میں نے بھی تو وسطیٰ کے معنے محض قلبی یا مرکزی یا بیچ والی ہی کئے ہیں۔ مگر اس سے نہ فجر مراد ہے نہ ظہر۔ نہ عصر۔ نہ مغرب۔ نہ عشا۔ بلکہ محض رب العزۃ کی ایسی عبادت مراد ہے جس کا تعلق انسان کی روح یا قلب سے ہو۔ رب العزۃ کی عبادت اگر دل سے نہیں کی جاتی تو وہ محض تضیع اوقات ہے۔ چنانچہ رب العزۃ بھی باہر والی یا دکھلاوے کی نماز کو پسند نہیں کرتا۔ وہ فرماتا ہے۔

وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَاۗءُوْنَ النَّاسَ
وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۔ النساء ع

یہ لوگ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔ تو انگڑائیاں لیتے ہیں۔ اور لوگوں کو دکھلاتے ہیں۔ کہ ہم بھی عبادت کر رہے ہیں۔ حالانکہ یہہ خدا کی عبادت مطلق نہیں کرتے۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۔
الَّذِيْنَ هُمْ يُرَاۗءُوْنَ ۔ (الماعون ع)

افسوس ہے ان نمازیوں کے لئے۔ جو اپنی نماز کی حقیقت سے بے خبر ہیں۔ اور وہ محض لوگوں کو دکھلانے کے لئے نمازیں پڑھتے ہیں رب العزۃ کے اس فرمان سے صاف ظاہر ہے۔ کہ وہ ایسی نماز کا خواستگار نہیں ہے۔ جو باہر دالی ہو اور وہ لوگوں کے لئے ادا کی جاتی ہو۔ بلکہ اس کو وہی نماز پسند ہے۔ جو قلبی یا بیچ والی ہو۔ اور وہ حضوری قلب سے ادا کی جاوے۔

اعرابی۔ میرا اطمینان ہوگیا۔ اب آپ آگے ارشاد فرمائیں۔

مسلم۔ رب العزۃ فرماتا ہے:۔

(۷)

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ لَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ البقرہ ع ۳۸

وہ لوگ جو ایماندار ہیں۔ اور جنہوں نے نیک کام کئے۔ اور ہمیشہ خدا کی عبادت اور تزکیہ کرتے رہے۔ انکو اعمال صالح کا بدلہ رب العزۃ کے ہاں ملیگا۔ اور ان کے لئے کسی قسم کا خوف وخطر نہیں ہے۔

(۸)

مِنْ اَھْلِ الْکِتَابِ اُمَّۃٌ قَائِمَۃٌ یَّتْلُوْنَ اٰیَاتِ اللّٰہِ اٰنَاءَ الَّیْلِ وَھُمْ یَسْجُدُوْنَ۔ آل عمران ع

اہل کتاب میں سے ایک گروہ ایسے لوگوں کا بھی ہے۔ جو خدا کی آیتوں کو رات بھر کھڑے کھڑے پڑھتے رہتے ہیں۔ اور وہ خدا کو سجدہ بھی کرتے ہیں۔

(۹)

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ۔ النساء ع

اگر تم سفر یا جنگ میں ہو۔ اور رب العزۃ کی عبادت میں تم سے کچھ کمی ہو جائے تو مضائقہ نہیں۔

(۱۰)

فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا
وَّعَلٰی جُنُوْبِکُمْ۔ النساء ع +

جب تم اثناء سفر میں یا جنگ میں رب العزۃ کی تھوڑی بہت عبادت کر چکو۔ تو اسی پر اکتفا نہ کرو۔ بلکہ کھڑے۔ بیٹھے اور لیٹے ہوئے بھی اس کی یاد میں لگے رہو۔

(۱۱)

فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ
عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا۔ النساء ع +

جب تم سفر یا جنگ سے فارغ ہو کر باطمینان ہو جاؤ۔ تو اچھی طرح اس کی عبادت کرو۔ اس میں شک نہیں کہ رب العزۃ پر ایمان لانے والوں کی عبادت یا نماز تو کتاب موقوت ہی ہے۔

اعرابی۔ کتاب موقوت سے کیا مراد ہے۔

مسلم۔ رب العزۃ کی کتاب قرآن پاک کا مطالعہ اور اس پر غور و فکر اور اسکے اوامر پر عمل اور نواہی سے پرہیز کرنا۔ اور کسی وقت بھی قرآن پاک کی تعلیم سے قولاً و فعلاً انحراف نہ کرنا ہی صلوٰۃ کتاب موقوت ہے +

اعرابی۔ میں نے تو مولوی صاحب کو کتاب موقوت کی یہ تشریح کرتے سنا ہے۔ کہ نماز کے لئے جو پانچ وقت مقرر ہیں۔ ٹھیک اسی وقت نماز ادا کرنا کتاب موقوت کہلاتا ہے۔

مسلم۔ تو اس کا یہ مطلب ہوا۔ کہ ۲۴ گھنٹہ میں پانچ وقت جو مقرر ہیں۔ ان میں تو قرآن مجید کی آیتوں کا۔ یا انسان کی تراشی ہوئی عبارتوں کا ورد کر لیا۔ اور اس کے بعد کھاؤ۔ پیو۔ اور موج کرو؟ ایسا نہیں۔ بلکہ پانچ وقت تو کیا رب العزۃ نے تو انسان کی پیدایش کا مقصد ہی یہ ٹھہرا دیا ہے۔ کہ وہ ہر منٹ۔ منٹ اور سیکنڈ سیکنڈ میں اس کی عبادت میں مصروف رہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ۔ مَا اُرِیْدُ
مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَا اُرِیْدُ اَنْ یُّطْعِمُوْنِ اِنَّ اللّٰہَ
هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّۃِ الْمَتِیْنُ۔ (ذاریات ع)

ہم نے جنوں اور انسانوں کو محض اس لئے پیدا کیا ہے۔ کہ وہ ہماری عبادت کیا کریں۔ ورنہ ہم ان سے یہہ تو نہیں چاہتے کہ وہ ہمیں رزق دیں۔ یا ہمیں کھلایا پلایا کریں یقیناً رب العزۃ ہی سب کو روٹی دینے والا۔ اور صاحب قوت و قدرت ہے۔

اعتراض۔ مگر یہہ تو بڑی مشکل بات ہے۔ کہ انسان ہر وقت ہی خدا کی عبادت میں مشغول رہے۔ ایسا ہونا تو ناممکن ہے۔

مسلم۔ جن لوگوں کا یہہ اعتقاد ہو۔ کہ خاص خاص وقتوں میں مسجدوں میں ہو آنا ہی عبادت ہے۔ اور اس کے بعد خدا اور اس کے تمام احکام کو فراموش کر چھوڑنا چاہیئے ان کے لئے تو خدا کی ہر وقت عبادت کرتے رہنا مشکل تو کیا ناممکن ہے۔ مگر جو لوگ عبادت کی یہہ تشریح کرتے ہوں کہ چلتے پھرتے۔ اُٹھتے۔ بیٹھتے۔ کھڑے۔ یا لیٹے رب العزۃ کے احکام کی تعمیل کرنا اور نواہی سے پرہیز کرتے رہنا ہی اس کی صحیح عبادت ہے۔ ان کی زندگی کا ہر ایک سیکنڈ ہی عبادت الٰہی میں خرچ ہوتا ہے۔

اعتراض۔ مگر فرض کیجئے۔ ایک دوکاندار ہے۔ اس کے لئے یہ کیونکر ممکن ہے۔ کہ وہ اپنی دوکان کو بند کر کے ہر وقت خدا کی عبادت میں ہی لگا رہے۔

مسلم۔ دوکاندار کا ہی معاملہ نہیں۔ بلکہ دنیا میں ہر ایک طبقے کے انسان کے لئے رب العزۃ نے جو احکام نازل فرمائے ہیں۔ اگر وہ ان کی تعمیل کرتے جائیں۔ تو ان کی یہہ فرمانبرداری ہی انکی عبادت ہے۔ کیا رب العزۃ نے یہہ نہیں فرمایا۔

وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ إِنِّي أَرَاكُمْ بِخَيْرٍ وَإِنِّي
أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُحِيطٍ (ھود ع)

رب العزۃ نے اپنے رسول کی معرفت دوکانداروں کو یہہ حکم سنا دیا ہے۔ کہ اگر تم اپنی بہتری چاہتے ہو تو سودا سلف لین دین میں اپنے تول اور اپنے پیمانوں میں کمی مت کیا کرو۔ اگر تم اپنے لین دین میں خیانت کرو گے۔ تو مجھے اندیشہ ہے۔ کہ تم قیامت کے دن عذاب عظیم میں مبتلا کئے جاؤ گے۔

وَيَا قَوْمِ أَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ

اَشْیَاءَھُمْ (ھود ع)

اے میری قوم سوداسلف میں پورا پورا تولا اور ماپا کرو۔ لوگوں کو ان کا سودا دیتے وقت کمی نہ کیا کرو۔

وَاَوْفُوا الْکَیْلَ اِذَا کِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا۔ (اسرائیل ع)

اے لوگو! جب تم سودا تولنے لگو۔ تو پورا تولو۔ اور جب وزن کرنے لگو، تو ترازو کی ڈنڈی سیدھی رکھو۔ یہ بہترین اور نیک ترین طریقہ ہے۔

وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَا اکْتَالُوْا عَلَی النَّاسِ یَسْتَوْفُوْنَ وَاِذَا کَالُوْھُمْ اَوْ وَّزَنُوْھُمْ یُخْسِرُوْنَ اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِکَ اَنَّھُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ لِیَوْمٍ عَظِیْمٍ۔ یَوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ کَلَّآ اِنَّ کِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِیْ سِجِّیْنٍ۔ وَمَآ اَدْرٰکَ مَا سِجِّیْنٌ۔ کِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ (التطفیف ع)

افسوس ہے۔ ایسے دوکانداروں پر۔ جو کم تولتے ہیں۔ یہ لوگ دوسرے لوگوں سے جب کوئی چیز خریدتے ہیں تو عین ٹھوک بجا کر پوری لیتے ہیں۔ مگر جب یہ دوسروں کو کوئی چیز ناپ تول کر دیتے ہیں۔ تو کم دیتے ہیں۔ کیا ان لوگوں کو اس یوم عظیم کا خیال نہیں ہے۔ جبکہ یہ لوگ دوسروں کے پہلو بہ پہلو یوم حشر میں کھڑے کئے جائینگے اور ایسے بدکرداروں کے اعمال کی کتاب پیش کی جائیگی۔ کیا تمہیں علم ہے کہ وہ کتاب کیسی ہوگی؟ یہ ان لوگوں کے اعمال بد کا روزنامچہ ہوگا۔ اگر دوکاندار چاہتا ہے کہ اس کا روزنامچہ روز محشر میں اس کی رسوائی کا باعث نہ ہو۔ تو اس کو چاہیئے کہ وہ رب العزۃ کے احکام کے مطابق اچھا عمل رکھے۔ اسکی طرف سے اپنے کاروبار میں احکام الٰہی کی یہ تعمیل یقیناً اس کے روزنامچہ میں عبادت عظمیٰ تصور کی جاویگی۔ برعکس اس کے اگر وہ رسمی طور پر مسجد میں جاکر دن میں کئی دفعہ رکوع و سجود تو کرتا ہے۔ لیکن اپنے لین دین اور سوداسلف میں بددیانتی اور خیانت کرتا ہے۔ تو اس کی ریاکاری کے چند سجدے اس کو یوم عظیم کی گرفت سے نہیں بچا سکینگے۔

اعرابی۔ میں سمجھ گیا۔ آپ کا مطلب یہہ ہے کہ اگر انسان اپنے کاروبار میں رب العزۃ کے احکام کے مطابق دیانتداری سے عمل کرتا رہے۔ تو رب العزۃ کے احکام کی یہہ عملی اور دیانتدارانہ تعمیل بھی اس کی عبادت ہے۔

مسلم۔ بے شک۔

اعرابی۔ بہت بہتر۔ اب آپ آگے فرمائیں۔

مسلم۔ رب العزۃ فرماتا ہے:۔

(۱۲)

وَالْمُقِيمِينَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيهِمْ اَجْرًا عَظِيمًا ۝

(النساء ع ۲۲)

اور جو لوگ ہمیشہ خدا کی عبادت کرتے۔ اور تزکیہ میں مصروف رہتے ہیں۔ اور وہ رب العزۃ پر اور یوم سزا و جزا پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو ہم عظیم الشان اجر دینگے۔

(۱۳)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ۔ (مائدہ ع ۲)

اے ایماندارو! جب تم رب العزۃ کی عبادت کرنے پر آمادہ ہو تو۔ اپنے منہہ اور کہنیوں تک ہاتھ اور ٹخنوں تک پاؤں دھو لیا کرو۔ اور اپنے سروں پر مسح کر لیا کرو۔

اعرابی۔ مگر پہلے پاؤں دھونے چاہئیں۔ یا ہاتھ۔ یا منہہ؟

مسلم۔ مطلب ان اعضا کی صفائی سے ہے۔ جس ترتیب سے جس کو آسانی ہو۔ اسی ترتیب سے دھوئے۔

اعرابی۔ مگر یہہ ملاں لوگ تو اس میں بڑے بکھیڑے ڈالتے ہیں۔

مسلم۔ مگر خدا نے اس کا فیصلہ کر دیا ہے کہ:۔

مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۔ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۔ (طٰہٰ ع ۱)

ہم نے تجھ پر قرآن مجید اس لئے تو نازل نہیں کیا۔ کہ تو بکھیڑوں میں اُلجھ جائے یہ تو صرف رب العزۃ کو یاد دلانے کا ذریعہ ہے۔ وہ بھی ایسے لوگوں کے لئے جن کو اپنی عاقبت کا فکر ہو۔ قرآن پاک تو بکھیڑوں سے نکالتا ہے۔ بکھیڑوں میں پھنساتا نہیں چنانچہ اسی ضمن میں ارشاد ہوتا ہے۔

(۱۴)

لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۔ (مائدہ ع ۳)

اگر تم رب العزۃ کی عبادت کرتے رہو۔ اور کماحقہ تزکیہ کرو۔ اور اگر تم میرے رسولوں کی صداقت پر ایمان لاؤ۔ اور ان کے مشن کو دنیا میں پھیلانے میں مددگار رہو۔ اور رب العزۃ کے نام سے بہترین طریقہ پر مال کی قربانی کرو۔ تو میں تمہیں گناہ آلودہ باتوں سے مخلصی دیکر بہشت میں، داخل کردوں گا جس میں دائمی سرور کی نہریں موجزن ہیں:

(۱۵)

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ۔ (مائدہ ع ۸)

اس میں کوئی شک نہیں کہ تمہارا حقیقی خیرخواہ یا تو خدا ہے۔ یا اس کا رسول۔ یا وہ ایماندار ہیں۔ جو ہمیشہ خدا کی عبادت کرتے اور تزکیہ میں مصروف رہتے اور رب العزۃ کے حضور میں سرنگون رکھتے ہیں۔

(۱۶)

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ

الْعَالَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَبِذَالِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ۔ (انعام ع۲۰)

لوگوں کو سنا دو کہ میری نماز اور میری ہر ایک قسم کی عبادت یہاں تک کہ میرا جینا اور مرنا بھی رب العزۃ کے لئے ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ مجھے تو یہی حکم ملا ہے۔ اور میں سب سے پہلے اس حکم کے ماننے والوں میں سے ہوں +

(۱۷)

وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ۔ (اعراف ع۳)

اور تم ہر ایک مسجد میں اپنی جبین نیاز رب العزۃ کے سامنے جھکا دیا کرو۔ اور خلوص دل سے اس کو یاد کرو۔ یہی اس کی عبادت ہے۔

(۱۸)

وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتَابِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ۔ (الاعراف ع۲۱)

اور جو لوگ کتاب الہی کے احکام پر عمل کرتے۔ اور ہمیشہ عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ ہم ایسے نیک بندوں کے اعمال صالح کو ضایع نہیں ہونے دیتے۔

(۱۹)

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ (الاعراف ع۲۴)

اور تو اپنے رب کو صبح و شام اپنے دل ہی دل میں نہایت عاجزی سے اور ڈرتے یا کسی قدر دھیمی آواز سے یاد کیا کر۔

(۲۰)

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ۔ ھود ع۱۰

اور دن کے دونوں کناروں یعنے صبح و شام کے وقت اور رات کی تاریکی

میں رب العزۃ کی عبادت کیا کرو۔

(۲۱)

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ۔ (الرعد ع۲)

زمین اور آسمان میں ہر ایک جاندار اور غیر جاندار چیز اگر خوشی سے نہیں۔ تو فطرتاً مجبور ہو کر رب العزۃ کے حضور میں سجدہ کرتی ہیں۔ جس کی کہ صبح اور شام ان کے سایہ سے تصدیق ہوتی ہے۔

(۲۲)

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ۔ (النحل ع۶)

کیا تم نہیں دیکھتے ہو۔ کہ رب العزۃ نے دنیا میں جس قدر اشیاء پیدا کی ہیں۔ ان کا سایہ کبھی دائیں طرف کو جھکتا ہے کبھی بائیں طرف کو۔ یہ اس بات کی علامت ہے۔ کہ وہ فطرتاً رب العزۃ کے سامنے سربسجود ہونے کے لئے مجبور ہیں۔

(۲۳)

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ۔ (ع۶)

آسمان کے فرشتے اور زمین پر چلنے والے سب کے سب رب العزۃ کے سامنے سرنگوں ہونے کے لئے مجبور ہیں۔ اور وہ اکڑ فوں نہیں کرتے۔

(۲۴)

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا۔ (اسرائیل ع۹)

دن ڈھلنے سے لے کر رات کی تاریکی کے چھا جانے تک رب العزۃ کی عبادت کرو۔ اور صبح نور کے تڑکے قرآن پر تدبر کرو یقیناً صبح کے وقت قرآن پاک

غور و تدبر کرنے سے رب العزۃ کی عظمت و جلال کا پتہ لگتا ہے۔

(۲۵)

وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔ (بنی اسرائیل ۹ع)

اور جب تھوڑی سی رات رہ جائے۔ تو اس وقت بھی قرآن پاک پر غور و تدبر کرنے کے لئے جاگ۔ یہ تیرے لئے مزید برکات الٰہی کا باعث ہوگا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تیرا رب تجھ کو مقام محمود پر پہنچا دیگا۔

اعرابی۔ مقام محمود سے کیا مراد ہے؟

مسلم۔ وصال باری تعالیٰ۔

اعرابی۔ مگر مولوی لوگ تو مقام محمود سے حوض کوثر پر ایک خاص جگہ مراد لیتے ہیں۔

مسلم۔ اگر ان کے نزدیک وہی جگہ مقام محمود ہے۔ تو رب العزۃ ان کو وہاں ہی پہنچا دے گا۔ ہر ایک روح کے لئے وہی جگہ مقام محمود ہوگی جس کی تحصیل کے لئے اس نے دنیا میں جد و جہد یا اعمال صالح کئے ہوں گے۔ چونکہ وصال باری تعالیٰ سے بالاتر روح کا کوئی دوسرا مقصد یا معراج نہیں ہو سکتا۔ اس لئے میرے نزدیک مقام محمود کا صحیح مفہوم وصال باری تعالیٰ ہی ہے۔

اعرابی۔ میرا اطمینان ہو گیا۔ آپ آگے ارشاد فرمائیں۔

مسلم۔ رب العزۃ اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے:۔

(۲۶)

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا۔ وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا۔ (بنی اسرائیل ۱۲ع)

تو نہ تو بہت اونچی آواز سے عبادت کر۔ نہ ہی بہت مدھم آواز سے۔ بلکہ دونوں کے درمیان کا راستہ اختیار کر۔

(۲۷)

اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ

لِذِكْرِىْ ۔ (طٰہٰ ع ۱)

اے انسانو! یقیناً میں ہی تمہارا معبود ہوں ۔ میرے سوا اور دوسرا کوئی قابل پرستش نہیں ہے ۔ پس میری ہی عبادت کرو ۔ اور مجھے ہی یاد کرنے کے لئے اپنی عبادت کا ڈھنگ ڈالو ۔

(۲۸)

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ
وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا وَمِنْ اٰنَآءِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ
لَعَلَّكَ تَرْضٰى ۔ (طٰہٰ ع ۸)

تیرے مخالف تجھے جو کچھ برا بھلا کہتے ہیں ۔ تو ان پر صبر کر ۔ اور اپنے رب کی سورج نکلنے اور اس کے غروب ہونے سے قبل اور کچھ رات گئے ۔ اور دن کے دونوں کناروں پر حمد وثنا کیا کر ۔ رب العزۃ تجھے اس کا ایسا صلہ دے گا ۔ کہ تو خوش ہو جائے گا ۔

(۲۹)

وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا
نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى (طٰہٰ ع ۸)

تم اپنے گھر والوں کو بھی حکم دو ۔ کہ وہ عبادت کیا کریں ۔ اور تم خود بھی عبادت میں لگے رہو ۔ ہم تم سے یہ نہیں کہتے ۔ کہ ہمیں کچھ کھلاؤ پلاؤ ۔ بلکہ ہم خود تمہیں رزق دینے والے ہیں ۔ اور اگر تم ہماری عبادت کرتے رہو گے ۔ تو آخرۃ میں بھی ہم اس عبادت کا صلہ دینگے ۔

(۳۰)

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ
وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ
وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ۔ (الحج ع ۲)

کیا تم دیکھتے نہیں ہو ۔ کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے ۔ اور جو کچھ زمین پر ہے یعنی سورج چاند ستارے ۔ اور پہاڑ ۔ درخت ۔ اور چوپائے ۔ اور انسانوں کا بھی کثیر حصہ

رب العزۃ کو سجدہ کر رہے ہیں۔

(۳۱)

فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا ؕ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَاۤ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِى الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۔

(الحج ۵)

اے انسانو! تمہارا معبود وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ اسی کی عبادت کرو۔ ان لوگوں کو جو عجز و انکساری سے خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ اور جب ان کے سامنے رب العزۃ کا نام لیا جاتا ہے۔ تو ان کے دل بے تاب ہو جاتے ہیں۔ اور ان لوگوں کو جو ہر ایک قسم کی مصیبت میں صبر و شکر سے کام لیتے ہیں اور رب العزۃ کی عبادت میں مصروف رہتے اور جو کچھ ہم نے اُن کو دیا ہے۔ اسی پر صبر و شکر سے گذارہ کرتے ہیں۔ خوشخبری سُنا دو۔

(۳۲)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ (الحج ۔ ۶)

اے وہ لوگو جو رب العزۃ پر ایمان رکھتے ہو۔ تم اپنے رب کے حضور میں جھک جاؤ۔ سجدہ کرو۔ اور اسی کی عبادت کرو۔ نیک اعمال بجالاؤ۔ تاکہ تم نجات پاؤ۔

(۳۳)

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِىْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ (المومنون ۱)

یقیناً وہ ایمان والے جو رب العزۃ کی عبادت کرتے وقت خشوع سے کام لیتے ہیں۔ نجات پا جائینگے۔

(۳۴)

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۘ اُولٰۤئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔

(المومنون ۱)

وہ لوگ جو خلوص دل سے رب العزۃ کی عبادت میں لگے رہتے ہیں۔ یقیناً وہی لوگ ہیں۔ جو فردوس بریں کے وارث ہو کر اس میں ابدی زندگی بسر کرینگے۔

(۳۵)

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ۔ (النور ع)

کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔ کہ جو کچھ آسمانوں میں اور زمین پر ہے۔ وہ خدا کی تسبیح کر رہا ہے۔ یہاں تک کہ پرندوں کو بھی جو پر پھیلائے اُڑتے پھرتے ہیں۔ اپنی اپنی نماز اور تسبیح کا علم ہے۔ رب العزۃ ان تمام باتوں کو بخوبی جانتا ہے۔ جو وہ کرتے ہیں +

(۳۶)

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا۔ (الفرقان ع)

ایسے بھی خدا کے بندے ہیں۔ جو رب العزۃ کی عبادت میں راتوں کو جاگتے۔ اس کی درگاہ میں سجدہ کرتے یا کھڑے رہتے ہیں۔

(۳۷)

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ۔ (العنکبوت ع)

رب العزۃ کی عبادت ہر ایک قسم کی بے حیائی اور نامعقول باتوں سے روکتی ہے۔ اور رب العزۃ کا ذکر کرتے رہنا عظیم ترین نعمت ہے۔

(۳۸)

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ۔

(الروم ع)

جب تم پر شام آجائے۔ یا تم صبح کرو۔ یا جب دن ڈھل جائے۔ یا سہ پہر ہو۔ تو تم اسی رب العزۃ کی تسبیح کیا کرو۔ زمین و آسمان میں اسی کی ذات پاک حمد و ثنا کی مستحق ہے

(۳۹)

مُنِيبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ (الروم۔ ع)

اسی رب العزة کی طرف رجوع کرنے والے بنو۔ اسی سے ڈرو۔ اسی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ۔

(۴۰)

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔ (لقمٰن۔ ع)

اور لقمٰن نے اپنے بیٹے سے کہا۔ اے میرے بیٹے تو نے رب العزة کی عبادت کرتے رہنا۔ اور نیک کاموں کے کرنے کی اور بدیوں سے بچنے کی لوگوں کو تاکید کرنا۔ اگر تجھ پر کوئی مصیبت آن پڑے تو صبر سے کام لینا۔ یہہ سب باتیں عظیم الشان ہیں +

(۴۱)

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَاۤءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ (الزمر۔ ع)

اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔ (الزمر ع)

کیا وہ شخص جو رات کی تاریکی میں رب العزة کے حضور میں کھڑا یا سجدے میں پڑا آخرت کے عذاب سے ڈرتا اور رب العزة کی رحمت کا امیدوار ہے۔ ذرا لوگوں کو بتا دو کہ کیا یہہ شخص جو ان باتوں کو جانتا ہوا قایم اللیل ہے۔ اور وہ جو ان سے بالکل بے خبر مزے کی نیند سوتا ہے۔ دونوں برابر ہو جاہیں گے؟ یہہ باتیں تو ان لوگوں کے لیے ہیں۔ جو صاحب فہم ہیں +

(۴۲)

وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا۔ (الفتح۔ ع)

اے انسانو! تم رب العزۃ کی صبح اور شام حمد و ثنا کیا کرو۔

(۴۳)

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُومِ۔ (الطور۔ ع)

جب تو کھڑا ہو۔ تو اپنے رب کی تسبیح کر۔ جب رات آجائے۔ اور جب تارے ٹمٹمانے لگ جائیں۔ اس وقت بھی اس کی تسبیح کیا کر۔

(۴۴)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ۔ (الجمعۃ۔ ع)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ جب تم کو جمعہ کے دن نماز کے لئے بلایا جائے۔ تو رب العزۃ کی عبادت کے لئے بھاگتے ہوئے جاؤ۔ اور کاروبار بند کردو۔ تمہارے لئے یہی بہتر ہے۔ بشرطیکہ تم اس کو سمجھو لو۔

(۴۵)

وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ۔ أُولَٰئِكَ فِي جَنَّاتٍ مُّكْرَمُونَ۔ (المعارج ع)

اور وہ لوگ جو رب العزۃ کی عبادت کرنے میں ہمیشہ چوکنے رہتے ہیں۔ وہ یقیناً بہشت میں جائینگے۔ اور وہ اسی قابل ہیں کہ رب العزۃ کے ہاں عزت پائیں۔

(۴۶)

يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ نِّصْفَهُ أَوِ انقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ۝ أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا۔ (المزمل۔ ع)

اے چادر اوڑھنے والے خدا کی عبادت کرو۔ رات کے وقت مگر تھوڑی دیر۔ یا نصف یا اس سے بھی قدرے کم یا اس سے قدرے زیادہ دیر تک۔ اور قرآن مجید کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو۔

(۴۷)

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْأً وَّ اَقْوَمُ قِيْلاً۔ (المزمل ع۱)

رب العزۃ کی عبادت کے لئے رات کو اٹھنا یقیناً سب سے بڑی ریاضت ہے۔ اور رب العزۃ کے حضور میں دعا کرنے کا وقت بھی یہی موزون ترین ہے۔

(۴۸)

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ۔ ع۲۔

تیرا رب یقیناً جانتا ہے۔ کہ تو اسکی عبادت میں دو تہائی رات تک یا آدھی رات تک یا تہائی رات تک کھڑا رہتا ہے۔

(۴۹)

وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ۔ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ۔ (المدثر۔ ع۱)

اور تو اپنے رب کی عظمت بیان کر۔ تیرے کپڑے نہایت صاف ستھرے ہوں اور تیرا دل ہر ایک کدورت سے پاک ہو۔

(۵۰)

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ۝ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا۔ (الدھر۔ ع۲)

تو صبح اور شام دونوں وقت اپنے رب کا نام لیا کر۔ اور رات کو بھی اسی کے حضور میں سجدۂ عبودیت بجالایا کر۔ اور بڑی رات تک اس کی حمد و ثنا کیا کر۔

میاں اعرافی! رب العزۃ کی حمد و ثنا۔ عبادت و تسبیح۔ صلوٰۃ یا نماز کے متعلق قرآن پاک کی ان آیات پر جو آپ کو پڑھ کر سنائی گئی ہیں۔ ذرا غور کرو۔ اور پھر اپنے لئے فیصلہ کرو کہ آیا نماز یا عبادت بھی ایسی چیز ہو سکتی ہے۔ جس کے پڑھنے یا ادا کرنے سے آپ انکار کر سکیں؟

اعرافی۔ حضرت! جس قسم کی نماز یا تسبیح یا صلوٰۃ یا ذکر باری تعالیٰ کی قرآن پاک نے تعلیم دی ہے۔ جب چوپایہ اور درند و پرند۔ شجر و حجر تک اس کی ادائگی سے منکر نہیں ہو سکتے۔ تو میں انسان ہو کر اس سے کیونکر انکار کر سکتا ہوں۔

مسلم - قرآن مجید کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک تقریباً ہر ایک پارہ میں سے میں نے آپ کے سامنے نماز یا عبادت کے متعلق رب العزۃ کا جو فرمان پیش کیا ہے۔ کیا تم اس میں اس قسم کے جھگڑے فساد یا آمین - رفع یدین - یا دست بر سینہ یا زیر ناف کا شائبہ تک بھی دیکھتے ہو؟

اعرابی - ہرگز نہیں -

مسلم - تو پھر آپ نے مسجدوں کے اندر نماز کے متعلق جس قدر دنگل یا زد و کوب کے نظارے - اور ذرا ذرا سے اختلاف پر مار پیٹ کے تماشے دیکھے ہیں - اس کا باعث آپ کیا سمجھتے ہیں؟

اعرابی - اب مجھے بخوبی پتہ لگ گیا کہ یہ سب ان لوگوں کی غلطی ہے - اور کہ رب العزۃ کا کلام پاک اس قسم کی بیہودگیوں سے قطعاً بری الذمہ ہے -

مسلم - بہت ٹھیک -

آٹھویں فصل

شخصی عبادت اور مجلسی نظام

اعرابی - قرآن مجید کی جس قدر آیات آپ نے عبادت یا نماز کے متعلق پیش کی ہیں - ان میں اس بات کا ذکر تو کہیں بھی موجود نہیں ہے کہ نماز میں کتنی رکعتیں ہوں کتنے فرض ہوں - اور کتنی سنتیں ہوں - اور کتنے نفل ہوں - کتنے رکوع - کتنے سجدے کتنے قیام ہوں - اور نماز کی ادائگی کا ٹھیک وقت کونسا ہو -

مسلم - یہی تو قرآن پاک کی خوبی ہے - کہ وہ ہر ایک انسان کو اس بات کی مکمل آزادی دیتا ہے - کہ وہ جس وقت اور جس ترتیب سے چاہے - رب العزۃ کی

عبادت کرے۔ صبح اور شام۔ دوپہر۔ سہ پہر۔ رات۔ نصف رات۔ تہائی رات۔ دو تہائی رات۔ ساری رات۔ کچھ رات رہے۔ اس وقت جبکہ ستارے جھلملا رہے ہوں۔ سورج نکلنے سے ذرا پہلے۔ سورج غروب ہونے سے پہلے اور بعد غرضیکہ جب اور جس وقت بھی انسان چاہے۔ اس کی عبادت کر سکتا ہے۔ یہہ بھی ضروری نہیں۔ کہ کھڑا کھڑا۔ یا بیٹھا ہوا۔ یا لیٹا ہوا۔ یا رکوع۔ یا سجود کی حالت میں ہی عبادت کرے۔ بلکہ ان میں سے جو طریقہ بھی اس کو پسند ہو۔ اسی طریقہ پر عبادت کر سکتا ہے۔ اگر وہ ان تمام حالتوں کو یا ان میں سے چند ایک کو ملا کر عبادت کرنا چاہے۔ تو رب العزۃ کی طرف سے اس کو اجازت ہے کہ وہ اسی طرح اسکی عبادت کرے۔ ہاتھ باندھکر۔ ہاتھ چھوڑکر۔ ہاتھ اٹھاکر۔ اونچی آواز سے۔ مدھم آواز سے یا دل ہی دل میں غرضیکہ جس طرح چاہے۔ خدا کی عبادت کرے۔ رہا رکعتوں کی تعداد یا فرض و سنت کا معاملہ! اگر رب العزۃ کے نزدیک رکعتوں یا فرض و سنت کی تعداد مقرر کرنی ضروری ہوتی۔ تو وہ قرآن مجید میں یقیناً ان کی تعداد مقرر کر دیتا۔ مگر چونکہ اس کو یہہ قید لگانی منظور نہیں تھی۔ اس لئے اس بارے میں بھی اس نے انسان کو اجازت دی۔ کہ وہ جتنی دیر تک مناسب سمجھے۔ اس کی عبادت میں مصروف رہے۔ جب رب العزۃ نے تعداد رکعت کا قرآن پاک میں کہیں اشارہ تک بھی نہیں کیا۔ تو تعداد رکعت یا تعداد فرض و سنت پر ہمارا آپس میں جھگڑنا محض فضول ہے۔

اعرابی۔ مگر مسلمانوں میں ایسا تو کوئی بھی فرقہ نہیں ہے۔ جو نماز میں تعداد رکعت تعداد فرض و سنت کا قائل و عامل نہ ہو۔

مسلم۔ اگر آپ کو بھی رکعت و فرض و سنت کی تعداد مقرر کرنی منظور ہو۔ تو اس میں آپ کو بھی پورا اختیار ہے۔ کہ ایک دو تین۔ بلکہ ایک سو۔ ایک ہزار یا بیشمار رکعتیں آپ رکھ سکتے ہیں۔ اور پھر ان میں سے جتنی رکعتوں کو آپ فرض کے نام سے پکارنا چاہیں ان کو فرض کے نام سے پکاریں جتنی رکعتوں کو سنت یا نفل کے نام سے پکارنا چاہیں ان کو ان ناموں سے پکاریں۔ اور اگر آپ ایک بھی رکعت نہیں رکھنا چاہتے۔ بلکہ صرف رکوع یا قیام و سجود کی حالت میں ہی تمام عبادت کو ختم کرنا چاہیں۔ تو اس کی بھی آپ کو کھلی اجازت ہے۔ رب العزۃ نے قرآن پاک میں کہیں بھی یہہ قید

نہیں لگائی۔ کہ جبتک تمہاری نماز میں اتنے قیام۔ اتنے رکوع۔ اتنے سجدے اور اتنے قعدے اور جلسے نہ ہونگے تبتک وہ مکمل نہیں ہوگی! اس قسم کی ترتیب یا تعداد کا قرآن پاک میں کہیں ذکر نہیں ہے۔

اعرابی۔ مگر یہ جو کہا جاتا ہے کہ رسول پاک نے جس طریقہ پر نماز پڑھی اسی طریقہ پر پڑھنی چاہیے۔ اسکا کیا مطلب؟

مسلم۔ اس میں شک نہیں کہ رسول پاک نے بیشمار طریقوں پر نماز پڑھی اور عبادت کی۔ اس لیے کہ رب العزۃ کی طرف سے ان کو یہ آزادی تھی کہ جس طریقہ پر بھی چاہو۔ اس کی عبادت کرو۔ چنانچہ اپنی عبادت کے متعلق رب العزہ کی طرف سے دی گئی۔ اس آزادی پر رسول پاک نے عمل کرکے بھی دکھا دیا۔ مگر یہہ کس قدر افسوس کی بات ہے۔ کہ آج مسلمانوں کا ہر ایک فرقہ رسول پاک کے ایک طریقہ کو صحیح مانکر باقی طریقوں کو غلط قرار دیتا ہوا دوسرے فرقوں کے ساتھ سر پھٹول میں مشغول ہے۔ اور اگر خدا کو اپنی عبادت کا کوئی ایک خاص طریقہ ہی مقبول و پسند ہوتا۔ تو وہ یقیناً اس کا قرآن مجید میں کھلے الفاظ میں ذکر کر دیتا۔ مگر رب العزۃ تو یہہ ارشاد فرماتا ہے کہ ہر ایک فرقہ جس طریقہ پر بھی چاہے میری عبادت کر سکتا ہے۔ یہاں تک کہ اس نے پرندوں اور چرندوں کے طریقہ عبادت کو بھی اُن کی صلوٰۃ و تسبیح کے نام سے پکارا ہے۔ اپنے اپنے طریقہ پر رب العزۃ کی عبادت و تسبیح کرتے ہوئے پرند و چرند تو آپس میں دنگہ فساد نہ کریں۔ مگر مسلمان اپنی مسجدوں کو دنگل بنائیں۔ اس سے بڑھکر افسوس کی بات اور کیا ہو سکتی ہے! اعرابی! اسی لیے میں آپ سے یہہ کہتا ہوں۔ کہ جس طریقہ پر بھی کوئی فرقہ خدا کی نماز ادا کرتا ہو۔ اس پر جھگڑا مت کرو۔

اعرابی۔ اس لحاظ سے تو یہودیوں۔ عیسائیوں۔ برہموؤں۔ آریوں۔ سکھوں وغیرہ کا طریقہ عبادت بھی قابل اعتراض نہیں کہا جاسکتا۔

مسلم۔ دنیا بھر میں جو قوم بھی خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت میں کسی انسان دیوی۔ دیوتا۔ پتھر۔ درخت۔ یا جانور وغیرہ کو رب العزۃ کا شریک نہ ٹھہراتی ہو۔ بلکہ اسی ایک کو اپنا خالق و مالک۔ رازق۔ و محافظ۔ نیک و بد اعمال کی جزا و سزا دینے والا تسلیم کرتی ہو۔ اور اسی ان دیکھے معبود کی عبادت میں مشغول ہو۔ اس کا طریقہ عبادت۔ قیام و رکوع۔ سجدہ و جلسہ کچھ بھی ہو۔ رب العزۃ کے ہاں

اس لیئے کہ رب العزۃ نے نہایت کھلے الفاظ میں فرما دیا ہے:۔

لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُّسْتَقِيمٍ ۔ الحج ع ۹

ہم نے ہر ایک امت کو عبادت کے جو بھی طریقے بتا دیے۔ وہ ان ہی طریقوں پر خدا کی عبادت کر رہے ہیں۔ ان کو بھی چاہیے کہ رب العزۃ کی عبادت کے بارے میں وہ تمہارے ساتھ کسی قسم کا جھگڑا نہ کریں۔ اور تجھے چاہیے کہ تو لوگوں کو خدائے وحدہٗ لاشریک کی طرف بلاتا رہے۔ یہہ یقینی امر ہے۔ کہ تیرا لوگوں کو کفر و شرک سے ہٹا کر اسی ایک خدا کی طرف دعوت دینا بالکل ٹھیک ہے۔ میاں اعرافی! قرآن پاک کی جس قدر آیات عبادت کے متعلق دی گئی ہیں۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ ان میں سے بعض میں اہل کتاب کی عبادت کا بھی ذکر ہے۔ کہ وہ کھڑے کھڑے۔ یا سجدے کی ہی حالت میں خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ اور خداوند کریم نے اس بات کا اعلان کر دیا ہے۔ کہ مسلم ہو۔ یہودی ہو۔ نصاریٰ ہو۔ صابی ہو۔ کسے باشد۔ جو بھی رب العزۃ پر اور یوم آخرۃ پر ایمان لاتا۔ اور اعمال صالح کرتا ہے۔ وہ خدا کے نزدیک مقبول ہے۔

اعرافی۔ ہندوستان میں یہودی۔ عیسائی اور مسلمان تو ہیں۔ مگر یہہ صابی لوگ کون ہوئے؟

مسلم۔ سکھ۔ برہمو۔ آریہ وغیرہ جتنے لوگ بھی اس خدا کو علیم و خبیر۔ حی و قیوم سمیع و بصیر حکیم و قدیر۔ خالق و رازق۔ مالک یوم الدین۔ نور السموات والارض مانکر اسی رب العزۃ کی عبادت کرنے والے ہوں وہ سب صابی کے لفظ میں شامل ہیں۔ ایسی ہر ایک قوم کو جو اسی ایک ان دیکھے معبود کی عبادت کرتی ہو۔ رب العزۃ نے ہدایت کی ہے۔ کہ وہ اپنے طریقہ پر اس کی عبادت کرتے ہوئے اسلام کے طریقہ عبادت پر کسی قسم کا جھگڑا نہ کریں۔

اعرافی۔ یہہ تو ٹھیک ہے۔ مگر ہمیں کس طریقہ کو اس کی عبادت کے لیئے اختیار کرنا چاہیئے؟

مسلم۔ آپ خوب یاد رکھیں۔ کہ جہاں تک آپ کا اپنے خدا کے ساتھ تعلق ہے آپ آزاد ہیں۔ اور جس طریقہ پر بھی چاہیں۔ اس کی عبادت کریں۔ لیکن اگر آپ کسی مسجد میں یا متعدد مسلمانوں کے مجمع میں شامل ہو کر نماز ادا کرنا چاہیں۔ تو اس مجمع نے عبادت کے لیے جو طریقہ یا نظام مقرر کر رکھا ہو۔ آپ اس کی پیروی کریں اور اس میں کسی قسم کا اختلاف پیدا کر کے ان کے مسجدی نظام کو درہم برہم نہ کریں جس طرف کو ان کا منہ ہو۔ اسی طرف آپ بھی کریں۔ اگر وہ زور سے آمین کہتے ہیں۔ تو آپ بھی کریں۔ اگر نہیں کرتے۔ تو آپ بھی نہ کریں۔ اگر اس مسجد یا گروہ کا مقرر کردہ طریقہ یا نظام یا سوشیل سروس آپ کو پسند نہیں ہے۔ تو اس مسجد میں آپ جا کر گڑبڑ نہ ڈالیں۔ اس لیے کہ انفرادی عبادت اور سوشیل سروس میں بہت بڑا فرق ہے۔ مسجد میں مجمع کی نماز ایک جلسی نظام یا سوشیل سروس بھی ہے وہ ایک جنگی یا سپاہیانہ قواعد بھی ہے۔ وہ ایک امام یا کمانڈر کی تابعداری کا سبق بھی ہے۔ اگر آپ بطور ایک سپاہی کے جنگی قواعد کی پابندی پسند نہیں کرتے تو آپ کو اس بات کا حق حاصل نہیں ہے۔ کہ آپ سپاہیوں کی پریڈ میں جا کر انکی سنگین یا بندوق کے کندوں کا نشانہ بنیں اور مفت میں زدوکوب ہوں۔ اس لیے کہ قرآن پاک نے جہاں رب العزۃ کی عبادت کے متعلق انفرادی حیثیت سے آزادی دی ہے۔ وہاں اس نے یہ بھی حکم دیا ہے۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔ (آلِ عمران ۱۱)

رب العزۃ کی اس رسی کو یعنے اسلام کو تم سب نے مل کر پکڑے رکھنا۔ اور کہیں ایک دوسرے سے الگ تھلگ نہ ہو جاؤ۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔ (۱۱)

مسلمانو! کہیں ان لوگوں کی طرح جن کو رب العزۃ نے کھلے طور پر اپنا کلام دے دیا تھا۔ آپس میں پھوٹ و نفاق کا شکار نہ ہو جانا۔ اور اختلافی مسائل میں نہ الجھ جانا۔ اگر ایسا ہوا تو جو مار ان پر پڑی۔ وہی تم پر بھی پڑیگی۔

اعرابی۔ میری تو تسلی ہو گئی۔ میں تو اب کسی مسجد میں جا کر کسی قسم کا اختلاف نہیں کرونگا

بلکہ جو نیت امام کی وہی میری ہوگی۔ مگر یہہ فرمایئے۔ کہ اگر میں نے گھر پر نماز پڑھنی ہو تو پھر؟

مسلم۔ گھر پر آپ کو آزادی ہے۔ جس طرح جس طریقہ اور ترتیب سے اور جن الفاظ میں اور جتنی مدت اور جس وقت آپ کا جی کرے۔ آپ عبادت کریں۔ قرآن پاک نے آپ کو اجازت دی ہے۔

اعرابی۔ لیکن اگر کسی مولوی نے مجھ پر فتوے لگا دیا۔ کہ میری گھر پر ادا کی گئی نماز چونکہ اس مولوی کے طریقہ کے برخلاف ہے۔ اس لئے غلط ہے۔ اور میں کافر ہوں۔ تو پھر؟

مسلم۔ جب رب العزۃ کا سب سے بڑا فتوے یعنی قرآن پاک آپ کے پاس موجود ہے۔ تو پھر آپ کو کسی مولوی کے فتوے کی اس وقت تک مطلق پرواہ نہیں کرنی چاہیئے جب تک کہ آپ اپنی شخصی آزادی اور مجلسی نظام کو گڈمڈ نہیں کرتے۔

اعرابی۔ اس کا کیا مطلب؟

مسلم۔ یعنے اگر مسجد میں جاؤ تو مسجدی یا مجلسی نماز کی نگہداشت کرو۔ اور اگر تنہا۔ یا گھر پر نماز ادا کرنا چاہو۔ تو تمکو مکمل آزادی حاصل ہے۔ خواہ تم وہی مسجدی۔ یا مجلسی نماز ادا کرو۔ خواہ آزادانہ رب العزۃ کی عبادت کرو۔

اعرابی۔ بہت ٹھیک! مگر یہہ تو فرمایئے۔ کہ رب العزۃ کی عبادت میں کونسے الفاظ استعمال کیئے جائیں؟

مسلم۔ مسجدی یا مجلسی نماز میں حتی المقدور وہی الفاظ استعمال کرو۔ جو اس مسجد یا نظام کی طرف سے استعمال کیئے جاتے ہوں۔ اگر گھر پر یا تنہائی میں خدا کی عبادت کرو۔ تو تمہیں اختیار ہے۔ خواہ مسجدی نماز کے الفاظ دہراؤ۔ خواہ قرآن پاک کی آیات کی تلاوت کرو۔ خواہ اس خشوع کی حالت میں جبکہ رب العزۃ کے حضور میں تمہارے قلب پر رقت طاری ہو۔ جو بھی الفاظ تمہاری زبان پر خود بخود جاری ہو جائیں۔ ان کا اظہار ہونے دو۔ اگر حقیقت جاننا چاہتے ہو تو وہ یہہ ہے کہ اگر کبھی کسی انسان کو رب العزۃ کی حضوری حاصل ہو جائے تو وہاں الفاظ کی دنیا ہی ختم ہو جایا کرتی ہے۔ وہاں نہ الفاظ رہتے ہیں۔ نہ زبان۔ نہ ان کا ادا کرنے والا۔

اعرابی - ایسی حالت انسان پر کب طاری ہوتی ہے؟
متکلم - جانے دیجئے۔ اس مضمون کو نہ چھیڑیئے۔
اعرابی - بہت بہتر۔ میں آپ کا نہایت مشکور ہوں۔ کہ آپ سے مل کر میری وہ کدورت نفرت۔ بیزاری دور ہوگئی ہے۔ جو میرے دل میں نماز کے بارے میں پیدا ہوگئی تھی مگر آپ اب یہہ فرمائیں۔ کہ اگر میں اپنے دفتر میں جاؤں۔ اور مجھے اپنی ملازمت کے وقت میں نماز پڑھنے کی رخصت نہ ملے۔ تو مجھے کیا کرنا چاہیئے؟
متکلم - رب العزۃ نے جمعہ کے دن مسلمانوں کو ایک جگہ جمع ہو کر عبادت کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ یہاں تک کہ جب جمعہ کی نماز کے لئے بلاوا ہو جاوے۔ تو تمام کاروبار معطل کر دینے چاہئیں۔ اگر آپ کا حاکم یا مالک دفتر ایسا بیہودہ ہے۔ کہ وہ آٹھویں دن بھی آپ کو گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کی رخصت دینے کے لئے تیار نہیں ہے۔ تاکہ آپ جمعہ کی نماز میں شامل ہو جائیں۔ تو آپ کو فوراً اس دفتر یا ملازمت سے قطع تعلق کر لینا چاہئے۔ اس لئے کہ رب العزۃ کے حکم کی تعمیل کسی دنیوی آقا کے حکم کی تعمیل سے زیادہ ضروری ہے۔
اعرابی - مگر یوں ملازمت چھوٹ جانے سے روٹی کیسے ملیگی؟
متکلم - رب العزۃ نے صاف فرما دیا ہے کہ ہم نے انسان کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ رہا روٹی کا سوال۔ اس کا اس نے اپنے کلام پاک میں وعدہ فرمایا ہے کہ:-

• وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا۔ (ھود۔ ع)

زمین پر چلنے والا ایک بھی ایسا وجود نہیں ہے جس کی روٹی کا ذمہ خدا نے اپنے اوپر نہ لے رکھا ہو۔

وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ - فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ - (الذاریٰت ع)

رب العزۃ نے تم سے جو وعدہ کر لیا ہے۔ وہ سب اور تمہاری روٹی خدا کے ہاں موجود ہے۔ آسمان اور زمین کا پرورش کرنے والا اس بات پر گواہ ہے۔ کہ اس کا یہہ وعدہ بالکل سچا ہے۔

اعرافی۔ یہ تو بالکل ٹھیک ہے۔ مگر پھر بھی ملازمت کے چلے جانے سے نقصان ہی ہوگا۔

مسلم۔ مطلقاً نقصان نہیں ہوگا۔ اور روٹی بھی ضرور ملتی رہیگی۔ غور تو کرو۔ فیصدی کتنے انسان ہیں۔ جو ایسے شریر آقاؤں کے ملازم ہوں۔ جو کسی مسلمانکو آٹھویں دن ایک گھنٹہ کی بھی رخصت دینے کے لئے تیار نہ ہوں؟ غالباً وہ ایک فیصدی بھی مشکل سے ملینگے۔ جب رب العزۃ سو میں سے ۹۹ آدمیوں کو ایسے شریر آقاؤں کی ملازمت کے بغیر روٹی دے رہا ہے۔ تو کیا وہ اس ایک انسان کو جو اُسکی رضاجوئی کے لئے کسی ایسے بدبخت آقا کی ملازمت پر لات مار رہا ہو۔ روٹی نہ دیگا؟

اعرافی۔ میں نے اس کو تسلیم کرلیا۔ مگر یہ جو روزمرہ کی نمازیں ہیں۔ ان کیلئے ہر روز دو دو گھنٹے کی رخصت ملنی نہایت مشکل ہے۔ اگر نوکری نہ بھی ہو۔ تو بھی ان کے لئے اپنا کاروبار بند کرکے مسجد میں جانا بہت مشکل ہے۔

مسلم۔ روزمرہ کی عبادت کے لئے رب العزۃ نے اپنے بندوں کو اجازت دی ہے۔ کہ جہاں اور جس وقت اور جتنی دیر اور جس شکل میں چاہیں۔ ادا کریں ملازم اپنے دفتر میں۔ دوکاندار اپنی دوکان پر۔ زمیندار اپنے کھیت میں غرضیکہ ہر ایک انسان اپنی کاروباری جگہ میں یا گھر پر جس شکل و طریقہ میں چاہے رب العزۃ کی عبادت کرسکتا ہے۔ اس میں کوئی مشکل نہیں آسکتی۔

اعرافی۔ واقعی اس صورت میں تو کسی انسان کو رب العزۃ کی نماز پڑھنے یا عبادت کرنے میں ہرگز کوئی مشکل نہیں ہو سکتی۔ مگر کیا اگر کوئی شخص اپنے دفتر میں میز کرسی پر ہی بیٹھا بیٹھا نماز یا عبادت کرنا چاہے؟

مسلم۔ جب انفرادی عبادت یا نماز کے لئے رب العزۃ نے کوئی ترتیب یا خاص طریقہ مخصوص ہی نہیں کیا۔ تو پھر اس میں میز کرسی۔ تخت و فرش کا سوال کرنا ہی فضول ہے۔ تم میز کرسی کہتے ہو۔ اگر خدا کی کوئی نیک بندی ایک ہاتھ سے چکی چلا رہی ہو۔ اور دوسرے ہاتھ سے غلہ ڈال رہی ہو۔ مگر اسی حالت میں وہ رب العزۃ کی عبادت بھی کرتی جائے۔ تو وہ یقیناً اس کو سنیگا۔ اس لئے کہ اس کا ہی فرمان ہے۔ کہ

میرے بندو۔ میرے سامنے نہایت خشوع اور صدق دل سے دعا کرو۔ اور میں سنونگا
اعرابی۔ (ہنسکر) یہ تو آپ اتنی آزادی دے رہے ہیں کہ اگر مولویوں کو اس کا پتہ لگ جائے۔ کہ آپ چکی چلانے والی کے چکی چلاتے چلاتے بھی نماز ادا کرنے کی تعلیم کے قایل ہیں۔ تو وہ یقیناً آپ کو اپنے کفر کے فتووں کی چکی میں پیس ڈالینگے۔
مسلم۔ مولویوں کے فتووں سے نہیں۔ بلکہ ہمیں صرف خدائے وحدہٗ لاشریک کے فتووں سے ڈرنا چاہیئے۔ اور اس پر عمل بھی کرنا چاہیئے۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے۔

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ
یُسَبِّحُ لَهٗ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۰ رِجَالٌ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ
وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءِ الزَّکٰوةِ وَ
یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ۔ (النور۔ ع۵)

رب العزۃ نے اجازت دی ہے۔ کہ گھروں میں اس کے نام کی تقدیس کرو۔ اس کا ذکر کرو۔ اور صبح وشام اس کی حمد وثنا کے گیت گاؤ۔ کسی انسان کو اسکا کاروبار یا اس کی تجارت رب العزۃ کا ذکر اور ہمیشہ اس کی عبادت کرنے اور تزکیہ کی نگہداشت اور اپنے نیک وبد اعمال کی جزا وسزا پانے کے دن کو یاد کرنے سے نہیں روک سکتے۔ وہ ایسا دن ہوگا کہ دل ڈانوا ڈول ہونگے۔ اور آنکھیں پتھرا رہی ہونگی۔
اعرابی۔ واقعی وہ دن بڑا سخت ہوگا۔ خدا ہمیں نیک اعمال کی توفیق دے۔ تاکہ ہم اس دن رب العزۃ کے سامنے اپنی بداعمالیوں کے لیئے شرمسار نہ ہوں۔
مسلم۔ رب العزۃ نے تو کھولکر بتا دیا ہے۔ کہ مسجد میں جاکر چار سجدے کرلینے کو ہی کافی نہ سمجھ لینا۔ بلکہ اپنے گھروں پر اپنے دفتروں میں۔ اپنے کارخانوں اور دوکانوں میں اور اپنے روزمرہ کے کاروبار میں اس کی عبادت کرو۔ اور اس کی حمد وثنا کے گیت گاؤ۔ اعمال بد کے ارتکاب سے ہمیشہ ڈرتے رہو۔ اپنے کاروبار میں خیانت مت کرو۔ اگر ایک شخص زنا کرتا ہے۔ شراب پیتا ہے۔ جھوٹ۔ فریب ٹھگی کرتا ہے۔ اپنے کاروبار میں ہر ایک قسم کی بد دیانتی کرتا ہے۔ اور اس نے اپنے گھر کو بجائے خدا کی حمد وثنا اور عبادت کرنے کے شراب نوشی۔ زنا کاری بدمعاشی۔ حرام کاری اور ہر ایک قسم کے گناہوں کا اڈہ بنا رکھا ہے۔ تو اس کا

رسمی طور پر مسجد میں جاکر دو چار سجدے کر لینا اور لوگوں کی نظروں میں اپنے فرضی زہد و اتقا کی خاک جھونک دینا۔ اس کو رب العزۃ کی گرفت سے نہیں بچا سکیگا۔ پس ضرورت اس امر کی ہے۔ کہ ہر ایک گھر خدا کی حمد و ثنا اور عبادت کے لئے پاک ہو کارخانے۔ دوکان۔ اور مکان میں اس کی عبادت ہو۔ دکاندار کا ایک ہاتھ ترازو کو پکڑے ہوئے ہو اور دوسرا ہاتھ سودا دے رہا ہو مگر وہ اسی حالت میں خدا کی عبادت کرتا ہو زمیندار کا ایک ہاتھ ہل کی ہتھی پر ہو۔ اور دوسرے ہاتھ سے وہ بیلوں کو ہانک رہا ہو۔ مگر وہ اس حالت میں بھی رب العزۃ کی نماز ادا کر رہا ہو۔ اس لئے کہ جب رب العزۃ نے اعلان کر دیا ہے۔ کہ میں نے انسان کو محض اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ تو کوئی وجہ نہیں ہے۔ کہ رب العزۃ کی عبادت کو دن کے دو۔ تین۔ یا چار یا پنج وقتوں میں ہی محدود کر دیا جاوے۔ اور باقی وقت میں وہ رب العزۃ سے بغاوت کرتا رہے۔ حالانکہ اس کی زندگی کا مقصد ہی رب العزۃ نے عبادت بنایا ہے پس اگر وہ اپنے کاروبار میں رب العزۃ کے احکام کے مطابق دیانتداری سے چلے۔ تو اس کا وہ کاروبار بھی خالی از عبادت نہیں سمجھا جاوے گا۔ اور وہ دل بیار دست بکار رہتا ہوا بھی جنت کا مستحق ہے۔ کیونکہ رب العزۃ نے جہنم و جنت کا ڈنکے فیصلہ کر دیا ہے۔ کہ۔

فَاَمَّا مَنْ طَغٰى وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۔ (النٰزعٰت ع ٢)

جس شخص نے رب العزۃ کے احکام کی نافرمانی کی اور دنیا کے مشاغل میں رب العزۃ سے لاپرواہ رہا۔ اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ مگر جس شخص کا یہ ایمان ہے۔ کہ اس نے ایک دن رب العزۃ کے حضور میں حاضر ہونا ہے۔ اور وہ مارے ڈر کے اپنے نفس کو بدکاریوں سے روکتا رہتا ہے۔ بہشت ایسے ہی شخص کی آرامگاہ ہوگی۔ عبادت یا نماز کی غرض و غایت بھی رب العزۃ نے یہی بیان فرمائی ہے۔ کہ وہ انسان کو بدکاریوں اور حرام کاریوں سے روکتی ہے۔ اگر کوئی شخص ریاکارانہ طور پر مسجد میں جاکر چار سجدے تو کر لے

مگر وہ بدکاریوں اور حرام کاریوں سے باز نہ آئے۔ تو ایسے شخص کی ریاکاری کی نماز اس کے منہ پر ماری جاویگی اور وہ جہنم میں دھکیل دیا جاویگا۔ برعکس اس کے اگر ایک شخص نے بظاہر کسی مسجد میں جاکر ایک بھی سجدہ نہیں کیا ہوگا۔ مگر وہ رب العزۃ کے حضور میں کھڑے ہونیکے دن گویا ڈر کے ہر وقت خوف الٰہی سے ترسان و لرزان رہتا ہوا دیانتداری اور نیک کرداری کی زندگی بسر کرتا ہوا فواحشات منکرات سے بچتا ہوا دنیا سے گذر جائیگا۔ تو وہ یقیناً جنت کا حقدار ہوگا۔ اسلئے کہ اس کی دیانتداری اور نیک کرداری سے بسر کردہ ساری زندگی ہی عبادت الٰہی تصور کی جائیگی۔

اعرابی۔ یہ بالکل بجا و درست ہے۔ اب آپ اتنا اور فرما دیجئے کہ رب العزۃ کی عبادت کرتے وقت کسی خاص زبان کو استعمال کرنا چاہیے۔ یا ہر ایک زبان میں اسکی عبادت ہوسکتی ہے؟

مسلم۔ اس بات کا فیصلہ خود رب العزۃ نے ہی کر دیا ہے۔ وہ فرماتا ہے کہ

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ

(ابراھیم ۔ ع)

ہم نے دنیا میں جس رسول کو بھیجا۔ اس کو اس کی قوم کی زبان میں اپنا پیغام دیا تاکہ وہ اپنی قوم کو آسانی سے سمجھا سکے۔ اور رب العزۃ نے قرآن پاک میں اس بات کا بھی فیصلہ کر دیا ہے۔ کہ اس نے ہر ایک قوم کی طرف اپنے رسول اور نبی بھیجے جب رب العزۃ ہر ایک قوم کی آواز کو سنتا اور ان کی زبان کو سمجھتا ہے۔ اور ان کی زبان میں نبی بھیجتا۔ اور ان نبیوں کو ان کی قوم کی ہی زبان میں اپنا پیغام سناتا رہا ہے۔ تو وہ اُن کی دعاؤں کو بھی ہر ایک زبان میں سنتا اور سمجھتا ہے پس جس شخص کو جس زبان میں رب العزۃ کے ہاں دعا کرنی آسان یا مرغوب ہو۔ وہ اسی زبان میں دعا یا عبادت کرسکتا ہے۔ رب العزۃ کا ارشاد ہے۔ کہ وہ اسکو سنیگا۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے کہ:۔

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ

یَرْشُدُوْن۔ (البقرۃ ع۲۳)

اے میرے رسول اگر میرے بندے تجھ سے یہہ سوال کریں کہ ہم اپنے رب کو کیونکر یاد کریں۔ تو تو ان کو بتا دے۔ کہ جس حالت میں بھی میرا بندہ مجھے یاد کرتا ہے۔ میں اس کو فوراً جواب دیتا ہوں۔ پس انکو چاہیے۔ کہ وہ بھی میری آواز یعنے میرے احکام کو سنیں اور ان کو مان کر ان پر عمل کریں۔ تاکہ وہ میری درگاہ میں مقبول ہوں۔

(۲)

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ
كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ
بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ
رَبَّنَا وَاِلَیْكَ الْمَصِیْرُ۔ (البقرۃ ع۴۰)

رسول نے بھی ان احکام کو قبول کیا۔ جو رب العزۃ کی طرف سے اس کو دیے گئے اور مومنین نے بھی ان کو تسلیم کیا۔ ان سب نے اس بات کو تسلیم کیا۔ کہ ہم رب العزۃ پر اس کے فرشتوں پر۔ اس کی کتابوں پر اور اس کے احکام پر ایمان لائے۔ اور ہم رب العزۃ کے احکام میں سے کسی ایک کو بھی نظرانداز نہیں کرتے۔ اور وہ یہہ اقرار کرتے ہیں۔ کہ اے ہمارے مولا کریم! ہم نے تیرے احکام کو سنا اور ہم نے ان کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ اے ہمارے مالک ہمیں فقط تیری ہی نظر رحمت کی ضرورت ہے۔ اور ہم تیری ہی طرف رجوع کرتے ہیں۔

اعرابی۔ آپ نے رُسل کا ترجمہ احکام کیوں کیا؟ رسول کیوں نہیں کیا؟

متکلم۔ اس لئے کہ اس آیت میں رسول خود بھی رب العزۃ کے احکام کی تابعداری کرنے میں دیگر مومنین کے ساتھ شامل ہے۔ مگر رُسل کا ترجمہ "رسولوں" بھی کر دیا جائے تو مضائقہ نہیں اور پھر رسول اور تمام مومنین اس دعا میں بھی شامل ہیں کہ:۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَآ
اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا
مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا

اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ۔ (ع)

اے ہمارے مالک! اگر تیرے احکام کی تعمیل کرتے وقت ہم سے کوئی بھول چوک یا خطا ہو جائے۔ تو تو ہم سے درگذر کر۔ اے ہمارے مالک تو پہلی قوموں کی طرح ہم پر ناقابل برداشت یا ناقابل عمل قوانین کا بوجھ نہ ڈال جس کو ہم اٹھا نہ سکیں۔ تو ہماری خطاؤں کو معاف کر۔ اور ہمیں بخشدے اور ہم پر رحم کر۔ تو ہی ہماری فریادوں کو سننے والا ہے اے ہمارے مالک تو ان لوگوں کے مقابلہ پر جو تیرے احکام سے روگردانی کر رہے ہیں۔ ہماری مدد کر۔ تاکہ وہ تیرے احکام کی تابعداری میں ہمارے لیے خلل انداز نہ ہوں۔

اعرافی۔ کیوں صاحب! اگر اس دعاے مغفرت میں رسول بھی شامل ہے۔ تو کیا رسول سے بھی کوئی خطا یا لغزش ہونی ممکن ہے؟

مسلم۔ پہلے بتایا جاچکا ہے۔ کہ رسول کی ذات میں بشریت اور رسالت دونوں شامل ہیں۔ جہانتک رسالت کا تعلق ہے۔ وہ منزہ عن الخطا و لغزش و سہو و نسیان ہے۔ مگر جہاں اسکی ذات کے بشریت کا تعلق ہے۔ اس سے لغزش کا امکان ہے۔

اعرافی۔ اس کا کیا مطلب؟

مسلم۔ اس کا یہ مطلب ہے۔ کہ جہاں تک اس کی ذات کا تعلق رب العزۃ کے احکام یا وحی الٰہی کے حاصل کرنے سے ہے۔ اس کی ذات ہر ایک قسم کی لغزش۔ خطا۔ سہو و نسیان سے پاک اور بالکل صادق و امین ہے۔ وہ رب العزۃ کی طرف سے جو کچھ بھی احکام پاتا یا اُس کی آواز کو سنتا ہے۔ وہ اس میں کسی قسم کی کمی و بیشی یا خیانت کرنے کے بغیر اس کو جوں کا توں خدا کے بندوں تک پہنچا دیتا ہے۔ اور خود بھی ان احکام ربانی کی تابعداری کرتا ہے۔ وہ اپنی یا کسی دوسرے انسان کی خاطر ان احکام میں ایک حرف یا لفظ تک کی کمی بیشی نہیں کر سکتا۔ وہ بالکل صادق و امین ہوتا ہے۔ فوٹوگراف کے شیشے کی طرح رب العزۃ کی وحی کا اس کے دل پر جو انعکاس ہوتا ہے۔ وہ اس میں ایک شوشہ تک کی بھی کمی بیشی نہیں کر سکتا۔ بلکہ جیسا اور جس قسم کا عکس رب العزۃ اس کے لوح قلب پر ڈالتا ہے بعینہ وہی عکس رسول کا دل قبول کرتا ہے۔ اس انعکاس کے وقت رسول کی اپنی شخصیت یا مرضی یا قوت ارادہ قطعاً

رب العزۃ میں سلب و جذب و محو ہو جاتی ہے۔ یا ایک لفظ میں "نیست" ہو جاتی ہے۔ اس نیستی کے عالم میں رسول کی ذات من کل الوجوہ منزہ من الخطا ہوتی ہے۔ چنانچہ رب العزۃ نے رسول کی اس حالت کا ذکر یوں فرمایا ہے:۔

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی ۝ اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی (النجم۔ ع۱)

احکام الٰہی کے سننے اور سنانے میں رسول کی اپنی مرضی کا کوئی دخل نہیں ہے بلکہ رب العزۃ کی طرف سے جیسا بھی عکس اس کے دل پر ڈالا جاتا ہے ویسا ہی وہ اس کو قبول کرتا ہے۔

فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی ۔ مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی (النجم۔ ع۱)

رب العزۃ نے اپنے بندے یعنے رسول کے دل پر اپنے احکام کا جو بھی عکس ڈالنا تھا ڈال دیا۔ اس کے شیشۂ دل پر رب العزۃ نے جو بھی عکس ڈالا دل نے اس میں کسی قسم کی کوئی کمی بیشی نہ کی۔

اعرابی۔ آمنا وصدقنا۔

متکلم۔ اس انعکاس یا نزول وحی کے بعد جب رسول "نیست" سے "ہست" ہوتا ہے۔ یا اس کی ذات میں رسالت کے ساتھ بشریت بھی شامل ہو جاتی ہے۔ یا اس کی حرکات سکنات میں اس کی اپنی مرضی یا ارادہ کا بھی دخل ہو جاتا ہے۔ تو اس صورت میں اس سے کسی قسم کی لغزش یا بھول چوک کا ہو جانا بعید از امکان نہیں ہوتا مگر حالت "نیستی" میں اس کے شیشۂ دل پر جو انعکاس احکام ربانی کا ہو چکا ہے۔ حالت ہست میں رسول اس میں کسی قسم کی کمی یا بیشی یا تغیر و تبدل نہیں کر سکتا۔ ایسا کرنا اس کی پہنچ سے قطعاً بالاتر یا ناممکن ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی دوسرا مردود ملعون اس میں کسی قسم کی ملاوٹ کرنا چاہے تو رب العزۃ ایسی ملاوٹ کو مٹا ڈالتا ہے۔ چنانچہ رب العزۃ اپنے رسول کو مخاطب کر کے فرماتا ہے:۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ اِلَّا اِذَا تَمَنّٰٓی اَلْقَی الشَّیْطٰنُ فِیْٓ اُمْنِیَّتِہٖ فَیَنْسَخُ اللّٰہُ مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ ثُمَّ یُحْکِمُ اللّٰہُ اٰیٰتِہٖ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ۔ (الحج۔ ع۷)

ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول یا نبی ایسا نہیں بھیجا جس نے رب العزۃ کے کلام کو نہ سنا ہو۔ اور پھر جب کبھی اس کلام میں کسی بد ذات نے گڑبڑ ڈالدی ہو۔ تو یقیناً ایسی شیطانی ملاوٹ کو رب العزۃ نے ہمیشہ مٹا ڈالا ہے۔ اور صرف اپنے ہی کلام کو مستقل محفوظ و مصئون رکھا ہے۔ اس لیئے کہ رب العزۃ کو تو خوب معلوم ہے۔ کہ اس کا اپنا کلام کونسا ہے۔ اسی کی تائید و تصدیق دوسری جگہ یوں کی گئی ہے:۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ۔ (الحجر)

ہم نے جس شکل و صورت میں اپنا کلام نازل کیا ہے۔ ہم اسی شکل و صورت میں اس کو ہمیشہ محفوظ رکھنے والے ہیں۔

اعتراض:- میں نے ایک مولوی صاحب کو یہہ کہتے سنا ہے۔ کہ تفسیروں میں یہ لکھا ہے۔ کہ حضرت رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی بڑی تمنا تھی۔ کہ کسی طرح مشرکین اسلام کو قبول کرلیں۔ مگر وہ شریر و سرکش ہمیشہ نبی کریم کی مخالفت کیا کرتے اور اور ان کو مفتری کہا کرتے تھے۔ ایک دفعہ جب رسول کریم ایک مجمع عام میں قرآن پاک کی سورہ النجم پر وعظ فرما رہے تھے تو بہت سے مشرک بھی جمع ہوگئے۔ رسول پاک نے مشرکوں کے دیوی دیوتاؤں کے متعلق یہ آیات پڑھیں:۔

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى۔ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى۔

تو رسول پاک کی زبان سے یہہ کلمات بھی نکل گئے۔

تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى۔ وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى۔

یعنے کیا تم ان دیویوں کو جو لات۔ عزےٰ۔ اور مناۃ کے نام سے پوجی جاتی ہیں دیکھتے نہیں ہو۔ خوب یاد رکھو۔ کہ یہہ صراحی دار گردن والی خوبصورت دیویاں یقیناً خدا کے پاس تمہاری شفاعت کرینگی۔ جب کفار و مشرکین نے حضرت رسول کریم کی زبان سے اپنی دیویوں کی یہہ تعریف سنی تو وہ از حد خوش ہوئے اور انہوں نے اسی وقت مسلمانوں کے ساتھ مل کر سجدہ کرلیا۔ بعد میں جب رسول

پاک کو اپنی غلطی کا علم ہوا۔ تو وہ بہت غمگین ہوئے۔ اس پر اللہ تعالےٰ نے آیت نازل فرمائی۔ کہ تم اپنی غلطی پر کیوں غمگین ہوتے ہو۔ ایسی غلطی پہلے رسولوں سے بھی سرزد ہوئی تھی۔ اس پر اللہ تعالےٰ نے تلک الغرانیق العلی والی آیت قرآن مجید میں سے منسوخ التلاوۃ یا مرفوع التلاوہ کر دی۔

مسلم۔ جس مولوی سے تم نے یہہ قصہ سنا ہے۔ بہتر ہے۔ کہ اس قصے کو اس کے منہہ پر دے مارو۔ اس لئے کہ یہہ محض بکواس ہے۔

اعرافی۔ کیوں صاحب! اُس کے منہہ پر کیوں دے ماروں۔ میں تو دیکھتا ہوں۔ کہ ہمارے اکثر علماء کا اب بھی یہی عقیدہ ہے۔ کہ قرآن مجید کی بعض آیات منسوخ التلاوۃ ہیں۔ اور بعض منسوخ الحکم۔

مسلم۔ اس کا کیا مطلب؟

اعرافی۔ وہ اس کا یہہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ جو آیات منسوخ التلاوۃ ہیں وہ قرآن مجید میں ہی موجود نہیں ہیں۔ مگر ان کا نزول ہوا تھا لیکن جو منسوخ الحکم ہیں۔ وہ گو قرآن مجید میں موجود ہیں۔ لیکن وہ متروک العمل ہیں۔

مسلم۔ میاں اعرافی! جن لوگوں کا قرآن مجید کے متعلق یہ عقیدہ ہو۔ ان کو عالم کہنا ہی غلطی ہے۔ وہ عالم نہیں بلکہ اجہل الناس ہیں۔ ایسے کسی احمق کی بات کو مت سنو۔ اس لئے کہ رب العزۃ کے نزدیک عالم وہ نہیں ہے۔ جس نے بہت سی کتابوں کا بوجھ اٹھا رکھا ہو۔ بلکہ عالم وہ ہے۔ جو رب العزۃ کے احکام کی قولاً و فعلاً تابعداری کرتا ہو۔ ورنہ ایسے لوگوں کے متعلق جو اپنی گردن پر کتابوں کا بوجھ لادے پھرتے ہوں۔ اور قرآن پاک کی آیات کو منسوخ التلاوۃ یا متروک العمل کہہ رہے ہوں۔ رب العزۃ نے فیصلہ کر دیا ہے۔ کہ۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۔ (الجمعۃ)

جن لوگوں کی ہدایت کے لئے توراۃ نازل کی گئی۔ مگر انہوں نے اس کے احکام

پر عمل نہ کیا۔ ان کا تورات کو اُٹھائے پھرنا ایسا ہی ہے۔ جیسے گدھے پر کتابوں کا بوجھ لاد دیا۔ ایسے لوگوں کی یہ حالت بدترین طور پر قابل افسوس ہے محض اس لئے کہ وہ جان بوجھکر اپنے قول و فعل سے احکام ربانی کی تکذیب کرتے ہیں۔ رب العزۃ ایسے پڑھے لکھے جاہلوں کو صراط مستقیم دکھائے تو کیونکر؟ صرف یہی نہیں بلکہ ایسے لوگوں کے متعلق جو رب العزۃ کے احکام کو منسوخ التلاوۃ یا متروک العمل مانتے ہوں۔ دوسری جگہ رب العزۃ یوں فرماتا ہے :۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَٰكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ذَٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ۔ (الاعراف ع ۲۲)

ذرا ان لوگوں کو اس شخص کا حال سنا دو۔ کہ جس کے پاس ہمارے احکام پہنچے۔ مگر اس شخص نے ان احکام کی تعمیل کو پرے پھینک دیا۔ اور وہ شیطان کے پیچھے میں پھنسکر گمراہ ہو گیا۔ اگر ہم چاہیں۔ تو اس شخص کو اس کی گمراہی سے نکال لیں۔ مگر مشکل تو یہ ہے۔ کہ وہ شخص بدترین قسم کا دنیا پرست بن گیا۔ اور اس نے اپنی خواہشات رذیلہ اور خواہشات فاسدہ کو ہی اپنا خدا بنا لیا پس اس شخص کی مثال جو کسی آسمانی کتاب کے بوجھ کو گردن پر اُٹھائے پھرتا ہو۔ مگر اُس کے احکام پر عمل نہ کرتا ہو۔ ایسی ہی ہے۔ جیسے ایک کتا۔ کتے پر بوجھ لاد دو تو وہ زبان باہر نکالیگا۔ اگر نہ لادو۔ تو بھی وہ یوں ہی زبان باہر نکالے رکھیگا بعینہ یہی حالت ان لوگوں کی ہے۔ جو ہمارے احکام کی تکذیب کرتے ہیں۔ ذرا ان لوگوں کو اس قسم کی تمثیلوں سے سمجھاؤ۔ شاید وہ اپنی غلطی پر غور و فکر کر کے اس کی اصلاح کر لیں۔

میاں اعرابی! تم نے سن لیا۔ کہ رب العزۃ نے ایسے لوگوں کے متعلق جو رب العزۃ کے کلام کی کسی آیت یا حکم کی تکذیب کرتے ہوں۔ کیا فرمایا ہے؟

کس قدر افسوس کی بات ہے۔ کہ رب العزۃ تو یہ فرمائے۔ کہ ہم نے جو کچھ اپنے نبی یا رسول پر نازل کیا ہے۔ ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اور کہ ہماری نازل کردہ آیات میں کوئی شیطان یا بد ذات ذراسی بھی گڑبڑ ڈالنا چاہے۔ تو ہم اس قسم کی ذراسی گڑبڑ کو بھی فوراً مٹا ڈالتے ہیں۔ چہ جائے کہ کوئی شخص یہ بکواس کرے۔ کہ قرآن پاک کی آیتوں کی آیتیں ہی منسوخ التلاوۃ یا متروک العمل ہوگئی ہیں۔ اور پھر ایسا بکواس کرنے والا شخص عالم دین بھی کہلائے؟ خوب یاد رکھو۔ کہ ایسے لوگوں کو رب العزۃ نے قرآن پاک میں عالم نہیں۔ بلکہ حمارا ور کلب سے تشبیہہ دی ہے۔ اور ان کو بدترین مخلوق کہا ہے۔ اس لئے کہ وہ رب العزۃ کی آیات کی اپنے قول و فعل سے تکذیب کرتے ہیں محض اس لئے کہ وہ بدترین دنیا پرست ہیں۔

اعرابی۔ جزاک اللہ۔ میرے شبہ کا آپ نے کما حقہ ازالہ فرما دیا۔ میں اب ایسے بیہودہ لوگوں کی باتوں کو ہرگز نہیں سنونگا۔

مسلم۔ خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا۔ بیان تو عبادت الٰہی یا نماز کا ہو رہا تھا۔ کہ رب العزۃ کے حضور ہمیں کس قسم کی دعا کرنی چاہیئے۔ چنانچہ رب العزۃ ہمیں اس قسم کی دعا مانگنے کی تعلیم دیتا ہے۔

(نہم)

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ (البقرۃ۔ ع ۲۵)

اے ہمارے مالک! تو ہمیں دنیا میں نیک اعمال کی توفیق دے۔ اور آخرۃ میں ہمیں اپنے قرب سے بہرہ اندوز کر۔ اور ہمیں اپنی مفارقت کی جلن سے بچا۔

(۵)

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۔ (ع ۲)

اے ہمارے مالک! تو دنیا کی مصائب کو برداشت کرنے کے لئے ہمیں

حوصلہ دے۔ اور ہمارے قدموں میں مضبوطی دے۔ اور ان لوگوں کے مقابلہ پر جو تیرے احکام کی بجاآوری سے پہلوتہی کرتے ہیں۔ ہماری مدد کر۔ تاکہ ہم تیرے احکام کی بلاخوف وخطر تعمیل کرسکیں۔

(۶)

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (آل عمران ع)

اے ہمارے مالک! اب جبکہ ایک دفعہ ہمیں تیرے احکام کا پتہ لگ گیا۔ تو تو ایسی مہربانی کر۔ کہ ہمارے دل تیرے احکام کی بجاآوری سے گریز نہ کرنے پائیں۔ اے ہمارے مالک تو ہم پر اپنی برکات کا دروازہ کھولدے اس لئے کہ ہمارے لیے تجھ سے بڑھکر کوئی داتا نہیں ہے۔

(۷)

رَبَّنَا اِنَّنَا اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ (آل عمران۔ ع)

اے ہمارے مالک! ہم تیرے تمام احکام کو تسلیم کرتے ہیں۔ تیرے احکام کی تعمیل میں اگر ہم سے کوئی کوتاہی ہوجائے۔ تو ہماری ایسی لغزشوں سے درگذر کر اور ہمیں اپنی بھومری کی جلن سے محفوظ رکھ۔

(۸)

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ۔ (آل عمران ع)

اے ہمارے مالک! تیرے احکام کی تعمیل میں ہم سے جو فروگذاشتیں ہوجائیں یا جن امور میں ہم حد اعتدال سے تجاوز کرجائیں۔ ہماری ایسی تمام افراط و تفریط پر چشم پوشی کر۔ اور ہمیں توفیق دے۔ کہ ہم آئندہ تیرے احکام پر اپنے قدموں کو مضبوطی سے قایم کریں۔ اور اس قوم کے مقابلہ پر جو تیرے احکام کی تعمیل سے پہلوتہی کرتی ہے۔ ہماری مدد کر۔

(۹)

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔ (الاعراف ع۲)

اے ہمارے مالک! تیرے احکام کی خلاف ورزی سے ہمارے دل تاریک ہو چکے ہیں۔ اگر تو ہمارے دلوں پر سے تاریکی کے ان بادلوں کو دور نہیں کریگا اور تو ہمیں نیکی کی توفیق سے بہرہ اندوز نہیں کرے گا۔ تو ہم یقیناً تباہ و برباد ہو جائیں گے۔

(۱۰)

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔ (الاعراف ع۵)

اے ہمارے مالک! تو ہمیں ان لوگوں جیسا نہ بنا۔ جن کے دل تیری نافرمانی کی پاداش میں تاریک ہو چکے ہیں۔

(۱۱)

رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ۔ (الاعراف ع۱۴)

اے ہمارے مالک! تو ہمیں زیادہ سے زیادہ توفیق دے۔ کہ ہم تیرے احکام کی بجا آوری میں ہر ایک مصیبت میں ثابت قدم رہتے ہوئے آخری دم تک تیرے لئے وفادار رہیں۔

(۱۲)

لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ

(اعراف۔ ع۱۸)

اے ہمارے مالک! اگر تو ہم پر نظر الطاف نہیں کریگا۔ اور ہماری لغزشوں سے درگذر نہیں کریگا۔ تو ہم یقیناً تباہ و برباد ہو جائینگے۔

(۱۳)

وَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ

(الاعراف ع۱۸)

اے میرے مالک! تو نے مجھے اپنی نظر عنایت سے محروم کرکے میرے دشمنوں کو مجھ پر ہنسی کا موقع نہ دینا۔ اور مجھے ان لوگوں جیسا نہ بنا دینا۔ جو تیرے احکام کی

خلاف ورزی سے تاریکی میں ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔

(۱۴)

اَنْتَ وَلِیُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الْغَافِرِیْنَ ۔ اعراف ۱۹ع

اے ہمارے مالک! تو ہی ہماری پشت پناہ ہے۔ تو ہماری لغزشوں سے درگذر کر۔ اور ہم پر اپنی رحمت کے بازو پھیلا۔ کیونکہ تجھ سے بڑھکر دوسرا کوئی بخشش کرنیوالا نہیں ہے۔

(۱۵)

وَاکْتُبْ لَنَا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَا اِلَیْكَ ۔ ۱۹ع

اے ہمارے مالک! ہم تو اب تیرے ہی دروازہ پر آن پڑے ہیں۔ دنیا و آخرۃ میں تو نے ہمیں جن نعمتوں سے مالا مال کرنا ہے۔ وہ سب ہمیں عطا فرما۔

(۱۶)

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ

تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ (یوسف ۱۱ع)

اے آسمان اور زمین کے بنانے والے! دنیا اور آخرۃ میں تیرے سوا میرا کوئی دوسرا یار و مددگار نہیں۔ تو مجھے توفیق دے۔ کہ میں آخری دم تک تیرا فرمانبردار رہوں۔ اور تو مجھے اپنے پاکباز بندوں میں شامل کر۔

(۱۷)

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ وَاحْلُلْ

عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ ۔ (طٰہٰ ۲ع)

اے میرے مالک! تو اپنی نور معرفت سے میرے دل کو منور کر دے۔ اور میرے مشن کی تکمیل کو آسان بنا دے۔ اور میری زبان کو ایسا فصیح و شیریں بنا۔ کہ جب میں تیرے کلام کو تیرے بندوں تک پہنچاؤں۔ تو وہ اچھی طرح ان کے دل میں پیوست ہو جائے۔

(۱۸)

رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ رَبَّنَا

وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ - (ابراھیم - ع)

اے میرے مالک! تو مجھے توفیق دے - کہ میں ہمیشہ تیری عبادت کرتا رہوں اور میری اولاد بھی تیری پرستار رہے - اے میرے مالک! تو میری اس دعا کو قبول کر۔

(۱۹)

رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ - (ابراھیم - ع)

اے میرے مالک! اعمال کی سزا و جزا کے دن میری - میرے والدین اور جملہ مومنین کی لغزشوں پر چشم پوشی کیجیو۔

(۲۰)

رَبِّ أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَأَخْرِجْنِي مُخْرَجَ صِدْقٍ وَاجْعَلْ لِي مِنْ لَدُنْكَ سُلْطَانًا نَصِيرًا - (بنی اسرائیل ع)

اے میرے مالک! تو مجھے بطور صادق کے موت کی گھاٹی میں داخل کر۔ اور بطور صادق کے اس میں سے گذار کر اپنی نزدیکی سے بہرہ اندوز کر کے فائز المرام کر۔

(۲۱)

رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَى وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ

(الاحقاف - ع)

اے میرے مالک تو مجھے توفیق دے - کہ میں اس احسان کے لئے جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کیا ہے - تیرا شکریہ ادا کروں - اور تو مجھے توفیق دے کہ میں ایسے نیک کام کروں جو تیری رضامندی کا باعث ہوں - اور تو میری اولاد کو بھی توفیق دے - کہ وہ بھی نیک کام کریں - اے میرے مالک! میں نے تو اب تیرا ہی دامن پکڑ لیا ہے - اور میں تیرے احکام کی تعمیل کرنے والوں میں سے ہوں *

(۲۲)

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۔ (الحشر ۔ ع۱)

اے ہمارے مالک! تو ہمیں اور ہمارے بھائیوں کو جو ایمان لانے میں ہم سے بھی پہلے تھے بخش دے۔ اور تو ہمارے دلوں میں کسی مومن کے برخلاف کسی قسم کی رنجش نہ رہنے دے اے ہمارے مالک تو یقیناً ہم پر نرمی اور مہربانی کرنے والا ہے۔

(۲۳)

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۔ (نوح ع)

اے میرے مالک! تو مجھے۔ اور میرے والدین کو اور ہر ایک ایسے شخص کو جو تجھ پر ایمان رکھتا ہوا میرے گھر میں آئے۔ اور تمام مومن مردوں۔ اور مومن عورتوں کو بخش دے۔

(۲۴)

رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔ (التحریم ۔ ع)

اے ہمارے مالک! تو اپنے نور کا جلوہ کامل طور پر ہمارے دلوں پر ڈال دے اور ہمیں کلی طور پر اپنے سایۂ عاطفت میں لے لے۔ اے ہمارے مالک! تیرے لئے کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ اس لئے کہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔

اعرابی۔ قرآن پاک کی یہ دعائیں تو فی الحقیقت نہایت رقت پیدا کرنیوالی اور پُراثر ہیں مگر کیا وجہ ہے۔ کہ مسجدوں میں جو نماز پڑھی جاتی ہے۔ اس سے قلب پر اس قسم کا اثر نہیں ہوتا؟

مسلم۔ مسجدوں میں جو نماز ادا کی جاتی ہے۔ اس کی ترتیب و تراش میں بہت کچھ انسانی ہاتھ نے کام کیا ہے۔ جبکہ وہ نماز جس کی تعلیم رب العزۃ نے دی ہے

وہ انسانی دست اندازی سے قطعاً محفوظ ہے۔ اسی لئے اس میں تاثیر اور رقت ہے۔

اعرابی۔ اس کا کیا مطلب؟

متکلم۔ اس کا یہہ مطلب ہے کہ اپنے محبوب سے خلوت میں ملاقات کرکے جو لطف آتا ہے۔ وہ سب کے سامنے ملنے جلنے سے نہیں آسکتا۔ کیونکہ عام ملاقات محض رسمی ہوتی ہے۔

اعرابی۔ تو کیا مسجدوں کی نماز محض رسمی ہے؟

متکلم۔ ہاں وہ محض رسمی نماز ہے۔ اس کی ترتیب محض فوجی ہے جبکہ رب العزۃ نے اپنی عبادت کو اس قسم کی رسمیات یا ترتیب کی قید و بند سے بالکل آزاد و پاک رکھا ہے +

اعرابی۔ اس کا کیا مطلب؟

متکلم۔ قرآن پاک نے رب العزۃ کی عبادت کے متعلق جو آزادی دی ہے۔ وہ آپ نے سن لی۔ اب اس کے مقابلہ پر اس رسمی نماز کو بھی دیکھو جو مسجدوں میں پڑھی جاتی ہے۔ اور جس میں ذرا ذرا سے اختلاف پر مسجدوں میں ڈنڈے چلتے۔ ومے ٹوٹتے اور سر پھوٹتے ہیں۔ اور جس کا آپ کو اچھی طرح تجربہ ہو چکا ہے۔ یہہ رسمی نماز عبادت کی نسبت فوجی قواعد سے زیادہ نزدیک ہے۔

اعرابی۔ مگر انسان کو فوجی قواعد کی بھی تو ضرورت ہے۔

متکلم۔ بے شک ضرورت تو کیا بلکہ سخت ضرورت ہے۔ ساڑھے تیرہ سو سال ہونے کو آئے۔ مگر آجتک دنیا کی کوئی طاقتور سے طاقتور اور متمدن سے متمدن سلطنت بھی اپنی فوجوں کے لئے اس فوجی قواعد سے بہتر اور زود اثر قواعد تو کیا اس کا عشر عشیر بھی مرتب نہ کرسکی۔ سپاہیوں کو پریڈ میں جمع کرنے کے لئے مختلف گھنٹے گھڑیال جھانج۔ اور سنکھ۔ بگل۔ اور نقارہ ایجاد کئے گئے۔ مگر اسلامی دماغ نے اللہ اکبر کی اذان کا ایسا بگل ایجاد کیا۔ کہ جہاں وہ بجا۔ کفار اور مشرکین کے بتخانوں کی افواج الاصنام میں لرزہ پڑگیا۔ اور دہشت چھاگئی۔ ان کے جھانج سنکھ گھنٹے۔ گھڑیال ہر سال ٹوٹتے اور مرمت ہوتے ہیں۔ مگر یہہ اسلامی بگل ساڑھے تیرہ سو سال سے جوں کا توں چلا آتا ہے۔ نہ یہہ ٹوٹا۔ نہ مرمت طلب ہوا۔

مسلم دماغ نے اس کو پہلے ہی دن جیسا تراشا خراشا تھا۔ ویسا ہی وہ اب تک چلا آتا ہے۔ ذرا غور تو کرو۔ کہ جب اس رسمی نماز یا جنگی قواعد کے بگل کی جو مسجدوں میں ادا کی جاتی ہے۔ یہ عظمت اور خوبی ہے۔ تو پھر اس حقیقی عبادت کی شان و عظمت کا جس کا رب العزۃ نے اپنے کلام میں ذکر کیا ہے۔ کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ اعرابی اگر آپ اس حقیقی عبادت کا مزہ لینا چاہتے ہیں۔ تو پہلے سجدوں کی جنگی قواعد کا بھی مزہ لیجئے۔

اعرابی۔ وہ تو میں لے چکا ہوں۔ اور میری پسلیاں ابھی تک درد کر رہی ہیں۔

مسلم۔ کچھ مضائقہ نہیں۔ ٹھنڈے پانی کا گلاس اسی شخص کو لطف دیتا ہے۔ جو دھوپ میں جلتا بھنتا آیا ہو۔ جس شخص نے پہلے مسجدوں میں جا کر پسلیاں نہیں تڑوائیں۔ ان کو رب العزۃ کی خالص اور حقیقی عبادت کی عظمت کا کیا پتہ لگ سکتا ہے۔ دو خداؤں کے ماننے والے یا تین کو ایک اور ایک کو تین کرنے والے یا ۳۳ کروڑ دیوتاؤں کے ماننے والے جب اس فوجی قواعد میں آکر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ تو پھر ان کے سامنے نہ دو رہتے ہیں۔ نہ تین۔ نہ ۳۳ کروڑ بلکہ ایک ہی رہ جاتا ہے +

اعرابی۔ یعنے امام صاحب؟

مسلم۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ رب العزۃ۔

اعرابی۔ تو پھر یہہ جو نماز پڑھنے سے پہلے کہا جاتا ہے۔ چار رکعت۔ نماز۔ فرض۔ فرض واسطے اللہ تعالیٰ کے۔ منہ طرف کعبہ شریف کی۔ پیچھے اس امام کے۔ اللہ اکبر۔ یہہ قرآن مجید کی کونسی آیت کا ترجمہ ہے۔

مسلم۔ یہ قرآن مجید کی کسی آیت کا ترجمہ نہیں ہے۔ رب العزۃ نے تو یہی حکم دیا ہے کہ اے میرے بندے تو دو۔ تین یا ۳۳ کروڑ معبودوں سے بیزاری کا اظہار کر کے اپنا اعلان کرتے کہ:۔

اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔ (انعام ۹ع)

میں نے تو اپنا منہ صرف اس ایک ہی رب العزۃ کی طرف کر لیا ہے جو آسمان و

زمین کا بنانے والا ہے۔ میں تو اب اس کے ساتھ قولاً و فعلاً کسی دوسرے کو شریک ٹھہرانے والوں میں سے ہرگز نہیں ہوں۔

اعرابی۔ اس میں تو نہ رکعتوں کی تعداد۔ نہ فرض۔ نہ امام کا ذکر۔ نہ کعبہ شریف کا +

مسلم۔ ہرگز نہیں۔

اعرابی۔ تو پھر یہہ امام صاحب کو یوں ہی لیڈر بحبس بنایا جاتا ہے؟

مسلم۔ نہیں نہیں۔ امام صاحب کو لیڈر بحبس مت کہیئے۔ کیونکہ وہ اس جنگی قواعد میں کمانڈر اعظم ہے۔ کمانڈر کے بغیر کسی چھوٹی سے چھوٹی فوج کا بھی نظام قایم رکھنا مشکل ہے۔

اعرابی۔ کیوں صاحب جنگی قواعد کیوں؟ کیا سامنے کہیں غنیم کا لشکر ہوتا ہے؟

مسلم۔ ہاں غنیم کا ہی لشکر ہوتا ہے۔

اعرابی۔ وہ کیسے؟

مسلم۔ ایک طرف تو دو خداؤں کے ماننے والوں کی فوج۔ دوسری طرف تین خدا کے ماننے والوں کا دل بادل۔ تیسری طرف ۳۳ کروڑ معبودوں کی قطار۔ چوتھی طرف وہ جو یہہ کہتے ہیں کہ خدا ہے ہی نہیں۔ اس قدر فاسد عقائد رکھنے والوں کا مقابلہ کرنے کے لئے زبردست اسلامی فوج اور بہترین کمانڈر کی ضرورت ہے۔ مگر شرط یہہ ہے۔ کہ اِمَامُکُم خَیْرُکُم یعنے امام یا کمانڈر لشکریوں میں سب سے اعلےٰ ہو۔

اعرابی۔ میں آپ کی بات کا قایل نہیں ہوں۔ اس لئے کہ یہہ تجربہ مشاہدہ اور واقعات کے خلاف ہے۔

مسلم۔ وہ کیونکر؟

اعرابی۔ اس لئے کہ آجکل امام وہ ہوتا ہے۔ جو لشکریوں میں سب سے نکما ہو۔ اول تو ضروری ہے کہ وہ اندھا ہو۔ خیر اگر اندھا امام نہ مل سکے۔ تو ایسا ضرور ہو جو کسی جگہ کام کاج کرکے روٹی کما کھانے کے قطعی ناقابل ہو۔ بلکہ وہ مسجد کے ٹکڑوں پر ہی پیٹ پالے۔ دوسرے وہ مرغ بادنما ہو۔ یعنے جس طرف سے اس کو مرغن

روٹی کی بو آئے۔ اسی طرف اپنے فتوے کا منہ پھیر دے۔ چوتھے وہ محض فونوگراف کا ریکارڈ ہو۔ جو دقیانوسی خیالات کے اشعار اردو۔ فارسی۔ پنجابی یا عربی میں کسی نے خطبہ کے نام سے کسی وقت بنا دیئے تھے۔ وہ جمعہ کے دن ان ہی اشعار کا اعادہ کر چھوڑتا ہو۔ پانچویں وہ لٹھ باز یا "لوٹے بھن" ہو۔ یعنے اگر اس کی مسجد میں کوئی فروعی یا جزوی اختلاف رکھنے والا مسلمان آ جائے تو وہ لوٹوں سے اسکی مرمت کر دے۔ چھٹے وہ "نڑی مار" یعنے حقہ باز ہو۔ تاکہ اس کے حجرہ میں نماز سے پہلے اور پیچھے حقہ بازوں کو ذرا دم کشی کا شغل ملجایا کرے۔ جاکر دیکھ لو۔ تمام مساجد اسی قسم کے اماموں سے معمور ہیں۔ اسی لئے تو میں کہتا ہوں۔ کہ اما مکہ خیر کم تجربہ اور مشاہدہ اور واقعات کے برخلاف ہے۔

مسلم۔ میاں تم سچ کہتے ہو۔ اگر ہماری مسجدوں کے امام ایسے ذلیل لوگ نہ ہوتے تو آج مسلمانوں کی یہ زبون حالت نہ ہوتی جب فوج کے کمانداروں کی یہ حالت ہو تو فوج کی جو بھی ذلت ہو۔ وہ کم ہے۔ اسی لئے تو میں کہتا ہوں کہ مسجدوں میں آجکل جو نماز ہوتی ہے جیسے وہ رسمی ہے۔ ویسے ہی یہ امام بھی محض رسم کے طور پر رکھے جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ ایسا ذمہ داری کا کام ہے۔ جس کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تا دم زیست اپنے ہاتھ میں رکھا۔

اعرافی۔ تو پھر ہمیں ایسی رسمی نماز کی کیا ضرورت ہے؟

مسلم۔ ضرورت ہے۔ اور سخت ضرورت ہے۔ اس لئے نہیں کہ وہ عبادت ہے بلکہ اس لئے کہ وہ مجلسی نظام یا سوشل سروس ہے۔ وہ ہمارے اندر کفر و شرک کی افواج کے برخلاف جنگی سپرٹ اور فوجی قواعد کے قائم رکھنے کا بہترین ذریعہ ہے اور وہ مذہبی شکل میں اعلیٰ قسم کی روحانی۔ ذہنی اور جسمانی ورزش ہے۔

اعرافی۔ شاید تب ہی مسجدوں کے ملاں لوگ اتنے مضبوط اور لٹھ باز ہوتے ہیں اور اسی لئے وہ پیٹو بھی ہوتے ہیں۔ مرغن سے مرغن زردہ۔ پلاؤ کھاتے ہیں مگر سب ہضم۔ یہاں سوڈا واٹر۔ سلیمانی نمک اور چورن کی پڑیاں کھا کھا کر روٹی ہضم کرنی پڑتی ہے۔

مسلم۔ میاں تم نے تو بہت اچھا نتیجہ نکالا۔ واقعی اگر مسلمان مسجدوں میں چار پانچ

وقت باقاعدہ نماز پڑھنے لگ جائیں۔ اگر اور کچھ نہیں تو انکو کھانا ہضم کرنے کے لئے نہ سوڈا واٹر کی بوتلوں کی ضرورت پڑے۔ نہ نمک سلیمانی کی پڑیوں کی حاجت۔ کیا یہ کچھ تھوڑا سا فائدہ ہے۔

اعرافی۔ جناب میں آج سے وعدہ کرتا ہوں۔ کہ میں ہر روز نماز پڑھا کروں گا تاکہ میری صحت ٹھیک ہو جائے۔

مسلم۔ روحانی۔ ذہنی۔ جسمانی غرضیکہ جس قسم کی صحت کی درستی کی نیت سے نماز پڑھو گے۔ تم اس میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ اس لئے کہ الاعمال بالنیات۔

اعرافی۔ آمنا و صدقنا۔ اچھا تو مجھے اجازت دیجئے۔ پہلے میں مسجد میں جاکر نماز پڑھ آؤں۔

مسلم۔ جائیے۔ مگر دیکھنا کسی سے دنگہ فساد نہ کرنا۔ اور نماز پڑھکر جلدی واپس لوٹ آنا۔

اعرافی۔ آپ اطمینان فرمائیں۔ میں کسی سے دنگہ فساد تو ایک طرف کسی قسم کی چھیڑ چھاڑ بھی نہیں کرونگا۔ اور میں جلدی ہی حاضر خدمت ہو جاؤنگا۔

مسلم۔ اچھا! خدا حافظ!

نویں فصل

دنگل

اعرافی۔ السلام علیکم!

مسلم۔ وعلیکم السلام! کہیئے آج تو مسجد میں کوئی دنگہ فساد نہیں ہوا تھا؟

اعرافی۔ جناب ہوا۔ اور خوب ہوا۔

مسلم۔ آپ کے ساتھ یا کسی اور کے ساتھ؟

اعرافی۔ میرے ساتھ تو نہیں۔ بلکہ دو ملنٹے آپس میں اُلجھ پڑے۔
مسلم۔ خالی اُلجھے ہی تھے۔ یا دھینگا مشتی بھی ہوئے؟
اعرافی۔ پہلے تو اُلجھے۔ پھر کچھ سلجھے۔ مگر بعد میں ایسے ٹکرم ٹکر ہوئے جیسے شاہجہان آباد کے شاہی زمانہ کے مینڈھے۔
مسلم۔ مگر آپ نے ان کو الگ الگ نہ کر دیا؟
اعرافی۔ چونکہ اس الگ الگ کرنے کا مزہ مجھے پہلے مل چکا تھا۔ اس لیے میں نے اب کی دفعہ اس جھگڑے میں دخل دینا پسند نہ کیا۔
مسلم۔ تو کیا مسجد کے دوسرے نمازی بھی خاموش رہے؟
اعرافی۔ سب خاموش رہے۔
مسلم۔ وہ کیوں؟
اعرافی۔ وہ کہتے تھے۔ کہ یہہ عالموں کی لڑائی ہے۔ ہمیں اس میں دخل نہیں دینا چاہیے۔ خدا معلوم کون راستی پر ہے۔ اور کون غلطی پر؟
مسلم۔ تو جھگڑا کس بات پر ہوا تھا؟
اعرافی۔ جھگڑا اس بات پر ہوا۔ کہ امام کے پیچھے قراۃ کرنی چاہیے یا نہیں۔
مسلم۔ تو پھر کیا فیصلہ ہوا؟
اعرافی۔ موٹے میاں تو یہہ کہتے تھے کہ قراۃ خلف امام عین فرض ہے۔ مگر چھوٹے میاں بولے۔ کہ یہہ سخت گناہ ہے۔
مسلم۔ دونوں کے دلائل کیا تھے؟
اعرافی۔ موٹے میاں تو یہہ دلیل دیتے تھے۔ کہ قراۃ خلف امام قانون قدرت کے مطابق ہے۔ اور کہ دنیا بھر میں جدھر دیکھو۔ اُدھر ہی قراۃ خلف امام کا ثبوت ملتا ہے +
مسلم۔ مگر کیا موٹے میاں نے کوئی ثبوت دیا بھی؟
اعرافی۔ ہاں صاحب دیا۔ اور بڑے زور سے دیا۔
مسلم۔ اچھا ذرا سناؤ تو!
اعرافی۔ موٹے میاں فرمانے لگے۔ کہ چونکہ اسلام فطرتی مذہب ہے۔ اس کی کوئی

بات قانونِ قدرت کے برخلاف نہیں ہے۔ چنانچہ قرآۃ خلف امام بھی عین فطرت کے مطابق ہے۔ اور دنیا بھر میں اس کا ثبوت ملتا ہے۔ دیکھو۔ ذرا رات کے وقت کان لگا کر سنو! جنگل میں ایک گیدڑ آواز نکالتا ہے۔ اس کے ساتھ باقی تمام جنگل کے گیدڑ اسی وقت چیخنے چلانے لگتے ہیں۔ گویا وہ سالہے کے سارے اپنے امام کی آواز میں آواز بلند کرتے ہیں۔ ذرا اپنے گھروں میں دیکھو۔ جب کسی اڑوسی پڑوسی کے کوئی مرجاتا ہے تو سیاپہ کی نین آتی ہے۔ جس طرح وہ بولتی جاتی ہے۔ سب عورتیں اسی طرح آواز نکالتی ہیں۔ یہہ قرآۃ خلف امام کا ایسا زبردست ثبوت ہے۔ جو اکثر ہم اپنے گھروں میں ہی دیکھتے رہتے ہیں۔ اور دیکھو۔ منڈیر پر بیٹھ کر ایک کوا ذرا کائیں کائیں کرتا ہو۔ تمام کوے اس کی تقلید کرتے ہیں۔ یہ بھی ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کسی جنگل میں بہت سے گدھے چر رہے ہوں۔ ان میں سے ایک گدھا ہینگنے لگتا ہے۔ باقی جتنے گدھے ہوں۔ فوراً ہینگنا شروع کر دیتے ہیں۔ جوہڑ میں ایک مینڈک ٹراتا ہے۔ باقی سب بھی اسی طرح ٹرانے لگتے ہیں۔ محلہ میں رات کے وقت ایک کتا رونے لگتا ہے سب رونا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ روزمرہ کے واقعات اور مشاہدات ہیں۔ اسی پر بس نہیں۔ بلکہ کائنات میں جدھر نظر اٹھاؤ۔ اور کان لگاؤ۔ قرآۃ خلف امام کی بیشمار مثالیں ملتی ہیں۔ یہ کس قدر افسوس کی بات ہے۔ کہ جانوروں تک میں تو قرآۃ خلف امام کے مسئلہ پر عمل ہوتا ہو۔ مگر انسان اور وہ بھی مسلمان اس کو بدعت سمجھیں جس کا صاف مطلب یہی ہے کہ جو لوگ قرآۃ خلف امام کو بدعت کہتے ہیں وہ ان جانوروں سے بھی گئے گذرے ہیں۔

مستسلم۔ کیا خوب۔ موٹے میاں نے قرآۃ خلف امام کی پٹڑی تو خوب جمائی چھوٹے میاں نے کیا جواب دیا؟

اعرابی۔ حضرت! ہم تو جتنے نمازی لوگ تھے۔ موٹے میاں کی دلائل کو سنکر دم بخود تھے۔ کیونکہ ان کی مثالیں عین دل لگتی تھیں۔ اور ہم سب حیران تھے۔ کہ بھلا چھوٹے میاں ان دلائل کا کیا جواب دیں گے۔

مستسلم۔ آخر چھوٹے میاں نے کچھ جواب دیا بھی یا نہ؟

اعرافی۔ جناب وہ موٹے میاں کی تقریر کو سنکر ہنس پڑے۔ اور اتنا کہا۔ کہ جب تم نے ان جانوروں کی جون میں جانا۔ تو ان کی تقلید کر لینا۔ ابھی تو تم انسان ہو۔ تمہیں انسانوں کی تقلید کرنی چاہیئے۔ یہ جواب سنکر موٹے میاں کو طیش آگیا اور فرمانے لگے کہ تم مجھے گدھوں۔ گیدڑوں۔ کتوں۔ کووں اور مینڈکوں کی جون میں رگیدتے ہو؟ یہہ کہکر وہ آستین چڑھا چھوٹے میاں کو مارنے کے لئے اُٹھے۔ مگر نمازیوں نے انکا ہاتھ روک لیا۔ اور کہنے لگے۔ کہ میاں عقل کے ناخن لو۔ ہاتھا پائی کا کیا مطلب۔ تم نے دلیل دی۔ چھوٹے میاں نے اس کا جواب دے دیا۔ اب تم کوئی اور دلیل دو۔ لڑنے بھڑنے سے کیا فائدہ؟

مسلم۔ تو کیا اس پر موٹے میاں سنبھلے یا نہ؟

اعرافی۔ ہاں صاحب! وہ سنبھل گئے۔ اور کہنے لگے۔ کہ اچھا میں جانوروں کی مثالیں چھوڑ کر اب تمہیں انسانی دنیا کی مثالیں دیتا ہوں۔ دیکھو ہمارے بھائی سکھ لوگ جب عبادت کرتے ہیں۔ تو پہلے ایک شخص ایک شبد پڑھتا ہے پھر جتنے حاضرین ہوتے ہیں۔ اسی شبد کو بلند آواز سے دہراتے ہیں۔ یہاں تک انکا گوردوارہ بلکہ اڑوس پڑوس کے مکان تک ان کی آواز سے گونج اُٹھتے ہیں۔ ان میں سے ایک شخص جب یہہ کہتا ہے "جو بولے سو نہال" تو اس کے بعد انکی ساری سنگت ایک دم "ست سری اکال" کا ایسا نعرہ لگاتی ہے۔ کہ شہر کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک در و دیوار گونج اُٹھتے ہیں۔ عیسائیوں کے گرجوں میں جاکر دیکھو۔ کہ ایک شخص عبادت کے لئے کوئی گیت شروع کرتا ہے۔ پھر سب اسی کو بلند آواز سے گاتے ہیں۔ یہی حال آریوں اور ہندوؤں کے بھجن کیرتن کا ہے۔ کس قدر افسوس کی بات ہے۔ کہ غیر مسلم قومیں تو اپنی عبادت تک میں اپنی زندگی کا ثبوت دیں۔ مگر ہماری مسجدوں میں قرأت خلف الامام تو ایک طرف۔ اگر کوئی شخص ذرا زور سے آمین بھی کہدے تو اس کو مسجد سے اُٹھا کر باہر پھینکدیتے ہیں ہم لوگ مردوں کی طرح چپکے چپکے امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں اور زندگی کا کوئی ثبوت نہیں دیتے۔ اسی لئے تو میں کہتا ہوں کہ ہمیں بڑے زور سے قرأۃ خلف امام کرنی چاہیئے۔ تاکہ جہاں کہیں ہماری نماز ہو رہی ہو۔ دنیا جہان کو پتہ لگ جائے۔ کہ یہاں

شیرانِ خدا گرج رہے ہیں۔
مسلم۔ چھوٹے میاں نے اس کا کیا جواب دیا؟
اعرابی۔ چھوٹے میاں اس تقریر کو سنکر پھر ہنس پڑے۔ اور کہنے لگے۔ کہ جب تم امرت چھک کر سکھ یا بپتسمہ لے کر عیسائی۔ یا بودی رکھکر آریہ بن جاؤ۔ تو تم نے ان لوگوں کی طرح نعرہ لگالینا۔ ابھی تو تم مسلمان ہو تمہیں مسلمانوں کی طرح عبادت کرنی چاہیئے۔
مسلم۔ موٹے میاں کیا بولے؟
اعرابی۔ موٹے میاں اس جواب کو سنکر لال پیلے ہو گئے۔ اور کہنے لگے۔ کہ تم سیدھی طرح جواب دینے کی بجائے دانت نکالتے ہو۔ اور مجھے عیسائی۔ آریہ۔ سکھ بنانا چاہتے ہو۔ ذرا تمہارے دانتوں کی خبر تو لے لوں۔ یہ کہکر موٹے میاں نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ چھوٹے میاں کے گرما گرم رسید کر دی۔ ادھر چھوٹے میاں گو تھے تو دبلے پتلے۔ مگر وہ بلی کی طرح جھپٹے۔ اور موٹے میاں کی ٹانگوں میں اڑنگا لگا اس زور سے چھوٹھو کا ہاتھ مارا۔ کہ موٹے میاں قینچی کھا کر دھڑام سے گر پڑے اور چھوٹے میاں ان کے سینہ پر چڑھ بیٹھے۔
مسلم۔ تو کیا نمازیوں نے اب کی دفعہ ان کو چھڑانے کی کوشش نہ کی؟
اعرابی۔ سب کہنے لگے۔ کہ یہ عالموں کی لڑائی ہے۔ کوئی اس میں دخل نہ دے موٹے میاں نے ہر چند شور مچایا کہ کوئی ان کی مدد کرے۔ مگر ہم سب نمازی بالکل غیر جانبدار اور خاموش رہے۔ اس پر موٹے میاں نے جھلا کر کہا۔ کہ تم بڑے نامعقول ہو میں اتنا چیخ چلا رہا ہوں کہ میری مدد کرو۔ مگر تم خاموش ہو موٹے میاں کی اس بات کو سنکر چھوٹے میاں نے قہقہہ لگایا۔ اور کہنے لگے۔ کہ حضرت یہ لوگ قرأت خلف امام کے قایل نہیں ہیں۔ جو تمہارے چیخنے پر خود بھی چیخنے لگ جائیں اسپر ہم سب لوگ بھی ہنس پڑے۔ اور چھوٹے میاں اس کے سینے پر سے اتر آئے ادھر موٹے میاں پگڑی سنبھال یہ کہکر چلتے بنے۔ "استغفر اللہ۔ کیسے بے دین اور غیر مقلد لوگ ہیں"۔
مسلم۔ کیا خوب! بے دین بھی!! غیر مقلد بھی!!! اور قرأت خلف امام کے مخالف بھی۔

اعرابی۔ یہی تو مجھے حیرانی ہے۔ کہ آخر یہ کیا معاملہ ہے؟
مسلم۔ معاملہ کچھ بھی نہیں محض فضول جھگڑا ہے۔ رب العزۃ نے اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا ہے:۔

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔ وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ۔ (الاعراف۔ ۲۴)

جب قرآن مجید پڑھا جا رہا ہو۔ تو تم خاموشی سے اس کو سنو۔ اور سمجھو۔ تاکہ خدا کی رحمت تم پر نازل ہو۔ اور تم اپنے دل ہی دل میں اپنے رب کا نہایت زاری سے اور ڈرتے ہوئے ذکر کرو۔ اور زور زور سے آواز مت نکالو۔
اعرابی۔ تو کیا قرآن پاک کی اسی آیت کی بنا پر یہ قرأت خلف امام کا جھگڑا کھڑا کیا گیا ہے۔
مسلم۔ ہاں اسی آیت کو دیکھ کر یہ قرأت خلف امام کے جھگڑے برپا کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ دوسری جگہ رب العزۃ نے اس کی ایک مثال دے کر اس کو واضح بھی کر دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوا أَنْصِتُوا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا إِلَى قَوْمِهِمْ مُنْذِرِينَ ۝ قَالُوا يَا قَوْمَنَا إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَى مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ وَإِلَى طَرِيقٍ مُسْتَقِيمٍ۔ يَا قَوْمَنَا أَجِيبُوا دَاعِيَ اللَّهِ وَآمِنُوا بِهِ يَغْفِرْ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ۔ وَمَنْ لَا يُجِبْ دَاعِيَ اللَّهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْأَرْضِ وَلَيْسَ لَهُ مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءُ أُولَئِكَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ۔ (الاحقاف۔ ۶)

اور جب ہم نے تیری طرف جنوں کا ایک گروہ بھیجا۔ تاکہ وہ قرآن مجید کو سنیں۔ تو وہ تیرے نزدیک آکر آپس میں کہنے لگے۔ کہ ذرا غور سے سنتے جاؤ۔ پس وہ قرآن مجید

کو غور سے سننے اور سمجھنے کے بعد جب اپنی قوم کی طرف واپس لوٹے۔ تو وہ اپنی قوم کو رب العزۃ کے احکام کی نافرمانی سے ڈرانے لگے۔ اور کہنے لگے۔ اے ہماری قوم ہم نے موسیٰ کے بعد ایک ایسی کتاب کی آیات سنی ہیں۔ جو منزل من اللہ ہے۔ اور وہ رب العزۃ کی پہلی کتابوں کی بھی تصدیق کرتی ہے۔ اور سننے والوں کو حق وحقانیت کا سیدھا راستہ بتاتی ہے۔ اے ہماری قوم خدا کے اس پکارنے والے کی آواز کو سنو۔ اور اس پہ ایمان لاؤ۔ تاکہ رب العزۃ تمہاری لغزشوں سے درگذر کرے۔ اور تم عذاب الیم سے محفوظ رہو۔ اور جو شخص خدا کے اس پکارنے والے کی آواز کو نہیں سنیگا تو وہ خدا کی گرفت سے بھاگ کر کہیں چھپ جانے سے رہا۔ اور خدا کے سوا اس کا کوئی یار ومددگار نہیں ہوسکتا۔ یقیناً ایسا نافرمان شخص تاریکی یا گمراہی میں ٹھوکریں کھائیگا۔

اعرافی۔ یہ تو بالکل صاف حکم ہے۔ کہ جب قرآن مجید پڑھا جاوے۔ تو چپ چاپ اس کو سننا سمجھنا اور اس پر تدبر کرنا چاہیے۔ پھر نہیں معلوم۔ یہ قرأت خلف امام وغیرہ کے جھگڑے کیوں کھڑے کیے جاتے ہیں؟

مسلم۔ اس میں قرآن پاک کا کوئی دخل نہیں ہے۔ بلکہ یہہ سب ہمارے ملاؤں کا ہی قصور ہے۔ کہ وہ جمعہ وغیرہ کے خطبوں میں بجائے قرآن مجید پڑھنے اور سامعین کے سامنے اس کی تشریح وتفسیر کرنے کے محض رسمی طور پر یا تو اسکی چند آیات بغیر سمجھے سمجھانے کے پڑھ لیتے ہیں۔ یا چند اردو۔ فارسی کے اشعار سنا کر ممبر سے اتر آتے ہیں۔ حالانکہ قرآن پاک کی آیات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو لوگ سامنے موجود ہوں۔ ان کو قرآن مجید اس طرح سمجھایا جاوے۔ کہ جب وہ مسجد سے باہر نکلیں۔ تو غیر مسلموں یا دوسرے لوگوں کو بھی اسکی تلقین کرسکیں۔

اعرافی۔ واقعی اگر امام صاحب قرآن مجید کی آیات وتفسیر وتشریح کر رہے ہوں تو کسی کی کیا مجال ہے۔ کہ وہ دوسری طرف کا خیال تک بھی کرسکے۔ وہ یقیناً اس کو خاموشی اور غور سے سنیگا۔ مگر یہ تو فرمائیے کہ نماز کے اندر جب کہ امام صاحب بلند آواز سے قرأت کر رہے ہوں۔ اور وہ اس کی تشریح وتفسیر نہ کریں۔ تو نمازی کیا کریں؟

مسلم - نمازیوں کو چاہیئے کہ وہ قرآن پاک کی ان آیات کے معانی و مطالب پر خود غور اور تدبر کرتے جائیں۔ جو امام پڑھ رہا ہے۔ اور نہایت توجہ سے انکو سنیں ؛

اعرافی۔ لیکن ہر ایک نمازی میں اتنی قدرت کہاں۔ کہ وہ ان آیات کے معانی کو سمجھے یا اپنر تدبر کرے۔

مسلم۔ اگر نمازی ان آیات کے معانی کو جو امام پڑھ رہا ہے۔ نہیں سمجھتا۔ تو قرآن پاک کی جو آیات بھی اس کو بامعنی یاد ہوں۔ وہ ان پر ہی تدبر کرے۔ اس لیئے کہ اگر وہ ایسا نہیں کریگا۔ تو اس کا نتیجہ یہہ ہوگا۔ کہ اس کا دل نماز میں ڈانواڈول ہو جائیگا۔ اور ادہر اُدہر بھٹکتا رہیگا۔

اعرافی۔ لیکن اگر اس کو قرآن مجید کی کوئی آیت بھی یاد نہ ہو تو پھر ؟

مسلم۔ ایسی صورت میں وہ اپنی ہی زبان میں رب العزۃ کے حضور میں دعا و زاری کرتا رہے۔ یہ بہتر ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ وہ قرأت خلف امام کا رسمی طور پر مخالف ہو کر اپنے دل کو فواحشات و منکرات میں آوارہ پھرنے دے۔

اعرافی۔ لیکن اگر وہ اپنی زبان کی بجائے کسی دوسری زبان کی ایسی عبارت پڑھتا رہے جس کے مطلب و مفہوم کا اس کو کچھ پتہ نہ ہو ؟

مسلم۔ رب العزۃ کے حضور میں کھڑے ہو کر ایسا ایک بھی کلمہ نہیں کہنا چاہیئے جس کے مطلب و مفہوم کا کہنے والے کو خود علم و یقین نہ ہو۔ کہ وہ کیا کہتا۔ یا رب العزۃ کے حضور میں کس بات کا طالب ہے۔ رب العزۃ کے حضور میں بے سوچنے سمجھنے۔ یا جاننے بوجھنے کے بغیر کوئی کلمہ کہنا اس کی سخت بے ادبی او گستاخی ہے۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔ کہ جب کوئی شخص معمولی سے دنیوی حاکم کے پاس کوئی درخواست لیکر جاتا ہے۔ تو اس کو اچھی طرح علم و یقین ہوتا ہے۔ کہ وہ کس مطلب کی درخواست کرنے لگا ہے۔ دنیوی حکام کے سامنے درخواست کرتے وقت تو ہمیں اپنی درخواست کے لفظ لفظ کا علم و یقین ہو کہ ہمارا اس سے مطلب و مدعا کیا ہے۔ لیکن رب العزۃ کے حضور میں جب ہم کوئی دعا۔ یا درخواست کرنے کے لیئے جائیں۔ تو ہمیں اتنا بھی پتہ نہ ہو۔ کہ ہماری زبان سے جو کلمات نکل رہے ہیں۔ انکا کیا مطلب ہے ؟ یا ہم رب العزۃ کے حضور

کس بات کی التجا کر رہے ہیں؟ یہ سخت جہالت بے ادبی اور گستاخی ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہئے۔ اس سے بہتر ہے کہ اپنی مادری زبان میں خدا کے حضور دعا و عبادت کرو۔

اعرابی۔ یہ تو بالکل صاف اور سیدھی سی بات ہے۔ نہیں معلوم۔ ملاں لوگ ایسی ذرا ذرا سی باتوں پر اس قدر سر پھٹول کیوں کرتے ہیں۔

مسلم۔ میاں اعرابی! خوب یاد رکھو۔ کہ اسلام سے بڑھکر آسان اور سادہ مذہب دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ یہ ایسا ہی آسان ہے۔ جیسا کہ انسان کا روزمرہ سانس لینا۔ اگر سانس لینے میں تمہیں کوئی دقت محسوس ہو۔ تو سمجھ لو۔ کہ تمہارے پھیپھڑوں میں کوئی فاسد مادہ اٹک گیا ہے۔ اس کو خارج کرو۔ اسی طرح اگر تم دیکھو۔ کہ اسلام کے کسی حکم کے بجالانے میں تمہارے راستہ میں کوئی رکاوٹ یا ناقابل برداشت مشکل ڈالی جارہی ہے۔ تو وہ انسانی ہے۔ اس کو فوراً اٹھا کر الگ پھینکدو۔ اس لیئے کہ رب العزۃ کا مدعا یہ نہیں ہے۔ کہ مذہب کے نام سے لوگوں پر جبر و اکراہ کیا جاوے۔ یا انپر ایسے احکام نازل کئے جائیں جنکو انسان پورا نہ کرسکتا ہو چنانچہ رب العزۃ کا ارشاد ہے

يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ - (البقرہ ع ۲۳)

اے انسانو! رب العزۃ تمہیں ہر ایک قسم کی سہولیت بہم پہنچانا چاہتا ہے۔ وہ تمہیں کسی قسم کی دقتوں میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا۔

مَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلٰكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ - المائدہ ع ۲

رب العزۃ یہ تو نہیں چاہتا۔ کہ تمہیں دینی معاملات میں خواہ مخواہ تنگ کرے نہیں۔ بلکہ اس کا تو منشا صرف اتنا ہی ہے کہ وہ تم کو پاک و صاف دیکھنا چاہتا ہے۔ تاکہ وہ اپنے انعام و اکرام سے تمکو مالامال کرے۔ اور تم بھی اس کے ہمیشہ ممنون و مشکور بنے رہو۔

هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ - الحج ع ۱۰

رب العزۃ نے تمکو دین و دنیا میں برگزیدہ کیا۔ اور اس نے دین کے معاملات

میں تم پر کسی قسم کی تنگی پسند نہیں کی۔ پس معاملہ صاف ہے۔ کہ رب العزۃ ہم سے تزکیہ نفس۔ تزکیہ روح۔ تزکیہ جسم۔ تزکیہ مال۔ غرضیکہ ہر ایک معاملہ میں پاکیزگی کا طالب ہے۔

اعرابی۔ سبحان اللہ! خداوند کریم نے تمام مذہبی مسائل کی غرض وغایت کو صرف ایک لفظ یعنے پاکیزگی میں ختم کر دیا۔ واقعی مذہب کا مدعا اس کے سوا دوسرا کوئی ہے بھی نہیں۔ اور ہو سکتا بھی نہیں۔

مسلم۔ اب آپ سمجھ گئے۔ اور خوب سمجھ گئے مجھے امید ہے۔ کہ اب آپ کسی کافر گر کے کفر و تکفیر کے کسی فتوے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اسلام پر قائم رہیں گے۔

اعرابی۔ پرواہ کیا! آپ دیکھینگے کہ میں کفر پروف بن جاؤنگا۔ کیونکہ آجکل مسلمانوں کو چھتری یا واٹر پروف کی بجائے کفر پروف کی بھی ضرورت ہے۔

مسلم۔ بہت خوب! اچھا اب آپ آرام فرمائیں۔ کل پھر آ جانا۔

اعرابی۔ بہت بہتر۔ خدا حافظ!

دسویں فصل

متفرقات

اعرابی۔ السلام علیکم۔

مسلم۔ وعلیکم السلام۔ فرمایئے۔ اب تو آپکا کسی مسجد میں جھگڑا وغیرہ نہیں ہوا۔

اعرابی۔ ہرگز نہیں۔ کیونکہ مسجدی اور شخصی نماز کی تشریح کر کے آپنے بالکل لائن کلیر کر دیا ہے۔ مگر رات کا واقعہ سنئے۔ میں جو آپ کے پاس سے گھر کو چلا۔ تو راستہ میں آریہ سماج کا مندر پڑتا تھا وہاں لوگونکا انبوہ کثیر جمع تھا۔ اور ایک پنڈت لیکچر دے رہا تھا۔ میں بھی ذرا سننے کیلئے ٹھہر گیا۔ وہ شخص اسلام پر ایسے ایسے اعتراضات کر رہا تھا کہ میں سنکر حیران رہ گیا۔

مسلم۔ ذرا مجھے بھی سناؤ۔ کہ پنڈت صاحب کیا فرماتے تھے۔

اعرابی۔ آپ نے اعتراضات تو بہت کئے مگر مجھے تو اسوقت صرف یہی چار باتیں یاد رہ گئی ہیں۔

مسلم۔ اچھا وہی سناؤ۔

اعرابی۔ پنڈت جی نے ایک تو اسبات پر زور دیا۔ کہ مسلمانوں کا خدا آسمان پر بیٹھا ہے۔ اور یہ لوگ قبلہ پرست ہیں۔ اگر نماز میں یہ لوگ قبلہ کی طرف منہہ نہ کریں تو انکی نماز ہی نہیں ہوتی دوسرے یہ لوگ سال میں تیس دن تک جو فاقہ مرتے ہیں۔ اسکا روحانیت سے کیا تعلق۔ پھر یہ لوگ قبر پرست بھی ہیں دیکھو اپنے رسول کی قبر کو پوجنے کیلئے کتنی دور عرب میں پہنچتے ہیں آئے سال ہزاروں لاکھوں گائے۔ بھیڑ۔ بکری کا خدا کے نام پر خون بہاتے ہیں جو محض فضول حرکت ہے۔ جیتے جی تو یہ میاں لوگ سبکو تنگ کرتے ہیں۔ مگر مرنیکے بعد یہ زمین کو زندوں کے ہاتھ سے چھین لیتے ہیں۔ دیکھ لو۔ انکے قبرستانوں نے کتنی زمین روک رکھی ہے حضرت! اس آریہ پنڈت کی زبان قینچی کیطرح چل رہی تھی۔ ایک منٹ میں سینکڑوں فقرے بول جاتا تھا میں تو حیران تھا۔ کہ یہ آدمی ہے۔ یا مشین گن۔

مسلم۔ یہ تو کوئی ایسی باتیں نہیں تھیں۔ جو آپکی گھبراہٹ کا باعث ہوئیں۔ ان باتوں سے تو الٹا یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ وہ پنڈت نہیں تھا بلکہ کوئی جاہل تھا جسکو قرآن پاک کی تعلیم کا مطلق علم نہیں تھا

اعرابی۔ مگر مجھے تو جبتک اسکے اعتراضات کے جواب کا پتہ نہ لگجائے۔ کیسے مانلوں کہ وہ جاہل تھا۔

مسلم۔ ذرا غور سے سنو۔ رب العزۃ قرآن پاک میں فرماتا ہے:۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ۔ ق

ہم نے ہی تو انسانکو پیدا کیا۔ ہماری مخلوق ہوکر ہمارے ہی متعلق اسکے دل میں اب یہ فضول شبہات پیدا ہوتے ہیں! ہم اسکے ان شبہات کو خوب جانتے ہیں۔ اسلئے کہ ہم تو اس کی شاہ رگ سے بھی اس کے زیادہ نزدیک ہیں۔

میاں اعرابی! تم نے دیکھا۔ کہ رب العزۃ نے اس قسم کے جاہلو نکے اعتراض کا کیسا دوٹک جواب دیا ہے۔ جب رب العزۃ انسانکی شاہ رگ سے بھی زیادہ نزدیک ہے تو اسکے متعلق یہہ کہنا کہ وہ صرف آسمان پر ہے زمین پر نہیں ہے کیسی حماقت ہے! وسنو رب العزۃ فرماتا ہے:۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۔ المجادلہ

کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ رب العزۃ ان تمام باتوں کو جو آسمان یا زمین میں ہوتی ہیں بخوبی جانتا ہے۔

اگر کسی جگہ تین آدمی آپس میں گفتگو کرتے ہوں۔ تو ان میں چوتھا رب العزۃ موجود ہوتا ہے۔ اگر پانچ آدمی ہوں تو چھٹا رب العزۃ موجود ہوتا ہے۔ غرضیکہ جہاں کہیں اور جس حالت میں بھی انسان باتیں کر رہے ہوں۔ خواہ وہ کم ہوں۔ خواہ زیادہ۔ رب العزۃ ان میں موجود ہوتا ہے۔

اعرابی۔ سبحان اللہ کیسی صاف تعلیم ہے۔ واقعی ایسی تعلیم سے ناواقف رہکر اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے۔ کہ مسلمانوں کا خدا صرف آسمانپر ہے۔ زمین پر نہیں ہے۔ تو اسکی حماقت اور جہالت میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔

مسلم۔ اور سنو! رب العزۃ فرماتا ہے:۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ۔ (الانفال۔ ع۳)

اے انسانو۔ خوب جان لو۔ کہ رب العزۃ انسان کے جسم میں اور اسکے دل کے خفیہ رازوں میں بھی موجود ہے تم سب یقین رکھو کہ تم سب ایک دن اسکے حضور میں جمع کئے جاؤگے۔ ذرا قرآنمجید کا بغور مطالعہ کرو۔ تمہیں معلوم ہو جائیگا۔ کہ رب العزۃ کو قرآن پاک میں جابجا رب السموات والارض کے الفاظ سے یاد کیا گیا ہے۔ ایسی صورتمیں کسی شخص کا یہ کہنا کہ مسلمانوں کا خدا صرف آسمانپر ہی ہے۔ زمین پر یا انسانکے جسم میں۔ یا اسکے دلکے خفیہ رازوں میں موجود نہیں ہے کسقدر جہالت ہے۔

اعرابی۔ واقعی یہ سخت حماقت اور جہالت ہے۔

مسلم۔ رہا یہ معاملہ۔ کہ چونکہ مسلمان قبلہ کیطرف منہہ کرکے نماز پڑھتے ہیں بنابریں وہ سمت پرست ہیں یہ بھی اعتراض کرنیوالے کی جہالت کو ظاہر کرتا ہے۔ اسلئے کہ رب العزۃ نے صاف فرما دیا ہے:۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔ (البقرہ۔ ع۲۲)

یہ کوئی دہرم ادہرم کی بات نہیں ہے کہ خدا کی عبادت کرتے وقت تمہارا منہہ ضرور مشرق۔ یا مغرب کی طرف ہی ہوا کرے۔ بلکہ امر واقعہ کیا ہے:۔

قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (البقرہ ع۱۴)

مشرق اور مغرب تمام سمتیں خدا کیلئے ہی ہیں۔ تم عبادت کے وقت جسطرف بھی منہہ کروگے اسیطرف خدا کا منہہ ہوگا۔ رب العزۃ محیط کل و علیم کل ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ مسلمانکا نماز کے وقت قبلہ کیطرف منہہ کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ اسکا جواب یہ ہے۔ کہ قبلہ نہ مشرق ہے۔ نہ مغرب۔ نہ شمال۔ نہ جنوب۔ وہ ان تمام کائنات سمت سے بالاتر محض ایک مرکزی نقطہ ہے۔ اور وہ تحت و فوق سے بھی معرا ہے۔ وہ خود کوئی سمت نہیں ہے۔ مگر ہر ایک سمت کا مرکز ہے۔ نمازی یا عابد کیلئے رب العزۃ کا فرمان ہے کہ جب وہ خدا کی عبادت کرنے لگے تو اسکا دل

سوت یا فوق وتحت کے خیال سے قطعاً خالی ہو۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

حَیْثُ مَا کُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَکُمْ شَطْرَهٗ۔ (بقرہ ۵۔ ع)

شمال۔ جنوب۔ مغرب۔ مشرق۔ غرضیکہ جہاں کہیں بھی تم ہو کعبہ کیطرف منہہ کر لیا کرو۔ سمت کے جھگڑے میں ہرگز نہ پڑو۔ کیونکہ:۔

وَلِکُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّیْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ اَیْنَمَا تَکُوْنُوْا یَاْتِ بِکُمُ اللّٰهُ جَمِیْعًا اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ بقرہ ع

دوسری جسقدر قومیں ہیں انہوں نے عبادت کیلئے کوئی نہ کوئی سمت مقرر کر رکھی ہے جسکی طرف وہ منہہ کرتے ہیں۔ مگر تم سمت پرست نہ بنو۔ بلکہ اعمال صالح میں پیشقدمی کرو۔ تم خواہ کہیں بھی ہو رب العزۃ تم سب کے اعمال کو اور تمہیں بھی اپنی طرف کھینچ لینے والا ہے۔ یقیناً وہ ہر ایک چیز پر قادر ہے۔

اعرابی۔ یہ تو بالکل صاف بات ہے۔ اسمیں تو شمال و جنوب، مشرق و مغرب کا کہیں جھگڑا ہی نہیں رہنے دیا۔

مسلم۔ حرف یہی نہیں۔ بلکہ جب مسلمانوں نے یہودیوں اور عیسائیوں کی مرغوب سمت کیطرف نماز پڑھنی شروع کی۔ تو ان لوگوں نے خیال کر لیا۔ کہ یہودیت یا مسیحیت کا قبلہ ہی مقبول الٰہی ہے رب العزۃ نے ان لوگوں کے ایسے خیال فاسد کا قلع قمع کرنیکیلئے فوراً حکم دے دیا کہ

وَمَا اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ۔ ع

کہ تم ان لوگوں کی قبلہ کی طرف منہہ کر کے نماز پڑھنا فوراً چھوڑ دو۔ تاکہ ان کو معلوم ہو جائے۔ کہ تم سمت پرست نہیں ہو۔ بلکہ خدا پرست ہو۔ چنانچہ جب مسلمانوں نے اس حکم الٰہی کی تعمیل کی تو کیا ہوا؟

سَیَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ
الَّتِیْ کَانُوْا عَلَیْهَا قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ۔ ع

ان احمقوں نے اس پر یہ شور مچانا شروع کر دیا۔ کہ دیکھو صاحب اتنی مدت سے تو یہہ مسلمان ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھتے چلے آرہے تھے۔ مگر اب انہوں نے دوسری طرف کو منہہ کر لیا۔ انکو سنادو۔ کہ مسلمان سمت پرست نہیں ہیں۔ بلکہ ان کا عقیدہ یہہ ہے کہ مشرق و مغرب سب خدا کی ہی سمتیں ہیں۔ بنا بریں وہ محض خدا پرست ہی ہیں۔

اعرابی۔ سبحان اللہ! خداوند کریم نے کیسی وضاحت سے تمام باتوں کو بیان فرما دیا ہے۔

مسلم۔ مگر وہ لوگ جو اپنے آپ کو نئی روشنی یا نئی تعلیم کے دلدادہ مانتے ہوئے

مسلمانوں پر قبلہ یا سمت پرستی کا الزام لگا رہے ہیں۔ وہ اتنا نہیں سوچتے۔ کہ جب وہ زمین کو گول مانتے ہیں۔ تو گول چیز پر جو بھی نقطہ لگا دو وہی اس کا مرکز ہوگا اور وہ نکات سمت سے بالکل مبرا ہوگا۔ اور کہ اس گول چیز پر جتنے بھی جاندار ہونگے۔ ان سب کا منہ ہر حالت میں اس مرکزی نقطہ کی طرف ہی رہے گا۔ اور کسی جاندار میں یہ طاقت نہیں ہے۔ کہ اس مرکزی نقطہ سے اپنے منہ کو کسی دوسری طرف کر سکے۔ ایسا کرنا ناممکن ہے پس روئے زمین کا ہر ایک شخص خواہ وہ مسلم ہو خواہ غیر مسلم۔ یہاں تک کہ درندے پرندے۔ چرند تک کا بھی منہ ہمیشہ اور ہر حالت میں قبلہ کی طرف ہی رہتا ہے۔ اور قبلہ جیسا کہ میں نے کہا ہے۔ نکات سمت اور تحت و فوق سے قطعاً مبرا ہے۔ اور کہ وہ محض ایک مرکزی نقطہ ہے۔ اور بس! کیا آپ قبلہ کی حقیقت کو سمجھ گئے؟

اعرافی۔ میں خوب سمجھ گیا ہوں۔

مسلم۔ اچھا تو اب آپ ان لوگوں کے اس اعتراض پر غور کریں کہ روزہ کا روحانیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور کہ وہ محض جسمانی صحت درست کرنیکا ہی ایک ذریعہ ہے بہت اچھا صاحب۔ اگر روزہ رکھنے سے انسان کی صحت درست ہو جائے تو سمجھنا چاہیئے۔ کہ اس نے ایک بڑی بھاری نعمت کو حاصل کر لیا۔ مگر جس طرح نماز کا تعلق جسم۔ دل۔ دماغ اور روح کی اصلاح سے ہے۔ اسی طرح روزہ کا تعلق بھی جسم۔ دل۔ دماغ اور روح کے تزکیہ سے ہے۔ جس نیت سے روزہ رکھا جائیگا۔ اسی کے مطابق اس کا نتیجہ برآمد ہوگا۔ اگر جسم کی اصلاح مدنظر ہے تو رطوبات فاسدہ کے تحلیل ہونے سے صحت اور اگر دل و دماغ کی اصلاح کیلئے ہے۔ تو بخارات فاسدہ کے کم ہونے سے دماغ اگر روح کی اصلاح کیلئے ہے۔ تو نفس امارہ کے کمزور ہو جانے سے روح مقام محمود کی طرف بڑھیگی۔

اعرافی۔ یہ بالکل بجا و درست ہے۔

مسلم۔ اچھا تو آپ اب لوگوں کے ذرا اس اعتراض پر غور کریں کہ مسلمان حیوانوں کی قربانی کرتے ہیں۔ قرآن پاک نے صاف طور پر اعلان کر دیا ہے کہ رب العزۃ کو ان جانوروں کا نہ خون پہنچتا ہے نہ گوشت۔ بلکہ تو تمہارے دلوں کی پاکیزگی کو دیکھتا ہے۔ کہ آیا تم دنیا یا دنیا کی اشیاء کو ترجیح

راستے میں قربان کر کے اپنے دل کو میری محبت سے معمور کرتے ہو۔ یا اسکو گاؤ خر کا اصطبل
بناتے ہو جیوانوں کی قربانی ہی نہیں۔ بلکہ رب العزۃ نے تو مومن و مسلم کی جان تک کا سودا
چکا دیا ہے۔ کہ اگر وہ اسکے رستہ میں شہید ہو جائے تو اسکو جنت کا وارث قرار دیا ہے اور فرما دیا ہے۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ - البقرہ ع ۱۹

جو شخص راہ خدا میں شہید ہو گیا۔ اسکو مردہ نہ کہو۔ بلکہ وہ تو زندہ ہے۔ مگر تم اسکی زندگی کی
کیفیت کو کیا جانو۔ جب رب العزۃ نے مومن و مسلم کی جان تک کو فی سبیل اللہ قربانی کے لئے
مخصوص کر رکھا ہو تو جانوروں کی کیا حقیقت! جانوروں کی قربانی تو محض اس لئے کیجاتی ہے
تاکہ ان لوگوں کے لئے جو حیوان پرست ہیں یہ ایک قسم کا تازیانہ عبرت ہو۔ اور انکو پتہ لگجائے
کہ جن حیوانوں کو وہ اپنا معبود یا محبوب سمجھتے ہیں۔ وہ یوں چھری سے ذبح کئے جاسکتے ہیں

اعتراض یہ بالکل ٹھیک ہے۔ مگر اس پنڈت نے اسبات پر زور دیا تھا۔ کہ گائے ایسی مقدس
ہے۔ کہ مسلمانوں کے خدا نے بھی قرآن شریف میں سب سے پہلے گائے کا ہی ذکر کیا ہے چنانچہ
دیکھ لو۔ قرآن پاک کی پہلی سورۃ گائے کے نام سے سورۃ البقرہ موجود ہے جو تمام سورتوں سے لمبی ہے۔

مسلم۔ اگر پنڈت صاحب نے گائے کے تقدس کی یہی دلیل دی تھی۔ تو اُسنے بہت ٹھیک کہا۔
کیونکہ سورہ بقرہ میں گائے کی جس قسم کی تقدیس کی تعلیم دیگئی ہے۔ ویسی تقدیس تو مسلمان
اب بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ اس تقدیس کا رب العزۃ نے سورہ بقرہ میں یوں ذکر کیا ہے:۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تَذْبَحُوا بَقَرَةً ۖ
قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۖ قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ۔ البقرہ ع ۸

جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا۔ کہ اے میری قوم! رب العزۃ تمکو حکم دیتا ہے۔ کہ تم گائے کو ذبح کرو۔ تو
موسیٰ کی قوم نے کہا۔ کہ تو کیوں ہم سے دل لگی کرتا ہے؟ موسیٰ نے کہا۔ خدا شاہد ہے۔ کہ
میں تم سے ہرگز دل لگی نہیں کرتا۔ اس لئے کہ دل لگی کرنا جاہلوں کا کام ہے۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا هِيَ ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا
فَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ عَوَانٌ بَيْنَ ذَٰلِكَ ۖ فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ۔

اسپر ان لوگوں نے کہا۔ تو پھر ذرا اپنے رب سے اتنا تو پوچھو۔ کہ وہ گائے کیسی ہے؟ موسیٰ نے کہا میرا
رب کہتا ہے کہ وہ گائے نہ تو بوڑھی ہے۔ نہ چھوٹی بچھیا۔ بلکہ دونوں کے بیچ میں خوب جوان ہے
بس تمکو جو اس کے ذبح کے متعلق جو حکم دیا گیا ہے۔ اس پر فوراً عمل کرو۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا لَوْنُهَا۔ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ۔

اب ان لوگوں نے یہ حجت کھڑی کی۔ کہ ذرا اپنے رب سے اتنا اور پوچھ آؤ۔ کہ اس گائے کا رنگ کیسا ہے؟ موسیٰ نے کہا۔ رب العزۃ فرماتا ہے۔ کہ وہ زعفرانی رنگ کی درشنی گائے ہے۔ جو درشن کرنیوالوں کے دل کو باغ باغ کر دیتی ہے۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ إِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ۔ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَا شِيَةَ فِيهَا

اب ان لوگوں نے یہ پتہ دیا۔ کہ ذرا اپنے رب سے اتنا اور پوچھ آؤ۔ کہ وہ کونسی گائے ہے۔ کیونکہ ایسی صفات والا تو ہمارے ہاں ایک سانڈ[1] ہے۔ موسیٰ نے کہا۔ خدا کہتا ہے کہ سانڈ نہیں بلکہ وہ یقیناً سانڈ گائے ہی ہے۔ نہ تو اسکی گردن پر زمین جوتنے کیلئے کبھی جوا رکھا گیا۔ نہ وہ کھیتی باڑی کو پانی دینے کیلئے رہٹ میں لگائی گئی۔ بلکہ وہ کھلے بندوں چرتی چگتی پھرتی ہے۔ اور وہ ہے بھی بے عیب بے داغ۔ جب ان لوگوں نے دیکھا۔ کہ ہم اپنی رام گائے کو بچانے کے لئے جس قدر حیلے بہانے تراشتے ہیں۔ وہ سب رائگاں جاتے ہیں۔ تو کہنے لگے۔

قَالُوا الْآنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ۔ البقرہ ع ۸

اے موسیٰ! اب تو تو نے عین پتہ کی بات کہدی۔ اب کیا تھا۔ ان لوگوں نے اس درشنی گائے کو ذبح کر دیا۔ گو انکا دل تو نہیں چاہتا تھا۔ کہ اس کو ذبح کرتے۔

اعرافی۔ یہ بنی اسرائیل بھی بڑے کٹ حجتی واقع ہوئے تھے۔ مگر جناب ابھی آپ نے فرمایا تھا۔ کہ جو شخص خدا کے راستہ میں ذبح کیا جاتا ہے۔ اسکو مردہ مت کہو۔ کیونکہ وہ زندہ رہتا ہے۔ تو کیا یہ جانور جو خدا کے راستہ میں ذبح کئے جاتے ہیں انکو زندہ نہیں سمجھنا چاہیے؟

مسلم۔ اس سوال سے آپکا کیا مطلب؟

اعرافی۔ میرا مطلب اس سے یہ ہے۔ کہ اگر مذبوحہ گائے بیل بھیڑ بکری۔ خدا کے ہاں زندہ رہتے ہوں تو پھر کسی شخص کو انکے ذبح کئے جانے پر کوئی افسوس نہیں کرنا چاہیے کیونکہ وہ زمین کی گھاس پات چرنے کی بجائے خدا کے ہاں چرتے چگتے رہتے ہوں گے۔

مسلم۔ میاں! دیکھو! رب العزۃ فرماتا ہے:۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ۔ آل عمران ع ۱۷

[1] سانڈ۔ مذکر و مونث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ دیکھو قاموس۔

وہ لوگ جو خدا کی رضا جوئی کی خاطر اس کیلئے قتل ہو گئے۔ تم انکو مردہ مت سمجھو بلکہ وہ تو اپنے خدا کے ہاں زندہ رہتے ہیں۔ اور خدا کے ہاں سے کھلائے پلائے بھی جاتے ہیں۔ مگر رب العزۃ نے دوسری جگہ یہ بھی فرما دیا ہے کہ انکی زندگی کیسی ہوتی ہے۔ اسکا تمہیں کوئی شعور نہیں دیا گیا۔ وہ خدا ہی جانتا ہے پس ان مذبوحہ جانوروں کی زندگی اور گھاس چارہ کا علم بھی خدا کو ہی ہے ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ رب العزۃ نے ہمیں یہی حکم دیا ہے کہ ہم اپنے دلکو حیوانوں کی عبادتگاہ نہ بنائیں۔ اسکو صرف اسی وحدہٗ لاشریک کی رضا جوئی کیلئے مخصوص کر دیں۔ جانوروں کی قربانی کا مدعا صرف اتنا ہی ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔

اعرابی۔ جزاک اللہ میں اسکو بخوبی سمجھ گیا ہوں۔

مسلم۔ اچھا اب آپ اس اعتراض پر غور فرمائیں۔ جو یہ لوگ رسول پاک کے روضۂ اطہر کے متعلق کرتے ہیں۔ یہ امر واقعہ ہے کہ کوئی مسلمان مدینہ منورہ میں رسول پاک کے روضہ کی عبادت کرنے کیلئے نہیں جاتا۔ زیارت اور عبادت میں فرق ہے۔ اور رسول کے روضۂ اطہر کی زیارت کرنا بھی تو مسلمانوں کے ایمان یا اسلام کا کوئی جزو نہیں ہے۔ پھر روضۂ اطہر تو مدینہ منورہ میں ہے۔ مگر مکہ معظمہ میں بیت اللہ شریف میں جانا۔ اور وہاں رب العزۃ کے حضور میں سر نیاز کو خم کرنا اسلام کا جزو ضروری ہے۔ اہل اسلام کی اس اجتماعی عبادت یا نماز کو رب العزۃ نے قرآن پاک میں حج کے نام سے پکارا ہے جس کے ادا کرنیکے لئے مسلمانان عالم بلا تمیز اونچ۔ نیچ۔ ذات پات۔ رنگ و نسل۔ ملک و قوم۔ شاہ و گدا فقیر و غنی ایک ہی قسم کی کفنی اوڑھے مکہ معظمہ میں جمع ہوتے اور رب العزۃ کے حضور میں سر نیاز خم کر کے عملی طور پر اس بات کا ثبوت دیتے ہیں کہ رب العزۃ نے ٹھیک فرما دیا ہے۔ کہ

یَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ۔ فاطر ع

اے لوگو! تم سب اس رب العزۃ کے حضور میں کنگال محض ہو۔ اور صرف وہی ایک بے نیاز بے ہمتا ہے۔ تم شاہ و گدا میں تمیز کرتے تھے۔ اور ذات پات۔ اونچ نیچ کے گھمنڈ میں مرے جاتے تھے مگر رب العزۃ کے حضور میں فَلَا تُزَكُّوا أَنفُسَكُمْ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰ تمہاری یہ تمام تفریق اور لن ترانیاں محض فضول ہیں۔ رب العزۃ کے نزدیک وہی بڑا ہے جس کے دل میں رب العزۃ کی محبت دوڑ رہی ہے۔ اس اجتماعی نماز کو حج کے نام سے پکارا جاتا ہے جسکا مطلب مفہوم اتنا ہی ہے۔ کہ مسلمان اپنی اخوت و مساوات اور نظم سے منکرین و معاندین اسلام پر یہ حجت پوری کر دیں۔ کہ اسلام میں ذات پات۔ اونچ۔ نیچ۔ رنگ و نسل کا کوئی امتیاز

نہیں ہے۔ اور کہ رب العزۃ کے حضور میں شاہ و گدا سب ایک ہیں۔ اس اجتماعی نماز کی ادائگی میں نہ کسی قبر کی پرستش ہوتی ہے۔ نہ کسی پتھر کی عبادت۔ بلکہ اسی ایک بے نیاز و بے ہمتا معبود کے حضور میں شاہ و گدا سربسجود ہوتے ہیں۔

اعرافی۔ جزاک اللہ آپ نے میرے شکوک کا خوب ازالہ فرمادیا۔ مگر یہ جو مردہ کو جلانے یا دبانے کا سوال ہے۔ اس کا جواب؟

مسلم۔ مردہ بدست زندہ جسطرح بھی چاہو۔ اسکی مٹی کو ٹھکانے لگادو۔ مگر اسکو جلانیکا طریقہ نہایت لغو، بیہودہ۔ مہنگا اور غیر قدرتی ہے۔ ذرا غور تو کرو۔ کہ مردہ کو جلانے میں جسقدر روپیہ خرچ ہوتا ہے۔ اسقدر دبانے میں نہیں لگتا۔ دبا دینے میں جس عزت اور احترام کیساتھ اسکو ٹھکانے لگایا جاتا ہے۔ جلانے میں وہ احترام نہیں ہو سکتا۔ دبانے میں زمین کی قوت جاذبہ اسکی تمام رطوبات کو اندر ہی اندر جذب کر کے اسکو ٹھکانے لگادیتی ہے۔ جلانے میں اسکی بدبو سے ہوا خراب ہوتی ہے۔ دبانے میں زمین کی زرخیزی میں مدد ملتی ہے۔ جلانے میں راکھ کے ذریعہ زمین زرخیز نہیں بلکہ شور یا بنجر بنتی ہے۔ دبانے میں ہڈیوں کا چونا پوٹاش اور فاسفورس وغیرہ زمین کا جزو بنجاتے ہیں۔ اور زمین زرخیز بنجاتی ہے۔ مگر مردہ کو جلا دینے میں زمین کی اندرونی تہہ ان قیمتی چیزوں سے محروم رہ جاتی ہے۔ مردہ کو دبانے سے ایک بڑی بھاری بات قومی احساس کا زندہ رہنا اور نشوونما پانا ہے۔ جن قوموں میں مردہ کو دبانیکی رسم بہترین طریقہ میں موجود ہے۔ ان ہی قوموں میں قومی احساس بھی پایا جاتا ہے۔ اسلئے کہ انکے مرحوم قومی لیڈروں یا بزرگوں کی نشانی ہمیشہ انکے سامنے موجود رہتی ہے۔ فرق صرف اتنا ہوتا ہے۔ کہ زندگی کی حالتمیں وہ بیدار تھے۔ اور اب وہ قوم کے سامنے خواب کی حالتمیں سو رہے ہوتے ہیں۔ ایسے بزرگوں کی قبر پر سے جب گذر جاتا ہے۔ تو ایکدفعہ وہی ولولہ اور جوش یا رقت طبیعت میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ جو کہ اسوقت پیدا ہوتے تھے۔ جبکہ وہ بزرگ اس قوم کے درمیان زندہ حالت میں وعظ و نصیحت کیا کرتے تھے قومی جوش کو پیدا کرنے اور قائم رکھنے کیلئے قبرستان ایک بہترین ذریعہ بلکہ اعلیٰ درجہ کا لیکچر ہیں۔ اسکے برعکس جن قوموں میں مردہ کو جلانیکا طریقہ جاری ہے۔ انمیں قومی احساس بھی جلجاتے ہیں۔ اور وہ قوم مردہ بنتی چلی جاتی ہے۔ اسکی بڑی بھاری مثالیں ایک طرف تو یورپ کی اقوام اور مسلم قوم ہیں جو اپنے مرحوم بزرگوں کی لاش کو قبرستان میں محفوظ رکھتی اور

ان سے وقتاً فوقتاً جوش، عبرت اور سبق حاصل کرتی ہیں۔ دوسری طرف ہندو قوم ہے جن کے بزرگوں کی کوئی نشانی سوائے کاغذی حروف کے ان کے پاس موجود نہیں ہے۔ اور دونوں اقوام میں قومی روح کی جو حالت ہے۔ اسکا فرق بین موجود ہے۔ کسی قومی لیڈر یا بزرگ کے کارناموں یا اُسکے پیدا کردہ لٹریچر کے پڑھنے سے طبیعت میں وہ جوش ولولہ۔ اُمنگ۔ رقت اور عبرت پیدا نہیں ہوتے جتنے کہ صرف دومنٹ کیلئے اُسکی قبر کے پاس جاکر کھڑا ہو جانے سے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اسکا یہ مطلب ہے۔ کہ قومی لیڈروں یا بزرگوں کی قبریں قوم کے ہاتھ میں زندہ لٹریچر ہوتا ہے۔ وہ قوم نامراد اور بدنصیب ہے۔ جو اس زندہ لٹریچر سے محروم ہو۔ مردہ کو جلانے میں جسقدر دیگر نقصانات ہیں۔ ان سب سے بھاری نقصان اس زندہ قومی لٹریچر کا جل جانا ہے جسکو کوئی معقول پسند قوم گوارا اور پسند نہیں کرسکتی۔ رہا یہ سوال کہ قبرستانوں کی وجہ سے زمین زندوں کے ہاتھ سے نکلکر مردوں کے ہاتھ میں چلی جاتی ہے۔ یہ خیال نہایت ہی کمزور ہے۔ اس لئے کہ مردہ کو دبانے کیلئے ڈیڑھ گز زمین سے زیادہ نہیں رُکتی۔ لیکن زمین کے اس تھوڑے سے رُک جانے کے بدلے میں جسقدر دوسرے فوائد قوم کو پہنچتے ہیں وہ بہت زیادہ ہوتے ہیں اور زمین اسقدر وسیع ہے کہ زمانہ قدیم سے یورپ۔ ایشیا۔ افریقہ اور امریکہ کے مردے اس میں دفن ہوتے چلے آتے ہیں۔ پھر بھی ویسے کی ویسی ہی کشادہ پڑی ہے۔

اعرابی۔ مگر پنڈت جی فرماتے تھے۔ کہ مردہ کو دبانے سے قبر پرستی بنابریں بت پرستی کو ترقی ہوتی ہے۔

مسلم۔ بہت خوب! مگر آپنے ذرا پنڈت جی سے اتنا تو پوچھا ہوتا۔ کہ لالہ صاحب! عیسائی۔ یہودی اور مسلمان تینوں قومیں اپنے مردوں کو زمین میں دفن کرتی ہیں۔ مگر ان میں ایک بھی ایسا شخص نہیں ملے گا۔ جو پتھروں کو پوجتا ہو۔ لیکن اس کے برعکس ۲۲ کروڑ ہندو مردوں کو جلاتے ہیں۔ مگر وہ ۳۳ کروڑ بتوں کو پوجتے ہیں۔ اس سے تو یہی ثابت ہوا۔ کہ جو قوم مردوں کو جلاتی ہے۔ وہی پتھر پوجتی ہے اس لئے مردہ کو جلانا نہیں بلکہ دبانا چاہئے۔

اعرابی۔ آپ نے بہت اچھا نکتہ بتا دیا اب اگر وہ پنڈت مجھے کسی جگہ ڈینگیں مارتا ہوا ملگیا۔ تو اُسکی خوب خبر لونگا۔

مسلم۔ میاں اکسی مولوی یا پنڈت سے مت الجھو۔ قرآن پاک کے احکام پر چپ چاپ عمل کیئے جاؤ۔ ہاں اگر کوئی تمہارے اعتقاد یا تمہاری روش پر اعتراض کرے تو اسکا ضرور جواب دو۔
اعرافی۔ بہت بہتر۔

گیارھویں فصل

نتیجہ

مسلم۔ میاں اعرافی! اسلام کے متعلق جو ہماری آپس میں اس قدر گفتگو ہوتی رہی آخر اس سے تم نے کیا نتیجہ نکالا۔ کہ اسلام کیا چیز ہے؟
اعرافی۔ جناب! میں نے تو اس سے یہہ نتیجہ نکالا ہی۔ کہ اسلام ایک یا دو لفظوں کی تشریح و تفسیر ہے۔
مسلم۔ وہ کیا؟
اعرافی۔ "تزکیہ" یا "ایمان و عمل"۔
مسلم۔ شاباش! تم نے نہایت صحیح نتیجہ نکالا۔ مجھے تم سے یہی امید تھی۔ کہ تم ٹھیک نتیجہ پر پہنچ گئے ہوگے۔ فی الحقیقت قرآن مجید یا اسلام صرف ایک لفظ تزکیہ کی ہی تشریح و تفسیر ہے جسکو نجات کہا جاتا ہی۔ اسکا دارومدار بھی تزکیہ پر ہی ہی۔ چنانچہ رب العزۃ نے فرمادیا ہی:۔
قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَکّٰی (الاعلٰی ع) جس نے تزکیہ کرلیا۔ وہ نجات پا گیا۔ تزکیہ نفس۔ تزکیہ روح۔ تزکیہ اعمال۔ تزکیہ افعال۔ غرضیکہ ہر ایک ظاہری و باطنی حرکت میں تزکیہ کا ظہور ہی باعث نجات ہی۔ ایمان و عمل بھی تزکیہ کی تحصیل کے ہی طریقے ہیں۔ مگر ایمان سے تم کیا مراد لیتے ہو؟
اعرافی۔ میں تو ایمان یہی سمجھتا ہوں۔ کہ قرآن مجید رب العزۃ کی کتاب ہی۔ اور اس میں جو کچھ بھی ہی میں اسکی صداقت کا قایل ہوں۔
مسلم۔ بہت ٹھیک۔ مگر کیا آپکو معلوم ہی۔ کہ قرآن مجید کے بھی دو حصے ہیں؟
اعرافی۔ نہیں۔ یہ مجھے معلوم نہیں کہ قرآن مجید کے دو حصے کون سے ہیں؟

مسلم۔ دیکھئے رب العزۃ کا ارشاد ہے :-

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ع۔ آل عمران

اے رسول! وہی ذات پاک ہے جس نے تم پر قرآن مجید نازل کیا۔ اسکی آیات کا ایک حصہ محکم ہے۔ اور دوسرا متشابہ۔ جو حصہ محکمات پر مشتمل ہے۔ وہی ام الکتاب ہے۔

اعرابی۔ محکم اور متشابہ کا کیا مطلب ؟

مسلم۔ رب العزۃ خود اس کی تشریح فرماتا ہے۔

فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ

جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھاپن ہے۔ وہ تو متشابہ آیات کی اُدھیڑ بن میں اس ارادے سے لگے رہتے ہیں کہ وہ انکی ایسی تاویل کریں جس سے خواہ مخواہ فتنہ فساد برپا ہو۔

اس سے معلوم ہوگیا کہ قرآن پاک کی وہ آیات جنہیں اوامر و نواہی کا ایسے کھلے الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے کہ جنکی دوسری کوئی تاویل ہو ہی نہیں سکتی۔ اور جنکی صداقت سے کوئی مسلم و غیر مسلم وغیرہ بھی انکار نہیں کر سکتا۔ وہ تو محکمات ہیں۔ مثلاً چوری نہ کرو۔ زنانہ کرو جوا نہ کھیلو۔ شراب نہ پیو کسی کے حقوق کو تلف نہ کرو۔ فساد نہ کرو۔ جھوٹ نہ بولو۔ کم نہ تولو۔ وغیرہ ایسے نواہی ہیں جن سے مسلم و غیر مسلم کوئی انحراف نہیں کریگا۔ خدا کو مانو۔ اسکی عبادت کرو۔ سچ بولو۔ نیک اعمال کرو۔ ماں۔ باپ کی اطاعت کرو۔ ہمسایہ سے محبت کرو مساکین و یتامیٰ و بیوگان کی خبر گیری کرو۔ بھوکوں کو کھانا کھلاؤ۔ ننگوں کو کپڑا۔ بیماروں کو تسلی دو۔ مکانوں کپڑوں کو۔ جسم کو۔ دل کو۔ دماغ کو۔ روح کو ظاہری و باطنی آلائشوں سے پاک رکھو۔ نوکروں۔ چاکروں۔ لونڈی غلاموں سے نیک سلوک کرو۔ وغیرہ جتنے بھی حقوق العباد ہیں۔ یہ سب اوامر میں شامل ہیں۔ اوامر و نواہی کے متعلق جسقدر بھی کھلی کھلی آیات ہیں وہ محکمات ہیں۔ اور انکا نام ہے ام الکتاب۔ یعنے کتاب کی اصل یا جڑ بنیاد یا ایسی آیات جنمیں تاویل کی گنجایش نہیں۔ دوسری آیات وہ ہیں۔ جو متشابہ ہیں یعنی وہ جنکے کوئی خاص معانی و مطلب و مفہوم مقرر نہیں ہے۔ بلکہ انمیں مختلف معانی و مطالب کی طرف اشارے کھلی ہوئی ہیں جنپر ہم اپنی عقل و فکر و تدبر و تفقہ یا علم و قیاس کو دوڑا سکتے ہیں مگر فتنہ و فساد کی نیت سے نہیں۔ بلکہ دینی مشکلات کو حل کرنیکے لیئے۔ ایسی متشابہ آیات کا تعلق دینی و دنیوی دونوں قسم کے معاملات سے ہو سکتا ہے۔ مگر ان آیات کا تعلق زیادہ تر ایسے امور سے ہے جن کا

حقیقی یا صحیح علم تو رب العزۃ کو ہی ہے۔ ہاں انسان بھی انکے متعلق عقل و فکر کو دوڑاتا ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ انسان جو بھی تھیوری انکے متعلق گھڑتا یا قائم کرتا ہے۔ وہ یقینی یا آخری ہو۔ یا دنیا بھر کے انسانوں کو اس تھیوری پر جمع کیا جا سکے۔ اور جو اس سے انکار کر دیں انکو تباہ و برباد یا نیست و نابود کر دیا جائے۔ ایسے امور کے متعلق جو لوگ فتنہ و فساد برپا کرتے ہیں۔ رب العزۃ کے نزدیک وہ غلطی پر ہیں۔

اعرابی۔ مگر ایسے متشابہات یا تھیوریز کے متعلق ہمیں کونسا پہلو اختیار کرنا چاہیے۔

مسلم۔ اسکا جواب خود رب العزۃ نے ہی دیدیا ہے۔

وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ (آل عمران ع)

ایسے متشابہات کی صحیح حقیقت تو خدا ہی جانتا ہے۔ مگر وہ جو راسخ العلم یا صاحب العقل ہیں وہ ان متشابہات کے متعلق ذکر و فکر کرتے ہوئے آخیر میں یہی ایمان رکھتے ہیں کہ باوجود ہماری تگ و دو کے آخر یہ سب رب العزۃ کی باتیں ہیں۔ انکی حقیقت وہی جانے۔ یہ ایسا فطرتی جواب ہے۔ جو دنیا کے بڑے سے بڑا سائنٹفک بھی باوجود اپنی تحقیقات کے اپنی زندگی کے اخیر میں دینے کیلئے مجبور ہوتا ہے۔

اعرابی۔ اس کا تو یہی مطلب ہوا کہ ہمیں متشابہات یا تھیوریز میں بھی عقل و فکر سے کام لینے کی اجازت دی گئی۔

مسلم۔ اجازت تو ہے۔ مگر یہ نہیں کہا گیا کہ متشابہات کے متعلق جو نتیجہ تم نے نکالا ہے۔ وہ آخری یقینی یا حتمی ہے اور جو لوگ تمہاری رائے سے اتفاق نہیں کرتے۔ وہ کافر و مرتد یا واجب القتل ہیں۔ متشابہات پر ایسا فتنہ و فساد کرنے کی رب العزۃ نے اجازت نہیں دی۔

اعرابی۔ یہ بالکل بجا و درست ہے۔ مگر کیا آپ مثال کے ذریعہ اسکی ذرا وضاحت کر دینگے۔

مسلم۔ قرآن پاک میں بعض سور تو انکے شروع میں حروف مقطعات آتے ہیں۔ انکی تشریح و تفسیر کا ہر ایک شخص کو حق حاصل ہے۔ مگر یہ حق کسی کو بھی نہیں دیا گیا کہ وہ یہ کہے کہ ان حروف مقطعات کی جو تفسیر وہ کرتا ہے۔ صرف وہی صحیح ہے۔ باقی سب غلط ہیں۔ مثلاً الٓمٓ میں ایک شخص الف سے مراد اللہ۔ ل سے رسول اور م سے محمد لیکر یہ کہتا ہے کہ اللہ نے اپنے رسول محمد پر یہ کتاب نازل کی جو تمام شکوک سے بالاتر ہے۔ دوسرا شخص کہتا ہے کہ چونکہ اس سورۃ میں فرشتوں۔ آدم اور اللہ تعالیٰ کے علم کا ذکر ہے آدم اور فرشتوں کے علم سے بالاتر علم خدا کا ہے۔ یعنی الٓمٓ سے مراد انا اللہ اعلم ہے۔ تیسرا یہ کہتا ہے کہ الف سے مراد اللہ۔ ل سے مراد

بنی اسرائیل۔ اور قوم سے مراد موسیٰ ہے۔ چونکہ اس سورت میں اللہ نے بنی اسرائیل اور موسیٰ علیہ السلام کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے۔ اسلئے اسکا خلاصہ اللہ تعالیٰ نے الٓمٓ میں کر دیا۔ مطلب یہ کہ جسطرح الٓمٓ متشابہات میں سے ہے۔ اور اسمیں تاویل کی گنجائش ہے۔ اسیطرح قرآن مجید میں ایسی بہت سی باتیں ہیں جنمیں تاویل کی گنجائش ہے لیکن تاویل کرتے ہوئے کسی شخص کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنی تاویل کو آخری سمجھکر مخالفین پر کفر و ارتداد کا فتویٰ لگا دے۔ نہیں بلکہ تاویل کے بعد بھی تاویل کنندہ کو یہی کہنا چاہیے۔ کہ باوجود اپنی عقل و فکر کے اس کی حقیقت خدا ہی جانتا ہے۔

اعرافی۔ میں سمجھ گیا۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ رب العزۃ نے قرآن پاک میں بعض ایسے اسرار رکھے ہیں جنکی تہ کو پہنچنے کیلئے انسان اپنے علم و عقل کو ہر وقت دوڑاتا رہے۔ تاکہ اسکے علم میں وسعت اور عقل میں ترقی ہو۔ اور کہ اگر قرآن مجید میں ایسے اسرار نہ ہوتے تو انسان کے علم و عقل یا غور و فکر کا قطعاً خاتمہ ہو گیا ہوتا۔ مثلاً اگر رب العزۃ نے کائنات کے اندر ہوا۔ پانی۔ آگ۔ بجلی۔ ریڈیم۔ شعاع وغیرہ کے اسرار نہ رکھے ہوتے۔ تو انسان ہرگز دنیا میں اتنی علمی و مادی ترقی نہ کر سکتا اسیطرح اگر انسان کے اپنے جسم کے اندر بعض لاینحل بھید نہ رکھے ہوتے تو اسکی تمام فزیالوجی سائیکالوجی یا سپر چوئلزم کا خاتمہ تھا۔ ٹھیک اسی طرح اگر رب العزۃ نے اپنے کلام پاک میں متشابہات نہ رکھے ہوتے۔ تو قرآن مجید ایک خشک سی کتاب رہجاتی۔ اور اسمیں انسان کے عقل و فکر تدبر و تفقہ کی دوڑ دھوپ اور مشق و ترقی کیلئے کوئی میدان نہ ہوتا۔

مسلم۔ آپ معاملہ کی تہ کو پہنچ گئے۔ اب آپ ذرا اس نتیجہ پر غور فرمائیں جو میں آپکے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔

اعرافی۔ قرآن پاک کے جس حصے کو ام الکتاب یا محکمات کے نام سے پکارا گیا ہے۔ اسمیں تو کسی قسم کی تاویل کی گنجائش ہی نہیں رکھی گئی۔ وہ تو اصول متعارفہ ہیں۔ متشابہات کے میدان میں انسانوں نے بہت دوڑ دھوپ کی ہے اور ابتک کر رہے ہیں۔ یہ اسی دوڑ دھوپ کا ہی نتیجہ ہے کہ اسلام کا علمی خزانہ علم حدیث۔ علم فقہ۔ علم کلام وغیرہ سے مالا مال ہو رہا ہے۔ اگر قرآن پاک میں یہ متشابہات نہ ہوتے۔ تو نہ علم حدیث ظہور میں آتا۔ نہ علم فقہ۔

اعرافی۔ تو کیا آپکا اس سے یہ مطلب ہے کہ مسلمانوں میں جسقدر حدیث و فقہ کے اختلافات ہیں وہ ان متشابہات کی وجہ سے ہی ہوتے ہیں۔

مسلم۔ حقیقت تو یہی ہے۔ اسلئے کہ ام الکتاب کے متعلق تو نہ حدیث میں جھگڑا نہ فقہ میں جھگڑا۔ ہاں

جھگڑا اگر ہے تو ایسے ہی امور کے متعلق جو متشابہات ہیں۔ اور جنہیں انسانکو اجازت دیگئی ہے۔ کہ وہ اپنے عقل و فکر فہم و قیاس۔ تدبر و تفقہہ سے کام لے۔ مگر اپنی رائے یا قیاس کو آخری یا قطعی سمجھکر مخالفوں کے ساتھ دنگہ فساد نہ کرے۔

اعرابی۔ میں سمجھ گیا۔ آپ کا یہہ مطلب ہے۔ کہ حدیثوں تفسیروں یا فقہ کی کتابوں میں اس قسم کے مسائل کے متعلق جو کچھ بھی لکھا گیا ہے۔ وہ محض شخصی رائے کا اظہار ہے۔ اور کہ وُہ جزو ایمان نہیں ہے۔ اور کہ انکی بنا پر مسلمانوں کا آپس میں دنگہ فساد یا جھگڑے کرنا محض فضول اور تضیع اوقات ہے۔

مسلم۔ بالکل درست ہے۔ قرآن پاک یا ما انزل اللہ کے سوائے جو بھی انسانی کتاب ہے وہ محض انسانی رائے کے اظہار کا مجموعہ ہے۔ اس کا غلط یا صحیح ہونا ہمارے ایمان میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں کر سکتا۔ نہ ہی ہم مجبور ہیں یا مجبور کئے جا سکتے ہیں۔ کہ ما انزل اللہ کے سوائے ہم کسی دوسری انسانی کتاب کو بھی جزو ایمان بنائیں۔ یہ ہماری مرضی پر منحصر ہے کہ اگر ہم ایسی کتابونکو اپنے لیئے مفید سمجھیں تو انکو جزأً یا کلاً اپنے لیئے دستور العمل بنالیں اور اگر ہم غیر مفید سمجھیں تو انکو جزأً یا کلاً اٹھا کر کسی اونچی جگہ طاق یا الماری میں بند کر کے قفل لگا دیں۔

اعرابی۔ جزاک اللہ۔ آپ نے ایک نہایت ہی مہتم بالشان معمے کو میرے لیئے حل کر دیا اب لائن بالکل صاف ہو گئی۔ میں آپ کا نہایت ممنون و مشکور ہوں کہ آپنے میرے بہت سے شکوک کا ازالہ فرما دیا۔ میں نے آپ کا بہت سا قیمتی وقت لیا۔ اب آپ مجھے اجازت دیں کہ میں ذرا گھر ہو آؤں +

مسلم۔ آپ تشریف لے جائیں۔ مگر رب العزۃ کی طرف سے اس نہایت صاف اور سیدھا لائن کلیر کو ہر وقت اپنے مد نظر رکھنا۔ یعنی

اِتَّبِعُوا مَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُوْنِهٖ
اَوْلِيَآءَ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ (الاعراف ع) +

دیکھنا! کہیں بھول نہ جانا! رب العزۃ کی طرف سے تمہاری ہدایت کیلیئے جو کلام پاک نازل کیا گیا ہے۔ تم نے اسی کی پیروی کرتے رہنا۔ رب العزۃ کے کلام پاک کی موجودگی میں نہیں انسانی کلام کے پیچھے بھاگنے کی ضرورت نہیں فقط

ریویوز

۱- عالمگیر یہ اخبار حکیم محمد یعقوب اور خواجہ محمد ضیاء اللہ صاحب کی زیر ادارت امرتسر سے دو روزہ شایع ہوتا ہے۔ عالمگیر کا تازہ پرچہ اکالی نمبر اکالیونکی ان سختیونکے برخلاف ایک زبردست پروٹسٹ ہے۔ جو کہ اکالیونکی طرف سے بعض دیہات میں مسلمان مردوں اور عورتونکے برخلاف روا رکھی جاتی ہیں۔ اکالیونکے متعلق اب تک ہمارا یہ حسن ظن تھا۔ کہ یہہ ایک مرنجان مرنج گروہ ہے۔ جو اپنے مذہب کی خاطر قربانیاں کر رہا ہے۔ مگر عالمگیر میں اکالیونکی مسلمانونکے برخلاف جو بد عنوانیونکی طویل کہانی شایع ہوئی ہے۔ اگر اس میں پانچ فیصدی بھی صداقت ہے تو مسلمانونکو سمجھہ لینا چاہیئے۔ کہ یہہ گروہ اسلام اور مسلمانونکا بدترین دشمن ثابت ہوگا۔ اور کہ اکالیوں کے اس قسم کے مظالم کے برخلاف مسلمانونکو متفقہ طور پر آواز بلند کرنی چاہیئے۔ تاکہ اکالیوں کے ذمہ وار لیڈر ان مظالم کی تحقیقات کر کے انکا سد باب کرنیکے لیئے مجبور ہوں۔ مسلم جرائد کو چاہیئے۔ کہ وہ عالمگیر میں شایع کردہ اس قسم کے مضامین کا بغور مطالعہ کر کے ان کی صداقت کا پتہ لگا کر شرارت کا سد باب کرنیکی کوشش فرمائیں۔ عالمگیر کا سالانہ چندہ پانچروپیہ ہے۔ اور اکالی نمبر کی قیمت ۲ ر ہے۔

۲- بلاغ یہ ایک ماہواری رسالہ ہے جو زیر ادارت حکیم شہاب الدین صاحب امرتسر سے شایع ہوتا ہے اسکے مضامین حشو و زواید سے پاک اور خالص اسلامی سپرٹ میں رنگے ہوئے ہوتے ہیں نومبر کے پرچہ میں دیسے تو جتنے بھی مضامین ہیں وہ بہت ہی اعلیٰ ہیں۔ مگر ارتداد کے سلسلہ پر اڈیٹر صاحب نے جو مضمون سپرد قلم کیا ہے۔ وہ اس قابل ہے کہ مسلمان اسکا بغور مطالعہ فرمائیں اور جو لوگ کسی کلمہ گو کو کسی فروعی اختلاف کی بناپر کافر و مرتد کہدیتے ہیں وہ اپنی اس لغو حرکت پر ذرا شرمائیں۔ ملک کو اس قسم کے اعلیٰ پایہ کے مذہبی رسالونکی سخت ضرورت ہے۔ بلاغ کی لکھائی چھپائی بھی عمدہ ہے۔ سالانہ قیمت عہ۔

۳- ہزار داستان ہندوستان کی مسلم اور غیر مسلم دنیا میں اردو علم ادب کی ترقی و ترویج کے متعلق اسوقت جتنے بھی رسائل شایع ہو رہے ہیں۔ ہزار داستان (جو زیر ادارت حکیم احمد شجاع صاحب بی۔ اے لاہور سے باتصویر شایع ہوتا) ایسے تمام ادبی رسالہ جات پر اپنی دلچسپی۔ رنگینی۔ اور لطافت و نفاست کے لحاظ سے گوئے سبقت لے گیا ہے۔ قصے۔ کہانیاں اور سبق آموز فسانہ جات تو دیگر ادبی رسایل میں بھی شایع ہوتے ہیں مگر ان میں جو ہلکاپن اور سوقیانہ جھلک دیکھنے میں آتی ہے۔ ہزار داستان کے فسانہ جات اس قسم کی تصنع اور سوقیت سے بالکل پاک و صاف ہوتے ہیں۔ کاغذ و طباعت کے لحاظ سے بھی ہزار داستان قابل داد و قابل دید ہے۔

سالانہ قیمت چھہ روپیہ ہے۔

رجسٹرڈ ڈی ایل ۱۴۳۵

جملہ حقوق محفوظ ہیں

صدق اللہ فاتبعوا ملۃ ابراہیم حنیفا

خدا نے سچ کہا ہے کہ ابراہیم حنیف کے دین کی پیروی کرو

آل عمران

حنیف

جلد دوم	جنوری سنہ ۱۹۲۵ء	نمبر ا

کفر و اسلام حصہ سوم

ایڈیٹر۔ غازی محمود دھرمپال بی اے

لدھیانہ

سالانہ قیمت ے

فی پرچہ بارہ آنے

ممالک غیر ۲ شلنگ

کام کی باتیں

۱۔ حنیف ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو لدھیانہ سے شایع ہوتا ہے۔

۲۔ حنیف کی سالانہ قیمت چھ روپیہ ششماہی ۳ روپے۔ ممالک غیر ۱۰ شلنگ۔ فی پرچہ ۱۲ ؍

۳۔ حنیف کا معمولی حجم ایک سو صفحہ ماہوار ہے۔ مگر اس میں کمی بیشی بھی ممکن ہے +

۴۔ حنیف کا ہر ایک پرچہ دوسرے پرچہ سے مختلف ہوگا۔ نمونہ دیکھکر اسکی خریداری کا فیصلہ کرنا غلط فیصلہ ہے۔

۵۔ قیمت بذریعہ منی آرڈر آنے پر پرچہ فوراً جاری کر دیا جاتا ہے۔ مگر وی۔ پی کی صورت میں جبتک وی۔ پی کا روپیہ وصول نہ ہو۔ پرچہ جاری نہیں ہوگا +

۶۔ کسی ایسے منی آرڈر یا وی۔ پی کی رقم کے لئے جو ڈاکخانہ کی غفلت کیوجہ سے حنیف کے دفتر میں نہ پہنچے۔ ایڈیٹر جوابدہ نہیں ہوگا +

۷۔ حنیف کا ہر ایک پرچہ ایڈیٹر کی زیر نگرانی ڈاکخانہ میں ڈالا جاتا ہے۔ اگر کسی صاحب کو وقت پر نہ ملے تو وہ اپنے ڈاکخانہ میں شکایت کریں +

۸۔ کسی مہینہ کی پندرہ تاریخ تک اگر کسی کو پرچہ نہ ملے اور وہ دفتر حنیف میں شکایت کرے تو اسکے صحیح ہونیکی صورت میں دوسرا پرچہ بیرنگ بھیجا جاسکتا ہے۔ ۲۵ تاریخ کے بعد شکایت کی شنوائی نہ ہوگی۔

۹۔ ایسے خط کا جسکے جواب کیلئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ نہ بھیجا گیا ہو کوئی جواب نہیں دیا جاویگا +

۱۰۔ حنیف میں کسی قسم کا ادویہ کا اشتہار بڑی سے بڑی اجرت پر نہیں چھپیگا۔ دیگر اشیا کا اشتہار بہ اجرت دس روپیہ ماہوار فی صفحہ چھپ سکتا ہے بشرطیکہ ایڈیٹر کو یہ یقین دلایا جائے کہ جن اشیاء کا اشتہار ہے انمیں کسی قسم کی دھوکہ بازی نہیں ہے +

۱۱۔ اگر حنیف میں کسی اشتہار دہندہ کے برخلاف کسی خریدار کی کوئی شکایت آئیگی تو وہ مشتہر کے پاس بھیجدیجائیگی۔ اگر وہ دو ہفتہ کے اندر اندر خریدار کی تسلی نہیں کریگا تو شکایت کو درج رسالہ کر دیا جاویگا۔

۱۲۔ اشتہار کی قیمت اشتہار کے مسودہ یا اشتہار کی کتابت شدہ کاپی کیساتھ پیشگی آنی چاہیئے۔

(ایڈیٹر)

حنیف

جنوری سنہ ۱۹۲۵ء

ضرورت ہے

ضرورت ہے اس بات کی کہ حنیف کا دائرہ اشاعت زیادہ سے زیادہ وسیع کیا جائے حنیف نے اپنے لیئے جو محاذ پسند کیا ہے۔ وہ صعب ترین ہے۔ اس محاذ پر کھڑے رہنا اور جمکر مقابلہ کرنا اور پھر ایک یقینی فتح کی امید کامل بھی رکھنا تائید ایزدی کا ایک معمولی سا کرشمہ ہے حنیف کا مقصد و مدعا تو یہی ہے۔ کہ فطرۃ اللہ۔ دین قیم۔ ملت حنیف یا دین اسلام کے سوا جس قدر بھی اوہام باطلہ ہیں۔ انکو بیخ و بن سے اکھاڑ ڈالا جاوے۔ قارئین کرام کو چاہیئے۔ کہ وہ اسکے جملہ مضامین کا بہ نظر تعمق مطالعہ فرمایا کریں۔ اور اگر انکے دل میں کسی قسم کا اعتراض پیدا ہو تو وہ اسکو پیش کیا کریں کسی شخص کا یہہ لکھدینا کہ حنیف کے مضامین چونکہ میرے فرقہ کے مخالف ہیں۔ اس لیئے میں اس کو پسند نہیں کرتا محض کمزوری ہے حنیف فرقہ بندی ہی کو تو اڑانا چاہتا ہے۔ ایسی صورت میں وہ کسی خاص فرقہ کی رعایت کیونکر کرسکتا ہے۔ گذشتہ ماہ میں دو حضرات نے اپنی ششماہی کے ختم ہونے پر اسی عذر کی بنا پر حنیف سے علیحدگی اختیار کرلی۔ کہ اس میں اُن کے عقیدہ کی تائید نہیں۔ حالانکہ اُن کا عقیدہ صریحاً رب العزۃ کے کلام پاک کے منافی ہے۔ مجھے امید ہے۔ کہ وہ احباب جن کے دل میں حنیف کے لیئے محبت ہے۔ وہ ان دو خالی جگہوں کو پر کرنے کے لیئے دو نہیں۔ بلکہ دو درجن اصحاب کو اپنے ساتھ شامل کر کے حنیف کا دائرہ اشاعت وسیع کرنے میں کامیاب ہوں گے۔ (ایڈیٹر)

مسلم یا اہل اسلام

حنیف کا مقصد و مدعا مسلمانوں کو فرقہ بندیوں کی دلدل سے نکالکر مسلم یا اہل اسلام بنانا ہے۔ حنیف کے قارئین کرام میں سے سب سے پہلے اس صدا پر لبیک کہنے کیلئے آل سوال میں سے سید ممتاز حسن صاحب اس میدان میں نکلے ہیں چنانچہ آپ اپنے گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:-

مکرمی غازی صاحب۔ السلام علیکم۔

یوں تو میں شروع سے ہی آپ کی تحریر و تقریر کا عاشق ہوں۔ مگر رسالہ حنیف میں تو آپنے کمال ہی کر دیا ہے۔ میں تو اس رسالہ کا عاشق ہی ہو گیا جس وقت چٹھی رسان لیکر آتا ہے۔ دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ مشکل یہ ہے کہ میں اس کو پڑھکر فوراً ختم کر دیتا ہوں۔ اور پھر ایک ماہ تک ہجر کے صدمے سہنے پڑتے ہیں کہیں ایک ماہ کے بعد اسکی صورت دلفریب دکہائی دیتی ہے۔ آپنے واقعی اسلام کی حقیقی تعلیم کو اسمیں پیش کیا ہے۔ گو پہلے بھی اس فرقہ بندی کے جھگڑوں سے میرا دل اُچاٹ ہو رہا تھا۔ اور میں اپنے آپکو ہر ایک قسم کی فرقہ بندی سے آزاد سمجھتا تھا مگر حنیف کی (خدا اسکی عمر میں برکت دے) تعلیم کے بعد تو میں ان فرقہ بندیوں کے سخت مخالف ہو گیا ہوں۔ آپ نوٹ کریں۔ کہ تمام ہندوستان میں سب سے پہلے میں آپکی تعلیم پر صاد کرتا ہوں۔ میرا تو یہی خیال ہے۔ کہ مجھ سے پہلے کسی نے اس تعلیم کو قبول نہیں کیا ہوگا۔ خداوند کریم آپکی کوشش بار آور کرے اور تمام مسلمان اس تعلیم پر عمل پیرا ہوں۔ آپ اسلام کی سب سے بڑی خدمت کر رہے ہیں۔ اور میں امید کرتا ہوں۔ کہ آپ اس تعلیم کو جاری رکھینگے۔ ممکن ہو خداوند کریم مسلمانوں کو آنکھیں کھولنے کی توفیق عطا کرے۔ اور وہ آپکے ارشادات کو سمجھ سکیں۔ ایک دوسری ہی نئی طرف میں آپکو متوجہ کرتا ہوں وہ ذات پات ہے جس طرح ہندوؤں میں ذات پات ہے چھوت چھات ہے۔ اسیطرح مسلمانوں میں ذات پات کا اڑنگا چلا جا رہا ہے۔ آپ غور سے نظر اٹھا کر دیکھیں کہ جو مسلمان ہندی قوم سے ہیں۔ انمیں ابتک وہی ذات اور گوت قائم ہیں۔ جسطرح آپنے تحریر فرمایا ہے۔ کہ ہندوؤں میں گوڑ کے پگوڑ ہیں۔ وہی حالت یہاں بھی ہے۔ اول تو اسلام ذات پات کے بندھنوں سے آزادی دیوے دوسرے اگر اسکا شوق ہی ہے۔ تو سب شیخ کہلانے چاہئیں۔ اول

تو یہہ ہو کہ سب مسلمان کہلائیں۔ اگر کوئی دریافت کرے کہ مذہب؟ مسلمان۔ ذات؟ مسلمان۔ فرقہ؟ مسلمان۔ غرضیکہ ایسے ہر ایک سوال کا جواب مسلمان ہو۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو صرف اتنا ہو۔ کہ مذہب؟ مسلمان۔ ذات؟ شیخ۔ بس اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ یہ آپ ذہن نشین کر لیں۔ کہ فرقہ بندی کی طرح ذات پات سے بھی بہت تفرقہ پڑتا ہے۔ اسلیئے بہتر ہے کہ آپ اسکی مخالفت بھی اپنے محبوب رسالہ صحیفہ میں شروع کریں۔ اور میری تو عرض ہے کہ آپ اسی تعلیم کیلیئے ایک باقاعدہ مشن قایم کریں۔ خدا آپ کو اس مشن میں کامیاب کرے۔

نیاز مند! سید ممتاز حسن رئیس بروالہ سیداں ضلع حصار

مکرمی سید صاحب! میں نے آپکے خط کو آپکی اجازت کے بغیر اسلیئے شایع کر دیا ہے۔ تاکہ دیگر مسلمانوں کو بھی اسپر غور کرنیکا موقع مل سکے۔ واقعی میری صدا پر لبیک کہنے والے سب سے پہلے آپ ہی ہیں۔ ذات پات کے متعلق آپنے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے۔ وہ بالکل بجا و درست ہے اسبارہ میں میرا اپنا عمل وہی ہے۔ جو آپنے لکھا ہے۔ میں ذات پات کا قایل نہیں ہوں۔ میں نے عملی طور پر اسکو توڑ رکھا ہے۔ آپکا یہ فرمانا۔ کہ اس تعلیم کی اشاعت کیلیئے ایک باقاعدہ مشن قایم کیا جائے بالکل درست ہے۔ مگر یہ مشن تو اسیوقت قایم ہو گیا تھا جبکہ رب العزۃ نے اپنا کلام پاک اپنے رسول کی معرفت دنیا کو دیدیا۔ ہمیں اس الٰہی مشن کیطرف مسلمانوں کو بلانا چاہیے۔ تاکہ وہ شیعہ سنی حنفی۔ احمدی۔ اہل حدیث۔ اہل قرآن وغیرہ کے ناموں کو ترک کر کے اسی ربانی نام کو قبول کریں۔ اور وہ مسلم یا اہل اسلام بنکر ان تمام کانٹوں اور جھاڑیوں سے نکل آئیں جو انکو یوں چھلنی کر رہے ہیں۔ آپ اپنے ارد گرد ان خیالات کی خوب اشاعت کریں۔ اور ایک سرگرم مشنری بنجائیں۔ میرا اپنا خیال تو یہی ہے کہ اگر ہمارے ساتھ تھوڑے سے انسان بھی ان خاردار جھاڑیوں سے نکلکر کھڑے ہو جائیں۔ تو ہم نہایت آسانی کے ساتھ غیر مسلم دنیا کو دعوۃ اسلام دینے میں کامیاب ہو سکینگے۔ اگر غیر مسلموں میں مسلمانوں کو تبلیغ و اشاعت اسلام میں خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوتی تو محض اسلیئے کہ جن کانٹوں میں وہ الجھے پڑے ہیں بلکہ وہ مشن ان ہی جھگڑوں میں مسلمان پھنس رہے ہیں۔ بہرکیف کوشش شرط ہے۔ اور تبلیغ فرض۔

ایک بابی دوست کا خط

صحیفہ کے گذشتہ پرچہ میں بابیوں اور قادیانیوں کے باہمی جھگڑے پر اظہار تاسف کرتے ہوئے میں نے جو چند کلمات لکھے تھے۔ انکے جواب میں مولینا حشمت اللہ صاحب بی اے بہائی مشن کے

لیڈر آگرہ سے تحریر فرماتے ہیں:-

"میں آپکا بہت مشکور ہوں کہ آپنے حنیف کے تازہ پرچہ میں قادیانی بحث کے بارہ میں مجھے دوستانہ نصیحت فرمائی ہے۔ میں اس پر غور کرونگا۔ کہ اس پہلو میں ہمیں کونسا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے۔ مگر پیشتر اس کے کہ میں اس بات پر بحث کروں میں یہ جاننا چاہتا ہوں۔ کہ آیا آپ ایک ایسی خط و کتابت کیلیئے جو دس سال تک فریقین کیطرف سے بالکل صیغہ راز میں رہے۔ تیار ہیں یا نہیں؟ میں آپکو یہ بھی اطلاع دینا چاہتا ہوں کہ میں ہندوستان کی برہما کی بہائی کمیٹی تبلیغ و اشاعت کا انچارج ہوں۔ اندریں صورت آپکا مشورہ اس تحریک کے ایک باقاعدہ نمائندہ کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کریگا۔ جس سے کہ آپ محبت کرتے ہیں میں یہ بھی آپکو اطلاع دینا چاہتا ہوں۔ کہ میں شروع جنوری سے دہلی سے ایک ماہواری میگزین جاری کرنیوالا ہوں۔ جو کہ مجلسی اور دینی اصلاح کا بیڑہ اٹھائیگا۔ کیا آپ پہلے پرچہ کے لئے اپنی زندگی کا مختصر سا حال عنایت فرما دینگے۔ آپکا صادق حشمت اللہ +

جواب - محترمی - میں آپسے معافی چاہتا ہوں کہ میں نے آپکا خط یوں شایع کر دیا ہے میرے نزدیک مذہب کا کوئی مسئلہ صیغہ راز میں نہیں رکھا جا سکتا۔ یہانتک کہ میں تو اپنے عقیدہ کو بھی صیغہ راز میں رکھنا پسند نہیں کرتا۔ آپ مجھے جو کچھ بھی لکھنا یا کہنا چاہیں وہ علی الاعلان لکھیں۔ بابیوں کے متعلق میں نے اپنے حسن عقیدت اور محبت کا کھلے الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ کیونکہ جہانتک میں نے بابی تحریک کا مطالعہ کیا ہے۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ اسکا ظہور دنیا سے ظلم و جہالت۔ جھوٹ و نفاق کو دور کرنے کے لئے ہوا۔ ایسی صورت میں میں کوئی وجہ نہیں دیکھتا۔ کہ آپ اپنے صحیح مشن کو نظر انداز کر کے قادیانیوں کے ساتھ ایک فضول مسئلہ پر بحث کر کے کیوں تضیع اوقات کر رہے ہیں۔ کیا آپکی جماعت اسبات پر غور کرنیکے لئے تیار ہے۔ کہ آپکو بابی یا بہائی کی بجائے مسلم یا اہل اسلام کہلانیسے کیوں پرہیز ہے؟ یا بصورت دیگر کیا آپکی جماعت یہ بتا سکتی ہے۔ کہ وہ کونسی صداقت ہے جسکی تعلیم قرآن مجید نے نہ دی ہو۔ اور اس کمی کو آپکی جماعت پورا کر رہی ہو؟ تاکہ میں بھی اس پر غور کر سکوں۔ مجھے امید ہے۔ کہ آپ میرے سوال کا جواب بذریعہ اخبار دینگے + ڈایڈیٹر۔

ڈاکٹر کرپال سنگھ صاحب کا خط! ملک کے مختلف مقامات سے بعض صاحبان کے متواتر خطوط آرہے ہیں کہ وہ میرے پاس ہکر مجھ سے

کچھ سیکھنا چاہتے ہیں۔ میں ایسے تمام حضرات کو جواب دیتا ہوں کہ میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسکو میں سکھا سکوں۔ جو کچھ ہے۔ وہ سب کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ گذشتہ ماہ اندور سے سردار کرپال سنگھ صاحب نے پنشن لے چکنے کے بعد مجھے اسی قسم کا خط لکھا کہ میں اپنے تمام عیال و اطفال کے ہمراہ آپ کے پاس آنا اور رہنا چاہتا ہوں۔ میں نے انکار کر دیا۔ اس پر سردار صاحب موصوف لکھتے ہیں:۔

مخدومی من تسلیم۔ آپکا کرپا پتر پہنچا۔ پڑھکر دل کو از حد خوشی اور کمال مسرت حاصل ہوئی۔ دیکھئے آپکا اور میرا کام گو بظاہر مختلف معلوم ہوتا ہو۔ مگر در حقیقت ایک ہی ہے۔ میں مذہب سے باہر نہیں ہوں۔ مذہب ہر ایک شاخ پر حاوی ہے۔ میں سائنس سے مذہب کو ریفارم کرنا چاہتا ہوں۔ اور آپ قرآن و دلیل و برہان اور اپنی خداداد دماغی طاقت سے۔ مگر ذرا کرپا کر کے مجھے اپنے درشن کرنے کی اجازت تو دیں۔ پھر جو کچھ فیصلہ آپ میرے لئے کرینگے۔ اگر وہ مجھے پسند ہوا تو میں اسے قبول کرونگا۔ میں ابھی تو آپ سے کچھ معلومات حاصل کرنیکے لئے آؤنگا۔ کام کا طریقہ سیکھونگا۔ آپکی تحریر کا طریقہ معلوم کرونگا۔ آپ کے وسیع مطالعہ اور گہری معلومات سے مستفید ہونگا۔ آپ اسکی تو مجھے اجازت دیدیں۔ میں اسلام کے متعلق آپ سے مل کر واقفیت حاصل کرونگا اور نیز دیگر مذاہب کے بارے میں بھی میں ایک مبتدی کی حیثیت میں آپکے چرنوں میں حاضر ہونگا۔ میرا خیال ہے کہ آپ ضرور اس التماس کو منظور فرمائینگے۔ بڑے آدمی سے ملنا کوئی جرم یا گناہ نہیں ہے۔ میں صرف کاسۂ گدائی لیکر حاضر ہونگا۔ جو آپکی مرضی ہو اس میں ڈالدینا شکریہ کے ساتھ قبول کرونگا۔ آپکو ایک مفت کا کام کرنے والا ملتا ہے۔ اسے آپ کیوں اپنے دروازہ سے دھکیل رہے ہیں۔ مسیح کا قول ہے۔ کہ تم دروازہ کھٹکھٹاؤ۔ تم پر دروازہ کھولدیا جاویگا۔ میں ضرور امید کرتا ہوں کہ میرے لئے دروازہ بند نہ کیا جاویگا۔ صرف سوال اتنا ہے۔ کہ کیا میں خود آکر آپکے درشن کر سکتا ہوں۔ اگر اجازت ملی تو ضرور حاضر خدمت ہو کر لابھ اٹھاؤنگا۔ آپکا داس۔ کرپال سنگھ پنشنر اندور 12/24

جواب۔ مکرمی سردار صاحب میں بڑا آدمی نہیں ہوں۔ نہ ہی میرے پاس کوئی ایسا راز ہے جسکو میں سکھانیکا مدعی ہوں۔ میرے پاس صرف ایک ہی چیز ہے۔ اور وہ اسلام ہے۔ جسکا میں اظہار کر رہا ہوں۔ آپکی تمام عمر سائنس کے جھگڑوں میں گذری ہے

میری تمام عمر مذہب کے معاملات میں۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوا ہوں کہ اسلام سائنس ہے اور سائنس اسلام ہے۔ اسلئے کہ سائنس جس لفظ سے مشتق ہے۔ اسکے معنے ہی علم کے ہیں یہی علم یا سائنس سب سے پہلی نعمت تھی۔ جو ہمارے خالق کیطرف سے ہمارے جد امجد کو ملی تھی۔ اور جسکی بدولت وہ فرشتوں پر فوقیت لے گئے تھے۔ اگر آپ نے سائنس کو سمجھ لیا ہے تو اسلام کا سمجھنا آپ کے لئے مشکل نہیں ہوگا۔ میں آپ کو اپنے پاس آنے سے نہیں روکونگا۔ مگر مناسب سمجھتا ہوں کہ آپ فی الحال کفر و اسلام کے جملہ مضامین کا مطالعہ کرتے جائیں۔ جو کچھ مدت تک حنیف کے ذریعہ شایع ہوتے رہینگے۔ اگر ان مضامین کا مطالعہ کرنیکے بعد آپ یہ دیکھیں کہ ہم کسی مشترکہ محاذ پر اکٹھے ہو سکتے ہیں۔ تو بسم اللہ۔ آپ نے تشریف لے آنا۔ (ایڈیٹر) +

پیغام صلح کی تنگدلی

مذہبی تعصب یا تنگدلی کا اگر ایسے لوگوں کی طرف سے اظہار ہو۔ جو تنگدلی کے برخلاف اکثر شکایت کرتے دیکھے جاتے ہیں۔ تو بڑا افسوس ہوتا ہے۔ لاہور کی احمدی پارٹی تعلیمیافتہ آدمیوں کا مجمع سمجھی جاتی ہے۔ مگر اس پارٹی کے اخبار پیغام صلح کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ باوجود تعلیمیافتہ ہونے کے احمدیوں کا یہ لاہوری فرقہ بھی کتنا تنگدل واقع ہوا ہے ہم نے حنیف کے گذشتہ پرچہ میں بابی فرقہ کے لیڈروں کو جو سلطنت فارس کیطرف سے اپنے عقائد کی بنا پر قتل کئے گئے۔ شہیدان صادق لکھدیا تھا۔ امرتسر کے روزانہ اخبار "تنظیم" نے میرے اس نوٹ کو لفظ بہ لفظ نقل کر دیا۔ مگر کسی مصلحت سے تنظیم کے فاضل ایڈیٹر نے حنیف کا حوالہ نہ دیا۔ اس نوٹ کو پڑھکر پیغام صلح "تنظیم" پر برس پڑا۔ کہ ہاں ہاں تم نے بابیوں کے مقتولوں کو شہید صادق کیوں لکھدیا۔ یہ تم نے بڑا کفر کیا۔ بہتر ہے کہ تم اس کی فوراً تردید کر دو۔ مگر "تنظیم" نے پیغام صلح کو کوئی جواب نہیں دیا اور اسکو جواب دینا بھی نہیں چاہئے تھا۔ کیونکہ اسکی ذمہ واری حنیف پر عاید ہوتی ہے نہ کہ تنظیم پر۔ کس قدر حیرت کا مقام ہے۔ کہ نعمت اللہ خان احمدی کابل میں سنگسار کیا جائے اور اسکو حنیف کے کالموں میں علانیہ قتل عمد موسن لکھا جاوے۔ اور اس قتل کے برخلاف حنیف کے کالموں میں نہایت زبردست الفاظ میں پروٹسٹ کیا جاوے۔ اور پیغام صلح بھی اسکو نقل کرے۔ مگر جب اسی قسم کے قتل کے برخلاف جو فارس کی سلطنت کی طرف

سے مسلمانوں کے حق میں جائز سمجھا گیا ہو جنیف میں آواز اٹھائی جائے۔ اور ایسے مقتولونکو شہید صادق کہا جائے۔ تو پیغام صلح کو یہ برا معلوم ہو۔ کیوں صاحب؟ یہ تنگدلی اور تعصب کیوں؟ اگر نعمت اللہ خان افغانستان میں قتل کیا جا کر شہید کہلا سکتا ہے۔ تو مرزا علی محمد باب اور طاہرہ خاتون قرۃ العین فارس میں قتل گئے جا کر شہید کہلائے جانیکا کیوں حق نہیں رکھتے؟ خدا کے بندو! تم زندوں کے ساتھ تو مذہبی اختلاف کی بنا پر جھگڑتے ہو۔ مگر وہ نیکدل مسلمان جو اپنے ضمیر کے لیئے شہید ہو گئے تم ان کے حق میں تو کلمہ خیر کہو۔ کیونکہ اب وہ تمہارے اعتراضات کا جواب دینے کے لیئے دنیا میں نہیں آسکتے +

یہ نماز ہی کا کچا دھاگا!

ہندوؤں کے متعلق یہ مشہور تھا۔ کہ ان کا دھرم ایک کچا دھاگا ہے۔ ہندو تو پکے ہو گئے۔ اور یہ کچا دھاگا مسلمانوں کے حصے میں آگیا۔ مسلمانوں کے جاہل طبقہ میں عرصے سے یہ خیال چلا آتا تھا کہ فلاں مسلمان کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے اور فلاں کے پیچھے نہیں ہوتی۔ مگر اب یہ جہالت تعلیمیافتہ طبقہ میں بھی گھستی چلی آرہی ہے۔ لاہوری احمدی فرقہ تعلیمیافتہ انسانوں کا مجمع سمجھا جاتا تھا۔ اس جماعت کے امیر مولانا محمد علی صاحب جو ایم۔ اے کے علاوہ ایل۔ ایل۔ بی بھی ہیں۔ اپنی جماعت کو تعلیم دیتے ہیں کہ جو مسلمان میرزا صاحب کے مکذب یا مکفر یا متردد ہوں۔ انکے پیچھے نماز مت پڑھو۔ بلکہ سب جگہ اپنی مسجدیں الگ بناؤ۔ یہ کیوں؟ شاید اسلیئے کہ میرزا صاحب کا مکذب امام کہیں احمدیوں کی نماز کو اللہ میاں تک پہنچنے کی بجائے اپنے ہی جھولے میں ڈالکر اپنے گھر نہ لیجائے۔ اندیشہ ہے۔ کل کو احمدی جماعت یہ بھی اعلان نہ کر دے کہ میرزا صاحب کے مکذبوں۔ یا مکفروں کو اپنے پیچھے بھی نماز مت پڑھنے دو۔ تاکہ وہ تمہاری نماز کو چرا نہ لیجائیں۔ استغفر اللہ۔ یہ کیسی جہالت ہے! میں میرزا صاحب کے دعاوی کا قایل نہیں ہوں۔ مگر مجھے جہاں کہیں بھی موقع ملتا ہے۔ میں احمدیوں کی مسجد میں انکے امام کے پیچھے بلا خوف و خطر نماز پڑھ لیتا ہوں۔ اسلیئے کہ میرا عقیدہ یہ ہے۔ کہ میری نماز کی قبولیت امام کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ بلکہ رب العزۃ کے ہاتھ میں ہے۔ مگر احمدیوں کا عقیدہ غالباً یہی ہے کہ رب العزۃ تک نماز پہنچانیوالا امام ہی ہوتا ہے۔ اگر وہ احمدی ہو گا تو نماز اللہ میاں تک پہنچ جاویگی۔ ورنہ بصورت دیگر اندیشہ ہے کہ امام صاحب کہیں

احمدیوں کی نماز کو امرتسری مولوی ثناء اللہ کے دفتر میں نہ گھسیٹ لے جائیں۔ احمدی دوستو! تم نے تو لنڈن اور نیویارک میں اسلام کا جھنڈا بلند کیا ہے۔ کیا وہاں ایسے ہی فاسد خیالات کی اشاعت تو نہیں کر رہے ہو؟

یہ لیجیئے ایک اور لطیفہ } حنیف کے گذشتہ پرچہ میں اہل حدیث و اہل قرآن کے متعلق جو نوٹ دیا گیا تھا۔ اسکو نقل کرکے امرتسر کے

اخبار اہلحدیث نے یہ بدعت تراشی ہے کہ میں نے نئی نماز کا اعلان کیا ہے۔ استغفر اللہ میں نے تو کسی نئی نماز کا اعلان نہیں کیا۔ بلکہ اسی نماز پر روشنی ڈالی ہے جس کا رب العزۃ نے اپنے کلام پاک میں جابجا ذکر کیا ہے۔ اسی ربانی نماز میں اگر نیاپن یا جدت و بدعت پیدا کی ہے تو ان لوگوں نے جنہوں نے آمین و رفع یدین کے جھگڑے کھڑے کرکے فتنہ و فساد برپا کر رکھا ہے۔ رب العزۃ کی نماز میں اس قسم کا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ تجربہ کرنا چاہو تو میں حاضر ہوں تم امام بنو۔ میں تمہارے پیچھے نماز پڑھونگا تم ایکدفعہ آمین کہو تو میں دس دفعہ کہنے کیلئے تیار ہوں۔ تم ایکدفعہ رفع یدین کرو میں دس دفعہ کرونگا نہیں کروگے تو میں نہیں کرونگا۔ تمہارا عقیدہ کچھ ہی ہو۔ مگر میں تمہارے پیچھے نماز پڑھلونگا۔ اس لیئے کہ میں تمہاری طرح نماز کو اونٹ نہیں سمجھتا جسکی نکیل امام کے ہاتھ میں ہو یعنے امام اپنا تو نماز اپنی۔ امام غیر تو نماز بے خیر۔ میری نماز امام کے آمین کہنے یا نہ کہنے۔ امام کے ہاتھ ہلانے یا ٹانگ مارنے سے ضایع نہیں ہوسکتی مگر تمہاری نماز ضایع ہوجائیگی۔ ذرا سوچو۔ کس کی نماز کچا دھاگا۔ اور کس کی نماز حبل اللہ ہے؟

تم اس حبل اللہ کو نئی نماز کہتے ہو؟ حالانکہ یہ وہ چیز ہے۔ جس کی رب العزۃ نے تعلیم دی ہے اور جس پر کسی قسم کا جھگڑا ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے کہ یہ رب العزۃ کی نماز ہے۔

اس کو کھیل نہ سمجھو۔ ذرا سوچ سمجھکر لکھو۔ اس لیئے کہ تمہارا مخاطب اہل حدیث یا اہل فقہ۔ یا اہل قرآن نہیں ہے۔ بلکہ اہل اسلام ہے جس کی گرفت سے تم کسی طرح نہیں بچ سکتے ہو۔ اگر بچنا چاہتے ہو۔ تو صرف ایک ہی طریقہ ہے۔ اور وہ یہ کہ تم اپنے آپ کو اہل حدیث کہنا چھوڑ دو۔ اور مسلم بن جاؤ۔ اس لیئے کہ اہل حدیث تمہارا خود تراشیدہ نام ہے جبکہ مسلم رب العزۃ کا دیا ہوا ہے ذرا بتاؤ تو سہی تمہارا خود تراشیدہ نام اچھا ہے یا رب العزۃ کا دیا ہوا اور پھر تم تو یہ کہتے ہو کہ تم نبی کی اتباع کرتے ہو کیا نبی نے یہ کہا ہے کہ میں اہلحدیث ہوں تمنے بھی اہلحدیث کہلانا۔ افسوس خدا تو ایکطرف۔ نبی نے بھی تمہارے نام کی تائید نہیں کی پھر تم اہلحدیث کیسے بنے؟

بارھویں فصل

پیچیدہ سوال

اعرافی۔ السلام علیکم۔

مسلم۔ وعلیکم السلام۔ کہیئے! اتنے دن کہاں کہاں کی سیر کی؟

اعرافی۔ جناب سیر تو کیا کرنی تھی۔ دسمبر کا مہینہ تھا۔ چاروں طرف سیاسی اور مذہبی جلسوں کی بھرمار رہی۔ ان ہی میں میں بھی سرگرداں رہا۔

مسلم۔ تو کیا کانگریس یا خلافت کے جلسے میں تشریف لے گئے تھے؟

اعرافی۔ سیاسی معاملات سے تو مجھے چنداں دلچسپی نہیں ہے۔ میں تو مذہبی جلسوں میں گھومتا رہا۔

مسلم۔ تو کیا آپ کسی انجمن کے جلسے میں جا گھسے تھے؟

اعرافی۔ ایک نہیں بلکہ میں کئی جلسوں میں گیا۔ مگر پریشان اور مایوس ہو کر ہی آیا۔

مسلم۔ مایوسی کی وجہ کیا تھی؟

اعرافی۔ وہی آپس کی تھکا فضیحتی اور کھڑ پینچ بازی۔

مسلم۔ کھڑ پینچ بازی کے کیا معنے؟

اعرافی۔ یہی جو تم بیزار۔

مسلم۔ میں نے تو یہ محاورہ آپ سے ہی سنا ہے۔ یہ کیسا مرکب ہے؟

اعرافی۔ حضرت! کھڑ پینچ مرکب ہے کھڑا اور پینچ سے۔ یعنے ایسا پنچ یا ثالث جو ہر ایک جھگڑے کا فیصلہ کرنیکے لیئے ہر وقت ہر فرقہ میں کھڑا رہتا ہے۔ چوروں کو سیدھا کرنا ہو تو کھڑ پینچ۔ قمار بازوں کی مرمت کرنی ہو تو کھڑ پینچ۔ نوکر کام بگاڑے تو کھڑ پینچ۔ بچہ سکول نہ جائے تو کھڑ پینچ۔ رعایا بگڑ جائے تو کھڑ پینچ۔ اگر کوئی ملنا لاجواب ہو جائے۔ تو کھڑ پینچ کھڑک جاتا ہے۔

مسلم۔ اس آخری فقرہ کا کیا مطلب ؟

اعرابی۔ سن لیجئے۔ میں ایک جلسہ میں موجود تھا۔ ایک صاحب جنکو لوگ اہل قرآن کہتے تھے۔ وعظ فرما رہے تھے۔ وعظ کیا تھا؟ حنفیوں۔ اہل حدیثوں سنیوں وغیرہ کی ان تمام کتب پر جو قرآن مجید کے علاوہ انکے نزدیک قابل سند مانی جاتی ہیں تنقید کر رہے تھے۔ اور فرما رہے تھے کہ اسلام پر جسقدر اعتراضات غیر مسلموں کی طرف سے ہوتے ہیں۔ وہ ان سنی لوگوں کی ایسی ہی کتب کی بنا پر ہوتے ہیں۔ ان تمام فرقے کے قول و فعل کی بنیاد قرآن مجید پر نہیں۔ بلکہ حدیث و فقہ پر ہے۔ جو غلطیوں سے بھرپور ہیں اور قابل اعتبار نہیں۔ وہ بڑے شدومد سے سنی مسلمانوں کا حلیہ بگاڑ رہے تھے کہ اتنے میں ایک کونے سے ایک نوجوان بول اٹھا۔

نوجوان۔ مولانا آپ تمام اہل سنت کو رگڑ رہے ہیں۔ اگر آپ ایسے ہی اہل قرآن ہیں تو پہلے ذرا اپنا حلیہ تو ٹھیک کیجئے۔ آپنے سوانگ تو بھر رکھا ہے سنیوں کا اور بنے پھرتے ہیں اہل قرآن۔

مولانا کیوں صاحب میں نے سنیوں کا کونسا سوانگ بھر رکھا ہے ؟

نوجوان۔ یہ مونچھیں تو آپنے دیوبندیوں کی طرح رگڑ چھوڑی ہیں۔ مگر داڑھی اہل حدیثوں کی طرح بڑھا رکھی ہے۔ قرآن مجید نے کہاں کہا ہے کہ مونچھوں کو ترشواؤ اور داڑھی کو بڑھاؤ۔

مولانا۔ میاں! یہ تمہاری قرآن مجید سے ناواقفی کی دلیل ہے۔ دیکھو میں تمہیں داڑھی بڑھانے کا قرآن مجید سے ثبوت دیتا ہوں۔ ذرا غور سے سنو جب خداوند کریم نے موسی علیہ السلام کو فرمایا کہ اے موسی تیری قوم گمراہ ہوگئی ہے تو جلدی انکی طرف جا۔ تو موسی علیہ السلام فَرَجَعَ اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۔ غضب اور افسوس سے بھرے ہوئے اپنی قوم کیطرف آئے۔ اور دیکھا کہ وہ ایک بچھڑے کو معبود بنائے بیٹھے ہیں۔ موسی علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون کی داڑھی اور انکے سر کے بالوں کو پکڑ لیا کہ تو نے میرے حکم کی تعمیل کیوں نہ کی۔ اور قوم کو کیوں گمراہ ہونے دیا۔ اسپر ہارون علیہ السلام نے جواب دیا کہ: يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَأْسِيْ (طہ ع ۵) اے میری ماں کے بیٹے تو مجھے میری داڑھی اور سر کے بالوں سے مت پکڑ۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر داڑھی رکھا کرتے تھے۔ اور کہ وہ اتنی لمبی ہونی چاہئے۔ جو آسانی سے پکڑی جا سکتی ہو۔ بس ہمیں بھی پیغمبروں کی

اسی سنت پر عمل کرنا چاہیے۔ یعنے لمبی داڑھی رکھنی چاہیے۔
مسلم۔ مولنا صاحب نے داڑھی کے حق میں دلیل تو خوب دی۔ مگر اس سے کیا اس نوجوان کی تسلی بھی ہو گئی تھی۔ یا نہیں؟
اعرابی۔ حضرت مولینا کی دلیل کو سنکر حاضرین تو عش عش کر اٹھے۔ مگر وہ نوجوان بول اٹھا کہ جناب اگر اس آیت سے آپ یہی غلط نتیجہ نکالنا چاہتے ہیں تو پھر سنت انبیا پر پورا پورا عمل کیوں نہیں کرتے؟
مولینا۔ ہم تو پورا پورا عمل کرتے ہیں۔
نوجوان۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ آپ آدھی سنت پر عمل کرتے ہیں۔ اور آدھی کو ترک کرتے ہیں۔
مولینا۔ وہ کیونکر؟
نوجوان۔ حضرت! میں تو اس بات کا قایل نہیں ہوں کہ موسیٰ علیہ السلام جیسا الوالعزم اور صاحب شریعت نبی اپنے سگے بھائی کی داڑھی پکڑے۔ اور بھائی بھی وہ جو ان سے عمر میں بڑا اور نبی بھی ہو۔ اور داڑھی بھی کہاں پکڑے؟ اپنی ساری قوم کے سامنے۔ حضرت! اگر اخذ لحیہ کا مطلب آپکے نزدیک درحقیقت یہی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے سگے بھائی اور پیغمبر کی داڑھی پکڑ لی۔ تو معاف کیجئے۔ میں تو انکی نبوت سے ہی انکار کر دونگا۔ کیونکہ اگر ہمارے سامنے کوئی شخص بر سر عام کسی شریف آدمی کی داڑھی پر ہاتھ ڈالے۔ تو ہم ایسے شخص کو ہرگز اچھا نہیں سمجھینگے۔ چہ جائیکہ کوئی نبی بر سر عام اپنے سگے بھائی کی داڑھی کو پکڑے۔ اور وہ بھی بڑے بھائی کی داڑھی اور پھر پیغمبر کی! اور پکڑے بھی بلا وجہ۔ بے قصور۔ استغفر اللہ۔! آپ نے بھی کمال کر دیا کہ موسیٰ سلام علیہ نے ہارون سلام علیہ کی داڑھی پکڑ لی۔ جناب اگر اس سے آپ داڑھی رکھنے کے حق میں دلیل لاتے ہیں تو اس سے داڑھی پکڑنے کے حق میں بھی دلیل قایم ہوتی ہے۔ آپ نے اس آیت سے نبیوں کا حلیہ ہی ثابت نہیں کیا۔ بلکہ نبیونکا آپس میں ایک دوسرے کی داڑھی پکڑنا بھی ثابت کر دیا ہے۔ آپ نے ہارون علیہ السلام کیطرح داڑھی بڑھا کر آدھی سنت پر عمل کیا۔ ذرا اجازت دیجئے تو اس کو پکڑ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سنت پر میں عمل کر دکھاؤں؟
مسلم۔ یہ نوجوان تو بڑا گستاخ نکلا!

اعرافی۔ مگر اسکو گستاخی کی سزا بھی تو فوراً مل گئی۔

مسلم۔ وہ کیسے؟

اعرافی۔ اس نوجوان نے اپنی تقریر کے آخری حصہ کو ختم کرکے اپنا ہاتھ جو مولینا کی داڑھی کی طرف بڑھایا۔ تو چند ایک مسلمانوں نے اسی جگہ کھڑ پیچ نکال اس نوجوانکی مرمت کر ڈالی +

مسلم۔ یہ تو بہت بیہودہ پن کیا۔ مولینا کو چاہیے تھا کہ وہ اس نوجوان کے اعتراض کا جواب دیتے +

اعرافی۔ نوجوان تو پٹ پٹا کر وہاں سے رخصت ہوا۔ مگر جسقدر سمجھدار آدمی وہاں موجود تھے وہ آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے۔ کہ واقعی اسکا اعتراض تو بہت معقول تھا۔ کہ پیغمبر تو ایک دوسرے کی یوں داڑھیاں پکڑیں۔ مگر دوسروں کو تہذیب و شائستگی کا سبق دیں۔ یہ بات تو بڑی بیہودہ سی معلوم ہوتی ہے۔ اسمیں ضرور کچھ بھید ہے۔ اسی قسم کے شور و شر میں جلسہ درہم برہم ہو گیا۔ اور جس مولینا نے داڑھی کا بے سرا راگ الاپ کر یہ بدمزگی پیدا کی تھی۔ وہ بھی چپکے سے چلتے بنے۔

مسلم۔ آخر کسی نے اس اعتراض کا جواب بھی دیا یا نہ؟

اعرافی۔ جلسہ میں تو کسی نے جواب نہیں دیا۔ ہاں راستے میں ایک داڑھی مسٹنڈا جنٹلمین لوگوں کو سمجھاتا آ رہا تھا کہ اخذ لحیہ عربی زبان کے محاورہ میں دشمنوں کو ہٹنے کا موقع دینے کو کہتے ہیں۔ نہ کہ سچ مچ کسی شریف کی داڑھی کو پکڑ لینا۔ یہ اس مولوی کا غلط اجتہاد تھا کہ وہ اس آیت سے داڑھی بڑھانے اور مونچھیں کتروانے کی سنت نبوی ثابت کرتا تھا۔ دوسرا شخص بول اٹھا کہ جناب ہم تو سمجھتے تھے۔ اہل قرآن لوگ داڑھی مونچھ کے جھگڑوں میں نہیں پڑتے۔ مگر آج معلوم ہوا کہ یہ بھی دوسرے ملاؤں کی طرح اسی گھڑے کی مچھلیاں ہیں۔ تیسرا کہنے لگا۔ کہ اہل قرآن بھی کیا کریں۔ سنیوں کے ساتھ انکے گہرے تعلقات ہیں۔ انکا کھانا پینا بیاہ شادی لینا دینا سب سنیوں اور حنفیوں کے ساتھ ہی ہے۔ اگر یہ لوگ داڑھی مونچھ اور نماز وغیرہ میں سنیوں کی نقل نہ کریں تو کل ہی بائیکاٹ کر دئے جائیں۔ چوتھا شخص بول اٹھا۔ اجی جناب موسیٰ علیہ السلام کو بچپن سے داڑھی پکڑنے کی عادت تھی۔ انہوں نے فرعون کی داڑھی پر بھی تو ہاتھ ڈالا تھا۔ بڑے ہو کر بھائی کی داڑھی پکڑ لی۔ تو کیا گناہ کیا! غرضیکہ جتنے منہ تھے اتنی ہی باتیں تھیں۔ سب لوگ اسی طرح گپ شپ اڑاتے چوک بازار تک پہنچ گئے۔ مگر چوک بازار کے سرے پر لوگوں کی ایک بھیڑ لگ رہی تھی۔ ہم وہاں ٹھہر گئے۔ دیکھتے اور سنتے کیا ہیں کہ ایک

پادری صاحب وعظ فرما رہے ہیں۔ پادری صاحب کا لب ولہجہ نہایت شیریں اور شریفانہ تھا۔ متانت اور سنجیدگی انکے چہرے سے ٹپکتی تھی۔ وہ اسلام پر نکتہ چینی کر رہے تھے۔ قرآن مجید کی آیات نہایت خوش الحانی سے پڑھتے تھے۔ سامعین میں زیادہ تر مسلمان تھے مگر سبکے سب پادری صاحب کے وعظ کو نہایت غور سے سن رہے تھے۔ اتفاق سے وہ نوجوان جو ابھی کھٹر پنچ کہا کر آیا تھا۔ سب سے اگلی قطار میں کھڑا تھا۔ جب پادری صاحب کے اعتراضات حد سے بڑھنے لگے تو وہ بول اٹھا۔

نوجوان۔ پادری صاحب! آپ اسلام پر تو اسقدر اعتراضات کی بوچھاڑ کر رہے ہیں۔ مگر آپ کی بینائی کی یہ حالت ہے کہ احول کو تو ایک کے دو دو نظر آتے ہیں۔ مگر آپکو ایک کے تین تین دکھائی دیتے ہیں۔ نوجوان کا یہ فقرہ سنکر سب مسلمان ہنس پڑے۔ کہ دیکھو! یہ حضرت یہاں بھی وہی انگلی لگا رہے ہیں۔ مگر پادری صاحب کے ماتھے پہ ذرا بل تک نہ آیا۔ بلکہ نہایت خندہ پیشانی سے بولے۔ عزیز من! میں سمجھ گیا۔ آپکا اعتراض ہمارے مسئلہ تثلیث پر ہے۔ مگر افسوس ہے کہ آپنے اسکو سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔

نوجوان۔ کیا مہربانی کرکے آپ مجھے بتا دیجئے۔ کہ آنکھ کا کونسا گوشہ دبا دیا جائے جس سے ایک کے تین نظر آنے لگجائیں۔ کیونکہ آنکھ کا کانی طرف کا گوشہ دبانے سے ایک کے دو تو نظر آجاتے ہیں۔ مگر تین نظر نہیں آتے۔ یہ کہکر اس مسخرے نے جملہ حاضرین کے سامنے آنکھ کا گوشہ دبا کر دکھایا۔ کہ دیکھو۔ آنکھیں میں ذرا بھینگا پن کر دینے سے مجھے ایک کے دو دو نظر آتے ہیں۔ اگر تم تجربہ کرنا چاہو تو کرلو۔ مگر پادری صاحب ذرا ایک کے تین دکھادیں تو جانوں۔ نوجوان کی اس حرکت پر سب حاضرین قہقہہ مار کر ہنس رہے تھے۔ گو مسکرا تو پادری صاحب بھی رہے تھے۔ مگر حیران تھے کہ سوال ٹیڑھا۔ سائل الٹا۔ جواب دوں کیا؟ آخر بولے کہ میاں تم نے تثلیث کے مسئلہ پر کبھی غور بھی کیا ہے؟

نوجوان۔ حضرت! میں نے تو اسپر کبھی غور نہیں کیا۔ ہاں آپکے لاٹ پادریوں نے اسپر جسقدر غور کیا ہے جب میں اس غور کردہ پر غور کرتا ہوں تو غور مجسم بنکر بھی میرے ہاتھ پلے کچھ نہیں پڑتا

پادری صاحب! آپنے ہمارے کن لاٹ پادریوں کے غور پر غور کیا ہے؟

نوجوان۔ اگر اجازت ہو تو سنا دوں۔

پادری صاحب۔ ہاں آپ بڑے شوق سے سنائیں۔

نوجوان نے جیب سے ایک پاکٹ بک نکالکر پڑھنا شروع کیا۔ ذرا غور سے سنئے گا۔ مقدس اتھنے سیس نے تثلیث کے متعلق یہ لکھا ہے:-

۱۔ باپ اور بیٹے اور روح القدس کی الوہیت ایک ہی ہے جلال برابر عظمت یکسان ازلی +

۲۔ جیسا باپ ہے ویسا ہی بیٹا اور ویسا ہی روح القدس ہے +

۳۔ باپ غیر مخلوق بیٹا غیر مخلوق - روح القدس غیر مخلوق +

۴۔ باپ غیر محدود - بیٹا غیر محدود - روح القدس غیر محدود +

۵۔ باپ ازلی بیٹا ازلی - روح القدس ازلی +

۶۔ تاہم تین ازلی نہیں - بلکہ ایک ہی ازلی ہے +

۷۔ اسی طرح تین غیر محدود نہیں - نہ تین غیر مخلوق - بلکہ ایک ہی غیر مخلوق اور ایک ہی غیر محدود ہے

۸۔ اسی طرح باپ قادر مطلق بیٹا قادر مطلق - اور روح القدس قادر مطلق ہے +

۹۔ تو بھی تین قادر مطلق نہیں - بلکہ ایک ہی قادر مطلق ہے +

۱۰۔ ایسا ہی باپ خدا - بیٹا خدا - روح القدس خدا ہے +

۱۱۔ تاہم تین خدا نہیں - بلکہ ایک ہی خدا ہے +

۱۲۔ اسی طرح باپ خداوند بیٹا خداوند - روح القدس خداوند ہے +

۱۳۔ پھر بھی تین خدا نہیں بلکہ ایک ہی خدا ہے +

۱۴۔ باپ نہ کسی سے مصنوع ہے نہ مخلوق - نہ مولود +

۱۵۔ بیٹا صرف باپ ہی سے ہے نہ مصنوع نہ مخلوق بلکہ مولود +

۱۶۔ روح القدس باپ اور بیٹے سے ہے نہ مصنوع نہ مخلوق نہ مولود بلکہ صادر ہے +

۱۷۔ پس تین باپ نہیں بلکہ ایک ہی باپ ہے تین بیٹے نہیں بلکہ ایک بیٹا ہے تین روح القدس نہیں - بلکہ ایک ہی روح القدس ہے +

۱۸۔ اس ثالوث میں کوئی ایک دوسرے سے پہلے یا پیچھے نہیں نہ کوئی ایک دوسرے سے بڑا یا چھوٹا ہے +

۱۹۔ بلکہ تینوں اقانیم یکساں اور باہم برابر ہیں +

۲۰۔ الغرض ہر امر میں جیسا کہ اوپر بیان ہوا - خدا واحد کی پرستش تثلیث میں اور ثالوث کی پرستش توحید میں کرنی واجب ہے پس جو کوئی نجات چاہے ثالوث کو یونہی مانے +

علاوہ اس کے ابدی نجات کیلئے ضروری ہے کہ وہ ہمارے خداوند یسوع مسیح کے تجسم پر بھی ٹھیک ٹھیک ایمان رکھے

۲۲۔ وہ خدا ہے۔ باپ کے جوہر سے۔ سب عالموں سے پیشتر مولود اور انسان ہے۔
جو اپنی ماں کے جوہر سے اس عالم میں پیدا ہوا +

۲۳۔ وہ کامل خدا اور کامل انسان ہے۔ نفس ناطقہ اور انسانی جسم سے موجود +

۲۴۔ الوہیت کی راہ سے باپ کے برابر انسانیت کی راہ سے باپ سے کمتر +

۲۵۔ وہ اگرچہ خدا اور انسان ہے تاہم دو نہیں بلکہ ایک ہی مسیح ہے +

(مقدس اتھنے سیس کا عقیدہ۔ از کتاب دعا صفحہ ۲۳۲)

نوجوان۔ کیوں جناب! کیا یہ گورکھ دھندا ہے یا نہیں؟

پادری صاحب۔ مگر یہ ایک راز ہے۔ نجات کے طالبوں کو اس پر ایمان لانا چاہئے +

نوجوان۔ مگر ہمارے ہاں اس قسم کے رازوں کو بیدینی یا کفر کہا گیا ہے۔ چنانچہ ہماری کتاب قرآن مجید میں لکھا ہے:-

يَاأَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللّٰهِ
إِلَّا الْحَقَّ ط إِنَّمَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهُ
أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ فَآمِنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَلَا تَقُولُوا
ثَلَاثَةٌ ط اِنْتَهُوا خَيْرًا لَكُمْ إِنَّمَا اللّٰهُ إِلٰهٌ وَاحِدٌ سُبْحَانَهُ
أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ۔ (النساء ع ۲۳)

اے اہل کتاب! اپنے دین کے مسائل میں حد سے تجاوز نہ کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کے برخلاف جھوٹی باتیں مت بناؤ۔ دیکھو! مسیح ابن مریم محض خدا کا رسول تھا جسکی پیدائش کی خوشخبری مریم کو دی گئی۔ اور وہ خدا کی طرف سے ایک پاک روح تھی۔ پس تم خدا پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔ اور مت کہو کہ خدا تین ہیں ایسے کفر سے باز رہو تمہاری بہتری اسی میں ہے۔ خوب یاد رکھو کہ خدا وحدہٗ لاشریک ہے۔ اس کی ذات پاک اس بات سے بے نیاز ہے۔ کہ اس کے ہاں کوئی بیٹا ہو +

پادری صاحب۔ مگر مسیح کو ہم اسلئے خدا کا بیٹا کہتے ہیں کیونکہ وہ ہماری تمہاری طرح انسانکے نطفہ سے پیدا نہیں ہوا تھا بلکہ وہ خدا کی روح تھی۔ اور وہ بغیر باپ کے پیدا ہوا۔ کیا تمہارے قرآن مجید میں اور تمہاری حدیثوں اور تفسیروں میں یہ نہیں لکھا کہ مسیح ابن مریم بغیر باپ کے پیدا ہو؟

نوجوان۔ ہم اس کو بغیر باپ کے پیدا شدہ نہیں مانتے۔ جو مانتے ہیں وہ غلطی پر ہیں +
پادریصاحب۔ (مسلمانوں کو مخاطب کر کے) کیوں بھائی مسلمانو! کیا یہ نوجوان ٹھیک کہتا ہے؟

مسلمان۔ بالکل جھوٹ بکتا ہے۔ یہ شیطان ابھی ایک جگہ سے کھڑپیچ کھا کر آیا ہے۔ اور اب یہاں بھی کھڑپیچ کھانا چاہتا ہے۔ نوجوان نے جب دیکھا کہ سب مسلمان پادری صاحب کے طرفدار ہو گئے ہیں تو وہ چپکے سے وہاں سے کھسک گیا

اب تو پادریصاحب نے مسلمانوں کو خوب ترنوائے دیے +

مسلم۔ وہ کیا؟

اعرافی۔ پادریصاحب نے فرمایا کہ مسیح انسان کے نطفہ سے نہیں تھا۔ اسی لیے وہ خداوند کہلایا۔ وہ نہ صلیب دیا گیا۔ نہ قتل کیا گیا۔ بلکہ زندہ آسمان پر چڑھ گیا جیسا کہ قرآن مجید میں لکھا ہے۔ اسلام کی تکمیل مسیح کے ہاتھ سے ہوگی۔ جبکہ وہ قیامت کے قریب آسمان سے نزول فرمائیگا۔ اور دمشق کے منارہ پر فرشتوں کے سہارے سے نازل ہوگا جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہے۔ ہر ایک وہ بچہ جو مرد کے نطفہ سے پیدا ہوتا ہے۔ شیطان سے مس کیا جاتا ہے۔ مگر مسیح مرد کے نطفہ سے نہیں تھا۔ اسلیئے اس کو شیطان نے بھی مس نہیں کیا۔ جیسا کہ احادیث و تفاسیر میں لکھا ہے +

مسلم۔ پادریصاحب نے یہ تو بڑا خطرناک وعظ کہا۔ کیا کسی مسلمان نے ان باتوں کا جواب نہ دیا؟

اعرافی۔ جواب کون دیتا جبکہ پادریصاحب حدیث و تفسیر کی عبارت پڑھکر سناتے تھے +

مسلم۔ مگر آپ نے کیا نتیجہ نکالا؟

اعرافی۔ شکوک تو میرے دل میں بھی پیدا ہو گئے تھے۔ سچ پوچھئے۔ تو میں تو آج آپ کے پاس آیا ہی اس نیت سے تھا۔ کہ آپ سے پوچھوں۔ یہ کیا معاملہ ہے +

مسلم۔ واقعی مسیح کی پیدایش اور موت مسلمانوں کیلئے بڑا پیچیدہ سوال ہے۔ مسلمان خود بھی ان باتو نپر لڑ مر رہے ہیں۔ اچھا اس پر غور کیا جاویگا۔

اعرافی۔ بہت بہتر +

تیرھویں فصل

مسیح کی معجزانہ پیدائش

مسلم۔ آؤ پہلے اس بات پر روشنی ڈالیں۔ کہ مسیح کی معجزانہ پیدائش مسیحیوں کے لیئے باعث فخر و ناز ہو سکتی ہے یا نہیں؟

اعرافی۔ مگر آپ اس پر کس پہلو سے روشنی ڈالینگے۔

مسلم۔ مذہبی اور تواریخی پہلو سے۔

اعرافی۔ بہت بہتر۔

مسلم۔ ہم اس کہانی کو انجیل سے ہی شروع کرتے ہیں۔ چنانچہ یوحنا کی انجیل میں لکھا ہے:

"ابتدا میں کلام تھا۔ اور کلام خدا کے ساتھ تھا۔ اور کلام خدا تھا۔ یہی ابتدا میں خدا کے ساتھ تھا۔ سب چیزیں اس سے موجود ہوئیں۔ اور کوئی چیز موجود نہ تھی۔ جو بغیر اس کے ہوئی.... وہ جہان میں تھا۔ اور جہان اسی سے موجود ہوا۔ اور جہان نے اُسے نہ جانا۔ وہ اپنوں پاس آیا۔ اور اپنوں نے اُسے قبول نہ کیا۔ لیکن جتنوں نے اُسے قبول کیا۔ اس نے انہیں اقتدار بخشا۔ کہ خدا کے فرزند ہوں۔ یعنے انہیں جو اس کے نام پر ایمان لاتے ہیں۔ وے نہ لہو سے۔ نہ جسم کی خواہش سے۔ نہ مرد کی خواہش سے۔ مگر خدا سے پیدا ہوئے ہیں۔ اور کلام مجسم ہوا۔ اور وہ فضل اور راستی سے بھرپور ہو کے ہمارے درمیان رہا۔ اور ہم نے اس کا ایسا جلال دیکھا جیسا باپ کے اکلوتے کا جلال۔ یوحنا ۱ باب ۱ آیت سے ۱۴ آیت تک"

یہ کلام جو ابتدا میں خدا کے ساتھ تھا" اور جو "خدا تھا" اور جس سے سب چیزیں موجود ہوئیں" اور جس کے بغیر کوئی چیز نہ ہوئی" اور جو "جہان میں تھا" اور جہان اسی سے موجود ہوا" اور جو اپنوں کے پاس آیا" مگر اپنوں نے قبول نہ کیا" کیونکر مجسم ہوا۔ اور وہ کس شکل میں ہمارے درمیان رہا۔ اس کے متعلق لوقا کی انجیل کے ابتدا میں لکھا ہے:۔

"جبرائیل فرشتہ خدا کی طرف سے جلیل کے ایک شہر میں جسکا نام ناصرت تھا۔ ایک کنواری لڑکی کے پاس جس کا نام مریم تھا اور جسکی یوسف نامی داؤد کی نسل کے آدمی سے منگنی ہوگئی تھی بھیجا گیا اس فرشتے نے مریم کے پاس اندر آکر کہا کہ اے پسندیدہ عورت! خدا تیرے ساتھ ہے۔ اور تجھ پر سلام ہو۔ تو عورتوں میں مبارک ہے۔ مگر مریم اس فرشتے کو دیکھکر ڈر گئی۔ اور سوچنے لگی کہ یہ کیسا سلام ہے۔ تب فرشتہ نے اس سے کہا۔ کہ اے مریم! مت ڈر۔ تو نے خدا کے حضور فضل پایا۔ اور دیکھ تو حاملہ ہوگی اور بیٹا جنیگی۔ اور اُسکا نام یسوع رکھیگی۔ تب مریم نے فرشتے سے کہا۔ کہ یہ کیونکر ہوگا۔ کیونکہ میں تو کسی مرد کو جانتی نہیں ہوں۔ فرشتے نے جواب میں کہا۔ کہ روح القدس تجھ پر اُتریگی۔ اور خدا تعالیٰ کی قدرت کا سایہ تجھپر ہوگا" لوقا ۱/۲۵-۱۷

متی کی انجیل میں کلام کے اس تجسم کو ذرا مختلف پیرائے میں یوں بیان کیا گیا ہے:۔

"یسوع مسیح کی پیدائش اس طرح ہوئی۔ کہ جب اُس کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہوئی۔ تو اُن کے اکٹھا آنے سے پہلے وہ روح القدس سے حاملہ پائی گئی۔ تب اس کے شوہر یوسف نے جو راستباز تھا۔ نہ چاہا کہ اُسے تشہیر کرے۔ اُس نے ارادہ کیا۔ کہ اُسے چپکے سے چھوڑ دے۔ وہ ان باتوں کی سوچ میں ہی تھا کہ خداوند کے فرشتے نے خواب میں اس پر ظاہر ہو کے کہا۔ ای یوسف ابن داؤد! تو اپنی جورو مریم کو اپنے ہاں لانے سے مت ڈر کیونکہ جو بچہ اس کے رحم میں ہے۔ وہ روح القدس سے ہے۔ وہ

بیٹا جنیگی اور تو اُس کا نام یسوع رکھیگا۔ کیونکہ وہ اپنے لوگوں کو اُنکے
گناہوں سے بچائیگا۔ یہ سب کچھ ہوا۔ تاکہ جو خداوند نے نبی کی
معرفت کہا تھا۔ پورا ہو کہ دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی۔ اور بیٹا
جنیگی۔ اور اس کا نام عمونوایل رکھینگے جس کا ترجمہ یہ ہے خدا
ہمارے ساتھ۔ تب یوسف نے سوتے سے اُٹھکر جیساکہ خداوند کے
فرشتے نے اُسے فرمایا تھا۔ کیا۔ اور اپنی جورو کو اپنے یہاں لے آیا۔
پر اس کو نہ جانا جب تک کہ وہ اپنا پلوٹھا بیٹا نہ جنی۔ اور اُس نے
اس کا نام یسوع رکھا۔ (متی ۱: ۱۸-۲۵)"

مرقس کی انجیل میں کلام یا خدا کے تجسم کے متعلق اس قسم کے کسی واقعہ کا ذکر
نہیں کیا گیا۔ بلکہ صرف اسی پر اکتفا کی گئی ہے کہ:۔

"یسوع نے ناصرت جلیل سے آکر یردن میں یوحنا کے ہاتھ سے بپتسمہ پایا
اور جونہی وہ پانی سے باہر آیا۔ اُس نے آسمان کو کھلا۔ اور روح کو کبوتر
کی مانند اپنے اوپر اُترتے دیکھا۔ اور آسمان سے ایک آواز آئی
کہ تو میرا عزیز بیٹا ہے جس سے میں راضی ہوں۔ اور روح اُسے فی الفور
بیابان میں لے گئی۔ اور وہ وہاں بیابان میں چالیس دن تک رہ کے
شیطان سے آزمایا گیا۔ اور جنگل کے جانوروں کے ساتھ رہتا تھا اور
فرشتے اس کی خدمت کرتے تھے۔" (مرقس ۱: ۹-۱۳)

مسیح کے ساتھ روح القدس کا جو تعلق مرقس بیان کرتا ہے۔ وہ اس تعلق
سے بالکل جدا ہے۔ جو متی یوحنا اور لوقا نے بیان کیا ہے۔ مرقس نے مسیح کی
روح القدس سے پیدائش کا تعلق بپتسمہ کے بعد کا بیان کیا ہے۔ اور مسیح کی
جسمانی پیدائش کے متعلق مرقس نے جو الفاظ مسیح کے ہموطن لوگوں کے
منہ میں ڈالے ہیں وہ مفصلہ ذیل ہیں:۔

"پھر وہ وہاں سے روانہ ہوا اور اپنے وطن میں آیا۔ اور اُس کے
شاگرد اُسکے پیچھے ہو لئے جب سبت کا دن ہوا۔ وہ عبادتخانے میں وعظ
کرنے لگا۔ اور بہتوں نے سنکر حیران ہو کر کہا۔ کہ یہ باتیں اس نے

کہاں سے پائیں۔ اور یہ کیا حکمت ہے۔ جو اسے ملی ہے۔ کہ ایسی کرامات اس کے ہاتھ سے ظاہر ہوتی ہیں۔ کیا یہ مریم کا بیٹا بڑھئی نہیں ہے۔ اور یعقوب اور یوسیس اور یہوداہ۔ و شمعون کا بھائی نہیں۔ اور کیا اس کی بہنیں ہمارے پاس یہاں نہیں ہیں۔ اور انہوں نے اس سے ٹھوکر کھائی۔ تب یسوع نے انہیں کہا۔ نبی بیعزت نہیں ہے مگر اپنے وطن میں۔ اور اپنے کنبہ اور اپنے گھر میں۔ اور وہ کوئی معجزہ وہاں نہ دکھلا سکا۔ سوا اس کے کہ تھوڑے سے بیمار و نپر ہاتھ رکھ کے انہیں چنگا کیا۔ اور اُس نے ان کی بے ایمانی سے تعجب کیا۔ اور اُس پاس کے گاؤں میں وعظ کرتا پھرا۔" مرقس ۶/۱-۶ +

مرقس کے مذکورہ بالا الفاظ سے جو کہ اُس نے گاؤں کے لوگوں کے منہہ میں ڈالے ہیں۔ اس بات کا پتہ لگتا ہے کہ وہ لوگ جو مسیح کی پیدائش۔ اس کے والدین اور اُسکے دوسرے بھائی بہنوں سے بخوبی واقف تھے وہ مسیح کی پیدائش کے ساتھ کوئی فوق العادت واقعہ جوڑنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ بلکہ وہ اس کو اس کے دوسرے بھائی بہنوں کی طرح "بڑھئی کا بیٹا" ہی سمجھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اس کی حکمت کی باتوں کو سنکر حیرانی سے اس بات کا اظہار کیا کہ اس نے یہ باتیں کہاں سے پائیں؟ کیونکہ ان کے خیال کے مطابق یسوع مسیح اپنے دوسرے بھائی بہنوں کی طرح ایک بڑھئی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ مرقس کہتا ہے کہ مسیح نے اپنے گاؤں والوں کی اس بات کو انکی بے ایمانی سمجھا۔ اور تعجب کیا۔ مگر کیا یہ درحقیقت بے ایمانی کی بات تھی۔ یا یہ ایک ایسا اظہار تھا۔ جو مسیح کی عظمت اور بزرگی کو تسلیم کرنے کے لئے کیا گیا تھا۔ اگر بغور دیکھا جاوے۔ تو گاؤں والوں کے سیدھے سادے الفاظ میں ایک عظیم الشان صداقت پوشیدہ تھی جو مسیح کی عظمت اور بزرگی پر مہر لگاتی تھی۔ کیونکہ اگر یوحنا کے قول کے مطابق یہ مان لیا جاوے کہ خدا ہی مجسم ہو کر مسیح کی شکل میں ظاہر ہوا تو اس میں خدا یا مسیح کی عظمت یا بزرگی کیا ہوئی اگر خدا نے مجسم ہو کر حکمت کی باتیں سنائیں۔ تو اس میں اس کی بزرگی میں کیا اضافہ ہو گیا جبکہ وہ پہلے ہی حکیم مطلق ہے۔ اگر خدا نے مجسم ہو کر اندھوں کو آنکھیں بہروں کو

کان لنگڑوں کو پاؤں دیدیئے تو اس میں اس کی قدرت میں کونسا اضافہ ہو گیا۔
جبکہ وہ شکم مادر میں پانی کی ایک بوند سے یہ تمام چیزیں پیدا کر دیتا ہے۔ اگر خدا نے مجسم ہو کر
ایک دوسرے سے محبت کرنے کا وعظ سنا دیا۔ تو اس سے خدا کی محبت میں کیا اضافہ
ہو گیا۔ جبکہ وہ پہلے سے ہی نیکوں اور بدوں پر سورج کو یکساں اُگاتا۔ اور سب کو
یکساں ہوا اور پانی دیتا ہے۔ اگر خدا نے مجسم ہو کر چند ہزار لوگوں کو روٹی اور مچھلی
سے سیر کر دیا۔ تو اس سے خدا کی ربوبیت میں کونسا اضافہ ہو گیا۔ جبکہ وہ پہلے سے ہی
رب العالمین چلا آتا ہے۔ اگر خدا نے مجسم ہو کر پانی پر بغیر کشتی کے چل کر دکھا دیا
تو اس سے اس کی قدرت میں کونسا اضافہ ہو گیا۔ جبکہ وہ پہلے سے ہی پانی اور ہوا
پر قادر ہے۔ اگر خدا نے مجسم ہو کر نیکی کی تعلیم دیدی۔ تو اس سے اس کی صفات
میں کونسا اضافہ ہو گیا۔ جبکہ وہ خود خیر محض ہے۔ اگر خدا نے مجسم ہو کر اپنے منکروں کے
حق میں نیک دعا کر دی تو اس سے اس کی خوبیوں میں کونسا اضافہ ہو گیا۔ جبکہ وہ
پہلے سے ہی اپنے منکروں کے ساتھ نیک سلوک کرتا چلا آ رہا ہے۔ اگر خدا نے مجسم
ہو کر انسانوں کے ہاتھ سے تکالیف برداشت کریں۔ تو اس سے اس کی قوت
برداشت میں کونسا اضافہ ہو گیا۔ جبکہ وہ پہلے سے ہی انسانوں کی ہر ایک
قسم کی بدی و بدکاری کو برداشت کرتا چلا آ رہا ہے۔ اگر خدا نے مجسم ہو کر بجائے
لامحدود ہونے کے اپنے آپ کو ایک انسان میں محدود کر کے دکھا دیا۔ تو اس میں کونسی
خوبی کی بات ہے جبکہ وہ محیط کل ہونے کی وجہ سے پہلے سے ہی کائنات کے ذرہ ذرہ کے
اندر موجود ہے۔ اگر یہ کہا جاوے کہ خدا ہی مجسم ہو کر مسیح کی شکل میں ظاہر ہوا۔ تو اس
میں مسیح کی کیا خوبی۔ اور اسکی کونسی بزرگی ہے۔ کہ جس کی خاطر ہم اس کی عزت کریں۔
یا اس کا اقرار کریں۔ یا اسکو اپنا نجات دہندہ مانیں۔ یا اس کی باتوں پر کان دھریں
جبکہ ہم پہلے سے ہی خدا کی خوبی اور عظمت کے قائل ہیں اور ہم پہلے سے ہی اس
کی حکمت کو مانتے اور اس کو اپنا نجات دہندہ گردانتے ہیں۔ اگر باوجود ہمارے اس
ماننے اور جاننے کے بھی خدا اس بات کی ضرورت محسوس کرے کہ وہ ایک معجزانہ طریقہ
پر تجسم اختیار کر کے ہمارے سامنے ظاہر ہو۔ تاکہ اس کے متعلق ہمارے ایمان و علم میں
میں اضافہ ہو سکے۔ تو یہ ایک غیر ضروری بات ہوگی۔ کیونکہ اس کے ایسا کرنے سے بشرطیکہ

وہ ایسا کرنا پسند کر سکتا ہو۔ ہمارے ایمان و علم میں جو کہ ہم اس کے متعلق رکھتے ہیں
شمہ بھر بھی اضافہ نہیں ہوگا۔ بلکہ یہ بالکل ممکن ہے۔ کہ اس کے ایسے تجسم سے ہم پر اسکی
بعض ایسی کمزوریوں کا انکشاف ہو جائے۔ جو کہ عام انسانوں میں دیکھی جاتی ہیں۔ اور
یہ انکشاف اس کے متعلق ہمارے ایمان کو کم کرنے یا ہمیں اس کے متعلق بالکل بے
ایمان بنانے کا موجب ہو۔ غالباً اس صورت میں خدا کو ہماری بے ایمانی پر تعجب کرنے
کی بجائے اپنے تجسم پر تعجب کرنا یا افسوس کرنا پڑے گا۔ اس لئے کہ ہم جو پہلے سے
ہی اس کی صفات کاملہ کے قایل تھے۔ اور اس کو اپنا نجات دہندہ منوانے کے
لئے مجسم ہو کر ہمارے سامنے آنا۔ اور اپنے وطن میں۔ اپنے کنبے اور اپنے گھر
میں بےعزت ہونا۔ ہمارے یہ خیالات اس صورت میں ہوں گے۔ اگر ہم اس بات کو تسلیم
کرنیکے لئے مجبور کئے جائیں کہ خدا ہی مسیح کی شکل میں ایک معجزانہ طریقہ سے مجسم ہوا لیکن
اگر ہم اس اعتقاد کی بجائے یہ تسلیم کریں۔ کہ نہ تو مسیح کی پیدائش معجزانہ طریقہ پر ہوئی تھی۔
اور نہ ہی وہ خدا مجسم تھا۔ بلکہ وہ اپنے دوسرے بھائی بہنوں کی طرح ایک غریب
مگر خدا ترس و خدا پرست بڑھئی کے خاندان میں پیدا ہوا تھا۔ اس نہایت ہی معمولی
حالت میں پیدا ہو کر اس نے غیر معمولی کام کر کے دکھائے۔ تو ہمارے دل میں مسیح
کے لئے از حد عزت۔ جوش۔ اور اخلاص کا دریا موجزن ہو جاتا ہے۔ اور ہم نہ صرف
مسیح کے سامنے ہی سر خم کر دینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ بلکہ خداوند قدوس
کی حکمت و جبروت کے سامنے بھی بے اختیار سر بسجود ہو جاتے ہیں۔ جو ایک بچہ کو
گھوڑوں کی چرنی میں پیدا کر کے اس قدر جلال بخشتا ہے۔ کہ مشرق و مغرب کے بادشاہ
اسکے نام پر سر جھکا لیں۔ اس صورت میں یہ بات کہ خدا نے مسیح کو ایک بڑھئی کے گھر میں
پیدا کیا۔ مسیح کے لئے ہتک کا باعث نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اس سے مسیح کی عظمت و بزرگی
کا ثبوت ملتا ہے جبکہ اس نے بڑھئی کے گھر میں پیدا ہو کر وہ وہ کام کر کے دکھائے
جو کہ بادشاہ کے محلوں میں پیدا ہونے والے بچے کر کے نہیں دکھا سکتے۔ اس سے اہل
دنیا کے اس خیال کی بھی بخوبی سرکوبی ہو جاتی ہے۔ جو کسی شخص کو محض اس لئے نفرت
کی نگاہ سے دیکھتے ہوں۔ کیونکہ وہ کسی ادنی گھر میں پیدا ہوا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ اس
خیال کی سرکوبی سے دنیا میں اخوت و مساوات کے مسئلے کے حل کرنے میں بھی بڑی

ہماری مدد مل سکتی ہے۔ اور مسیح کی پیدایش کا مسئلہ ان معنوں میں ہر ایک ایسے
شخص کے لئے جو کسی ادنیٰ گھرانے میں پیدا ہو۔ ترقی کی طرف قدم اٹھانے میں مددگار ہو
سکتا ہے لیکن اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ چونکہ مسیح کی پیدایش معجزانہ طریقہ پر ہوئی تھی بنا بریں
وہ خدائے مجسم تھا۔ اور کہ وہ اپنے دوسرے بھائی بہنوں کی طرح پیدا نہیں ہوا تھا جو کہ
بڑھئی تھے۔ تو اس سے خدا مجسم یا مسیح کی بزرگی میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔ ہاں اس کی
پیدایش سے دوسری صورت میں دنیا کے جن مجلسی مسائل کا حل ہونا ممکن تھا وہ مسائل
بغیر حل ہوئے رہ جائینگے۔ اور دنیا بدستور سابق ذات پات یا جنم کے گھمنڈ میں
پھنسکر ادنیٰ گھرانوں میں پیدا ہونے والے مگر قابل اشخاص کو ہمیشہ نفرت کی نگاہ
سے دیکھتی رہیگی۔ علاوہ ازیں مسیح کی معجزانہ پیدایش کا مسئلہ خود مسیح کو بھی دنیا میں ممتاز
پوزیشن دینے سے قاصر رہیگا جبکہ یہ دیکھا جاویگا۔ کہ مسیح ہی ایک ایسی ہستی نہیں تھی
جو خدا مجسم تھا۔ بلکہ خدا مجسم یا روح القدس کے ذریعہ معجزانہ طور پر پیدا ہونے والے
کثرت سے نجات دہندگان کا نام تواریخ میں موجود ہے۔ جن کے متعلق مسیح کی طرح
ہی معجزانہ پیدایش کی کہانیاں سنی جاتی ہیں۔ روح القدس کے ذریعہ پیدا ہونے
والے ان بے شمار انسانوں کے جم غفیر میں مسیح باوجود اپنی تمام خوبیوں کے اور
باوجود اپنی تمام عظمت کے ایک ناقابل التفات ہستی نظر آئیگا جس کو دنیا کا نجات دہندہ
یا خدا کا اکلوتا بیٹا ماننا سخت مشکل ہو جائے گا۔ بطور ایشیائی کے ہمیں یہ فخر حاصل ہے
کہ مسیح بھی ایشیائی ہے۔ مگر ہمیں اس بات پر کوئی فخر نہیں ہے۔ کہ وہ معجزانہ طور پر
روح القدس سے پیدا ہوا تھا۔ اس لئے کہ ایشیا کی مذہبی تواریخ ہمیں بتاتی ہے
کہ ایشیا میں روح القدس یا معجزانہ طریقہ پر پیدا ہونے کی کہانیاں اسقدر کثرت
سے موجود ہیں۔ کہ جنکو قبول کرنے کیلئے دماغ پر بہت زیادہ بوجھ ڈالنا پڑتا ہے۔ مثلاً
جو کہانی کہ ایشیا کے ہی سرسبز ملک ہندوستان میں پیدا ہونے والے شاکی منی
گوتم بدھ کی پیدایش کے متعلق اس کے پیروؤں نے گھڑی۔ وہ مسیح کی معجزانہ پیدایش
کے خیال سے کم نہیں ہے۔ گو مہاتما بدھ کی پیدایش معمولی انسانوں کی طرح ہوئی تھی۔
لیکن اس عروج نے جو اس کو بعد ازاں مذہبی دنیا میں حاصل ہوا۔ اس کے
مقلدوں کو مجبور کیا۔ کہ وہ اس کو انسانی الائشوں سے پاک تصور کر کے ایک دیوتا کی

بلندی تک پہنچا دیں۔ چنانچہ آجکل جتنی کتابیں ہم اس مہاتما کی پیدایش کے متعلق پڑھتے ہیں۔ ان سب میں کم و بیش یہ کہانی پائی جاتی ہے۔ کہ گوتم بدھ کی پیدایش میں انسانی باپ کا ہاتھ نہیں تھا۔ بلکہ اُنکی پیدایش ایک بالکل نرالے طریقے سے ہوئی تھی۔ وہ یہ کہ گوتم بدھ کی ماتا مہا مایا دیوی نے ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ آسمان سے ایک سفید ہاتھی اُترا ہے۔ ہاتھی نے اپنا سونڈ اٹھا کر مایا دیوی کو سلام کیا۔ اور بعد ازاں وہ اس کے دائیں پہلو سے اس کے رحم میں داخل ہوا۔ یہ سفید ہاتھی اصل میں روح القدس تھا۔ جو کہ بقول ایک چینی بدھ مشنری فوین ہنگ کے کنواری مایا کے رحم میں خواہی حالت میں داخل ہوا۔ اس روح القدس سے حاملہ ہونے پر مایا دیوی کا چہرہ جلال سے چمک اُٹھا۔ اور اس کا رحم اس قدر صاف و شفاف بن گیا۔ کہ روح القدس یا گوتم بدھ باہر سے اس میں لیٹا ہوا اور دن بدن بڑھتا ہوا دیکھا جا سکتا تھا۔ بائبل ہمیں بتاتی ہے۔ کہ جس وقت مسیح کی پیدایش ہوئی تھی اسوقت آسمانی دیوتاؤں نے خوشی کے گیت گائے تھے یہی بات بدھ کی پیدایش کے متعلق بیان کی جاتی ہے۔ مہاتما چونکہ بدھ دھرم کی مشہور کتابیں ہیں وہ ہمیں بتاتی ہیں کہ بدھ کی پیدایش کے وقت چاروں طرف روشنی ہوگئی۔ دریا ندی۔ نالے۔ کوہ و شجر وجد میں آکر ناچنے لگے۔ اور دیوتاؤں نے بنی نوع انسانکو مبارکباد دیکر کہا۔ کہ خوش ہو۔ کیونکہ انسان کو اسکے دکھوں سے نجات دینے والا پیدا ہوگیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ بعد ازاں یہ بات پتھر و پر لکھی گئی۔ بدھ کی جو بیشمار مورتیاں بنائی گئی ہیں۔ ان میں بعض بعض مورتوں میں اسی سین کو دکھایا گیا ہے۔ چنانچہ لاہور کے عجائب گھر میں اسی نظارے کو ظاہر کرنے والی پتھر کی ایک خاص مورت ہے۔ جس میں مہاتما بدھ آنکھیں بند کئے بیٹھے ہیں۔ دیوی اور دیوتا چاروں سے اس کو گھیرے ہوئے ہیں اور اس کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈال رہے ہیں۔ اور خوشی منا رہے ہیں۔ کہ انسان کو اس کے دکھوں سے نجات دینے والا دنیا میں آگیا ہے۔

ہمارے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ بدھ مشنریوں نے مہاتما بدھ کے لئے جو روح القدس کی ضرورت کو محسوس کیا۔ تو کیوں کیا؟ اُن کے اس خیال کا منبع کہاں ہے؟ اس منبع کو تلاش کرنے کے لئے ہمیں سرگردان ہونے کی ضرورت

نہیں۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں۔ کہ مہاتما بدھ کا جنم ایک ایسے ملک میں ہوا تھا۔ جہاں اوتار وغیرہ ماننے کا مرض پھیلا ہوا ہے +

اس بات پر روشنی ڈالنے کے لئے ہم سری کرشن جی کے بارے میں بھگوت پوران کی کہانی کی طرف اشارہ کرنے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ وہ یہ کہ جب وشنو جی مہاراج نے دیکھا۔ کہ دنیا میں پاپ بہت پھیل گیا ہے۔ اور پاپ سے پیڑت ہو کر بنی نوع انسان دکھی ہو رہے ہیں۔ تو انہوں نے ارادہ کیا کہ انسان کو ان دکھوں سے آزاد کرنے کے لئے میں متھرا میں یادو خاندان میں اوتار دھارن کروں۔ اور دیوی دیوکی کے شکم سے پیدا ہوں۔ اور کہ اب وقت آگیا ہے کہ میں دنیا کو دکھ ساگر سے نجات دوں۔ چنانچہ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے بقول وشنو پران وشنو جی مہاراج دیوی دیوکی کے رحم میں داخل ہوئے۔ دیوکی کا چہرہ وشنو جی مہاراج کو حمل میں لینے کے جلال سے اس قدر روشن ہو گیا کہ کوئی انسان ان کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھ سکتا تھا جب تک وشنو جی مہاراج دیوی دیوکی کے شکم میں رہے۔ سورگ کے دیوتا ملکر ان کی مدح کے گیت گاتے رہے۔ ایک خاص عرصے کے بعد وشنو جی مہاراج نے جنم لیا۔ اور ان کا نام سری کرشن رکھا گیا۔ سری کرشن اپنی اس پیدائش کے متعلق بھاگوت گیتا میں فرماتے ہیں۔ کہ جب ہی دنیا میں ادھرم بڑھ جاتا ہے۔ تب ہی میں اس کو دور کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً اوتار دھارن کرتا ہوں۔ اور ظاہر ہوتا ہوں۔ دوسرے موقع پر سری کرشن جی، ارجن کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ "اے ارجن! وہ شخص جو میرے اوتار دھارن کرنے کو دل سے تسلیم کرتا ہے۔ وہ مرنے کے بعد مجھ میں لئے ہو جاتا ہے بیوقوف لوگ جو یہ نہیں جانتے۔ کہ میں ہی سب کا سوامی ہوں۔ وہ مجھے اس انسانی جامہ میں دیکھکر مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔ لیکن کشادہ دل انسان یہ وشواش کر کے کہ میں ہی اول و آخر اور ظاہر و باطن ہوں میری دل و جان سے بھگتی کرتے ہیں۔" یہ اور اس قسم کی دوسری باتوں سے ہم اس نتیجہ پر پہنچنے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ کہ بدھ مت کے متعلق سری کرشن وغیرہ کے بارے میں اس قسم کے اوتار سسٹم کا ملاحظہ کر کے بدھ لوگ اپنے گورو کو سری کرشن کی طرح

انسانی آلائشوں سے پاک تصور کرلے اور اُن کی پیدائش کے لیے بھی کوئی نرالی سی کہانی گھڑنے پر مجبور ہوئے۔ بدھ مت والوں نے گوتم بدھ کی ماتا مہا مایا کی ایام حمل کی وہی حالت بیان کی ہے۔ جو کہ پرانوں نے سری کرشن کی ماتا دیوکی دیوی کے متعلق بتائی ہے۔ اس پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے۔ کہ شاید بھاگوت اور شیو پران بدھ کی پیدائش کے بعد لکھے گئے ہیں۔ ممکن ہے کہ پرانوں کی کہانی بدھ مت والوں کی گھڑنت ہو۔ لیکن ان کے مقابلے میں جب ہم بھاگوت گیتا پر نظر مارتے ہیں۔ جو بہر صورت بدھ کی پیدائش سے پہلے کی تصنیف ہے۔ اور وہ بھی ہمیں سری کرشن کے اوتار دھارن کرنے کی خبر دیتی ہے۔ تو ہمارے اس اعتراض کے لئے کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ اور ہم اس بات کو ماننے کے لئے مجبور ہوتے ہیں۔ کہ بدھ مت والوں نے پیدائش بدھ کا مصالح سری کرشن کی معجزانہ پیدائش سے حاصل کیا۔

ایشیاٹک ریسرچ کی جلد دہم کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سب سے پہلا یورپین سیاح جو ہندوستان کے انتہائے جنوب میں راس کماری تک پہنچا تھا۔ وہ وہاں کے باشندوں کے خیالات کو جانکر حیران ہوگیا۔ اس نے دیکھا۔ کہ وہ لوگ شالباہن کو اپنا نجات دہندہ تصور کرتے ہیں۔ اور مانتے ہیں کہ شالباہن کی پیدائش ایک کنواری لڑکی کے پیٹ سے ہوئی تھی۔ اور وہ وشنوجی مہاراج کا اوتار تھے۔

اہل سیام میں بھی اسی قسم کی کہانی مشہور تھی۔ ان کا خداوند خدا اور نجات دہندہ بھی ایک کنواری لڑکی کے پیٹ سے ہی پیدا شدہ تصور کیا جاتا تھا۔ اس کا نام فادوم تھا۔ وہ بتاتے ہیں کہ فادوم کی ماتا ابھی بالکل کنواری ہی تھی۔ کہ اسکو الہام ہوا۔ کہ تیرے ہاں ایک بچہ پیدا ہوگا۔ جو کہ دنیا کو تکلیف سے رہائی دیگا اس الہام کو پاکر لڑکی شہر کو چھوڑ کر جنگلوں اور بیابانوں میں گھومنے اور آسمانی قاصد یا روح القدس کے آنے کی انتظاری کرنے لگی۔ ایک دن جبکہ وہ اوندھے منہہ پرارتھنا کر رہی تھی۔ تو روح القدس سورج کی کرن کا روپ بناکر اسکے شکم میں داخل ہوا۔ اور وہ حاملہ ہوگئی۔ حاملہ ہونیکے بعد وہ سیام اور کمبوڈیا کے درمیانی

علاقے میں چلی گئی۔ وہاں ایک جھیل کے کنارے پر اس کے ہاں روح القدس نے جنم لیا۔ اس آسمانی بچہ کا استقبال کرنے کے لیے جھیل کے اندر سے ایک کنول کا پھول نکلا۔ ماتا نے بچے کو اس کنول کے پھول میں لٹا دیا۔ لڑکا بڑھتا رہا۔ بڑا ہو کر اس نے عجیب و غریب معجزے دکھائے۔ اور عظمت کا ثبوت دیا۔

سیام کے ساتھ لگتا ہوا چین کا ملک ہے۔ چلیئے ذرا چین والوں میں بھی روح القدس کے ذریعہ پیدائش کا ملاحظہ کیجئے۔ ڈین ملمین صاحب اپنی مشہور کتاب ہسٹری آف کرسچینیٹی یا تواریخ عیسائیت کی جلد اول صفحہ ۹۷ پر لکھتے ہیں۔ کہ چینیوں کے مشہور پیغمبر فوہی کی نسبت چینیوں میں یہ روایت مشہور ہے۔ کہ وہ ایک کنواری لڑکی کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ چنانچہ چین میں سب سے پہلے جانے والا ایک عیسائی پادری اس بات کو دیکھکر ششدر رہ گیا۔ کہ کنواری مریم کی طرح چینیوں میں بھی ایک کنواری کی کہانی مشہور ہے۔ جس نے روح القدس کی مدد سے بچہ دیا تھا +

مسٹر تھارنٹن صاحب اپنی کتاب تواریخ چین میں لکھتے ہیں۔ کہ چینیوں کے خیال کے مطابق فوہی پیغمبر مسیح سے ۳۴۶۸ برس پہلے پیدا ہوا تھا۔ جب اس کی ماتا نے اس کو اپنے رحم میں دھارن کیا۔ تو اسی وقت قوس و قزح کا حلقہ اس کے ارد گرد محیط ہو گیا لیکن مسٹر سکاٹر صاحب فوہی کی پیدائش کے متعلق ایک اور مشہور کہانی پیش کرتے ہیں۔ وہ یہہ ہے۔ کہ ایک دفعہ تین کنواریاں آسمان سے زمین پر کسی دریا میں نہانے کے لئے آئیں۔ وہ ابھی نہا ہی رہی تھیں۔ کہ اتنے میں ان کی نہانے کی پوشاک پر کنول کا ایک پھول پیدا ہو گیا۔ اور اس کو پھل لگ گیا۔ وہ کنواری لڑکیاں اس پھول کو دیکھکر سخت متعجب ہوئیں۔ وہ نہیں جانتی تھیں۔ کہ یہ پھول اور اس کا پھل کہاں سے نمودار ہو گیا۔ وہ پھول کو توڑنے۔ یا پھل کو کھانے سے جھجکتی تھیں۔ کہ اتنے میں اُن میں سے ایک لڑکی نے اس پھل کو توڑ کر چکھا۔ چکھنے کی دیر تھی۔ کہ وہ حاملہ ہو گئی۔ بعد ازاں

اس کے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام فوہی مشہور ہوا۔ یہ بڑا مشہور پیغمبر حاکم اور مقنن تھا۔ اس کے علاوہ مسٹر تھارنٹن صاحب ہیں ایک چینی پیغمبر کی کہانی سناتے ہیں جو کہ روح القدس کی مدد سے ایک کنواری کے پیٹ سے پیدا شدہ سمجھا جاتا ہے۔ اس کا نام لاؤ کین یا لاؤزی ہے۔ اس کی پیدائش خاندان چو کے تیسرے سال یا مسیح سے ۶۰۴ برس پہلے ہوئی تھی۔ جیسے بھاگوت گیتا میں سری کرشن جی کہتے ہیں۔ کہ میں ہمیشہ سے ہوں۔ اور کہ دنیا میں اس وقت جنم لیتا ہوں۔ جب پاپ بڑھ جاتا ہے۔ اسی طرح لاؤکین پیغمبر کی بابت بھی یہی کہا جاتا ہے۔ کہ اُس نے دنیا کو دکھ سے نجات دینے کے لئے ایک سیاہ فام مگر خوبصورت کنواری کے شکم سے جنم لیا۔ یہ شخص اول درجے کا موحد تھا۔ اور محض ایک خدا کی پرستش کیا کرتا تھا جس کو کہ وہ اپنی زبان میں تاؤ کہتا تھا۔ چنانچہ اس موحد کے مقلد اب تک چین میں تاؤشی کے نام سے لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں۔ علاوہ ازیں چین کا دوسرا پیغمبر بنام یو بھی ایک کنواری کے پیٹ سے پیدا شدہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ ایک اور چینی پیغمبر ہاؤکی کی بابت بھی اس قسم کی کہانی مشہور ہے۔ کہ روح القدس نے ایک کنواری لڑکی کے سامنے اپنے پاؤں کے انگوٹھوں کا نشان لگا دیا۔ لڑکی انگوٹھوں کے اُن نشانوں پر باہر چل پڑی۔ روح القدس اس کو باہر لیگیا۔ باہر جا کر وہ حاملہ ہوگئی۔ اور باہر ہی رہی۔ آخر کار اس کے ہاں ہاؤکی پیدا ہوا۔ جو کہ بعد ازاں بڑا مشہور و معروف آدمی بنا۔ چین میں روح القدس کے تمام بچوں میں سب سے زیادہ مشہور و معروف کانفوشس ہے۔ یہ وہ فلاسفر ہے۔ جس کو چینی لوگ شاہِ بے تاج کہتے ہیں۔ اس شخص کی تعلیم نے صرف چینیوں ہی کو گرویدہ نہیں بنایا۔ بلکہ اہل یورپ میں بھی تہلکہ مچا دیا۔ اگر یہ کہا جاوے کہ کانفوشس کی تعلیم کے مطالعہ نے ہی اہل یورپ کو چین کی پرانی تواریخ جاننے کیلئے بیتاب کر دیا ہے۔ تو شاید مبالغہ نہیں ہوگا۔ لیکن کانفوشس جیسا فلاسفر بھی جو عمر بھر تک توہمات کے برخلاف جنگ کرتا رہا۔ بعد از مرگ اپنے مقلدوں کے ہاتھ سے اس خرافات سے محروم نہ رہ سکا۔ جو کہ دنیا کے بڑے بڑے انسانوں کے حصے میں چلی آئی

ہے یعنے ان کو بجائے جسمانی باپ کی اولاد ماننے کے دیوتا یا روح القدس کا عمل قرار دیا گیا۔

اب ذرا تھوڑی دیر کے لئے چین سے ہٹکر فارس کی طرف آیئے۔ آپکو پتہ لگیگا۔ کہ پارسی مذہب کے بانی مبانی زراشٹر یا زردشت کی پیدایش بھی بالکل انوکھے ڈھنگ کی مانی گئی ہے۔ پارسیوں کی مشہور کتاب دینکرت میں اس کا حال یوں لکھا ہو کہ آہرمزد کے پاس سے ایک نور جس کو کہ فرد آسی یا روح القدس کہتے ہیں نازل ہوا۔ وہ اس گھر میں آکر ٹھہرا۔ جہاں کہ زردشت کی ماتا کا جنم ہونے والا تہا۔ اس لڑکی کا جنم ہوا۔ اس کی پندرہ برس کی عمر تھی کہ وہ نور اس میں داخل ہو گیا۔ اس سے اس کا چہرہ اتنا دمک اٹھا کہ اس کے والدین نے خیال کیا۔ کہ اس کو آسیب ہو گیا ہے۔ چنانچہ اس نے آہرمن یا شیطان کے کہنے سے اس لڑکی کو گھر سے نکالدیا۔ لڑکی گھومتی گھومتی عراق کے علاقے میں آئی۔ وہاں پرشاسپ سے اس کی شادی ہو گئی۔ مگر آہرمن جانتا تہا۔ کہ اس لڑکی سے وہ بچہ پیدا ہوگا۔ جو کہ میری بادشاہت کو خراب کرے گا۔ وہ ہر وقت اس کی ہلاکت کے درپے رہتا تہا۔ اس بات کو دیکھکر دو دیوتاؤں بنام بہمن اور اشو وشہت نے پرشاسپ کو آدمی کے قد کے برابر درخت ہوم (سوم) کی ایک شاخ دی۔ جس کے ذریعہ کہ انہوں نے اپنے بچہ کی آہرمن کے ہاتھ سے حفاظت کی۔ زردشت کے بارے میں افلاطون ہمیں بتاتا ہے کہ وہ اہرمزد کا بیٹا کہا جاتا تھا۔ اور پارسیوں کے نزدیک اہرمزد سب سے بڑا دیوتا یا خدا کا نام ہے۔ پس زردشت مسیح کی طرح خداوند کا بیٹا یا ابن اللہ مانا جاتا تھا۔ خود یہ افلاطون بھی جو کہ زردشت کو خدا کا بیٹا ہو ماننے کی خبر دیتا ہے۔ خدا کا بیٹا کہلائے جانے کی رسم سے نہ بچ سکا۔ مسٹر ڈریپر اپنی کتاب ریلیجن اور سائنس میں ہمیں بتاتے ہیں۔ کہ افلاطون صاحب مسیح سے ۴۲۹ برس پہلے یونان کے دار الخلافہ ایتھنز میں پیدا ہوئے۔ آنکی پیدایش کی کہانی عجیب ہے۔ وہ یہ کہ آنکی ماں پیریکشن کی منگنی ایرسٹن سے ہوئی۔ مگر پیشتر اس کے کہ میاں بیوی اکٹھے ہوں۔ وہ اپولو سے حاملہ پائی گئی۔ اپولو پرانے یونانیوں کا روح القدس سمجھنا چاہئے۔ اس دیوتا نے ایرسٹن کو خواب میں آکر دھمکایا۔ کہ دیکھ او جو تیری منگیتر

کے رحم میں ہے۔ وہ میرا بچہ ہے۔ تو اپنی منگیتر کے پاس مت جائیو۔ کیونکہ تجھے روح القدس کی عزت کرنی چاہئے۔ افلاطون کے ابن اسد یا خدا کا بیٹا ہونے کا خیال افلاطون کے مصری شاگردوں میں اس حد تک گھر کرچکا تھا کہ وہ موجودہ زمانہ کے عیسائیوں کی طرح اس شخص کو سخت حقارت اور غصے کی نظر سے دیکھتے تھے۔ جو اس کہانی کو سچ ماننے میں تامل کرتا تھا۔

ہندؤں کی مشہور مذہبی کتاب "مہابھارت" اس قسم کی کہانیوں سے بھری پڑی ہے۔ مہابھارت کے آدی پرب میں لکھا ہے۔ کہ کنتی ابھی کنواری تھی۔ کہ اُس نے دُرواسا رشی کی سیوا کی۔ رشی نے خوش ہوکر اس کو ایک منتر سکھا دیا کہ جس کے پڑھنے سے جس دیوتا کو بھی بلانا منظور ہو۔ وہی دیوتا فوراً حاضر ہوگا۔ اور اگر آرزو ظاہر کی جاوے تو وہ فرشتہ یا دیوتا حسب پسند لڑکا بھی عطا کرسکیگا چنانچہ اسی منتر کے ذریعہ کنتی نے دیوتا کو بلایا۔ اور دیوتا نے اس کو لڑکا دیا۔ جس کا نام کرن رکھا گیا۔ اسی منتر کے ذریعہ کنتی نے راجہ پانڈو کی اجازت سے ہرم راج یا روح القدس کو بلایا۔ اور اس نے کنتی کو یدھشٹر کی خوشخبری سنائی۔ کنتی نے فرشتہ یا دیوتا کا یہ پیغام راجہ پانڈو کو سنایا۔ مہابھارت میں لکھا ہے کہ راجہ پانڈو اس خوشخبری کو سنکر بہت خوش ہوا۔ ساڑھے نو مہینے کے بعد دوپہر کے وقت ساعت سعید میں کنتی نے بچہ جنا۔ جس کے نور سے تمام گھر منور ہوگیا۔ اسی وقت آسمان سے ایک آواز آئی جو سب حاضرین نے سنی کہ یہ فرزند تمام فرزندوں اور آدمیوں سے زیادہ ترنیکوکار ہوگا اس کا نام جدھشٹر ہوگا اور تینوں زمانوں کے لوگ اسکی خوبیوں کے گیت گائینگے اور اس کو سراہینگے"۔ راجہ پانڈو اس فرزند کے پیدا ہونے سے نہایت خوش ہوا۔ اور مستحقوں اور محتاجوں کو بہت خیرات دی پھر ایکدفعہ راجہ نے کنتی سے کہا کہ ہم چھتری ہیں ایک فرزند ہمیں کفایت نہیں کرتا۔ ایک فرزند ایسا چاہئے جو نہایت قوی زبردست پرزور اور شجاع ہو تو ایک اور فرزند جیسا کہ میں چاہتا ہوں میرے لئے حاصل کر۔ کنتی خلوت میں گئی اور وہی منتر پڑھکے دیوتا یا فرشتہ کو طلب کیا۔ دیوتا ایسے شخص کی صورت میں نمودار ہوا جو ہرن پر سوار تھا اُس نے کہا اے کنتی تو مجھ سے کیا چاہتی ہے۔ کنتی نے تبسم کرکے کہا کہ میں تجھ سے ایک فرزند

چاہتی ہوں جو نہایت قوی زبردست شجاع و پرزور ہو اور زور و قوت میں کوئی اس کا حریف نہ ہو۔ چنانچہ دیوتا نے اس کو ایسے ہی بچہ کی خوشخبری دی مدت معین کے بعد بچہ پیدا ہوا۔ اسی وقت آسمان سے آواز آئی کہ یہ فرزند ایسا پرزور ہوگا کہ کوئی اس کا حریف نہ ہو سکیگا۔ راجہ پانڈو نے اس کا نام بھیم رکھا۔ اسکی ولادت کے روز ایک امر عجیب و غریب وقوع میں آیا اور وہ یہ تھا کہ کنتی بھیم کو گود میں لیکر ایک جگہ سے پھلانگنے لگی۔ بچہ اس کی گود سے گر پڑا نیچے ایک پتھر تھا بھیم اس پتھر پر گرا۔ پتھر بالکل ریزہ ریزہ ہوگیا اور بھیم کو کچھ آسیب نہ پہنچا لوگ اس امر سے متعجب و حیران ہوگئے۔ راجہ پانڈو نہایت خوش ہوا۔ کہ یہ میرا فرزند ایسا قوی و پرزور ہے کہ دنیا میں کوئی اسکا حریف نہ ہو سکیگا۔ مہابھارت بتاتی ہے کہ پھر ایک روز راجہ پانڈو نے کنتی سے کہا کہ تیری برکت سے دو فرزند شایستہ حاصل ہوگئے میری آرزو ہے کہ میرے لئے ایک اور بیٹا حاصل کرے جو شجاع اور عاقل اور تیرانداز اور نیک خصال ہو۔ کنتی نے پوچھا کہ ایسا فرزند کس سے حاصل ہو سکتا ہے راجہ نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ دیوتاؤں میں اندر دیوتا سب سے بڑا ہے ایسا فرزند اسی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اگر اندر کو تو حاضر کر سکتی ہے تو اسے بلا۔ پھر راجہ پانڈو اور کنتی دونوں عبادت و ریاضت میں مشغول ہوئے۔ راجہ پانڈو کا ایک سال تک یہ وطیرہ رہا کہ طلوع آفتاب سے لیکر غروب تک ایک پاؤں کے بل کھڑا ہو کر عبادت کرتا۔ کنتی بھی ایک سال تک کمال زہد و ریاضت میں مشغول رہی۔ اس ریاضت کے بعد اندر راجہ پانڈو کو دکھائی دیا اور کہا اے راجہ تم دونوں نے فرزند کی آرزو میں اس قدر ریاضت کی ہے میں تمہیں ایسا فرزند دونگا کہ دنیا میں ویسا کوئی کم ہوگا۔ وہ سب دشمنوں کو ہلاک کریگا اور دوست اس سے آسودہ و خوشحال ہونگے۔ اندر یہ بات کہکر نظر سے غائب ہوگیا۔ راجہ پانڈو نے کنتی سے کہا۔ کہ ہم نے جو ریاضت کی ہے اس کی برکت سے اندر مجھے دکھائی دیا اور مجھے بشارت دی کہ ایسا بیٹا دونگا کہ اس کے برابر دوسرا نہ ہوگا۔ اس کی روشنی آفتاب کی مانند ہوگی اور شجاعت مردانگی اور کمال عقل و ہمت میں بے نظیر و بے عدیل ہوگا۔ دشمنوں کو زیر کریگا اور دوستوں کو سرفرازی دیگا۔ اب تو وہی منتر جو جانتی ہے۔ پڑھکر

اندر کو بلا اور اُس سے فرزند حاصل کر. کُنتی نے اشنان کر کے زرق برق کا لباس پہنا اور خوب بناؤ سنگار کر کے خلوت میں گئی اور منتر پڑھکر اندر کو بلایا۔ اندر بھی نہایت پاکیزہ اور مقبول صورت اختیار کر کے ظاہر ہوا اور کُنتی کو ارجن کی پیدائش کی خبر دی۔ چنانچہ کُنتی نے مدت معین کے بعد بچہ جنا. اس وقت آسمان سے آواز آئی کہ" یہ فرزند ایسا ہوگا جیساکہ کارتبیرج ہوا تھا۔ اور زور وقوت میں مہادیو کی مثل ہوگا۔ آدمیوں میں کوئی اُس کا حریف نہ ہوگا۔ دشمنوں کو ہلاک وتباہ کریگا تمام ہتھیار جو دیوتا رکھتے ہیں اُنسے چھین لیگا۔ اور جس طرح دیوتا اُن ہتھیاروں کو استعمال کرتے ہیں وہ بھی کریگا۔ جس طرح اندر سب پر غالب ہے یہ بھی غالب ہوگا۔ جہان میں باپ کا نام روشن کریگا تمام راجاؤں کو جو اس کے ہمعصر ہونگے مغلوب وزبون کریگا اور جگ کریگا جس طرح پرسرام تمام چھتریوں پر غالب آیا تھا یہ بھی سب پر غالب آویگا۔"

الغرض مہابھارت میں اس قسم کی معجزانہ پیدائش کی کہانیاں کثرت سے بھری پڑی ہیں۔ جن میں بڑے بڑے راجوں اور مہاراجوں کو سورج دیوتا چندر دیوتا کی اولاد بتایا گیا ہے۔ نہ صرف راجوں مہاراجوں کی پیدائش کو معجزانہ بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ بلکہ بعض مذہبی مہاتماؤں کو بھی اسی جھنڈے کے تلے لانے کی کوشش کی گئی ہے۔ بعض صورتوں میں یہ کوشش بہت بھدے طریقے پر کی گئی ہے۔ ۱۹۰۸ء میں لاہور سے "شگوفہ حکمت" ایک پرچہ شایع ہوتا تھا۔ اس میں بھگت کبیرجی کی پیدائش کو معجزانہ طریقہ پر ثابت کرنے کا جو مضمون درج تھا اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

"بنارس میں ایک وشنوی سادھو رہتا تھا۔ ایک بیوہ لڑکی اُس کی ٹہل سیوا کرنے جایا کرتی تھی۔ ایک دن سادھو جی نے دل میں خیال آیا۔ کہ اس لڑکی کو لڑکا دے دوں۔ وہ پرسن ہو کر بولے جا۔ تیرے لڑکا ہوگا۔ لڑکی بولی۔ میں بال ودھوا ہوں۔ مجھے تو کسی پرش کا سنگ نصیب نہیں ہوا۔ میرے لڑکا کیسے پیدا ہوگا؟ سادھو اس بات کو سنکر بڑا چکرایا۔ آخر بولا۔ اب تو ہم کہہ چکے۔ اچھا۔ جا۔ تیرے ہاتھ میں سے لڑکا پیدا ہوگا۔ یہ سنتے ہی لڑکی کا ہاتھ سوج گیا۔ اور

ہاتھ کو حمل ہو گیا۔ آخر ہاتھ میں سے لڑکا نکلا۔ جس کا نام کرہیر رکھا گیا۔ کیونکہ وہ ہاتھ سے پیدا ہوا تھا۔ بعد میں کرہیر نام بگڑ کر کبیر ہو گیا۔"

یہ تو صاف ظاہر ہے۔ کہ سنسکرت زبان میں کر ہاتھ کو کہتے ہیں بھگت کبیر کی معجزانہ پیدائش کا یہ قصہ اسی قسم کے دیگر قصوں سے کچھ کم دلچسپ نہیں ہے معجزانہ پیدائش کے ان قصوں کے بیان کرنے سے ہمارا مطلب اس بات پر روشنی ڈالنا ہے۔ کہ اگر ہم مسیح کی اس بات کے لئے عزت کریں۔ کہ وہ خدا مجسم تھا۔ یا وہ ایک معجزانہ طریقہ سے پیدا ہوا تھا۔ تو ہم اس کی عزت یا بزرگی میں کوئی اضافہ نہیں کرینگے جبکہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ صرف ایشیا کے اندر ہی اس قسم کی معجزانہ پیدائش کی کہانیوں کے ہیرو ایک نہیں بلکہ کثرت سے موجود ہیں۔ مگر ہم اُن میں سے کسی کو بھی خدائے مجسم یا اپنا نجات دہندہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ نہ ہی ہم اُن کی بزرگی یا عظمت کو محض اس لئے مان سکتے ہیں۔ کیونکہ اُنکو روح القدس یا دیوتا کی اولاد کہا جاتا ہے۔ تاوقتیکہ اس خیالی یا محض گھڑنت سے پرے جا کر اُن میں وہ صفات درحقیقت موجود نہ ہوں۔ جو کہ اُن کی عزت وعظمت کا موجب ہو سکتی ہوں۔ ہم نے دیکھ لیا کہ خدا کے مجسم ہونے یا روح القدس کے ذریعہ پیدا ہونے کے قصے ایشیا میں کثرت سے موجود ہیں۔ یورپ بھی اس قسم کے قصوں سے خالی نہیں ہے۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ اس مسئلہ کی تحقیق کے لئے ہم یورپ کی تواریخ کی بھی چھان بین کریں۔

اعرافی۔ ضرور۔

مسلم۔ بہت اچھا۔

چودھویں فصل

مسیح کی پیدائش اور اہل یورپ کے عقاید

مسیح ایشیا میں پیدا ہوا۔ چونکہ ایشیا میں شروع زمانہ سے بڑے آدمیوں کو انسانی آلائشوں سے مبرا ثابت کرنے کے لیے اُنکی پیدایش کو معجزانہ طریقہ پر دیوتاؤں یا سورج اور چاند وغیرہ کی طرف منسوب کرنے کا دستور چلا آتا ہے۔ اس لیئے کہا جا سکتا ہے کہ مسیح کی پیدائش کے لیئے بھی ایشیا کے اسی معجزانہ دستور کو مناسب سمجھا گیا۔ مگر اس بات کا کیا علاج ہو سکتا ہے۔ کہ معجزانہ پیدایش کا یہ سلسلہ ایشیا کی سرزمین سے گذر کر یورپ کے ممالک میں بھی پھیلا ہوا نظر آتا ہے۔ جو روکاوٹ کہ مسیح تک پہنچنے کے لئے ہم اپنے سامنے محسوس کر رہے ہیں بعینہ اسی قسم کی دقت کا مسیحی مشنریوں کو اول ہی اول یورپ میں جا کر سامنا کرنا پڑا جبکہ ان کو معلوم ہوا۔ کہ خدا کے جس اکلوتے بیٹے کے نام کی منادی کرنے کے لئے وہ بڑے شوق سے یورپ میں پہنچے تھے۔ وہ اہل یورپ کے لئے کوئی نئی بات نہ تھی۔ کیونکہ ان کے ہاں اس سے پیشتر ہی اُن کے اپنے روح القدس یا جوپیٹر کے کثرت سے بیٹے موجود تھے۔ چنانچہ مشہور مسیحی مشنری پادری جسٹن مارٹر جو کہ مسیح سے تقریباً ایک سو سال بعد اس مشن پر وہاں گیا تھا۔ وہ اس بات کو دیکھ کر سخت حیران ہوا وہ مسیح کی معجزانہ پیدایش کے اعتقاد کو چھوڑ تو سکتا نہیں تھا۔ صرف اپنے دل کو تسلی دینے کیلئے یہ بول اٹھے کہ پہلے رسولوں نے جو خداوند کے بیٹے کے آنے کی خبر لوگوں کو پیشتر ہی سے دے رکھی تھی اس خبر کو شیطان نے بھی سن لیا۔ شیطان نے یہ چال چلی۔ کہ اُس نے کافروں اور ملحدوں

کے درمیان جاکر اُن کے شاعروں کو اس بات پر آمادہ کیا۔ کہ چونکہ خداوند کا بیٹا پیدا ہونے والا ہے۔ اس لئے تم پہلے سے ہی خداوند کے بہت سے بیٹے بناکر اُن کے گیت گھڑ چھوڑو۔ تاکہ یہ سمجھیں۔ کہ خداوند کا یہ بیٹا کوئی نیا بیٹا نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے اور بھی سینکڑوں ہی بیٹے ہو چکے ہیں پس شیطان کا یہ جادو چل گیا۔ اور گڑبڑ مچ گئی۔ دوسرے موقع پر بھی جسٹن مارٹر اپنی مشہور کتاب "اپالوجی" میں شہنشاہ ایڈرین سے خداوند کے بیٹے کی پیدائش کے متعلق بحث کرتا ہوا لکھتا ہے۔ کہ خداوند کے پلوٹھے بیٹے یعنے ہمارے خداوند مسیح کے بارے میں جو ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ وہ ایک کنواری کے پیٹ سے بغیر انسانی باپ کی آلائش کے پیدا ہوا۔ اس بارے میں ہم وہی بات کہتے ہیں۔ جو کہ آپ اپنے خداوند خدا کے بیٹوں کے متعلق لکھتے ہیں۔ کیونکہ آپ کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں۔ کہ آپ میں سے لکھنے والوں نے خداوند خدا کے بیٹوں کے بنڈل کے بنڈل بنا رکھے ہیں۔ باقی رہی یہ بات کہ ہم مسیح کو خدا کا بیٹا کیوں کہتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ گو ہم اس کو انسانوں سے بڑھکر خیال نہ کریں۔ لیکن تاہم ابن اللہ کا خطاب اس کی دانائی کی وجہ سے اس کے لئے عین مناسب ہے۔ خاصکر اس وجہ سے کہ تم ملحد لوگ بھی تو مرکری دیوتا کی کلمہ یا مسیح اللہ کے نام سے پرستش کر رہے ہو۔ باقی یہ بات کہ ہم عیسےٰ مسیح کو کنواری کے پیٹ سے پیدا شدہ مانتے ہیں۔ اس کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ تم بھی تو پرسی ایس کو ایسا ہی مانتے ہو۔

اگر ہم بغور دیکھیں تو پادری جسٹن کا یہ جواب جاٹ کے سر پر کھاٹ اور تیلی کے سر پر کولھو والے جواب سے بڑھکر وقعت نہیں رکھتا لیکن اس سے اتنا پتہ تو ضرور لگتا ہے۔ کہ ابتدائی زمانہ کے مسیحی مشنریوں کی یورپ میں جاکر اُن ہی مسائل سے مڈبھیڑ ہوئی۔ جو کہ اُن کے اور دوسرے ملحدوں کے درمیان مشترکہ تھے۔ مسیحی مشنریوں نے وہاں جاکر اگر کچھ کام کیا تو یہ کہ انہوں نے ملحدوں کے خداوند کے نام کی جگہ اپنے خداوند کا نام اور ملحدوں کے خدا کے بیٹوں کی جگہ اپنے خدا کے بیٹے کو آسانی سے رکھ دیا۔ اس طرح ان کو یورپ میں خداوند خدا کی آسمانی بادشاہت قائم کرنے کے لئے بالکل تیار زمین مل گئی ؛

پادری جسٹن کے اس جواب کو دیکھکر جو کہ آج سے تقریباً اٹھارہ سو برس پہلے شہنشاہ ایڈریَن کو دیا گیا تھا۔ ہم عنان توجہ اس طرف پھیرنے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ کہ وہ کون سے خدا اور خدا کے بیٹے تھے۔ جن کی طرف پادری صاحب موصوف نے اشارہ کرکے یہ کہا تھا کہ اگر ہم مسیح کو ایسا مانتے ہیں۔ تو تم دوسروں کو ویسا مانتے ہو۔ اس بات کے جاننے کے لئے ہمیں یونانیوں اور رومیوں کے دیوتاؤں یا سورما انسانوں کی تلاش کرنی چاہئے۔ اور دیکھنا چاہئے۔ کہ اہل یونان یا اہل روم ان کو کن معنوں میں عیسائیوں کی طرح جوپیٹر یا جاؤ کے یا بالفاظ دیگر روح القدس کے بیٹے مانتے تھے۔ بقول پادری جسٹن صاحب روح القدس کے بچوں کے ان بنڈلوں کے بنڈل میں سے ہماری نظر سب سے پہلے اُس سورما پہلوان پر پڑتی ہے۔ جو کہ ہرکیولیس کے نام سے مشہور ہے۔ کتاب رومن انٹی کوئٹی کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اہل روم اور یونانیوں کے عقیدے کے مطابق ہرکیولیس انسانی باپ کا لڑکا نہیں تھا۔ گو اُس کی ماں تھیبس کی ملکہ دوسری عورتوں کی طرح ایک عورت تھی۔ لیکن ہرکیولیس کی پیدائش زیوس دیوتا کے ذریعے ہوئی۔ یہ دیوتا روح القدس کا قایم مقام سمجھا جاتا ہے۔ عین اسی طرح یونانیوں کے مشہور دیوتا بکاس کی بابت یہ کہانی مشہور ہے۔ کہ تھیبس کے بادشاہ کیڈ مس کی لڑکی سیملی کے پاس جوپیٹر دیوتا آیا۔ اور اپنی روح اس میں پھونک گیا۔ اس روح سے بکاس پیدا ہوا ہے۔ ہم یہاں پر یہ بھی بتا دینا چاہتے ہیں۔ کہ بکاس بھیروی چکر والوں کی طرح یونانیوں کے نزدیک شراب کا دیوتا سمجھا جاتا تھا۔ جیسے بھیروی چکر والے شراب نوشی سے پہلے برہنہ مرد اور عورتوں کی پرستش کرنا باعث ثواب سمجھتے ہیں۔ اسی طرح بکاس دیوتا کے بھگت شراب پینے سے پہلے اس دیوتا کی ننگی مورتوں کا پوجن کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ یہ مورتیاں پرانے زمانے کے یونانی اور رومی وضع کے تقریباً تمام مندروں میں موجود رہتی تھیں یہ اسی دیوتا کی بدولت ہے۔ کہ آجکل بھی انگریزی زبان میں اس شخص کے لئے جو حد سے زیادہ شراب پیتا ہو۔ بکے۔ نے۔ لین Bachanalian

یا وٹری آف بکاس (Votary of Bachas) یعنے بکاس دیوتا کا بھگت یا پوجاری کا لفظ دیکھنے میں آتا ہے۔ یوری پیڈس میں یہ شراب کا دیوتا اپنی عالی نسبی کی بابت یوں بیان کر رہا ہے۔ کہ ”میں خداوند خدا یا ڈیوس کا بیٹا تھیبیان کے ملک میں پیدا ہوا ہوں۔ مجھے میری ماں سیملی شاہ کیڈمس کی لڑکی نے ایک برقی نور کی مدد سے جنا۔ اور بجائے دیوتا کے ایک انسان کا فانی جسم اختیار کر کے ڈرس کے چشموں اور اسمینس کے پانیوں پر پہنچا ہوں“

اس دیوتا کے متعلق مونٹ فیکن کہتا ہے۔ کہ ”وہ جس کی شاعر تعریف کرتے ہیں۔ اور جس کو پرانے زمانے کی یادگاریں ظاہر کر رہی ہیں۔ وہ جوپیٹر اور سیملی کا بیٹا بکاس ہے“۔ یادگاروں سے اس کی مراد وہی پرانے یونانی مندروں کی برہنہ مورتیاں ہیں۔ جو اس دیوتا کو ظاہر کر رہی ہیں۔ اس طرح یونانیوں کا مشہور دیوتا ایم فین بھی روح القدس کی مدد سے ہی پیدا ہوا سمجھا جاتا تھا۔ گو اس کی ماں الطیاب شاہ بوشیا کی لڑکی دیگر عورتوں کی طرح ایک فانی عورت تھی۔ پرسی اس جس کی مثال کہ پادری جسٹن نے شاہ ایڈرین کے سامنے اپنے دعوے کی تصدیق میں عیسیٰ مسیح کے مقابلے میں پیش کی تھی۔ حضرت مریم کی طرح ایک کنواری لڑکی کا ہی بیٹا سمجھا جاتا تھا۔ جو کہ شاہ آرگس کی بیٹی تھی۔ مسٹر بل اپنی کتاب پنتھین میں ہمیں بتاتے ہیں۔ کہ اور تو اور یونانیوں کا مشہور دیوتا مرکری جو کہ غیر فانی تصور کیا جاتا ہے وہ بھی ایک کنواری لڑکی بنام مایا کے پیٹ سے جوپیٹر دیوتا کی مدد سے پیدا ہوا تھا۔ سیلین واقعہ آرکیڈیا میں اس کی جائے پیدائش کی یادگار میں ایک مندر بنا کھڑا ہے۔ یوکس شاہ لیپاری کا باپ بھی روح القدس کا بیٹا ہی سمجھا جاتا تھا۔ رومیوں کا مشہور دیوتا اپولو جو بذات خود روح القدس سمجھا جاتا تھا۔ اس کی پیدائش بھی ایک کنواری لڑکی اور جوپیٹر کے ملاپ سے بتائی جاتی تھی۔ کہتے ہیں۔ کہ جب اپولو پیدا ہونے لگا۔ تو اس کی ماں کنواری لطونا شہر سے باہر جنگل میں چلی گئی۔ اور وہاں زیتون کے درخت کے نیچے اس بچے کو جنم دیا۔ اسی طرح آرجس آروکلس۔

اور اکٹیپاتس بھی اسی جوپی ٹر کے بیٹے پکارے جاتے ہیں۔ سوال یہ ہے۔ کہ یہ جوپی ٹر بذات خود کیا مانا جاتا تھا۔ اس کے متعلق آرفیئس کے بیان سے ہمیں اتنا پتہ لگتا ہے کہ اہل روم جوپی ٹر کو قادر مطلق۔ حاضر و ناظر۔ ظاہر باطن۔ اول و آخر۔ خالق کائنات۔ خالق زمین و آسمان مانتے تھے۔ گویا ایک طرح پر یہ دیوتا خداوند خدا تھا۔ مسٹر ڈریپر جس کا حوالہ ہم پہلے دے چکے ہیں۔ لکھتے ہیں۔ کہ شہر روم کا بانی مبانی رُومولس بھی روح القدس کے پیداوار میں شمار کیا جاتا تھا۔ اس کی ماں رہی سلویا بالکل کنواری لڑکی ہی تھی۔ کہ خداوند خدا کی قدرت یا روح القدس کی مدد سے اس کے وہ رُومولس پیدا ہوا جس نے اپنے نام پر روم کی بنیاد رکھی۔ رُومولس کے مرنے کے بعد اس کے معتقدوں! یا جانشینوں میں اس کے متعلق جھگڑا ہو پڑا۔ اس جھگڑے کا فیصلہ کرنے کے لئے جیساکہ ڈلٹن اپنی "لیٹرز فرم رُوم" کے صفحہ ۴۰ پر بیان کرتے ہیں۔ ایک خاص شخص مسمی جولیس پروکولس نے سینٹ آف روم کے سامنے اس بات کی قسم کھائی۔ کہ رُومولس بعد از مرگ مجھ سے ملا۔ اور اس نے مجھے بتایا کہ اب میں قوری نس کے نام سے دیوتاؤں میں رہتا ہوں۔ گویا میں اپنی اصلی مسکن میں چلا آیا ہوں۔ رُومولس کے علاوہ روم کے بہت سے دوسرے شہنشاہ مثلاً جولیس سیزر۔ آگسٹس سیزر بھی دیوتاؤں کی اولاد ہی سمجھے جاتے ہیں۔ اب ذرا تھوڑی دیر کے لئے یونان میں چلئے۔ اور اس معجزانہ پیدائش کے سلسلہ کا ملاحظہ کیجئے۔ ہمارے سامنے سب سے پہلے سکندر اعظم کا نام آتا ہے۔ یونانیوں کے لئے لازمی اور ضروری تھا کہ جس صورت میں وہ دیگر بہادروں کو جوپی ٹر یا روح القدس کے بچے کہنے کے عادی تھے۔ وہ سکندر کو بھی اس فہرست میں داخل کرتے۔ مسٹر ڈریپر اپنی کتاب ریلیجن اور سائنس میں اور مسٹر گبن اپنی تواریخ روم میں اس بات پر روشنی ڈالتے ہیں کہ اہل یونان سکندر اعظم کو اُن تمام فتوحات کے باعث جو کہ اس نے جیتے جی حاصل کیں۔ اور اس کی عقل خداداد کے باعث انسانی جامہ اختیار کئے ہوئے زندہ دیوتا تصور کرتے تھے۔ ان کا اعتقاد تھا۔ کہ گو اس کی ماں اُولمپی ایس ایک عورت تھی لیکن اس کا باپ جوپی ٹر یا روح القدس تھا مسٹر ڈریپر ہمیں بتاتے

ہیں۔ کہ اہل یونان کے اعتقاد کے مطابق سکندر ایک دفعہ جوپٹی ٹرا مین کے مندر کی زیارت کرنے کے لئے گیا۔ یہ مندر لیبیا کے جنگل میں واقع تھا۔ جب وہ وہاں پہنچا تو اس کو ندا آئی۔ کہ " اے سکندر! تو روح القدس کا بیٹا ہے" بعد ازاں سکندر نے چاروں طرف خطوط اور پروانہ جات روانہ کئے۔ اور بتایا کہ میں جوپیٹر امین کا بیٹا ہوں۔ سقراط نے اس ندائے آسمانی کا یوں ترجمہ کیا ہے۔

"قربان گاہ کو روشن کرو۔ اور خوشبو جلا کر سروا کو خوش کرو۔ طاقتور شہزادہ (سکندر) گو انسان ہے۔ مگر تمہیں اس کی نظر الطاف حاصل کرنی چاہئے کیونکہ خداوند خدا نے اس کو آسمان سے زمین پر بھیجا ہے۔ دیکھو سکندر بادشاہ خداوند خدا کی طرح زمین پر حکومت کرنے اور انصاف کے قوانین جاری کرنے کے لئے آیا ہے"۔

جب سکندر اعظم خداوند کا بیٹا ہو گیا۔ تو اس کا اثر اس کے جانشینوں پر ضرور پڑنا چاہئے تھا۔ چنانچہ اس کا اثر پڑا۔ مثال کے طور پر سکندر کے مشہور جرنیل طالمی کو لیجئے۔ اس شخص نے سکندر اعظم کو مشرقی فتوحات میں بڑی مدد دی۔ چنانچہ سکندر کی وفات کے بعد مصر کا ملک اسی شخص کے قبضے میں آیا۔ روڈس کے محاصرہ میں طالمی نے اس کے باشندوں کی ایسی نمایاں خدمات کی تھیں کہ ان لوگوں نے از راہ شکر گذاری اس کو "طالمی سوٹر" یا نجات دہندہ کہنا شروع کیا۔ اس وقت سے طالمی نہ صرف سوٹر یا نجات دہندہ ہی کہلایا جانے لگا۔ بلکہ اس کے ساتھ ہی اس کو خداوند خدا کا پلوٹھا بیٹا ہونے کا خطاب بھی مل گیا۔

یونان کا مشہور فلاسفر افلاطون بھی روح القدس کا بیٹا ہی تصور کیا جاتا تھا اب دوسرے حکما کو لیجئے۔ حکیم فیثا غورث کی نسبت مسٹر گبن اپنی کتاب انا کلپ سیس جلد اول صفحہ ۱۵۱ پر لکھتے ہیں۔ کہ فیثا غورث کی پیدائش مسیح سے ۵۷۰ برس پہلے ہوئی تھی۔ گو اس کی ماں کا انسانی خاوند تھا لیکن فیثا غورث کی پیدائش روح القدس کی مدد سے سمجھی جاتی ہے چنانچہ روح القدس نے اس کے فرضی باپ کو آ کر آگاہ کر دیا تھا کہ تیرے گھر میں میرا ایک بچہ پیدا ہوگا

جو کہ بنی نوع انسان کی خدمت بجا لائیگا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ حکیم فیثا غورث
نے اپنی پاکیزہ تعلیم سے بنی نوع انسان کی بڑی بھاری خدمت کی۔ لیکن جن توہمات
کے وہ بر خلاف تھا۔ اُس کے مقلدوں نے بعد از مرگ وہی توہمات اُس کے
سر تھوپ کر اس کو روح القدس کا بیٹا قرار دیدیا۔ فیثا غورث کو بھی جانے
دیجئے۔ بقول مسٹر بل مسیح کی کہانی سے ملتی جلتی اسکیولیپیس کی کہانی سنئے۔ اس
شخص کے مسیح کی طرح اپنی زندگی میں بڑے بڑے معجزے کر کے دکھلائے۔ لیکن
اس کی بابت یہ مشہور ہے۔ کہ اس کی ماں کارونس ابھی بالکل کنواری ہی تھی
کہ وہ روح القدس سے حاملہ ہوگئی۔ اس بات سے اس کو سخت شرمندگی
ہوئی۔ اپنے حمل کو چھپانے کے لئے مارے شرم کے وہ اپنے باپ کے گھر
سے بھاگ کر اپی ڈارس میں چلی گئی۔ ادھر لوگوں کو یہ خبر دی جا چکی تھی۔ کہ بنی
نوع انسان کو دکھوں سے نجات دینے والا اسکیولیپیس جلدی ہی اپی ڈارس
میں روح القدس کی مدد سے کنواری کارونس کے ہاں جنم لینے والا ہے۔
کارونس شرمندہ تو تھی ہی۔ بچے کو جنم دے کر وہ ایک پہاڑ کے اوپر چھوڑ
کر بھاگ آئی۔ ادھر ارستھینز ایک چرواہا اپنی ایک گم شدہ بھیڑ اور کتے کو
تلاش کرتا ہوا اس پہاڑ پر آنکلا۔ دیکھتا کیا ہے۔ کہ ایک نوزائیدہ بچہ پتھر پر
پڑا ہے۔ وہ اس کو گودی میں اٹھانے اور گھر لے جانے کے لئے آگے بڑھا
بچے کو ہاتھ ہی لگایا تھا۔ کہ اس کے سر کے اردگرد نورانی شعلے محیط ہوگئے۔ اس
نے سمجھا۔ کہ یہ تو دیوتاؤں کا بچہ ہے۔ اس بات کا چاروں طرف چرچا ہوگیا۔
لوگ دور دور سے اس غیر معمولی بچے کو دیکھنے کے لئے جمع ہوگئے۔ بڑے
ہو کر اس شخص نے ایسے ایسے معجزے دکھلائے کہ تمام یونان اور روم کے علاوہ
مصر اور فنیشیا میں بھی اسکی پرستش ہونے لگی۔

معجزانہ پیدائش کا یہ سلسلہ صرف روم اور یونان تک ہی محدود نہیں تھا
بلکہ یورپ کے تمام شمالی ممالک مثلاً نور وے۔ ڈنمارک۔ سویڈن۔ آئس لینڈ تک
اس کا دائرہ وسیع تھا۔ ان شمالی ممالک کے لوگ اپنی زبان میں خداوند خدا
کو اوڈن ر ، کہتے تھے۔ اس اوڈن کا سب سے پہلا یا پہلوٹھا بچہ

تھار (Thor) تھا۔ یہ لوگ اپنے تمام سورماؤں یا بادشاہوں کو اُسی اُوڈن کے بچے کہکر پکارا کرتے تھے۔ چنانچہ بالڈ جس کو کہ ناروے کے قدیم لوگ اسیطرح اپنا نجات دہندہ سمجھتے تھے جس طرح کہ آجکل کے اہل فرنگ مسیح کو اپنا نجات دہندہ سمجھتے ہیں عین مسیح کی طرح پیدا شدہ تسلیم کیا جاتا تھا۔ یہی روح القدس یا اوڈن دیوتا اس کا باپ مانا جاتا تھا۔ اور فریگا اس کی ماں سمجھی جاتی تھی۔ بعد میں جب وہ لوگ عیسائی ہو گئے تو اُنہوں نے اوڈن کی جگہ تو روح القدس اور کنواری فریگا کی جگہ کنواری مریم کو دیدی۔ گویا پرانے تخت پر نئے دعویداروں کو بٹھا دیا۔ یا مسیح کے الفاظ میں اُنہوں نے "پرانی بوتلوں میں نئی شراب" بھردی۔ اور اس طرح جو اعتقاد کہ وہ پہلے رکھتے تھے۔ اسی کو اُنہوں نے مسیحی ہو کر اب بھی تبدیلئے نام کے ساتھ قائم رکھا۔

مگر جس طرح مسیح سے پیشتر اس قسم کے لوگ موجود تھے۔ جو اپنے آپ کو خدا کا بیٹا کہتے تھے اسی طرح عین مسیح کے زمانے میں بھی بعض لوگ اس قسم کے موجود تھے۔ جو کہ روح القدس کی مدد سے پیدا ہونے کا دم بھرتے تھے چنانچہ اُن میں سے ایک شخص سائمن تھا۔ یہ شخص اپنی کرامات کے باعث ساحر مشہور تھا۔ اپنے اصلی وطن سے چل کر یہ شخص روم میں پہنچا۔ وہاں اس نے ایسے ایسے شعبدے دکھائے کہ اہل روم اس کو اپنے دیوتاؤں میں سے ایک دیوتا ماننے لگ گئے چنانچہ دیگر دیوتاؤں کی مورتوں کے ساتھ اس کی مورتی بھی مندر میں رکھی جانے لگی۔ جسٹن مارٹر جو کہ پرانا مسیحی شنری تھا۔ جس کی بابت اوپر بتایا جاچکا ہے۔ اسی شخص کی بابت تحریر کرتا ہے۔ کہ اہل روم اس کو دیوتا تسلیم کر کے اس کی پرستش کرتے تھے۔ چنانچہ دریائے ٹائبر کے درمیانی پُلوں پر اس شخص کے نام کا یہ کتبہ کندہ کیا ہوا تھا۔ کہ

Simoni - Deo - Sancto

جس کا مطلب یہ ہے "سائمن! خدائے مقدس کے لئے"۔ اسی اپولونیس کے بارے میں بھی اسی قسم کی کہانی مشہور ہے۔ یہ شخص مسیح سے ۱۴

برس پہلے پیدا ہوا تھا۔ فلاسٹریس کے صفحہ ۵ پر لکھا ہے کہ روح القدس نے اپولونیس کی ماں سے آکر کہا۔ کہ میں خود ہی تیرے گھر جنم لوں گا۔ روح القدس نے ایک عرصہ کے بعد اس لڑکی کے ہاں جنم لیا۔ اور انوکھے بچے کا نام بعد میں اپولونیس مشہور رہا۔ یہ شخص بھی بڑا مذہبی ریفارمر اور کراماتی پیغمبر سمجھا جاتا ہے۔ مذکورہ بالا واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ معجزانہ پیدائش کے خیال نے یورپ میں بھی تقریباً ویسا ہی کام کیا ہے جیسا کہ اس نے ایشیا میں کیا تھا یورپ میں اس قسم کے بچے ایشیائی بچوں سے بھی زیادہ معلوم ہوتے ہیں۔ بلکہ یورپ کے ملکوں میں تو بقول پادری جسٹن اس قسم کے بچوں کے بنڈل کے بنڈل موجود تھے۔ جو کہ بقول صاحب موصوف لوگوں کے کانوں میں اس غرض سے پھونک مار کر پیدا کر دیئے تھے کہ خداوند کے اصلی بیٹے کے بارے میں گڑبڑ مچ جائے۔ پادری جسٹن کا شیطان کے متعلق یہ خیال خواہ کیسا ہی ہنسی دلانے والا ہو۔ مگر اس میں شک نہیں کہ خداوند خدا کے اس قدر فرزندوں کی موجودگی میں مسیح کو اس کا اکلوتا بیٹا تسلیم کر لینا ایک منصف مزاج شخص کے لیئے سخت مشکل ہے۔ جس صورت میں کہ دنیا بھر میں اس قدر انسان روح القدس کے فرزند یا بغیر باپ کے پیدا شدہ مانے جاتے ہوں۔ اس صورت میں اگر مسیحی لوگ مسیح کو ابن اللہ مان کر اس کی بزرگی کے گیت گاتے اور اس کو اپنا نجات دہندہ تصور کرتے ہوں تو اس میں کونسی خوبی کی بات ہے جس پر کہ مسیحی اس قدر فخر کر رہے ہیں؟

اعرابی۔ واقعی یہ ایک بالکل معمولی سی بات ہے۔ اور کہ مسیحیوں کا اس پر فخر و ناز کرنا ان کی سخت غلطی ہے۔

مسلم۔ مگر ذرا اور آگے چلیئے۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ کہ افریقہ کے جنگلوں اور ریگستانوں کے اندر بھی روح القدس کے فرزند بہت بڑی تعداد میں موجود ہیں۔

اعرابی۔ بہت خوب! ذرا اس کو بھی واضح کر دیا جائے۔

پندرھویں فصل

روح القدس یا معجزانہ پیدائش
کا
سلسلہ افریقہ میں

آؤ ذرا تھوڑی دیر کے لئے ہم آبنائے سویز کو عبور کر کے ایشیا کے ساتھ لگتے برِاعظم افریقہ میں چلیں۔ افریقہ کا وہ شمالی حصہ جو سرزمین ایشیا کے ساتھ متصل رہا ہے۔ کسی زمانے میں بڑی بھاری تہذیب کا مرکز رہ چکا ہے۔ اس حصے سے ہماری مراد ملکِ مصر ہے۔ مصر نہ صرف اپنی پرانی تواریخ ہی رکھتا ہے۔ بلکہ ایسی کہانیاں اور دلچسپ فسانے بھی رکھتا ہے۔ کہ جن کی یادگاریں بائبل کے صفحے کے صفحے بھرے پڑے ہیں۔ ہم چونکہ محض مذہبی پہلو پر بحث کر رہے ہیں۔ اس لئے مصر کی مادی ترقی کو نظرانداز کرتے ہوئے ہم فقط یہہ دکہانے کی کوشش کریں گے۔ کہ ایشیا اور یورپ کی طرح مصر بھی معجزانہ پیدائش کے کرشموں سے خالی نہیں۔ لیکن پیشتر اس کے کہ ہم اس سلسلہ کو شروع کریں۔ ہم نہایت ہی مختصر طور پر اہل مصر کے مذہبی عقائد پر نظر مارنا چاہتے ہیں۔ تاکہ ہم مضمون زیر بحث پر آسانی سے روشنی ڈال سکیں۔ مذہبی لحاظ سے مصر کو ہندوستان سے تشبیہہ دی جاسکتی ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ مذہب یا متوں کی جو بھرمار یہاں ہو رہی ہے۔ وہی کسی زمانے میں مصر میں تھی۔ ذرا ہندوستان کے قدیم مندروں یا موجودہ مندروں پر نظر مار کر دیکھئے۔ تو آپ کو پتہ لگے گا۔ کہ سینکڑوں دیوی دیوتاؤں کی تصویریں در و دیوار پر نقش ہو رہی ہیں۔ کہیں رام اور سیتا۔ کہیں رادھا اور کرشن جی موجود

ہیں۔کہیں ہنومان جی کھڑے ہیں۔کہیں بھیروں اور کالی منہ کھولے کھڑی ہیں۔کہیں چتر بھجی اور کہیں اشٹ بھجی براجمان ہیں۔کہیں برہما جی کنول پھول پر لیٹے پڑے ہیں۔کہیں وشنو جی مہاراج ہیں۔کہیں شوجی بیٹھے ہیں کہیں گنیش جی چار ہاتھ کھولے بیٹھے ہیں۔کہیں سیتلا مائی ہے کہیں وام مارگیوں کی ننگی تصویریں ہیں۔کہیں ٹھاکر جی مہاراج مندر میں لیٹے پڑے ہیں غرضیکہ تمام مندر اسی قسم کے معبودوں سے بھرے پڑے نظر آئیں گے۔مصر کے پرانے مندروں میں گھسنے پر ہو بہو یہی نظارہ نظر آتا ہے۔کہیں ایمن دیوتا کی تصویر ہے کہیں مات۔کھنس۔نیست۔منطو۔شو۔نوط۔اُسی رس وغیرہ کی کہیں سیت ہورس۔فتا۔سخت۔طوم۔پشت۔آنوک۔نفاتمہ۔انوبیس وغیرہ دیوتا ہیں۔کہیں کھیم۔استس۔نفتس۔آتھر۔ہرماکس۔ناجسس پھفت وغیرہ دیوتا کھڑے ہیں۔کہیں سیکھی یکھیر انلغت شستو پنتی وغیرہ دیوی اور دیوتا آسن لگائے بیٹھے ہیں۔غرضیکہ سینکڑوں چھوڑ ہزاروں دیوی دیوتاؤں کی تصویریں مصری مندروں کی دیواروں پر منقش نظر آتی ہیں جارج ربین صاحب اپنی کتاب اینشنٹ ایجپٹ یا مصر قدیم میں مصریوں کے دیوی دیوتاؤں کی فہرست دیتے ہوئے قدرتاً اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔کہ پرانے مصری قدرت پرست تھے۔لیکن اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ اہل مصران دیوتاؤں کو مختلف طاقتوں کا مظہر سمجھتے تھے۔ان میں سے کوئی روشنی کا دیوتا تصور کیا کیا جاتا تھا۔کوئی اندھیرے کا۔کوئی آرام کا۔کوئی دکھ کا۔کوئی بچوں کا۔کوئی زمین کا۔کوئی جانوروں کا۔کوئی بارش کا۔غرضیکہ ہر ایک دیوتا ایک خاص صیغہ کا سینجر کہا جاتا تھا۔لیکن پرانے مصری ان تمام دیوتاؤں پر ایک لاثانی طاقت یا لاثانی دیوتا کو حکمران خیال کرتے تھے۔اس مہا دیو کے مطیع ہی یہ تمام دیوتا اپنے فرائض کو پورا کرتے تھے۔مسٹر راؤلن سن صاحب کسی پرانی کتاب کا حوالہ دیتے ہوئے جوکہ ان کے نزدیک مصر کے پروہتوں کے سوائے کسی دوسرے کو معلوم نہیں تھی۔اس دیوتا کے بارے میں یہ الفاظ درج کر گئے ہیں۔کہ وہ دیوتاؤں کا دیوتا وحدہ لاشریک لہٗ ہے۔اوپر نیچے کی تمام کائنات کا پیدا کنندہ وہی ہے۔

نگر وہ کسی سے پیدا نہیں ہوا۔ وہ ایک قایم بالذات اور علیم کل ہستی ہے۔ وہ ازلی و ابدی ہے۔ اُس نے تمام چیزوں کو بنایا۔ مگر اُس کو کسی نے نہیں بنایا؛ یہ کتنی بڑی صداقت ہے۔ جو قدیم مصریوں میں موجود تھی مسٹر رائیٹن صاحب پرانے مصری شاعروں کی تصنیفات کی بعض عبارتوں کا حوالہ دیتے ہوئے اس لاثانی ہستی کی مدح سرائی میں ہمیں بتاتے ہیں کہ اُنکے نزدیک وہ علیم کل ہستی ایسی تھی کہ "اس کی کوئی مورتی نہیں بنائی جاسکتی۔ وہ آنکھوں سے نہیں دیکھا جاسکتا۔ وہ لامکان ہے۔ کسی مندر میں اُس کی شکل نہیں اُتاری جاسکتی۔ وہ کسی خاص مکان میں محدود نہیں کیا جاسکتا وہ بے نام ہے۔ وہ اوتار یا جسم اختیار نہیں کرتا۔ اس کی مورتی بنانا حماقت ہے۔ وہ ازل سے ہے۔ وہ لازمان ہے۔ اُس کے سوائے کوئی دوسرا دیوتا نہیں ہے۔ کسی ماں نے اس کو جنا نہیں۔ کسی باپ نے اس کو پیدا نہیں کیا۔ وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ وہ قایم بالذات ہے تمام دیوی اور دیوتاؤں کا پیدا کنندہ وہی ہے"۔ مگر جب اہل مصر گمراہ ہو گئے۔ تو اُنہوں نے نہ صرف مظہرات قدرت کی ہی پرستش شروع کر دی۔ بلکہ وہ تمام خس و خاشاک کی پرستش کرنے لگ گئے۔ یہاں تک کہ اہل مصر نے سانپوں کی پرستش بھی شروع کر دی +

ان کے سب سے بڑے سرپ دیوتا کا نام اسے پ تھا۔ اس ناگ دیوتا نے ان لوگوں پر اس قدر اقتدار پایا۔ کہ شاہان مصر نے اس کو بامی سے نکال کر اپنے سنہری تاجوں پر جگہ دی۔ اور اس کو حکومت کا خاص نشان بنایا۔ چنانچہ زمانہ مابعد کے جتنے مصری بادشاہوں کی تصویریں یا بت اس وقت تک دستیاب ہوئے ہیں۔ ان سب کے سروں پر تاج سے چمٹے ہوئے ناگ دیوتا جی سر اُٹھائے کھڑے ہیں۔ مثال کے طور پر مینی فتاہ بادشاہ مصر کا بت دیکھئے۔ یہ اس مصری فرعون کا سر ہے۔ جس کے وقت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مصر چھوڑنا پڑا تھا۔



فرعون مصر کا بت

کہا جاسکتا ہے کہ سانپ کا مصری بادشاہوں کے تاجوں پر موجود ہونا بعینہ وہی معنے رکھتا ہے۔ جو کہ شہنشاہ برطانیہ کلاں کے تاج پر شیر اور یونیکارن یا فلیورڈی لِس (Fleur-de-lis) کا موجود ہونا۔ یا سلطان ٹرکی کے جھنڈے پر ہلال کا ہونا یا ریاستہائے متحدہ کے علم پر عقاب کا ہونا یا بعض ہندوستانی ریاستوں کے سکوں پر گائے کا ہونا یا یونانی حکمرانوں کے سکوں پر جوپی ٹر وغیرہ کا ہونا وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ ہر ایک قوم اپنے لئے وہی نشان مقرر کرتی ہے جو اُن کی نظروں میں زیادہ مقدس یا طاقت و شجاعت کا مظہر ہو۔ اہل مصر نے سرپ دیوتا کو خاص طاقت کا مظہر اس لئے سمجھا تھا کہ اُس نے اُن کے خیال کے مطابق ان کے دو دیوتاؤں سیت اور اسی رس کے درمیان جنگ کرا کر سیت کو فتح دلائی تھی +

یورپ کے شمالی ممالک کے قدیم باشندوں نے تو روح القدس کیلئے

آوڈن (Odzins) کا نام پسند کر رکھا تھا۔ مگر اہل مصر اس کو اپنی زبان میں رَا (Ra) اور ہورس (Horus) کہتے تھے۔ جیسے یونانی اپنے بہادروں کو جوپی ٹر وغیرہ دیوتاؤں کے بیٹے پکارا کرتے تھے۔ اور خود جوپی ٹر کو بھی کسی بڑے دیوتا کا پلوٹھا بیٹا تصور کرتے تھے۔ اسی طرح مصر کے تمام بادشاہ اسی رَا اور ہورس کے بیٹے کہے جاتے تھے۔ خود یہ دیوتا یا بلحاظ دیگر روح القدس بھی بالکل انوکھے ڈھنگ پر پیدا شدہ مانے جاتے تھے۔ مسٹر باوک صاحب اپنی کتاب آمی جپشئین بیلیف (عقاید مصر) میں فرماتے ہیں۔ کہ رَا دیوتا کا باپ نہیں تھا۔ اس کی پیدائش بھی دیگر انسانوں کی طرح نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ یہ دیوتا اپنی ماں کے پہلو سے پیدا ہوا تھا۔ اسی طرح ہورس کی بابت کہا جاتا تھا۔ کہ وہ کنواری آئی سس کے بطن سے پیدا ہوا۔ اہل مصر اس کی پیدائش کو نظر استعجاب سے دیکھتے تھے۔ اور اس کو ایمن دیوتا کا بیٹا خیال کرتے تھے۔ مصری مندروں میں جو اس دیوتا کی تصویریں ہیں۔ ان میں دکھایا گیا ہے۔ کہ اسکی ماں آئی سس اس کو اپنی گود میں لئے بیٹھی ہے۔ جن لوگوں نے کبھی رومن کیتھولک عیسائیوں کے گرجوں میں حضرت مریم کی تصویر کو لٹکتے دیکھا ہے۔ وہ جانتے ہوں گے۔ کہ حضرت مریم بھی اسی مصری کنواری کی طرح خداوند خدا کے اکلوتے اور پلوٹھے بیٹے مسیح کو گود میں لے کر بیٹھی ہوئی دکھائی گئی ہے۔ بچہ ماں کی گود سے چمٹ رہا ہے۔ اور پیاری نگاہوں سے دیکھ رہا ہے۔

مسٹر موکین صاحب نے مصر کے ایک مندر میں ہورس دیوتا کی تعریف میں ایک عبارت لکھی ہوئی دیکھی جس کا ترجمہ ہم اپنی زبان میں یوں کر سکتے ہیں:۔

"اے بدلہ لینے والے خداوند کے بیٹے۔ اے بدلہ لینے والے ہورس۔ جس کو کہ آسی رس نے ظاہر کیا ہے۔ جو دیوی آئسس کے بطن سے پیدا ہوا ہے۔

صرف یہی نہیں - بلکہ اہل مصر اپنے بادشاہوں کو بھی خداوند خدا
سمجھتے تھے - چنانچہ ایک مصری درباره بادشاہ کے حضور میں آکر یہ کہتا ہوا
دیکھا جاتا تھا :-

"حضور آپ خداوند خدا ہیں - خدائے اعظم ہیں - را دیوتا کے
برابر ہیں - میں حضور کے ہی طفیل سے زندہ ہوں" ایلچی بادشاہ کے
دربار میں آکر اس کی تعظیم بجا لاکر یوں کہا کرتے تھے :-

"آپ اپنے تمام کاموں میں را یا خداوند خدا کے برابر ہیں - آپ
کا دل جو چاہتا ہے - وہی پالیتا ہے - اگر آپ یہ کہیں - کہ پتھر میں سے پانی
نکل آئے تو آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلنے کے ساتھ ہی پتھر میں
سے پانی کے چشمے جاری ہو جاتے ہیں - خداوند خدا یا را اپنے تمام اعضا
میں آپ کی ہی طرح ہے - اور خداوند پھر اپنی خالقیت میں آپ سے
ملتا ہے - آپ اپنے باپ توم کی زندہ تصویر ہیں - آپ کے تمام احکام
روزمرہ پورے ہوتے ہیں"

صرف یہی نہیں تھا کہ بادشاہوں کو خداوند خدا اور خداوند خدا کے
بیٹے کہا جاتا تھا - بلکہ بعض اوقات مصریوں کے مختلف خداوند ہندوؤں یا
عیسائیوں کے خداوند کی طرح خود بھی جسم اختیار کر لیتے تھے چنانچہ دی مسٹر
رالی سن صاحب مصریوں کی اس بارے میں کہانی بیان کرتے ہیں - جو مختصر
طور پر یہ ہے - کہ جب خداوند آسمان پر حکومت کرتے کرتے تھک گئے
تو انہوں نے ارادہ کیا کہ آسمان کی بجائے زمین پر چل کر حکومت کریں -
پس انہوں نے انسانی جامہ اختیار کر کے ملک مصر پر قبضہ کر لیا جب چار بادشاہ
حکومت کر چکے - تو خداوند آسی رس اور توما نے شمالی اور جنوبی مصر پر قبضہ
پایا - آسی رس بڑا فیاض اور نیک تھا - اس نے اہل مصر کو اچھے اچھے علوم
فنون سکھائے - ان کو مہذب بنایا - اور کھیتی باڑی کرنی سکھائی - مگر آسی رس
کا بھائی خداوند سیت بڑا شریر تھا - اس نے آسی رس کو مار ڈالنے کا ارادہ کیا اور
اسکو مار ڈالا - اسکی لاش ایک صندوق میں بند کر کے دریائے نیل میں بہا دی اور

یہ سمندر میں جا گری۔ انسی رس کی بیوہ بہن آئی سس اور نیفتس اپنے خاوند کی لاش کو تلاش کرنے کے لیے باہر نکلیں۔ مگر کچھ پتہ نہ نکلا۔ آخر شام کے کنارے پر جہاں کہ سمندر کی لہروں نے اس کو پھینک دیا تھا یہ لاش پائی گئی۔ آئی سس اپنے خاوند کی لاش کو دفن کرنے کیلئے واپس لا رہی تھی کہ سیت نے اسکو راستے میں ہی اس سے چھین لیا۔ اور اسکو چودہ ٹکڑوں میں کاٹ کر مختلف جگہوں میں چھپا دیا۔ بیچاری آئی سس ان ٹکڑوں کو دوبارہ تلاش کرنے کیلئے نکلی اور انکو تلاش کر کے مصر کی سرزمین میں دفن کیا۔ بعد ازاں اس نے اپنے بیٹے خداوند ہورس کو بلایا۔ اور کہا۔ کہ اپنے باپ کا انتقام لو ہورس نے سیت کو قید کر لیا۔ مگر آئی سس کو رحم آیا۔ اور اس نے سیت کو چھڑوا دیا۔ اس سے ہورس ایسا خفا ہوا۔ کہ اس نے اپنی ماں آئی سس کا سر کاٹ دیا۔ لیکن تھاتھ دیوتا نے اس کے دھڑ پر ایک گائے کا سر کاٹ کر لگا دیا۔ ہورس نے اپنے چچا سیت سے دوبارہ لڑائی کی۔ اور اس کو مار ڈالا +

یہ اور اس قسم کی دوسری کہانیوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مصری دیوتا بھی بعض ہندو دیوتاؤں کی طرح آپس میں خوب لڑا کرتے تھے۔ اگر تھاتھ نے آئی سس کے دھڑ پر گائے کا سر کاٹ کر لگا دیا۔ تو ہندوؤں کے شوجی نے اپنے بیٹے کے دھڑ پر ہاتھی کا سر لگا کر اس کو گنیش بنا دیا۔ جس طرح ہندوؤں نے خداوند خدا کے لیے مچھلی۔ کچھوہ۔ شیر۔ سور وغیرہ کا اوتار مقرر کیا تھا۔ اسی طرح مصر کے بت پرستوں نے اپنے خداوند خدا یا دیوتاؤں کی اسی طرح مٹی پلید کرنی شروع کی۔ یہاں تک کہ انہوں نے اپنے ایک خاص خداوند کو جس کا نام سیت تھا۔ بطخ بنا کر انڈے دینے پر مجبور کیا۔ اس غریب دیوتا نے بطخ کا جامہ اختیار کیا۔ اور انڈے دے کر ان کو مرغی کی طرح سیا۔ اور بچے نکالے۔ اس سے بڑھکر مخول کی بات اور کیا ہو سکتی ہے لیکن ایک بات اور بھی عجیب ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ مصری بت پرستوں نے اپنے خداوند خدا کو بڑی خوفناک

شکل دے رکھی تھی۔ وجہ یہ کہ مصر کے لوگ سرکش ہو کر را یا خداوند خدا کو بُرا کہنے لگے۔ اس خداوند نے تمام دیوتاؤں کو جمع کیا۔ اور اُن سے مشورہ پوچھا۔ کہ انسانوں کو کیا سزا دینی چاہیئے؟ سب نے یک زبان ہو کر کہا۔ کہ بنی نوع انسان کا تخم صفحۂ ہستی پر سے مٹا ڈالنا چاہیئے یہ خوفناک کام آتھر اور سیخمت دیوتاؤں کے سپرد ہوا۔ جنہوں نے انسانوں کو تہ تیغ کرنا شروع کیا۔ اس کشت و خون کو دیکھ کر تمام انسانوں پر دہشت چھا گئی۔ اپنے غضبناک دیوتا کے غضب کو ٹھنڈا کرنے کے لئے اُنہوں نے نہایت ہی لذیذ پھلوں کا رس نچوڑا۔ اور اس میں انسانوں کا خون ملا کر ایک مزیدار شراب بنائی۔ اس شراب سے اُنہوں نے سات ہزار مٹکے بھرے۔ اور اپنے خداوند خدا کے سامنے پیش کئے۔ خداوند خدا اس خونی شراب کو پی کر بڑا ہی خوش ہوا۔ کچھ تھوڑی سی شراب باقی رہ گئی وہ پھینک دی گئی۔ اس کے پھینکتے ہی ایک طوفان عظیم برپا ہو گیا۔ اور تمام مصر غرقاب ہو گیا۔ دوسرے دن آتھر دیوتا انسانوں کو مارنے کے لئے باہر نکلا۔ مگر اُس کو کوئی انسان نظر نہ آیا۔ چاروں طرف پانی ہی پانی تھا۔ اس نے تمام پانی کو پی لیا۔ اور بڑا خوش ہوا وغیرہ وغیرہ کہانیوں کو نظر انداز کر کے ہم نفس مضمون کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اور بتاتے ہیں کہ جس تھاتھ دیوتا کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ اُس کی تصویر تھیبا کے بعض پرانے مندروں میں دیکھی جاتی ہے۔ چنانچہ مسٹر بانوک کی تحقیقات کے مطابق ایک مندر میں اس دیوتا کی اس قسم کی تصویر بنائی گئی ہے۔ کہ وہ کنواری ملکہ طاطمس کو مخاطب کر کے کہہ رہا ہے۔ کہ تیرے ہاں روح القدس کا بچہ جنم لے گا۔ اور وہ بادشاہ ہو گا چنانچہ جب یہ لڑکا پیدا ہوا تو اُس کا نام تھیمتو آصف رکھا گیا۔ تواریخ مصر میں یہ تھیمتو آصف سوم کے نام سے مشہور ہے۔ مصر کا ایک اور مشہور و معروف بادشاہ رامی سیس سوم بھی کنواری کے پیٹ سے ہی پیدا شدہ مانا جاتا تھا۔ خود رامی سیس (Ra-me-ses) کا نام ظاہر کر رہا ہے

کہ وہ آزایا روح القدس کا بیٹا تھا۔ اس بادشاہ کے متعلق ریناف صاحب اپنی کتاب ریلیجن آف اینشنٹ ای جپٹ میں مصری مندروں کے کتبوں کا حال لکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ ایک کتبہ میں آرا دیوتا اپنے اکلوتے رآمی سس سوم کو مخاطب کر کے یوں کہہ رہا ہے:۔

"میں تیرا باپ ہوں۔ تیرے تمام اعضا کی پیدائش مجھ سے ہی ہوئی ہے۔ میں نے تیری شکل کو منڈیسی خدا کی شکل پر بنایا ہے۔ میں نے ہی تیری قابل تعظیم ماتا کو حاملہ کر کے تجھے پیدا کیا ہے"! اسی طرح مصر کا مشہور بادشاہ تھاتھمس اول بھی روح القدس کا بیٹا ہی خیال کیا جاتا تھا۔ تھاتھمس کے معنوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ وہ تھاتھ دیوتا کا بیٹا تصور کیا جاتا تھا۔ جب یہ بادشاہ مر گیا۔ تو اس کی جگہ اس کا بیٹا تھاتھمس ثانی مصر کے ملک کا بادشاہ ہوا۔ اس نے اپنی سگی بہن ہتاسو سے شادی کر لی۔ اس زمانہ کے مصری ماں بہن کے ساتھ زوجیت کے تعلق کو کچھ بری نظر سے نہیں دیکھتے تھے۔ ہتاسو نے اپنے بھائی یا خاوند کو مروا ڈالا۔ اور عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لے کر اپنے چھوٹے بھائی سے شادی کر لی۔ اور اپنے آپ کو مصر کے سب سے بڑے خداوند آرا اور ہورس کی بیٹی اور ایمن دیوتا کی بیوی کہلانے لگی۔ یہ اور اس قسم کی دیگر کہانیوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جس زمانے کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔ اس زمانے میں روح القدس کے ذریعہ پیدا ہونیکا خیال نہ صرف ایشیا اور یورپ پر ہی اپنا تسلط جمائے ہوئے تھا۔ بلکہ افریقہ کے اس حصے میں بھی جو کہ کبھی تہذیب کا ملجا و ماویٰ رہ چکا تھا۔ اپنا تسلط رکھتا تھا۔ اب ساتھ لگتے ہیں امریکہ کی پرانی تہذیب پر بھی ایک نظر مار لینی چاہیے۔

سولھویں فصل

روح القدس یا معجزانہ پیدائش

کا

سلسلہ امریکہ میں

ہم جانتے ہیں۔ کہ اس وقت بھی امریکہ میں خداوند کے اکلوتے بیٹے کے گیت گائے جا رہے ہیں۔ آج سے تقریباً چھ سات سو برس پیشتر بلکہ بہت عرصہ پیشتر بھی جبکہ امریکہ کے اصلی باشندے اس خداوند خدا کے پلوٹھے کا نام تک نہیں جانتے تھے۔ وہ اس وقت بھی زیادہ تر روح القدس کے بچوں کے مداح تھے۔ ان کا خداوند روح القدس بعض حالتوں میں ان سے حیوانی اور انسانی قربانی کی استدعا کیا کرتا تھا۔ اور اس کے پجاری اس قسم کی قربانیاں کرنے پر مجبور ہوتے تھے۔ وہ عام طور پر سورج کی پرستش کرتے تھے۔ اسی کو وہ کرتا دھرتا یا زندہ خدا مانتے تھے۔ مگر ان میں جو معقول آدمی تھے۔ وہ سورج کی پرستش کو برا سمجھتے تھے چنانچہ گارسی لیسو کی کتاب کمنٹیریو۔ ریلیز commantario-reales مطبوعہ ۱۶۰۹ء و ۱۶۱۶ء میں ان باتوں کا بخوبی ذکر کیا گیا ہے۔ البرٹ ریولی نے امریکہ کی پرانی تواریخ پر لکچر دیتے ہوئے اس کتاب سے زیادہ مدد لی ہے۔ یہ کتاب اس وجہ سے بھی زیادہ معتبر سمجھی جاتی ہے۔ کہ اس کا مصنف مسٹر گارسی لیسو ڈی۔ لا۔ ویگہ Garcilasso- die -la -vega گو ایک یوروپین باپ کا لڑکا تھا۔ مگر اس کی ماں پیرو کے مشہور بادشاہ انکا خاندان کی شہزادی تھی۔ گارسی لیسو اس بات کا فخر کیا کرتا تھا۔ کہ وہ شاہانِ انکا

کی نسل میں سے ہے۔ اس کی ماں کو قدرتاً اپنے آباؤ اجداد کی تواریخ۔ مذہب شایستگی کے بارے میں بہت کچھ زبانی یاد تھا۔ اور اُس نے اپنے بچے کو وہ سب باتیں بتادی تھیں۔ خاصکر جبکہ وہ خود بھی ایک پڑھی لکھی شہزادی تھی چنانچہ گارسی لیسو اپنے آباؤ اجداد کے مذہبی خیالات کا ذکر کرتے ہوئے شاہ انکا ٹوپک یپانیقوئی Inca-tupec-upanque کے بارے میں لکھتا ہے۔ کہ وہ یہ دیکھکر کہ لوگ سورج کو زندہ دیوتا سمجھکر اس کی پرستش کر رہے ہیں۔ انکے اس غلط عقیدے کا یوں کھنڈن کرنے لگے:۔

"لوگ کہتے ہیں کہ سورج زندہ ہے اور وہی سب کام کرتا ہے۔ مگر اُن کو سوچنا چاہئے۔ کہ جب کوئی شخص کوئی کام کیا کرتا ہے۔ تو وہ کرتے وقت اس کام یا چیز کے عین پاس ہوا کرتا ہے۔ حالانکہ دنیا میں بہت سے کام اُس وقت ہوتے ہیں۔ جبکہ سورج غائب ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ سورج ہر ایک کام کو نہیں کرتا۔ پھر اگر سورج زندہ چیز ہوتا۔ تو کیا وہ روزمرہ کے اتنے لمبے سفر سے تھک نہ جاتا۔ اگر وہ زندہ ہوتا۔ تو ہماری طرح تکان محسوس کرتا۔ اگر وہ آزاد ہوتا۔ تو وہ آکاش کے دوسرے حصوں میں بھی چلا جایا کرتا۔ جن میں کہ وہ کبھی نہیں جاتا۔ سچ یہ ہے۔ کہ وہ ایک ایسی چیز ہے۔ جس کو کام پر لگا دیا ہو۔ اور وہ اپنے مقررہ راستے پر گردش کر رہی ہو یا وہ ایک تیر کی طرح ہے۔ جس کو جس طرف تیرانداز چلا دیتا ہے۔ تیر اُسی طرف کو چلا جاتا ہے۔ تیر کی اپنی مرضی کچھ بھی نہیں ہے۔"

اس بیان سے صاف ظاہر ہے۔ کہ پُرانے زمانے کے بیدار مغز اہل امریکہ سورج کو محض ایک خدمتگار اور کسی بڑی طاقت کے مطیع کام کرنیوالا وجود مانتے تھے۔ اس کو وہ زندہ سمجھکر نہیں پوجتے تھے۔ چنانچہ وہی مسٹر گارسی لیسو ایک دوسرے امریکن بادشاہ بنام انکا ہیوناکیپک Inca - Huyena - Capac کے بارے میں لکھتا ہے کہ وہ صاف طور پر سورج کے زندہ دیوتا ہونے سے منکر تھا۔ توہمات میں جکڑے ہوئے اہل امریکہ سورج دیوتا کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی سخت کفر سمجھتے تھے۔ مگر

اُن کے وہم کو کچلنے کے لئے ایک دن جبکہ بڑا جشن منایا جا رہا تھا۔ بادشاہ ہیونا کیپک میدان میں کھڑا ہو کر سورج کی طرف دیکھنے لگ گیا۔ وہ اتنی دیر تک دیکھتا رہا۔ کہ ایک بڑے بھاری پروہت نے ہیبت زدہ ہو کر بادشاہ سے کہا:" آپ کا سورج دیوتا کی طرف اس طرح گستاخی اور بے عزتی سے آنکھیں اُٹھا کر دیکھنا لوگوں میں سخت ہل چل مچا دے گا" بادشاہ نے اُس پروہت کو جواب دیا:" میں تم سے سوال پوچھتا ہوں تم مجھے اُن کا جواب دو۔ دیکھو میں تمہارا بادشاہ ہوں۔ کیا تم میں کوئی ایسا گستاخ اور نڈر شخص ہے جو مجھ سے یہ کہہ سکے۔ کہ اُٹھو اور ہماری خوشی کے لئے اتنا چکر لگاؤ؟ دوسرے کیا میرے تمام مالدار اور زبردست جاگیرداروں میں سے کوئی ایسا زبردست سردار ہے۔ کہ میں اس کو کہوں کہ تم اسی وقت فوراً چلی کے صوبے کی طرف جاؤ۔ اور وہ نہ جائے؟ پروہت نے بادشاہ کی دونوں باتوں کا جواب نفی میں دیا۔ اس پر بادشاہ نے فرمایا:" میں تم سے کہتا ہوں۔ کہ اس سورج سے بھی ایک زبردست خدا ہے۔ جو کہ اس سورج کو اپنا روزانہ چکر لگانے کے لئے حکم دیتا ہے۔ کیونکہ اگر یہی سورج خدا یا حاکم واحد ہوتا۔ تو وہ اپنی مرضی سے بیچ بیچ میں اس سفر کو چھوڑ بھی دیا کرتا۔ خواہ اُس کو ترک سفر کی کوئی ضرورت بھی نہ ہوتی"

اس تعلیم سے صاف عیاں ہے۔ کہ امریکہ کے بیدار مغز بادشاہ سورج پرست نہیں تھے۔ بلکہ وہ ایک زندہ خداوند کی ہستی کے قایل تھے۔ اور وہ بہت معقول انسان تھے۔ چنانچہ پیرو کے بادشاہ انکا بادشاہوں میں سے آخری بادشاہ اتفالپہ (Atahualpa) کو جب پزارو نے یہ کہا کہ عیسائی ہو جاؤ۔ ورنہ تمہارا ملک تم سے چھین لیا جاوے گا۔ تو بادشاہ نے پزارو کو جواب دیا۔ کہ "میں جدی قانون کے مطابق اپنے ملک پر حکومت کرتا ہوں میں کوئی وجہ نہیں دیکھتا۔ کہ ایک غیر ملک کا پادری کسی شخص کو اُس کے اپنے ملک سے بے دخل کرنیکا کیا حق رکھتا ہے۔ میں اپنا دین نہیں چھوڑ سکتا" پزارو کے ساتھیوں نے بادشاہ کو صلیب دکھا کر کہا۔ کہ "اس پر ایمان لاؤ"

بہشت میں جاؤ گے" اتھالپہ جواب دیتا ہے "کیا میں اپنے زندہ معبود کو چھوڑ کر تمہاری اُس مردہ چیز پر ایمان لے آؤں ؟ میں دیکھتا ہوں۔ کہ میرا خداوند زندہ ہے۔ مگر تمہاری صلیب مردہ ہے" بعدازاں یہ معقول پسند بادشاہ پوچھتا ہے کہ تم نے یہ سب باتیں کہاں سے سیکھی ہیں ؟ پادری ولورد بائیبل نکالکر جواب دیتا ہے۔ کہ "اس میں سے" بادشاہ کتاب ہاتھ میں لیتا ہے۔ کھول کر دیکھتا ہے پھر اُس کو کان سے لگاتا ہے۔ مگر یہ جانکر کہ وہ بولتی نہیں ہے۔ اُس کو زمین پر رکھ دیتا ہے۔ اور مسیحی ہونے سے انکار کر دیتا ہے۔

لیکن اعتراض کیا جا سکتا ہے۔ کہ کیا امریکہ میں توہمات پرستی بالکل نہیں تھی۔ تواریخ بتاتی ہے۔ کہ وہاں توہمات پرستی بھی تھی۔ اور وہ اسی قسم کی تھی جس قسم کی ہندوستان میں پائی جاتی ہے۔ مثلاً وہ مختلف دیوی دیوتاؤں کو مانتے اور پوجتے تھے۔ ان میں سے کوئی سردی کا دیوتا تھا کوئی گرمی کا۔ کوئی بارش کا۔ کوئی آندھی کا۔ کوئی فصلوں کا کوئی اولاد کا۔ مکئی اور آلو کی زراپ کانوپہ (Zarap-Canop) اور پاپا پ کنوپہ Papap-Canopa وغیرہ دیوتاؤں کے نام سے پرستش کرتے تھے۔ مکئی کو وہ تمام اناجوں کی دیوی سمجھتے تھے۔ وہ مانتے تھے۔ کہ زمین کے اندر جتنا خزانہ ہے۔ اسپر ایک سانپ بیٹھا ہوا ہے جسکی دُم سونے کی زنجیروں سے جکڑی ہوئی ہے جس کا سر بارہ سنگے کی سی طرح ہے۔ وہ اسکوار کہ گوئے (Orcaquay) کے نام سے پوجتے تھے۔ ساحل بحر پر رہنے والے باشندے مچھلیوں، گھڑیالوں، مینڈکوں کی پرستش کیا کرتے تھے۔ گو امریکہ کے بیدائمغز بادشاہوں میں سے کتنے ہی بادشاہ زندہ خدا کی پرستش کرتے تھے۔ مگر بہت سے دیوی دیوتاؤں کو ہی خداوند خدا سمجھتے تھے۔

ان دیوتاؤں میں سے وہ مادی سورج کو بڑا جانتے تھے۔ انکا خیال تھا کہ جب دنیا میں گناہ بڑھ جاتا ہے۔ تو سورج دیوتا انسان کا جسم اختیار کر کے زمین پر آتا ہے۔ اور وہ کسی انسان کے گھر میں پیدا ہوتا ہے۔ اسکا نام اس جگہ کی بولی کے مطابق رکھا جاتا ہے۔ وہ وہاں کے باشندوں کی اصلاح کرتا ہے۔ مگر پیدا ہونے سے پہلے وہ کسی خاص شکل میں مجسم ہو کر کنواری لڑکیوں کے پاس پہنچتا ہے۔ مثال کے طور پر

کوٹ پیک کے نزدیک ایک بیوہ لڑکی تھی جسکا نام کوٹ لیق (Coat-lzaue) تھا۔ ایک دن جبکہ وہ سورج دیوتا کی پوجا کرنے کے لئے مندر کو جا رہی تھی۔ تو سورج دیوتا ایک چھوٹے سے جانور شکر خورے کی شکل بنا کر اس کے راستے میں آ پڑے لڑکی نے اس خوبصورت ننھی سی چیز کو اٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا۔ تاکہ اسکو مندر میں بطور چڑھاوے کے پیش کرے۔ مندر میں جا کر اس نے اس کو سینے سے باہر نکالنا چاہا۔ تو سورج دیوتا غائب ہو گئے۔ مگر لڑکی کو اپنی طبیعت بگڑتی ہوئی معلوم ہوئی۔ اس کو پتہ لگا کہ میں حاملہ ہو گئی ہوں۔ لوگوں نے اس کو مار ڈالنا چاہا۔ کیونکہ ان کے نزدیک اس نے برا کام کیا تھا۔ مگر وہ بچہ جو رحم میں تھا جو سورج دیوتا ہی تھا رحم کے اندر سے ہی چلا اٹھا:۔

"ماتا مت ڈرو۔ میں تمکو بچا لوں گا۔ تیری بڑی عزت ہو گی۔ اور میری بڑی مانتا ہو گی"۔ لڑکی بچ گئی۔ کچھ عرصہ کے بعد اس کے ایک لڑکا پیدا ہوا جسکا نام یوزلو پاکٹلی (Uzzo-peteley) رکھا گیا۔ اس کے ایک ہاتھ میں ڈھال دوسرے میں نیزہ تھا۔ اس نے اپنی ماں کے دشمنوں کی خوب خبر لی۔ اور مختلف قسم کے کرشمے دکھائے۔ آخرکار وہ آسمان کو واپس چلا گیا۔ اور اپنی ماں کو بھی ساتھ ہی لے لیا۔

لارڈ کنگس برو اپنی کتاب میکسیکان انٹی کوئیٹیز (Mexican Antiquitie) میں روح القدس کی ایک کہانی اور بیان کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ کولمبس کے امریکہ جانے سے پیشتر اہل میکسیکو ایک نجات دہندہ کی پرستش کرتے تھے۔ وہ نجات دہندہ ان کے نزدیک ایک کنواری لڑکی کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ آسمان سے ایک فرشتے نے اس لڑکی کو آواز دی تھی کہ تیرے ہاں بغیر باپ کے ایک لڑکا پیدا ہو گا۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے آسمان سے روح القدس نازل ہوا۔ اور اس لڑکی کے پاس آیا۔ اس لڑکی کی دو اور بہنیں بھی تھیں جن میں سے ایک کا نام زوکٹلیق (Czochitlique) اور دوسری کا نام کناٹلیق (Canatlique) دونوں بہنیں تو روح القدس کے دیکھنے کے ساتھ ہی ایسی دہشت زدہ ہوئیں کہ مارے ڈر کے مر گئیں مگر تیسری بہن جسکا

نام ساشی قزل (Sachi-quezl) زندہ رہی۔ روح القدس سے یہ لڑکی حاملہ ہوئی۔ اور اُس کے ایک بچہ پیدا ہوا۔ جس کا نام قزل کوٹل (Quezalcoetl) رکھا گیا۔ یہ لڑکا بڑا مقدس سمجھا گیا۔ اس نے بڑے بڑے کرشمے دکھائے۔ اسی طرح یوکٹن کے باشندوں میں بھی اسی قسم کی کہانی مشہور تھی۔ ان کے ہاں بھی کنواری سے روح القدس کی مدد سے ایک بچہ پیدا ہوا تھا۔ جس کا نام زاما (Zoma) تھا۔ مسٹر سکائر اپنی کتاب سرپنٹ سمبل میں بیان کرتے ہیں۔ کہ کولمبیا کے باشندوں میں ایک کہانی مشہور ہے۔ کہ اُن کے دیوتا نے انسانی جامہ اختیار کیا۔ وہ ایک کنواری کے ہاں پیدا ہوا۔ وہ اپنے باپ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اور اُس کا نام بوکیکا (Bochica) تھا۔ اسیطرح نکاراگوا کے باشندے مانتے تھے۔ کہ اُن کے بڑے دیوتا نے اپنے اکلوتے بیٹے کو جس کا نام تھیوٹ بلاہہ (Theot-Bilahe) زمین پر بھیجا تاکہ وہ بنی نوع کو تعلیم دے۔ اسی طرح پیرو کے باشندے کہتے تھے۔ کہ خداوند نے ہماری ردی حالت کو ٹھیک کرنے کے لئے اپنے اکلوتے بیٹے مانکوکیپک (Manco-Caps) کو زمین پر بھیجا۔ اسی طرح گواٹیمالا کے باشندوں میں یہہ روایت مشہور تھی۔ کہ اُن کے سدھار کے لئے خداوند نے اپنے اکلوتے بیٹے کو زمین پر بھیجا۔ برازیل۔ فلوریڈا وغیرہ میں بھی اس قسم کی کہانیاں مشہور تھیں۔ وہاں کے اصلی باشندوں کا خداوند بعینہ قزل کوٹل کی مانند سمجھا جاتا تھا۔ اس کا نام واسی (Wasi) تھا۔ اس نے ان کو بتایا۔ کہ دنیا میں ابتدا سے کیا کچھ ہوا ہے۔ اور کیا کچھ ہوگا اس نے ان کو قوانین دیئے۔ ان کو روزے رکھنے سکھائے۔ اور انکو ہدایت کی۔ کہ نسلاً بعد نسلٍ میرے احکام کی پیروی کرتے رہنا۔ مسٹر سکائر بیان کرتے ہیں کہ کیلے فورنیا کے باشندوں کا یہہ عقیدہ ہے۔ کہ وہ ایک خالق کو مانتے ہیں جس کا نام اُنہوں نے نپاراگا (Niparaga) رکھ چھوڑا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ اس خداوند کا ایک اکلوتا بیٹا تھا جس کا نام

کو انگکپ (Quaagap) تھا۔ خداوند نے اپنے اکلوتے بیٹے کو زمین پر بھیجا۔ اس نے ایک کنواری لڑکی کے ہاں جنم لیا۔ اور لوگوں کو مذہب کی تعلیم دی۔ مگر انہوں نے اس کو مار ڈالا۔ اگرچہ وہ مرگیا۔ مگر پھر بھی وہ زندہ اور خوبصورت ہے۔ وہ ان کا اپنے باپ کے پاس شفیع ہے۔

ازتیکس لوگوں میں، اس قسم کے ایک اور بچے کی کہانی مشہور ہے اس کا نام منی تو (Manito) ہے۔ وہ ایک کنواری لڑکی بہشت سے پیدا شدہ مانا جاتا ہے۔ ان کے نزدیک تمام دنیا کا نجات دہندہ یہی منی تو ہے۔ الغرض معجزانہ پیدائش کا سلسلہ امریکہ میں بھی اس قدر پھیلا ہوا تھا۔ کہ جس کو دیکھکر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اور ہم پادری جسٹن کے اس خیال کو دُہرانے کے لئے مجبور ہوتے ہیں۔ کہ پہلے رسولوں نے جو خداوند کے بیٹے کے آنے کی خبر دے رکھی تھی۔ اس خبر کو شیطان نے بھی سن لیا۔ شیطان نے یہ چال چلی۔ کہ کافروں اور ملحدوں کے درمیان جاکر ان کے شاعروں کو اس بات پر آمادہ کیا۔ کہ چونکہ خداوند کا بیٹا پیدا ہونے والا ہے۔ اس لئے تم پہلے سے ہی خداوند کے بہت سے بیٹے بناکر ان کے گیت گھڑ رکھو۔ تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ خداوند کا یہ بیٹا کوئی نیا بیٹا نہیں۔ بلکہ اس سے پہلے اور بھی سینکڑوں ہی بیٹے ہوچکے ہیں پس شیطان کا یہ جادو چل گیا اور گڑبڑ مچ گئی +

گو پادری جسٹن مارٹر نے ایک مضحکہ خیز طریقہ پر اس مشکل کو حل کرلیا۔ مگر ہمیں اس مشکل کو کیونکر حل کرنا چاہئے۔ اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے +

اعرافی۔ تو پھر آپ نے اس مشکل کا کیا حل سوچا ہے؟

متکلم۔ آؤ۔ ذرا اناجیل کی ورق گردانی کریں +

ستارھویں فصل

مشکل کا حل

جب ہم اناجیل کی اندرونی مدد سے اور چرچ کی ابتدائی تواریخ سے اس معنے کو حل کرنا چاہتے ہیں۔ تو ہمیں پتہ لگتا ہے۔ کہ متی کی انجیل میں یوں درج ہے:۔

"اور ایسا ہوا کہ جب یسوع یہ تمثیلیں کہہ چکا تو وہ وہاں سے روانہ ہوا۔ اور اپنے وطن میں آکر اس نے اُنکے عبادتخانے میں انہیں ایسی تعلیم دی کہ وے حیران ہوئے اور کہنے لگے۔ کہ ایسی حکمت اور معجزے اُسنے کہاں سے پائے۔ کیا یہ بڑھئی کا بیٹا نہیں۔ اور اُسکی ماں مریم نہیں کہلاتی۔ اور اسکے بھائی یعقوب اور یوسیس اور شمعون اور یہوداہ اور اُسکی سب بہنیں ہمارے ساتھ نہیں ہیں پس اُس نے یہ سب کچھ کہاں سے پایا" متی $\frac{۱۳}{۵۴}$ +

انجیل کی اس شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا ہی نہیں تھا۔ بلکہ اُس کے چار بھائی اور کئی بہنیں اور بھی تھیں جو کہ اُس کے ساتھ ہر ایک بات میں شریک تھے۔ اعتراض ہو سکتا ہے۔ کہ یہاں پر غیر لوگوں نے مسیح کی ابنیت کو ایک بڑھئی کیطرف منسوب کیا ہے۔ ممکن ہے کہ اُنکا کہنا غلط ہو۔ مگر جب لوقا کی انجیل میں یہ بیان موجود پایا جاتا ہے۔ تو پھر شبہ کی گنجایش نہیں رہتی:۔

"اس کے ماں باپ ہر برس عید فسح میں یروشلم کو جاتے تھے اور جب وہ بارہ برس کا ہوا۔ اور وے عید کے دستور پر یروشلم کو گئے تھے۔ تو وہ لڑکا یسوع یروشلم میں رہ گیا۔ مگر یوسف اور اُس کی ماں نے نہ جانا بلکہ

یہ سمجھکر کہ وہ قافلہ میں ہے۔ ایک منزل آگے نکل گئے۔ اور اُسے رشتہ داروں اور جان پہچانوں میں ہر جگہ ڈھونڈا۔ اور نہ پاکر اُسکی تلاش ہر جگہ کرتے ہوئے یروشلم کو پھرے۔ اور ایسا ہوا۔ اُنہوں نے تین روز پیچھے اُسے ہیکل میں اُستادوں کے بیچ میں بیٹھے ہوئے اُنکی سُنتے اور اُنسے سوال کرتے پایا۔ اور سب جو اُسکی سُنتے تھے اُسکی سمجھ اور اُسکے جوابوں سے دنگ تھے تب وے اُسے دیکھکر حیران ہوئے۔ اور اُسکی ماں نے اُس سے کہا۔ اے بیٹے! کس لئے تو نے ہم سے ایسا کیا؟ دیکھ تیرا باپ اور میں کڑھتے ہوئے تجھے ڈھونڈتے تھے۔ لوقا ۲/۴۸-۴۹"۔

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ یسوع مسیح معجزانہ طور پر روح القدس کا بیٹا نہیں تھا۔ بلکہ جیسا کہ اُسکی ماں کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ یوسف ہی اُسکا باپ تھا۔ یہ کہنا کہ یوسف کو مسیح کا باپ کہنے میں مریم نے غلط بیانی کی ہوگی مشکل ہے۔ حضرت مریم کے قول کے علاوہ انجیل دوسری جگہ کہتی ہے:۔

"جس وقت ماں باپ اس لڑکے یسوع کو اندر لائے۔ تاکہ اُسکے لئے شریعت کے دستور پر عمل کریں۔ لوقا ۲/۲۷"

یہاں پر انجیل میں صاف طور پر یوسف کو ہی مسیح کا باپ کہا گیا ہے دوسری جگہ پھر لکھا ہے:۔

"اور اُسکا باپ اور اُسکی ماں اُن باتوں پر جو اُسکے حق میں کہی جاتی تھیں تعجب کرتے تھے"۔ لوقا ۲/۳۳

یہاں پھر بھی انجیل نے صاف الفاظ میں یوسف کو ہی مسیح کا باپ کہا ہے۔ ایک اور جگہ پر انجیل کہتی ہے:۔

"اُس کے ماں باپ ہر برس عید فسح پر یروشلم کو جایا کرتے تھے۔ لوقا ۲/۴۱"

انجیل یہاں پر بھی یوسف کو ہی مسیح کا باپ قرار دیتی ہے۔ ایک اور جگہ پر لکھا ہے:۔

"وہ لڑکا یسوع یروشلم میں رہ گیا۔ اور اُسکے ماں باپ کو خبر نہ ہوئی۔ لوقا ۲/۴۳"

یہاں پر بھی انجیل نے یوسف کو ہی مسیح کا باپ کہا ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ

اگر یوسف جسمانی معنوں میں مسیح کا باپ نہیں تھا تو انجیل نے اس کو کن معنوں میں مسیح کا باپ لکھا ہے؟ یہہ کہنا کہ یوسف روحانی معنوں میں مسیح کا باپ کہا گیا ہوگا۔ درست ثابت نہیں ہوگا۔ اس لیئے کہ روحانی معنوں میں مسیح کے باپ کے متعلق انجیل یہ شہادت دیتی ہے کہ:۔

"ان دنوں میں ایسا ہوا کہ یسوع نے گلیل کے ناصرت سے آکر یردن میں یوحنا سے بپتسمہ لیا۔ اور جب وہ پانی سے نکل کر اوپر آیا تو فوراً اس نے آسمانوں کو پھٹتے اور روح کو کبوتر کی مانند اپنے اوپر اترتے دیکھا۔ اور دیکھو آسمان سے یہہ آواز آئی۔ کہ یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں۔ متی ۱/۹-۱۱"

یہاں پر مسیح کے روحانی باپ کا ذکر ہے۔ نہ کہ جسمانی باپ کا۔ اسی طرح متی کی انجیل میں لکھا ہے:۔

"اور یسوع بپتسمہ لیکر فی الفور پانی کے پاس سے اوپر گیا۔ اور دیکھو اسکے لیئے آسمان کھل گیا۔ اور اُسنے خدا کی روح کو کبوتر کی مانند اترتے اور اپنے اوپر آتے دیکھا۔ اور دیکھو آسمانسے یہ آواز آئی۔ کہ یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں۔ متی ۳/۱۶-۱۷" +

یہاں پر بھی مسیح کا روحانی باپ خدا کو یا خدا کی روح کو جو کبوتر کی شکل میں مسیح پر نازل ہوئی تھی۔ تسلیم کیا گیا ہے۔ اسی طرح لوقا کی انجیل ہمیں بتاتی ہے کہ:۔

"جب سب لوگوں نے بپتسمہ لیا۔ اور یسوع بھی بپتسمہ پا کر دعا مانگ رہا تھا۔ تو ایسا ہوا۔ کہ آسمان کھل گیا۔ اور روح القدس جسمانی صورت میں کبوتر کی مانند اس پر اترا اور آسمان سے یہ آواز آئی۔ کہ تو میرا پیارا بیٹا ہے تجھ سے میں خوش ہوں۔ لوقا ۳/۲۱-۲۲"

لوقا نے بھی روح القدس کو ہی مسیح کا روحانی باپ تسلیم کیا ہے۔ اسی طرح یوحنا کی انجیل میں لکھا ہے کہ:۔

"یوحنا نے یہ گواہی دی کہ میں نے روح کو کبوتر کی طرح آسمانسے اترتے دیکھا ہے۔ اور وہ اس (یسوع) پر ٹھہر گئی۔ اور میں تو اُسے نہ

پہچانتا تھا۔ مگر جس نے مجھے پانی سے بپتسمہ دینے کو بھیجا۔ اسی نے مجھ سے
کہا۔ کہ جس پر روح القدس کو اُترتے اور ٹھہرتے دیکھے۔ وہی
روح القدس سے بپتسمہ دینے والا ہے۔ چنانچہ میں نے دیکھا
اور گواہی دی کہ یہ خدا کا بیٹا ہے۔ $\frac{۱}{۳۴-۳۲}$"

یوحنا کی شہادت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ مسیح کا روحانی باپ خدا یا خدا کی روح تھی۔ نہ کہ یوسف۔ ان حوالہ جات سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ انجیل میں یوسف کو جو مسیح کا باپ کہا گیا ہے۔ وہ روحانی معنوں میں نہیں ہے۔ بلکہ یوسف کو مسیح کا باپ جسمانی معنوں میں کہا گیا ہے۔ اس بات کی شہادت کہ یوسف جسمانی معنوں میں مسیح کا باپ تھا۔ اس نسب نامہ سے بھی ملتی ہے جو متی اور لوقا کی اناجیل میں مسیح کی بابت دیا گیا ہے۔ متی کی انجیل میں ابراہیم سے لیکر مسیح تک ۴۲ پشتیں دیگئی ہیں۔ مگر لوقا کی انجیل میں ابراہیم سے لیکر مسیح تک ۵۶ پشتیں دیگئی ہیں۔ اگرچہ دونوں اناجیل میں ۱۴ پشتوں کا فرق ہے۔ مگر پھر بھی دونوں نسب ناموں میں مسیح کو یوسف کے ذریعہ داؤد کے خاندان میں شمار کیا گیا ہے۔ متی کی انجیل میں ابراہیم سے پشت شماری کرتے ہوئے آخر میں لکھا ہے :۔

"متان سے یعقوب پیدا ہوا۔ یعقوب سے یوسف پیدا ہوا۔ یہ اس مریم کا شوہر تھا جس سے یسوع پیدا ہوا۔ جو مسیح کہلاتا ہے۔ متی $\frac{۱}{۱۶}$"

مگر لوقا کی انجیل میں مسیح کے نسب نامہ کو یوسف کے ذریعہ ابراہیم تک پہنچاتے ہوئے لکھا ہے کہ :۔

"جب یسوع خود تعلیم دینے لگا۔ تو برس تیس ایک کا تھا اور جیسا کہ سمجھا جاتا تھا۔ یوسف کا بیٹا تھا اور وہ عیلی کا اور وہ متات کا الخ۔ لوقا $\frac{۳}{۲۳}$"

دونوں اناجیل میں مسیح کے نسب نامہ کو یوسف کے ذریعہ ابراہیم سے ملایا گیا ہے۔ اور لوقا نے تو صاف الفاظ میں لکھدیا ہے کہ وہ یوسف کا بیٹا سمجھا جاتا تھا۔ اگر مسیح یوسف کا بیٹا نہیں تھا۔ یا جیسا کہ اناجیل شہادت دیتی ہیں۔ یوسف مسیح کا جسمانی باپ نہیں تھا۔ تو کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ مسیح کے نسب نامہ کو ابراہیم تک پہنچانے کے لئے یوسف کا نام کیوں بیچ میں لایا گیا۔ اناجیل کی اندرونی شہادت سے یہ تو ثابت ہو چکا ہے۔

کہ یوسف کو مسیح کا باپ روحانی معنوں میں نہیں کہا گیا جب اناجیل کی دوسری اندرونی شہادت پر نظر ماری جاتی ہے تو یہ معاملہ صاف ہو جاتا ہے کہ یوسف کو جسمانی معنوں میں مسیح کا باپ تسلیم کیا گیا ہے۔ لوقا کی انجیل میں اس بات کی تصدیق میں ایک اور شہادت ملتی ہے۔ لکھا ہے کہ:۔

"جبرائیل فرشتہ خدا کی طرف سے گلیل کے ایک شہر میں جس کا نام ناصرة تھا۔ ایک کنواری کے پاس بھیجا گیا جسکی منگنی داؤد کے گھرانے میں ایک مرد یوسف نامی سے ہوئی تھی۔ اور اس کنواری کا نام مریم تھا۔ اور فرشتے نے اُسکے پاس اندر آکے کہا۔ سلام تجھکو جس پر فضل ہوا ہے۔ خداوند تیرے ساتھ ہے۔ وہ اس کلام سے بہت گھبرا گئی اور سوچنے لگی کہ یہہ کیسا سلام ہے۔ فرشتے نے اس سے کہا اے مریم خوف نہ کر۔ کیونکہ خدا کی طرف سے تجھپر فضل ہوا ہے۔ اور دیکھ تو حاملہ ہوگی۔ اور بیٹا جنیگی۔ اس کا نام یسوع رکھنا۔ وہ بزرگ ہوگا۔ اور خدا تعالی کا بیٹا کہلائیگا۔ اور خداوند خدا اس کے باپ داؤد کا تخت اُسے دیگا۔ اور وہ یعقوب کے گھرانے پر ابد تک بادشاہی کریگا اور اسکی بادشاہی کا آخر نہ ہوگا۔ مریم نے فرشتے سے کہا یہ کیونکر ہوگا جس حال میں کہ میں مرد سے واقف بھی نہیں۔ اور فرشتے نے جواب میں اس سے کہا کہ روح القدس تجھ پر نازل ہوگا۔ اور خدا تعالی کی قدرت تجھپر سایہ ڈالیگی۔ اور اس سبب سے وہ پاکیزہ جو پیدا ہونیوالا ہے۔ خدا کا بیٹا کہلائیگا۔ اور دیکھ تیری رشتہ دار الیشبع کے بھی بڑھاپے میں بیٹا ہونیوالا ہے۔ اور اب اس کو جو بانجھ کہلاتی تھی چھٹا مہینہ ہے کیونکہ جو قول خدا کی طرف سے ہے۔ وہ ہرگز بے تاثیر نہ ہوگا۔ مریم نے کہا۔ دیکھ میں خداوند کی بندی ہوں۔ میرے لئے تیرے قول کے موافق ہو پھر فرشتہ اس کے پاس سے چلا گیا۔ لوقا ۱-۲۶/۳۸ +

اس شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ مریم کی یوسف سے منگنی ہو چکی تھی۔ فرشتے نے اس سے صرف اسی قدر کہا کہ تیرے بیٹا پیدا ہوگا۔ مریم کے استفسار پر فرشتے

نے اسکی رشتہ دار ایشبع کی مثال دی ہے جو خاوند والی تھی۔ مگر اس کے ہاں عرصے کوئی بچہ نہیں ہوا تھا۔ ایشبع کی شادی ذکریا سے اور مریم کی منگنی یوسف سے ہو چکی تھی۔ ایسی صورت میں فرشتہ کا مریم کے سامنے اس کی رشتہ دار ایشبع کی مثال دینا اس بات کی تشریح تھی کہ تیرے ہاں جو بیٹا ہوگا۔ وہ بھی ایشبع کے بیٹے کی طرح قدرتی طریقہ پر ہوگا۔ ان تمام شہادتوں سے اس بات پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ کہ یوسف مسیح کا جسمانی معنوں میں باپ تھا۔ اناجیل کی اس اندرونی شہادت کے علاوہ جب ہم تواریخی شہادت پر نظر مارتے ہیں تو ہمیں مسیح کی معجزانہ پیدائش کے مسئلہ کو حل کرنے میں بڑی مدد مل جاتی ہے۔ مسیح کی موت کے بعد جب اس کے حواری اور رشتہ دار یروشلم میں جمع ہوئے تو سب نے اس کے نام سے منادی کا تہیہ کیا۔ یہ سب سے پہلی کونسل تھی۔ جو کہ عیسائیوں نے دین عیسوی کو پھیلانے کے لئے کی۔ اس کونسل میں طے شدہ باتوں کا وعظ کرنے کے لئے مسیح کے غریب پیرو چاروں طرف پھیل گئے۔ ان ابتدائی مقلدوں کو یہودی لوگ حقارت کی وجہ سے نصرانی یا ابی نائیطس کہتے تھے۔ کیونکہ مسیح خود ناصرت گاؤں کیطرف منسوب کیا جاتا تھا۔ ابی نائیطس کے معنے غریب آدمیوں کے ہیں۔ نصرانی کے معنے منسوب بہ مسیح ناصری کئے جاتے تھے۔ مسیح کے بارے میں ان لوگوں کے اعتقادات بڑے سیدھے سادے تھے۔ چنانچہ پادری نیسوبیس جو کہ سنہ ۲۶۴ء میں پیدا ہوا تھا۔ اور پہلا عیسائی مورخ تھا۔ نصرانیوں یا ابی نائیطس لوگوں کی تواریخ لکھتا ہوا بیان کرتا ہے کہ ابی نائیطس لوگ بڑے غریب اور منکسر المزاج ہیں۔ ان کا اعتقاد ہے کہ مسیح ایک بڑا سیدھا سادہ آدمی تھا۔ اس کی پیدائش بھی عام انسانوں کی طرح تھی وہ مریم اور یوسف سے پیدا ہوا تھا۔ نصرانیوں یا ابی نائیطس لوگوں کو جو یہ مانتے تھے کہ مسیح دوسرے انسانوں کی طرح یوسف اور مریم سے پیدا ہوا تھا۔ یونان سے آئے ہوئے عیسائی لوگ ملحد اور مصر اور روم کے عیسائی کافر کہتے تھے کیونکہ جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں۔ روم مصر اور یونان وغیرہ میں دیوتاؤں کی اولاد ہونے کا تخم عام طور پر ترقی پر تھا۔ اب تو ان نصرانی ابی نائیطس لوگوں کی شامت آگئی۔ ان کو مجبور کیا گیا۔ کہ وہ اس اعتقاد سے باز آجائیں گبن صاحب

تواریخ روم میں ان مظلوموں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اُن کے معبد تباہ کر دیئے گئے۔ اُن کی کتابیں جلا دی گئیں۔ اور اُن کو انواع و اقسام کی اذیتیں دی گئیں۔ وہ لوگ مسیح کو عام آدمیوں کی طرح ایک نیک آدمی تصور کرتے تھے۔ اور اس کو انسانوں سے بڑھکر خدا کا مرتبہ دینے کے لیے تیار نہیں تھے۔ نصرانیوں کا یہ عقیدہ مدت تک جاری رہا۔ لارڈز صاحب فرماتے ہیں کہ ابی نائیٹس کی طرح ابتدائی عیسائیوں میں ایک اور فرقہ بھی تھا جنکو کارپوکریشن کہتے تھے۔ دوسرے مسیحی ان کو بھی کافروں کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ کارپوکریشین لوگوں کا اعتقاد تھا کہ جو کچھ ہم کو مسیح کے حواریوں اور رسولوں نے بتایا ہے۔ ہم اسی پر عمل کرتے ہیں۔ اور کہ حواریوں اور رسولوں کے یہی اعتقادات تھے۔ جو کہ ہم رکھتے ہیں۔ اور یہی سچی باتیں ہیں۔ یہ صداقت دو نسلوں تک جاری رہی۔ اور روم کے تیرھویں بشپ وکٹر کے زمانے تک اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ مگر اُسکے جانشین زیفرائینس کے وقت اس وقت اس میں کئی ردّ و بدل اور مختلف تغیرات ہو گئے چنانچہ یوسیبیس آرٹمین اور اس کے مقلدوں کا ذکر کرتا ہوا مسیح کے خداوند کا بیٹا ہونے کے بارے میں ان لوگوں کے اعتقادات کا یوں بیان کرتا ہے۔

"اُن کا عقیدہ ہے کہ ہمارے تمام بزرگوں اور تمام رسولوں کی یہی رائے تھی جو کہ ہم رکھتے ہیں۔ اور انہوں نے ہمکو ایسی ہی تعلیم دی تھی۔ اور کہ اس سچی تعلیم کی صداقت وکٹر کے زمانے تک جو کہ پطرس نبی کے بعد روم کا تیرھواں بشپ تھا جاری رہی۔ مگر زیفرائینس نے اس میں سخت تحریف کر دی"

کارپوکریشین عیسائیوں کی طرح ایک دوسرا گروہ عیسائیوں کا بھی یہی اعتقادات رکھتا تھا اس گروہ کو سیرنتھین کہتے تھے۔ اور انکے بانی سیرنتھس کا یہ عقیدہ تھا کہ مسیح یوسف اور مریم سے عام انسانوں کی طرح پیدا ہوا تھا۔ مگر اس کا خیال تھا کہ مسیح دوسرے انسانوں کی نسبت زیادہ پاک اور مقدس تھا۔

اسی طرح عیسائیت کے ابتدائی زمانے میں والنسٹس عیسائیوں کا ایک گروہ اور بھی تھا۔ جو کہ ایشیا کے مختلف حصوں میں پھیلا ہوا تھا۔ ان لوگوں کا بھی یہی خیال تھا کہ مسیح محض مریم سے پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ اسکا باپ یوسف تھا۔ لارڈز صاحب فرماتے

ہیں۔ کہ جب ان پرانے ٹائپ کے عیسائیوں کا نئے ٹائپ کے عیسائیوں سے مقابلہ ہوا۔ تو بڑی گڑبڑ مچ گئی۔ اور بہت سے کشت و خون ہوئے۔ آخر نئے ٹائپ کے عیسائیوں کا پلہ بھاری رہا۔ اور اُن کی بات چل گئی۔ پس مسیح بجائے یوسف کا بیٹا کہلانیکے روح القدس کا بیٹا ہی مشہور کیا گیا۔ پانچویں صدی عیسوی میں نہ صرف روح القدس کا بیٹا ہی کہلانے لگ گیا بلکہ تثلیث کے مسئلے نے بھی زور پکڑا۔ اور مسیح کو خدا کے درجے تک پہنچا کر باپ بیٹا روح القدس کا جھنڈا بلند کر دیا گیا +

مذکورہ بالا مختصر سے بیان سے اتنا پتہ تو ضرور لگتا ہے کہ مسیح روح القدس کا بیٹا ہونے سے منکر تھا۔ نہ صرف وہی بلکہ اسکی ماں۔ اسکے حواری۔ اسکے رسول غرضیکہ اسکے تمام واقف کار یہانتک کہ اسکی موت کے ڈھائی سو سال بعد تک کے عیسائی لوگ بھی اسکو دوسرے انسانوں کی طرح یوسف اور مریم سے پیدا شدہ مانتے تھے۔ مگر اسکے بعد مسیح کی پیدایش کو معجزانہ رنگ دیا گیا۔ اور اسکی ایسی تفسیر کی گئی جو یوسف کو مسیح کا جسمانی باپ قرار دینے کے منافی ہو۔ اناجیل کی اندرونی شہادت اور تواریخ کی مدد سے مسیح کی پیدائش کے بارے میں ایک معقول پسند جس نتیجہ پر پہنچتا ہے وہ یہی ہے۔ کہ مسیح ہماری طرح ہی پیدا ہوا تھا۔ اور کہ اس کی پیدایش کو معجزانہ ماننا اپنے اوپر روح القدس یا معجزانہ پیدایش کے سلسلہ کے ان تمام افراد کیلئے جنکا ذکر کیا جا چکا ہے۔ دروازہ کھولنا ہے۔ ایسی صورت میں اگر ایک کیلئے تو دروازہ کھول دیا جائے اور دوسروں کے لئے بند کر دیا جائے تو یہ بے انصافی ہوگی۔

اعتراضی۔ بے شک یہ بے انصافی ہوگی +

اٹھارھویں فصل

انجیلوں میں خدا کا بیٹا

اعتراضی۔ مگر انجیلوں میں جو مسیح کو بار بار خدا کا بیٹا کہا گیا ہے۔ آخر اسکی بھی تو کوئی وجہ ہونی چاہئیے +

مسلم۔ یہ کوئی لاینحل معما نہیں ہے۔ اگر آپ اناجیل کا مطالعہ کر جائیں تو آپکو بخوبی پتہ لگ جائیگا کہ اناجیل میں مسیح علیہ السلام کو ہی خدا کا بیٹا نہیں کہا گیا بلکہ تمام انسانوں کو ہی خدا کا بیٹا مانا گیا ہے +

اعرافی۔ کیا آپ مہربانی کر کے اناجیل کے ایسے تمام مقامات کا مجھے حوالہ دینگے تاکہ میں بھی انکا مطالعہ کر کے تسلی پا سکوں +

مسلم۔ میں اس کے متعلق آپکو ایک نہایت ہی مفید اور معلومات سے پر چھوٹا سا ٹریکٹ دیتا ہوں۔ جو میرے نہایت ہی قابل بزرگ جناب قاضی محمد سلیمان صاحب سابق سشن جج بھٹنڈہ مصنف رحمۃ اللعالمین کے قلم فیض رقم کا نتیجہ ہے۔ آپ میرے سامنے ہی اس ٹریکٹ کا مطالعہ فرمائیں تاکہ آپکے جملہ شکوک دور ہو جائیں۔

اعرافی۔ میں اس عنایت کے لئے آپکا نہایت ہی ممنون ہوں۔

مسلم۔ یہ لیجئے اس ٹریکٹ کا نام ہے "انجیلوں میں خدا کا بیٹا" ذرا اسکو پڑھتے جائیں۔

اعرافی۔ ٹریکٹ کا بدیں الفاظ مطالعہ کرتا ہے:۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُبْحَانَہٗ اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗ وَلَدٌ

قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰہُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ ۝ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ۝
وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ الصَّادِقِ الْاَمِیْنِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن

انجیلوں میں خدا کا بیٹا

میرے دل میں آیا۔ کہ انجیلوں میں جہاں کہیں مسیح کو خدا کا بیٹا کہا گیا ہے ان سب مقامات کو دیکھنا چاہئے۔ کہ کہنے والا کون ہے۔ اور مطلب اس عبارت کا کیا ہے۔

اس ارادہ سے مینے چاروں انجیلوں کو دیکھا۔ تو مجھے معلوم ہوا کہ یہ لفظ مندرجہ ذیل مقامات پر آیا ہے +
متی[1] $\frac{٤}{٣}$ و $\frac{٤}{٦}$ و $\frac{٨}{٢٩}$ و $\frac{١١}{٢٧}$ و $\frac{١٤}{٣٣}$ و $\frac{١٦}{١٦}$ و $\frac{٢٦}{٦٣}$ و $\frac{٢٧}{٤٠}$ + مرقس $\frac{١}{١١}$ و $\frac{٣}{١١}$ و $\frac{١٣}{٣٢}$ و $\frac{١٤}{٦١}$ + لوقا $\frac{١}{٣٢}$ و $\frac{٣}{٢٢}$ و $\frac{٣}{٣٨}$ و $\frac{١٠}{٢٢}$ + یوحنا $\frac{١}{١٨}$ و $\frac{١}{٣٤}$ و $\frac{١}{٤٩}$ و $\frac{٣}{١٦}$ و $\frac{٣}{١٩}$ و $\frac{٥}{١٩}$ و $\frac{٥}{٢١}$ و $\frac{٦}{٦٩}$ و $\frac{١٠}{٣٦}$ و $\frac{١١}{٢٧}$ +

اب میں ان تمام مقامات پر اس لفظ کی جو حالت ہو ظاہر کرونگا۔ اور آخر میں اعمال

[1] اوپر کے ہندسے انجیلوں کے ابواب کی تعداد کو ظاہر کرتے ہیں اور نیچے کے ورسوں یعنے آیات کو +

وغیرہ کے حوالے بھی ایزاد کیئے جائینگے۔ ناظرین غور سے ملاحظہ فرمائیں۔ اور جب مضمون ختم کریں تو شکر کریں۔ کہ ہمارے خالق و مالک نے ہمکو اپنا عرفان اس کلام پاک کیواسطے سے عطا فرمایا ہی۔ جسے میں پیشانی پر لکھ چکا ہوں اور اب بھر لکھتا ہوں +

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ - اَللّٰهُ الصَّمَدُ - لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ؀

(۱)۔ لوقا پہلے باب میں ہے۔ کہ فرشتہ نے مریم کے سامنے جاکر کہا تھا +

۳۱۔ اور دیکھ تو حاملہ ہوگی۔ اور بیٹا جنیگی۔ اور اسکا نام یسوع رکھیگی +

۳۲۔ وہ بزرگ ہوگا۔ اور خدائے تعالے کا بیٹا کہلائیگا +

متی میں ہے کہ یوسف جسکی منگنی مریم سے ہوئی تھی، کو خواب میں فرشتہ نے کہا تھا۔ اے یوسف بن داؤد اپنی جورو مریم کو اپنے یہاں لے آنے سے مت ڈر کیونکہ جو اس کے رحم میں ہے۔ سو روح القدس سے ہے۔ (۱/۲)۔

اور وہ بیٹا جنیگی۔ اور تو اُس کا نام یسوع رکھیگی۔ (۱/۲)

لوقا نے مریم سے فرشتہ کے کلام کا ذکر کیا ہے۔ مگر متی میں اسکا ذکر نہیں +

مرقس اور یوحنا میں نہ وہ بیان ہو جسے لوقا بیان کرتا ہو نہ وہ بیان جسے متی نے لکھا ہو۔

ہمکو یہ غور کرنا ہو۔ کہ فرشتہ جس نے مریم اور یوسف سے باتیں کی ہیں۔ اسکے الفاظ کیا تھے۔ یہ الفاظ ان دونوں میں متفق ہیں کہ بیٹا جنے گی اور اُسکا نام یسوع رکھیگی رہا گا، + باقی اختلاف ہو۔ "وہ خدائے تعالی کا بیٹا کہلائیگا"۔ یہ فقرہ صرف لوقا نے روایت کیا ہو۔ اور تینوں انجیلیں اس سے خاموش ہیں +

اول تو جب چار گواہوں میں سے تین کچھ ذکر نہ کریں تو ایک گواہ کی شہادت خصوصاً جبکہ وہ بہت ہی عجیب بات زیادہ بڑھاتا ہو تامل سے قبول کرنیکے لایق ہوتی ہے لیکن +

(۲) اس پر بھی ہم لوقا کے الفاظ پر مزید غور کرنا چاہتے ہیں۔ لوقا کے الفاظ یہ ہیں "وہ خدا کا بیٹا کہلائیگا"۔

کیا ان الفاظ کے یہ معنے ہیں کہ مسیح خود فرمائیگا۔ کہ مجھے خدا کا بیٹا کہو۔ یا اس کے معنے یہ ہیں کہ لوگ ایسا کہنے لگ جاوینگے +

اگر کوئی شخص ان الفاظ کے پہلے معنے بیان کرتا ہے۔ تو اُسے چاروں انجیلوں میں کہیں بھی نہیں ملیگا۔ جہاں مسیح نے کسی کو فرمایا ہو۔ کہ مجھے خدا کا بیٹا کہو +

ہی صورت دوم۔ کہ لوگ اُسے کہنے لگ جاوینگے۔ یہ بیشک بہت لوگوں پر صادق آتی ہے۔ مگر اس سے صاف ظاہر ہوتا کہ ایسا کہنا صرف لوگوں کا اپنا فعل ہوگا +

(۲) دوسرا موقعہ جہاں مسیح کی بابت لفظ "خدا کا بیٹا" انجیلوں میں مستعمل ہوا ہے درج ذیل کیا جاتا ہے

متی ۳/۱۶ اور یسوع بپتسمہ پا کے جوں ہی پانی سے نکلکر اوپر آیا اور دیکھو کہ اُسکے لئے آسمان کھلگیا۔ اُسنے خدا کی روح کو کبوتر کی مانند اُترتے اور اپنے اوپر آتے دیکھا +

متی ۳/۱۷ اور دیکھو کہ آسمان سے ایک آواز آئی۔ کہ "یہ میرا پیارا بیٹا ہے۔ جس سے میں خوش ہوں"۔ اب مرقس کو دیکھو:۔

۱/۱۰ اور جونہی وہ پانی سے باہر آیا اُسنے آسمانکو کھلا۔ اور روح کو کبوتر کی مانند اپنے اوپر اُترتے دیکھا۔

اب لوقا کو دیکھو:۔ ۳/۲۱ اور ایسا ہوا کہ جب سب لوگ بپتسمہ پا چکے تھے اور یسوع بھی بپتسمہ پا کر دعا مانگ رہا تھا۔ آسمان کھل گیا +

۳/۲۲ اور روح قدس جسم کی صورت میں کبوتر کی طرح اس پر اُتری۔ جو یہ کہتی تھی کہ تو میرا پیارا بیٹا ہے۔ میں تجھ سے راضی ہوں +

ہر سہ اناجیل کے بیانمیں جو ضروری اختلاف ہیں اُنپر غور ضروری ہے +

(۱) متی کے الفاظ "یہ میرا پیارا بیٹا" اور مرقس اور لوقا کے الفاظ "تو میرا پیارا بیٹا"۔ الفاظ متی کے معنے یہ ہیں۔ کہ آواز کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو بتلا دیا جائے مگر الفاظ مرقس و لوقا کا مطلب یہ ہے کہ خود یسوع مسیح کو بتلا دیا جائے۔ متی کا مطلب یہ ہے کہ لوگ ابتک نہیں جانتے تھے کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے۔ اسلئے آواز نے لوگوں کو بتلایا۔ مرقس و لوقا کا یہ مطلب ہے۔ کہ مسیح بھی نہیں جانتا تھا۔ کہ وہ خدا کا بیٹا ہے۔ آواز نے اُسے یہ اظہار کیا +

(۲) متی اور مرقس بتلاتے ہیں کہ جو آواز آئی تھی۔ وہ آسمان سے آئی تھی۔ مگر لوقا بتلاتا ہے۔ کہ یہ فقرہ خود روح القدس نے کہا تھا +

متی اور مرقس کے بیان کے مطابق تو یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ آواز دینے والا کون تھا صرف اتنا معلوم ہوتا ہے۔ کہ آواز جو آئی تھی وہ آسمان کی طرف سے تھی اور لوقا کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فقرہ کا کہنے والا روح قدس ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا مسیح روح قدس کا بیٹا ہے کوئی عیسائی ایسا نہیں ملیگا۔ جو مسیح کو روح قدس کا بیٹا کہتا ہو یا ایمان رکھتا ہو لیکن لوقا کے بیان کو کیا کیا جاویگا یا ان تینوں کے بعد انجیل یوحنا کو دیکھو +

یوحنا ۳۲/۱ اور یوحنا نے یہ کہکے گواہی دی کہ مینے روح کو کبوتر کی طرح آسمان سے اُترتے دیکھا اور وہ اُس پر ٹھہری ۔

۳۳/۱ اور میں اُسے نہ جانتا تھا پر جس نے مجھے بھیجا کہ پانی سے بپتسمہ دوں اس نے مجھ سے کہا کہ جس پر تو روح کو اُترتے اور ٹھہرتے دیکھے ۔ وہی ہی جو روح القدس سے بپتسمہ دیتا ہے ۔

۳۴/۱ میں نے دیکھا اور گواہی دی کہ یہی خدا کا بیٹا ہے ۔

یوحنا نے ۳۳/۱ میں یہ باور کرانا چاہا ہے کہ وہ مسیح کو نہیں جانتا تھا ہم یوحنا کا ادب کرتے ہیں اسلئے بھولجانا چاہیے کہ یوحنا و مسیح دونوں ہی قریبی رشتہ دار ہیں اور یوحنا نے جب وہ ماں کے پیٹ میں تھا مسیح کو جب وہ ماں کے پیٹ میں تھا ۔ سجدہ کیا تھا ۔

یہ بھی بھولجانا چاہیے ۔ کہ یوحنا اسی باب کے ۲۹ و ۳۰ درس میں یعنے میں اسے نہ جانتا تھا" کے اوپر کے فقروں میں مسیح کی بڑی تعریف بھی کر چکے ہیں ۔

ہمکو اصل مضمون پر غور کرنا چاہیے کہ یوحنا نے اس قصہ کو جسطرح پر بیان کیا ہے ۔ وہ تینوں انجیلوں سے بالکل الگ ہے ! اس انجیل میں یہ ذکر نہیں کہ لوگوں نے مسیح پر کوئی کبوتر اُترتے دیکھا یہ بھی ذکر نہیں ۔ کہ آسمان سے کوئی آواز سُنائی دی ۔ خواہ وہ آواز مد تو میرا پیارا بیٹا" کی ہو یا یہ میرا پیارا بیٹا" کی ۔ بلکہ اس انجیل میں تو یوحنا بپتسمہ دینے والا کبوتر کی شکل میں روح کے اُترنے کا واقعہ صرف اپنی رویت کا بتلاتا ہے ۔ اور آواز کا ذکر تک نہیں کرتا خیر یہی مان لو اب دیکھنا ہے کہ یوحنا کو حکم کیا تھا ۔ اور اُس نے حکم سے بڑھکر گواہی کیا دی ۔

حکم کے الفاظ یہ ہیں ۔ "جس پر تو روح کو اُترتے اور ٹھہرتے دیکھے ۔ وہی ہے ۔ جو روح قدس سے بپتسمہ دیتا ہے" ۔

شہادت یہ ہے ۔ گواہی دی ۔ کہ "یہی خدا کا بیٹا ہے" ۔ یوحنا صاحب نہیں بتلاتے کہ حکم کے خلاف گواہی کیونکر دی ۔

اب یہ بھی غور کرو ۔ کہ متی ۔ مرقس ۔ لوقا نے یوحنا کی شہادت یا گواہی کا ذکر تک نہیں کیا ۔ اور انجیل یوحنا ۔ آسمانی آواز کا ذکر تک نہیں کرتی ۔

یہ اختلاف عظیم اس واقعہ کے متعلق ہے ۔ جو کھلے اور صاف دن میں بھاری مجمع کے سامنے ہوا تھا ۔ وہ کہتے ہیں کہ آسمانی آواز نے مسیح کو اپنا بیٹا کہا ۔

ایک کہتا ہی۔ کہ کبوتر کی شکل والی روح نے مسیح کو اپنا بیٹا کہا۔

ایک کہتا ہی۔ یوحنا بپتسمہ دینے والے نے مسیح کو خدا کا بیٹا کہا +

حالانکہ یہ چاروں اس خاص وقت کا ذکر کرتے ہیں۔ جس وقت کہ مسیح نے بپتسمہ حاصل کیا تہا۔ یہ اختلاف عظیم واقعہ کی اصلیت کو ہی محو کر دیتا ہے +

(۳) تیسرا موقعہ جہاں خدا کا بیٹا استعمال ہوا ہی اسکا ذکر انجیل متی ۳/۴ و ۶/۴ اور لوقا ۳/۴ میں موجود ہی متی اور لوقا کے ان مقامات سے معلوم ہوتا ہی کہ مسیح کی آزمایش ابلیس نے کی تھی +

متی میں ہی ۳/۴ و ۶/۴ کہ ابلیس نے دو دفعہ مسیح کو خدا کا بیٹا کہا۔ اور لوقا میں ہی کہ ایکدفعہ

اول تو یہ دیکھنا ہی۔ کہ کیا مسیح اور ابلیس کی آزمائش کا واقعہ ٹھیک ہی بیشک دونوں مذکورہ بالا مصنف تو کہتے ہیں۔ مگر مرقس اور یوحنا خاموش ہیں یعنی اور اثبات کیطرف برابر کے گواہ ہیں۔ خیر متی اور لوقا کو صحیح دیدو لیکن کیا اس مقام سے کوئی شخص دلیل پکڑ سکتا ہی۔ کہ مسیح خدا کا بیٹا ہی۔ ہرگز ٹھیک تو نہیں۔ کیونکہ یہ قول ابلیس کا ہی۔ اور زیادہ دلیل یہی ہے کہ جب مسیح نے ابلیس کو جواب دیا ہی تو اسمیں اپنے آپکو انسان بتلایا ہی۔ دیکھو متی ۴:۴۔ اسلیئے اس مقام سے بھی خدا کا بیٹا کہنا صحیح نہ ہوا +

(۴) ایک اور موقعہ پر متی ۵/۱۷ میں درج ہی۔ کہ ایک نورانی بدلی نے اس پر سایہ کیا۔ اور دیکھو اس بادل سے ایک آواز اس مضمون کی آئی کہ یہ میرا پیارا بیٹا ہے۔ جس سے میں خوش ہوں۔ تم اسکی سنو۔ اس واقعہ کا ذکر مرقس۔ یوحنا کی انجیلوں میں نہیں ہے۔

ہاں براہ مہربانی اس ۹/۱۷ متی میں ابن آدم کا لفظ بھی دیکھ لیجئے کہ بدلی نے تو خواہ کچھ کہا۔ مگر مسیح کی زبان نہیں بدلی۔ وہ تو اپنے آپ کو ابن آدم ہی کہتا ہی۔ اب خواہ کوئی بدلی کے الفاظ کو مان لے۔ خواہ کوئی مسیح کے۔ بہرحال متی اس شہادت میں بالکل اکیلا ہی +

(۵) متی اور یوحنا ۱۶/۱۴ میں ہی۔ کہ شمعون پطرس نے مسیح کو مسیح زندہ خدا کا بیٹا کہا تہا +

متی اور یوحنا کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ متی جس واقعہ کا ذکر کرتا ہی۔ وہ یوحنا میں درج نہیں۔ اور یوحنا جس واقعہ کو درج کرتا ہے۔ وہ متی میں نہیں +

ذرا غور سے پڑھو متی میں ہے ۱۳/۱۶ اور یسوع نے قیصریہ فلپی کی اطراف میں آکر اپنے شاگردوں سے پوچھا۔ کہ لوگ کیا کہتے ہیں۔ کہ میں جو ابن آدم ہوں۔ کون ہوں" +

۱۴/۱۶ درس میں ہی۔ انہوں نے کہا کہ بعضے کہتے ہیں کہ تو یوحنا بپتسمہ دینے والا ہی بعضے

الیاس بعضے یرمیاہ یا نبیوں میں سے کوئی +

۱۶/۱۵ اس نے کہا۔ پر تم کیا کہتے ہو۔ کہ میں کون ہوں؟

۱۶/۱۶ شمعون پطرس نے جواب میں کہا۔ تو مسیح زندہ خدا کا بیٹا ہے +

اور یوحنا میں ہے ۶/۶۶ اس وقت سے اُسکے شاگردوں میں سے بہتیرے اُلٹے
پھر گئے اور بعد اس کے اس کے ساتھ نہ چلے +

۶/۶۷ تب یسوع نے بارھونکو کہا۔ کیا تم بھی چاہتے ہو۔ کہ چلے جاؤ +

۶/۶۸ شمعون پطرس نے اسے جواب دیا۔ کہ اے خداوند ہم کس کے پاس
جائیں۔ ہمیشہ کی زندگی کی باتیں تو تیرے پاس ہیں +

۶/۶۹ اور ہم تو ایمان لائے ہیں اور جان گئے ہیں کہ تو زندہ خدا کا بیٹا مسیح ہے +

سیاق کلام سے نمایاں ہو جاتا ہے۔ کہ دونوں واقعہ جدا جدا ہیں پس جس واقعہ کا ذکر متی کرتا ہے۔ اس سے تینوں اناجیل بےخبر ہیں۔ اور جس واقعہ کا ذکر یوحنا کرتا ہے اس سے بھی تینوں اناجیل بےخبر ہیں۔ ہاں یہ بھی قابل غور ہے۔ کہ دونوں کتابوں والوں نے شمعون پطرس کا ہی جواب دینا لکھا ہے۔ باقی گیارہ شاگرد خاموش رہے ہیں۔ اکیلے پطرس کی شہادت کیا ہے جبکہ آپھوں نے ایک وقت میں مسیح کا تین دفعہ انکار بھی کر دیا۔ خیر پطرس پر اعتراض کی ضرورت نہیں جبکہ متی میں حضرت مسیح کے یہ الفاظ لکھے ہیں کہ میں جو ابن آدم ہوں مجھے لوگ کیا کہتے ہیں۔ اسکے مقابلے میں ہم پطرس کے جواب کو بھی ویسا ہی غلط جانتے ہیں جیساکہ تمام مسیحی عالم لوگوں کی اس بات کو غلط جانتے ہیں۔ کہ مسیح کو یرمیاہ۔ یا ایلیاہ۔ یا یوحنا بپتسمہ یا کوئی نبی سمجھا جائے +

پس یہ مقام بھی ایسا نہیں جسکی بنیاد پر مسیح کو خدا کا بیٹا کہنا بروئے انجیل صحیح سمجھ لیا جائے +

(۶) متی ۲۶/۶۳ میں ہے۔ کہ تب سردار کاہن نے اس سے کہا۔ میں تجھے زندہ خدا کی قسم دیتا ہوں کہ اگر تو مسیح خدا کا بیٹا ہے تو ہم سے کہہ +

اسیطرح متی ۲۷/۴۰ میں یہودیوں کی طرف سے ہے۔ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو صلیب پر سے اتر آ +

مرقس ۱۴/۶۱ کا مضمون بھی متی ۲۶/۶۳ کے قریب قریب ہے لیکن ان مقامات سے دلیل نہیں حاصل کر سکتے۔ کیونکہ ان مقامات پر اس لفظ کے کہنے والے کوئی ایماندار شخص نہیں ہیں۔ بلکہ مسیح کے دشمن اور بیری دشمن ہیں +

(۷) مرقس ۳/۱۱ میں ہے۔ ناپاک روحیں جب اُسے دیکھتیں۔ اُسکے آگے گر پڑتی تھیں۔ اور

پکار کے کہتیں کہ تو خدا کا بیٹا ہے +

لوقا ۴/۴۱ میں بھی ہے۔ اور بہتوں میں سے شیاطین چلاکر یہ کہتے نکل گئے کہ تو مسیح خدا کا بیٹا ہے + ان واقعات کا ذکر گو متی اور یوحنا میں نہیں ہے تاہم مرقس اور لوقا کے حوالے سے بھی ہم معلوم سے یہ دلیل نہیں لے سکتے کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے۔ کیونکہ مرقس اور لوقا تو کہتے ہیں کہ ناپاک روحیں اور شیاطین ایسی بات کہا کرتے تھے پس ہم انکی باتکو اپنے لئے کیوں دلیل بنائیں اور کیونکر انکو صادق ٹھہرائیں +

(۸) یوحنا ۱/۴۹ کے ملاحظہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نتھنی ایل نے بھی مسیح کو کہا تھا تو خدا کا بیٹا اسرائیل کا بادشاہ ہے + نتھنی ایل جیسا کہ ۱/۴۶ سے معلوم ہوتا ہے مسیح کا پہلے سے ذرا واقف نہ تھا بلکہ وہ تعجب کرتا تھا۔ کہ ناصرت سے بھی کوئی چیز اچھی نکل سکتی ہے۔ مسیح نے نتھنی ایل کو اتنا بتلادیا کہ تو تھوڑی دیر پہلے درخت انجیر کے نیچے تھا۔ اور نتھنی ایل نے اتنی بات پر مسیح کو خدا کا بیٹا کہدیا۔ یہ تعریفی فقرہ ایسے شخص کا کہا ہوا ہے جسکی واقفیت دو منٹ سے زیادہ کی نہیں اور ہمارے نزدیک تو اسکی اس فقرہ میں بھی ویسا ہی مبالغہ ہے جیسا پہلے فقرہ ناصرۃ میں اچھی چیز والے میں مبالغہ تھا اور بہرحال اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا +

(۹) یوحنا ۱۰/۳۶ میں ہے۔ تم اسے جسے خدا نے مخصوص۔ اور جہان میں بھیجا کہتے ہو کہ تو کفر کہتا ہے۔ کہ میں نے کہا۔ "میں خدا کا بیٹا ہوں" +

یہ فقرہ حضرت مسیح کا ہے لیکن ظاہر ہے۔ کہ حضرت مسیح اسجگہ اپنے دشمنوں کے فقرہ کو کوٹ (اقتباس یعنے نقل) کر رہے ہیں۔ اور بتلا رہے ہیں کہ کفر کا الزام مجھے یہ کہکر دیا جاتا ہے۔ کہ مجھے اس فقرہ کا قائل بنایا جاتا ہے + پس بصورت بالا اس فقرے سے یہ استدلال نہیں ہوسکتا۔ کہ حضرت مسیح فی الواقع بھی ایسا ہی کہا کرتے تھے +

اب قابل غور یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح نے اپنی بابت جو الفاظ خود تجویز کئے اور زبان سے ادا کئے ہیں۔ وہ یہ ہیں "جسے خدا نے مخصوص کیا اور جہان میں بھیجا"۔ یہ الفاظ فی الواقع حضرت مسیح ہی کے ہیں اور ہر شخص پر لازم ہے کہ ان پر ایمان لائے اور حضرت مسیح کو ایسا ہی سمجھے لیکن ایسا ہرگز نہیں۔ جسے مسیح کے سر پر بطور الزام کفر کے اسکے دشمنوں نے منسوب دیا تھا +

(۱۰) یوحنا ۱۱/۲۷ میں مرتھا عورت کا مقولہ درج ہے۔ ہاں اے خداوند مجھے یقین ہے کہ خدا کا بیٹا جو دنیا میں آنے والا تھا تو ہی ہے +

یوحنا کے ۱۱ باب کو اگر پڑھ لیا جائے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرتھا کا بھائی لعزر تھا جسے مسیح بہت پیار کیا کرتا تھا وہ بیمار ہو کر مرگیا۔ مسیح اسکی قبر پر تب پہنچا جب اسے دفن

کئے چار روز ہو چکے تھے۔ اور پھر مسیح نے بہت لوگوں کے سامنے لعزر کو زندہ کر دیا +
یہ قصہ اپنی نوعیت میں بالکل عجیب ہے۔ اور ضروری تھا کہ اسکی شہرت بہت بڑھی ہوئی ہوتی۔ مگر متی مرقس لوقا میں اس قصہ کا ذکر تک نہیں +

علیٰ ہذا مرتھا کا جو قول ہم نے ۱۱/۲۷ یوحنا کے حوالے سے لکھا ہے۔ وہ بھی ہر سہ اناجیل میں نہیں ہے۔ جن لوگوں کو بائبل کا علم ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ انجیل یوحنا سے انجیل لوقا بعد میں لکھی گئی ہے۔ اور لوقا نے اپنی انجیل کے لکھنے میں دو باتوں کا وعدہ کیا ہے +

(الف) سب واقعات کو سرے سے + (ب) صحیح طور پر دریافت کرکے لکھے +

پس جب یہ تمام داستان ہی اسمیں درج نہیں ہے تو صرف ایک فقرہ کا نہ ہونا تو کچھ بھی تعجب انگیز نہ رہا۔ اسلیئے ثابت ہو گیا کہ مرتھا کے اس قول کی متی۔ مرقس۔ لوقا تصدیق نہیں کرتے۔ اور موجودہ حوالہ سے مسیح کو خدا کا بیٹا کہنا صرف ایک عورت کی تقلید کرنا ہے +

مزید براں یہ بھی غور طلب ہے۔ کہ جو کچھ مسیح نے مرتھا سے سوال کیا تھا کیا اُس کا جواب ٹھیک سوال کے مطابق تھا؟ یا نہیں۔ دیکھو +

یوحنا ۱۱/۲۵ یسوع نے اس سے کہا۔ قیامت اور زندگی میں ہی ہوں۔ جو مجھ پر ایمان لاوے اگرچہ وہ مر گیا ہو تو بھی جیئیگا +

۱۱/۲۶ اور جو کوئی جیتا ہے اور مجھ پر ایمان لاتا ہے کبھی نہ مریگا" کیا تو یقین رکھتی ہے؟"
اس کے بعد ۱۱/۲۷ ورس میں مرتھا کا جواب آتا ہے۔ اُس نے کہا ہاں اے خداوند مجھے یقین ہے۔ کہ خدا کا بیٹا مسیح جو دنیا میں آنیوالا تھا۔ تو ہی ہے +

حضرت مسیح تو ایمان اور اطاعت کی بابت دریافت کرتے ہیں۔ اور وہ عورت خود مسیح کی ماہیت کی بابت جواب دیتی ہے +

غرض اس مقام کے بھروسہ پر بھی مسیح کو خدا کا بیٹا کہنا درست نہیں نکلا +

(۱۱) یوحنا نے ۱/۱۸ میں لکھا ہے خدا کو کسی نے کبھی نہ دیکھا۔ اکلوتا بیٹا جو باپ کی گود میں ہے اُسنے بتلا دیا +
اکلوتا بیٹا۔ خاص یوحنا کی انجیل کی اختراع ہے۔ کیونکہ متی مرقس لوقا میں سے کسی نے اس لفظ کا استعمال نہیں کیا یوحنا نے تو ۳/۱۶ میں بھی اسکا استعمال کیا ہے مگر دوسری انجیل کے مصنف نے ایک جگہ بھی یہ لفظ نہیں لکھا الفاظ اکلوتا بیٹا جو باپ کی گود میں ہے ۱/۱۸ کے یہ معنے کرتے کہ مسیح خدا کا اکلوتا بیٹا جو خدا باپ کی گود میں ہے۔ بالکل اصلاح دینا ہے۔ اسلیئے ان الفاظ کا مفہوم یہ ہے کہ مسیح

جو اپنے باپ کا اکلوتا بیٹا۔ اور ابھی باپ کی گود میں ہی تھا۔ وہ خدا کو بتاتا تھا +

اس سے حضرت مسیح کی تعریف پوری پوری نکلتی ہے۔ کہ بچپن ہی سے حضرت مسیح لوگوں کو خدا کا عرفان بتلاتے تھے پس جو معنے لوگوں نے سمجھے ہیں وہ یہاں بالکل نہیں بنتے ہیں +

(۱۲) متی ۱۱/۲۷ میں ہے۔ میرے باپ سے سب کچھ مجھے سونپا گیا۔ اور کوئی بیٹے کو نہیں جانتا مگر باپ اور کوئی باپ کو نہیں جانتا۔ مگر بیٹا +

مرقس ۱۳/۳۲ میں ہے۔ مگر اس دن۔ اس گھڑی کی بابت سوا باپ کے نہ تو فرشتے جو آسمان پر ہیں اور نہ بیٹا کوئی نہیں جانتا +

لوقا ۱۰/۲۲ میں وہی ہے۔ جو متی ۱۱/۲۷ میں ہم نے لکھا ہے +

یوحنا ۵/۱۹-۲۱ میں ہے جس طرح باپ مردوں کو اٹھاتا ہے بیٹا بھی جسے چاہے جلاتا ہے +

یہ چار مقامات ہیں جن میں باپ اور بیٹا کا لفظ حضرت مسیح کی زبان پر مستعمل ہونا بیان ہوا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہودی جو حضرت مسیح پر کفر بکنے کا الزام لگایا کرتے مسیح پر پتھر برسانے کا موقعہ ڈھونڈا کرتے تھے یہی سمجھا کرتے تھے کہ یہاں بیٹا کہہ کر اپنے آپ کو خدا کا بیٹا کہا ہے لیکن غور کرو کہ یہاں بیٹا بطور مضاف کے کہا گیا ہے۔ اور اس کا مضاف الیہ موجود نہیں ہے۔ اسلئے بالکل یہودین ہوگا اگر ہم اس لفظ بیٹا کا مضاف الیہ خدا کو قرار دیں۔ حالانکہ حضرت مسیح کی عام اصطلاح کے موافق جبکہ وہ اپنے آپکو ابن انسان۔ انسان کا بیٹا۔ آدم کا بیٹا۔ ابن داؤد کہا کرتے تھے لازم ہو کہ انسان یا آدم یا داؤد میں سے کسی طرف اُسے مضاف قرار دیں۔ تاکہ ہم یہودیوں کی سی سمجھ والے نہ ٹھہرائے جائیں اور تاکہ ہم وہی الزام مسیح کو نہ لگائیں۔ جو اُسکے دشمنوں نے اُسے لگایا تھا +

حقیقت الامر

یہ ہے کہ باپ بیٹا کا لفظ اگر کہیں مستعمل ہوا ہے تو بطور مجاز کے ہے۔ اور اس سے اصل معنے لفظ کے جو لغت میں ہیں کبھی مقصود نہیں +

ہم اس پر پھر لکھینگے۔ ذرا اعمال کو تو دیکھ لیں +

اعمال ۸/۳۷ میں ہے میں ایمان لاتا ہوں کہ یسوع مسیح خدا کا بیٹا ہے۔ ذرا ۱۳ درس

سے پڑھنا شروع کیجئے۔ تب پتہ لگ جاوے گا کہ ایک خوجہ نے فیلبوس سے
بپتسمہ لیا تھا۔ یہ مقولہ اس خوجہ کا ہے فیلبوس کی تعلیم نہیں +

اب کیا ہم ایک خوجہ کی سمجھ کو اپنا ایمان ٹھہرا ئینگے؟

اعمال ۹/۲۰ میں ذکر ہے۔ کہ سولس منادی کرنے لگا۔ کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے۔

ذرا اسی باب ۹ کے ۳ تا ۶ ورس کو پڑھ لو کہ جو نور اس کے گرد چمکا۔ اور جو آواز
اس نے سُنی تھی اس میں یہ تعلیم نہیں دی گئی تھی کہ وہ مسیح کو خدا کا بیٹا کہے +

۱۷ و ۱۸ ورس بھی پڑھ لیجئے۔ جو گفتگو حنانیاہ نے سولس سے رویا کے موافق
کی۔ اس میں بھی یہ تعلیم نہیں دی گئی۔ اب سوچنا چاہئے کہ سولس کو جب یہ تعلیم نہیں
دیگئی تھی تو اُسے اپنی طرف سے خود ہی ایک بات بنا لینے کا کیا اختیار تھا +

اعمال ۱۳/۳۳ میں زبور کا حوالہ دیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ دوسرے زبور میں یہ الفاظ ہیں کہ
تو میرا بیٹا ہے۔ آج تو مجھ سے پیدا ہوا +

اب زبور ۲/۷ کو پڑھ لو۔ اسکے الفاظ یہ ہیں۔ تو میرا بیٹا ہے۔ میں آجکے دن تیرا باپ ہوا +
جب غور کروگے تو معلوم ہو جائیگا۔ کہ آج تو مجھ سے پیدا ہوا۔ اور الفاظ میں آج
کے دن تیرا باپ ہوا کے مفہوم اور اثر میں بڑا بھاری تفاوت معلوم ہو جائیگا۔

اب یہ قرار دینا ہے کہ ان الفاظ زبور کو کس کے حق میں سمجھیں۔ کتاب
اعمال کا لکھنے والا تو ان الفاظ کو یسوع کے حق میں کہتا ہے۔ مگر زبور ۲ باب کا ۷
ورس اس طرح شروع ہوتا ہے +

میں حکم کو آشکارا کرونگا کہ خداوند نے میرے حق میں فرمایا۔ "تو میرا بیٹا ہے"
اب مقابلہ کرو۔ داؤد نبی کا اور اس کا جس نے کتاب اعمال لکھی مقابلہ
کرو زبور کا اور کتاب اعمال کا +

کیا ایسی حالت میں ہم کو مناسب ہے کہ ایسے جھگڑے کی حالت میں ہم ایسے
گول مول لفظوں کو عقیدہ اور ایمان کی بنیاد بنائیں +

جب زبور میں صاف ہے کہ یہ فقرہ داؤد کے حق میں تھا تو ظاہر ہے کہ تمام
مسیحی اسے مجاز بتلا ئینگے پس اسیطرح اگر کسی جگہ انکو ایسا مقام نظر پڑے۔ جہاں انکے
نزدیک خدا ہی نے مسیح کو اپنا بیٹا کہا ہے۔ تب اسے بھی مجاز سمجھنا چاہئے +

لیکن اگر داؤد کی بابت بھی الفاظ کو حقیقت پر محمول کرینگے تب نتیجہ یہ

ہوگا کہ داؤد تو خدا کا بیٹا ہے بحکم ۲/۲ زبور +

اور مسیح ابن داؤد ہے بحکم ۲۲/۴۲ متی و ۲۰/۴۱ لوقا +

پس مسیح خدا کا پوتا ہوا۔ نہ کہ خدا کا بیٹا +

تم ہنسوگے کہ یہ نیا رشتہ کہاں سے نکل آیا لیکن میری طرف سے نہیں بلکہ

کتاب سے اور آپ کے دعوےٰ سے ایسا ہی نکلتا ہے +

اعمال کے بعد حواریوں کے خطوط کو لو

پولس اپنے خط میں جو رومیوں کے نام ہے کہتا ہے ۴/۱ وہ جی اٹھنے

کے بعد خدا کا بیٹا ثابت ہوا +

خوب! یہ راز تو پولوس نے عجیب بتلایا کہ چاروں انجیلوں میں جہاں

کہیں جس کسی نے مسیح کو خدا کا بیٹا کہا تھا۔ سو انکا ایسا کہنا بالکل وقت سے

پہلے تھا کیونکہ مسیح خدا کا بیٹا جی اٹھنے کے بعد ثابت ہوا تھا +

بہتر ہو کہ اب کوئی انجیلوں میں استعمال کئے گئے لفظ سے دلیل نہ پکڑے +

میرے نزدیک تو بات یہ ہے کہ جب پولوس کو یہ مشکل نظر آیا کہ کیونکر ایک جسمانی

شخص کو خدا کا بیٹا کہے۔ تب اس نے یہ بہتر سمجھا کہ اس کی جسمانی حیثیت کو الگ

بتلائے۔ اور اس کی دوبارہ زندگی کی حالت کو الگ۔ اس واسطے اس

کے الفاظ یہ ہیں +

۴/۱ رومیوں اپنے بیٹے ہمارے خداوند یسوع مسیح کے حق میں جو

جسم کی نسبت داؤد کی نسل سے ہوا۔ مگر مقدس روح کی نسبت قدرت کے ساتھ

اس کے جی اٹھنے کے بعد خدا کا بیٹا ثابت ہوا +

ناظرین خود دیکھ لینگے کہ پولوس کے بیان میں کیا نیا پن ہے۔ اور وہ

کس طرح مانتا ہے۔ کہ مسیح جی اٹھنے سے پہلے پہلے عرصہ تک خدا کا بیٹا نہیں تھا

اور ہمارا مطلب بھی یہی ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھو کہ پولوس نے جہاں جہاں اپنے خطوط

میں یسوع کو خدا کا بیٹا لکھا ہے مثلاً ۲ قرنتیوں ۱-۱۹- وغیرہ وغیرہ- وہ اسی معنی

میں ہے۔ جو ۱/۳ رومیوں میں ہے +

لیکن پولوس کے خط رومیوں والے کے فقرہ ۱/۳ کے ساتھ یوحنا کے پہلے خط کے ۴/۱ باب کو بھی پڑھ لو +

اے پیارو۔ تم ہر ایک روح کو یقین نہ کرو۔ بلکہ روحوں کو آزماؤ کہ وہ خدا کی طرف سے ہیں کہ نہیں کیونکہ بہت سے جھوٹے پیغمبر دنیا میں نکل آئے ہیں +

۲۔ اسی سے خدا کی روح کو پہچانو۔ ہر ایک روح جو اقرار کرتی ہے کہ یسوع مسیح جسم میں آیا ہے۔ اور وہ خدا کی طرف سے ہے +

۳۔ اور ہر ایک روح جو اقرار نہیں کرتی۔ کہ یسوع مسیح جسم میں آیا خدا کی طرف سے نہیں۔ یہی مسیح کے مخالف ہے +

ہم کو اندیشہ ہے کہ یوحنا کا یہ اشارہ کس کی طرف ہے۔ یہ تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے وقت کے کسی شخص پر ناراض ہے۔ اور اسکو جھوٹی روح اور جھوٹا نبی کہتا ہے۔ اور یہ بھی صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس شخص میں جو یوحنا کے نزدیک جھوٹا نبی ہے۔ اور یوحنا میں جھگڑا مسیح کی شخصیت بطور جسم یا بغیر جسم کی بابت ہے + ممکن ہے کہ وہ کوئی اور شخص ہوگا۔ مگر اتنا تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ۱/۳ رومیوں میں پولوس ہی نے جسم اور روح کے اعتبار سے دو حیثیتوں کا ذکر کیا ہے +

میرا مدعا صرف اتنا ہی کہ جب یہ مسئلہ اتنا پیچیدہ ہے۔ کہ دو حواری بھی اُسے حل نہیں کر سکے اور وہ یوحنا جو اپنے اس خط میں محبت پر پورا زور دیتا ہے۔ وہی اپنے زمانہ کے ایک جھوٹی روح یا جھوٹے نبی کا ذکر کر کے اس سے بچنے کی تعلیم بھی دیتا ہے تو ہم کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ الفاظ خدا کا بیٹا استعمال کرنے میں ہم بالکل سیف دینے محفوظ ہیں۔ بہتر ہوگا کہ اس غلطی کو چھوڑ دیا جائے +

انجیلوں میں بہت جگہ خدا کو باپ کہا گیا ہے۔ لیکن یہ بھی مجازی ہے دیکھو۔

۸/۴۱-۴۴ یوحنا تب انہوں نے اس سے کہا ہم حرام سے پیدا نہیں ہوئے ہمارا باپ ایک ہے۔ یعنے خدا +

۸/۴۲ یسوع نے انہیں کہا اگر خدا تمہارا باپ ہوتا تو تم مجھے عزیز جانتے +

۸/۴۴ تم اپنے باپ شیطان سے ہو +

کوئی شخص شک نہ کریگا۔ کہ خدا تمہارا باپ۔ اور اپنے باپ شیطان کے الفاظ بالکل مجازی ہیں +

علی ہذا پولوس ۱/۴ گلیتیوں میں کہتا ہے "کہ وہ ہم کو ہمارے باپ خدا کی مرضی کے مطابق اس خراب دنیا سے خلاصی بخشے" +

پولوس جبکہ خدا کو اپنے سب کا باپ کہہ رہا ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ مسیح کو بھی اپنا بھائی بتلا رہا ہے۔ اور اس سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ کہ باپ کا لفظ بالکل مجازی استعمال ہوا ہے۔ اس استعمال کو مجاز سمجھانے کے لئے متی ۵/۱۶ و ۶/۹ و ۶/۱۴ و ۶/۳۲ و ۷/۲۱ و ۱۱/۲۵ و ۱۲/۵۰ و ۱۵/۱۳ و ۱۸/۳۵ اور لوقا ۱۱/۲ میں باپ کے ساتھ آسمان کا استعمال بھی کیا گیا ہے۔ یعنے آسمانی باپ کہا ہے۔ حق کے طالبوں اور حقیقت کے متلاشیوں کو لازم ہے کہ بہت جلد مجاز کو چھوڑ دیں اور اس لفظ کو جسکے استعمال نے بہت لوگوں کو صریح شرک میں ڈالدیا ہے بالکل ترک کریں +

اگر اس بحث کو صحیح نہ سمجھیں۔ کہ یہ الفاظ حقیقی معنے میں نہیں۔ بلکہ یوں کہیں کہ یہ اصلی معنے ہی میں ہیں۔ تو آؤ۔ دیکھیں۔ کہ یہ شرف اور بزرگی صرف مسیح ہی کو حاصل ہے۔ یا کسی اور کو بھی ہے +

استثنا ۱۴/۱ پڑھو "تم خداوند اپنے خدا کے فرزند ہو" اس فقرہ میں لاکھوں ہی اسرائیل کو فرزند کہا گیا ہے +

استثنا ۳۲/۵ صرف کج رو۔ گردنکش لوگوں کو خدا کے فرزند ہونیسے انکار کیا گیا ہے
متی ۵/۹ پڑھو "مبارک ہیں وہ جو صلح کرنے والے ہیں۔ کیونکہ خدا کے فرزند کہلائیں گے" +

لوقا ۶/۳۵ میں ہے۔ اپنے دشمنوں کو پیار کرو۔ اور پھر پانے کی امید نہ رکھ کے قرض دو تو تمہارا بدلہ بڑا ہوگا۔ اور تم خدائے تعالی کے فرزند ہوگے +

رومیوں ۸/۱۴ میں ہے۔ جتنے خدا کی ہدایت سے چلتے ہیں۔ وے خدا کے فرزند ہیں +

گلاتیوں ۳/۲۶ کیونکہ تم سب کے سب اُس ایمان کے سبب جو مسیح یسوع پر ہے۔ خدا کے فرزند ہو +

یوحنا ۳/۱ دیکھو کیسی محبت خدا نے ہم سے کی کہ ہم خدا کے فرزند کہلائیں +

یوحنا ۳:۲ اے پیارو ہم خدا کے فرزند ہیں۔ اور ہنوز ظاہر نہیں ہوا کہ ہم کیا کچھ ہونگے

ان حوالہ جات سے نکلتا ہے کہ کتنے کروڑوں۔ اسپوں شخص خدا کے فرزند ہیں +

شاید کوئی شخص سمجھے۔ کہ مسیح کے لئے آسمانی باپ کا فرزند۔ یا زندہ خدا کا فرزند خاص طور پر کہا گیا ہے۔ اور کوئی شخص ان کے ساتھ اس خصوصیت میں شامل نہیں۔ لیکن ایسا سمجھنا بھی غلط ہے +

کیونکہ متی ۵:۴۵ میں ہے۔ تاکہ تم اپنے باپ کے جو آسمان پر ہے فرزند ہو + اور رومیوں ۹:۲۶ میں ہے اور ایسا ہوگا کہ جس جگہ انہیں کہا گیا کہ تم میری قوم نہیں ہو۔ اسی جگہ وے زندہ خدا کے فرزند کہلا دینگے +

ان سب عبارتوں سے پتہ لگ جاتا ہے۔ کہ حضرت مسیح کیلئے عزت کا کوئی خاص لفظ جو دوسرے کے لئے نہ ہو۔ باقی نہیں رہ جاتا ہے۔ اور اس لئے بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ ہم حضرت مسیح کو ان کی اعلیٰ شان کے درجہ پینے میں اس لفظ کا اطلاق نہ کریں جسے کروڑوں شخص اپنے لئے بھی ویسا ہی درست سمجھتے ہیں جیسا کہ مسیح کے لئے۔ غرض حضرت مسیح کی محبت اور مسیح کی عظمت اور مسیح سے سچی اُلفت ہی ہم کو مجبور کرتی ہے کہ ہم حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا نہ کہیں بلکہ وہی کہیں جو مسیح نے اپنے لئے خود کہا۔ اور جو کتاب میں کسی دوسرے کے واسطے نہیں کہا گیا۔ یعنے یہ کہ :-

مسیح وہ ہے جسے خدا نے مخصوص کیا اور جہان میں بھیجا۔ یوحنا ۱۰:۳۶ + فقط

مستلم کہئے۔ اب آپ کا کیا خیال ہے ؟

اعرافی حضرت! اس چھوٹے سے ٹریکٹ میں تو جناب قاضی صاحب نے ابن اللہ کے مقدمہ کا ایسا دو ٹوک فیصلہ کر دیا ہے کہ کسی پادری کو دم مارنے کی مجال نہیں ہوگی۔ مگر اب میں صرف اتنا جاننا چاہتا ہوں۔ کہ قرآن مجید نے جو مسیح علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا شدہ مانا ہے۔ اس میں کیا مصلحت ہے +

مستلم۔ اس پر اب کل بحث کی جاوے گی۔ کیونکہ آج وقت بہت ہو چکا ہے +

اعرافی۔ بہت بہتر۔ تو میں کل حاضر خدمت ہو جاؤں گا +

انیسویں فصل

صدیقہ مریمؑ اور ابن مریمؑ

اعرافی۔ السلام علیکم +

مسلم۔ وعلیکم السلام! آپ تشریف لے آئے؟

اعرافی۔ میں حسب وعدہ حاضر خدمت ہو گیا ہوں۔ میں بہت رات تک اس بات پر غور کرتا رہا۔ کہ اگر قرآن مجید۔ احادیث اور تفاسیر میں یہ لکھا ہے کہ مسیح علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ تو عیسائیوں کو ہم کیا جواب دے سکتے ہیں؟

مسلم۔ احادیث یا تفاسیر میں تو مسیح کا بغیر باپ کے پیدا ہونا بھلا ہی لکھا ہو۔ مگر قرآن مجید نے تو کہیں اشارہ تک بھی نہیں کیا۔ کہ مسیح بغیر باپ کے پیدا ہوا تھا +

اعرافی۔ مگر تمام اسلامی دنیا میں تو یہی ڈھنڈورہ پٹ رہا ہو کہ مسیح بغیر باپ کے پیدا ہوا تھا اور جو مسلمان اسکو بغیر باپ کے پیدا شدہ نہیں مانتا اسکے ایمان میں خلل ہو۔ اور اگر مسیح علیہ السلام کا کوئی باپ ہوتا تو اس کا نام قرآن مجید میں ضرور دیا جاتا +

مسلم۔ مسیحی لوگوں کی طرح مسیح علیہ السلام کی پیدایش و موت پر ہمارے ایمان یا اسلام کا دارومدار نہیں ہو۔ نہ ہی قرآن مجید نبیوں یا رسولوں کی جنم پتری یا نسب نامہ ہو کہ وہ انکو بیان کرے۔ نہ ہی وہ اس بات کو اہم سمجھتا ہو۔ اور تو اور ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین تک کا قرآن مجید میں نام نہیں دیا گیا۔ حضرت موسےٰؑ اور نوح علیہ السلام جیسے بزرگ اور اولوالعزم اور صاحب شریعت پیغمبر کے باپ دادا کا بھی تو قرآن مجید میں نام نہیں دیا گیا۔ ہاں سوال صرف اتنا ہو۔ کہ کیا مسیح علیہ السلام کسی ان ہونے طریقہ پر پیدا ہوئے تھے۔ یا عام انسانوں کی طرح؟ سو اس کا قرآن مجید نے دوٹوک فیصلہ کر دیا ہے کہ وہ عام انسانوں کی طرح پیدا ہوئے تھے +

اعرافی۔ یہی تو میں جاننا چاہتا ہوں کہ قرآن مجید نے اسکے متعلق کیا ارشاد فرمایا ہے +

مسلم۔ مسیح علیہ السلام کو اپنی پیدائش یا موت کے لحاظ سے دیگر رسولوں پر کسی قسم کی کوئی فوقیت نہیں دی گئی۔ چنانچہ رب العزۃ فرماتا ہے:-

مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ ۔ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ (المائدہ ع ۱۰)

مسیح ابن مریم محض خدا کے ایک رسول تھے۔ اُن جیسے اور بھی بہت سے رسول اُن سے پیشتر ہو چلے تھے۔ مسیح کی والدہ ایک صدیقہ عورت تھیں۔ دونوں ماں بیٹا دوسرے انسانوں کی طرح کھایا پیا بھی کرتے تھے۔ رب العزۃ نے انبیاء و رسل کے متعلق جو قواعد و ضوابط قائم کر رکھے تھے مسیح اُن سے مستثنے نہیں تھے۔ نہ ہی رب العزۃ کو ضرورت تھی کہ وہ مسیح علیہ السلام کی خاطر اپنے قوانین میں کسی قسم کی تبدیلی کرتا۔ چنانچہ رب العزۃ کا یہ فرمان ہے:-

سُنَّةَ مَنْ قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا۔

(بنی اسرائیل ع ۸)

اے محمد! تجھ سے پہلے ہم نے جسقدر رسول بھیجے۔ انکے لئے ایک ہی قاعدہ رہا ہے۔ اور تم بھی ہمارے اس قاعدہ میں ردوبدل نہیں دیکھو گے۔ دوسری جگہ رب العزۃ اپنے قواعد و قوانین کے متعلق ارشاد فرماتا ہے:-

فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَحْوِيلًا ۔ فاطر ع ۵۔

تم رب العزۃ کے قوانین میں کسی قسم کی ردوبدل یا کسی قسم کا ٹیڑھا یا ترچھا پن نہیں دیکھو گے۔ ایسی صورت میں اگر کوئی پادری مسیح علیہ السلام کی کوئی فضیلت ہمارے رسول کریم پر قرآن مجید سے دکھانا چاہے تو وہ اپنی جہالت کا ثبوت دیگا۔

اعرابی۔ یہ تو بالکل ٹھیک ہے۔ مگر بغیر باپ کے کسی بچہ کو پیدا کر دینا بھی تو اسی کا قانون ہے۔

مسلم۔ رب العزۃ نے کائنات کی ابتدا میں ہر ایک چیز کا جوڑا جوڑا پیدا کر دیا۔ اسکے بعد اسکی جسقدر بھی مخلوقات ہوئی وہ ان ہی جوڑوں کے ملاپ سے ہوئی۔ چنانچہ اسکا ارشاد ہے:-

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۔ (الذاریات ع ۲)

اور ہمنے ہر ایک چیز کا جوڑا جوڑا پیدا کر دیا تاکہ تم ان باتوں پر غور کرو۔ اس قانون کی موجودگی میں ہمیں مسیح علیہ السلام کی پیدائش بھی مرد و عورت کے جوڑے سے ہی ماننی پڑیگی۔

اعرابی۔ ہر ایک چیز میں تو پانی۔ مٹی۔ ہوا۔ آگ۔ بجلی وغیرہ بیجان چیزیں بھی آتی ہیں انکے جوڑے

کہاں ہیں؟

مسلم۔ جب رب العزۃ نے اپنی مخلوقات کے متعلق ایک قاعدہ کلیہ بنا دیا تو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ خواہ جاندار ہوں خواہ بیجان۔ مٹی۔ ہوا۔ پانی ہوں۔ خواہ درخت وحیوانات خواہ انسان سب کے جوڑے ہونگے۔ دنیا کی کسی چیز کو لیلو۔ اسکا جوڑا موجود ہے۔ کائنات میں جسقدر ذرات ہیں جب ان سب میں جوڑے موجود ہیں تو انکے باہمی اتصال سے دنیا بھر میں جسقدر جاندار یا بیجان اشیاء بنینگی۔ وہ جوڑا جوڑا ہونگی پتھر جن ذرات سے مرکب ہوتا ہے وہ دو دو جوڑ ذرات کا سیل ہے۔ پانی جن ہواؤں سے ملکر بنتا ہے انکا بھی جوڑا موجود ہے بجلی ہوا۔ آگ غرضیکہ ہر ایک شے دو دو جوڑ سے مرکب ہے۔ کدو یا خربوزے وغیرہ کی بیل کے پھولوں کو دیکھو۔ نر پھول الگ ہوگا۔ اور مادہ پھول الگ ہوگا۔ سورج مکھی اور گیندے کے پھولوں کو دیکھو بظاہر وہ ایک ہی پھول نظر آتا ہے۔ مگر پھول کے اندر سینکڑوں نر و مادہ پھول جمع ہوتے ہیں۔ اگر نباتات کے اندر یہ جوڑا جوڑا نہ ہوتا۔ تو نباتات معدوم ہو جاتی۔ دنیا میں نہ پھل ہوتے۔ نہ پھول۔ نہ درخت نہ گھاس پات۔ رب العزۃ نے ٹھیک فرما دیا ہے:۔

وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ جَعَلَ فِيهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ (الرعد ع۱)

روئے زمین پر جسقدر بھی پھل یا بیج ہیں ان سب میں نر و مادہ کا جوڑہ موجود ہے جب رب العزۃ نے جاندار او بیجان ہر ایک چیز کا جوڑا پیدا کر رکھا ہے۔ سوائے اس پہلے جوڑے کے جو ابتدائے آفرینش میں پیدا کیا گیا ہے۔ دنیا میں کوئی مرد یا عورت بغیر جوڑے کے پیدا شدہ ماننا محض فضول ہے جب مسیح علیہ السلام کی والدہ صدیقہ اور انکے تمام اجداد تا آدم علیہ السلام بغیر جوڑے کے پیدا نہیں ہوئے تھے۔ تو دنیا میں کونسی کمی تھی جسکو پورا کرنے کے لئے خداوند کریم کو مسیح علیہ السلام کو بغیر جوڑے کے پیدا کرنیکی ضرورت محسوس ہوئی جسپر مسیحیوں کو ڈینگ مارنیکا موقع مل سکتا!

اعرابی۔ واقعی خداوند کریم کے مذکورہ بالا قانون کی موجودگی میں اسکا جواب اسکے سوا کیا ہو سکتا ہے۔ کہ مسیح علیہ السلام کی پیدائش یقیناً دوسرے انسانوں کی طرح مرد و عورت کے ملاپ سے ہی ہوئی ہوگی؟

مسلم۔ ہوئی ہوگی کیا مطلب! بلکہ ہوئی ہے اس طرح۔ جب قرآن پاک میں حضرت مریم صدیقہ کے خاوند کی موجودگی۔ اور اس خاوند سے انکا حاملہ ہونا اور پھر اس خاوند کے ساتھ صدیقہ کا سفر کرنا اور اسی سفر کی حالت میں انکے عام عورتوں کی طرح دردزہ کا اٹھنا اور اس درد سے صدیقہ کا بیتاب ہونا۔ اور بچہ کا پیدا ہونا سب کچھ لکھا ہوا ہے۔ تو پھر یہ کہنا کہ مسیح بغیر باپ کے معجزانہ طور

پر پیدا ہوا تھا۔ سراسر غلط ہے ؎

اعرابی۔ یہ تو آپ انوکھی سی بات کہتے ہیں۔ کیونکہ میں نے تو آجتک جس مولوی سے بھی پوچھا ہے۔ اس نے یہی جواب دیا ہے۔ کہ حضرت مریم صدیقہ جب ایام ماہواری سے پاکی کا غسل کرنیکے لئے پردہ میں گئیں تو انکے پاس خدا کا فرشتہ آیا۔ اور اُس نے صدیقہ کے دامن کو چھو دیا۔ اسی سے وہ حاملہ ہو گئیں۔ اور آن واحد میں ان کے ہاں بچہ پیدا ہو گیا۔ جو پیدا ہوتے کے ساتھ ہی لوگونکو وعظ و نصیحت کرنے لگا۔

مسلم۔ یہ اُن تمام کہانیوں کی طرح جو پیچھے بیان کی جا چکی ہیں محض گھڑنت ہے۔ رب العزۃ کی کتاب اس قسم کے رذیل قافیوں سے بالکل پاک ہے۔ ہاں مسیحیوں کے اس خیال باطل کی تردید کیلئے کہ مسیح یا انکی والدہ نعوذ باللہ خدا یا تین خداؤں میں سے ایک یا دو خدا تھیں۔ قرآن پاک میں مسیح کے دردِ زہ کے ساتھ پیدا ہونیکا ذکر کر کے اُنکو الوہیت سے الگ کھڑا کر کے ضرور دکھایا ہے۔

اعرابی۔ یہی تو میں چاہتا ہوں کہ آپ ذرا ان باتونکو میرے لئے کھولکر بیان فرما دیں۔ تاکہ میں ان شکوک سے نجات پاؤں۔ جو کہ اس پادری کے وعظ سے میرے دل میں پیدا ہو گئے ہیں ؎

مسلم۔ بہت بہتر۔ ذرا سنتے جائیں۔ پہلے حضرت مریم صدیقہ کی والدہ کی شہادت سنئے۔ صدیقہ کی والدہ یعنے عمران کی بیوی نے حمل کی حالت میں رب العزۃ کے حضور یہ دعا کی:۔

رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔ (آل عمران۔ ع ۴)

اے میرے رب! میرے پیٹ میں جو بچہ ہے میں نے اسکو تیری نذر کیا قطعی آزادانہ دینی خدمت کیلئے پس تو میری دعا کو قبول کر۔ یقیناً تو اپنے بندوں کی دعاؤں کو سننے اور جاننے والا ہے۔ صدیقہ کی والدہ کو یہ خیال تھا کہ میرے ہاں لڑکا پیدا ہوگا اور میں اسکو دنیا کے کاروبار میں لگانے کی بجائے دین کے کام میں لگا دونگی۔ اس زمانہ میں دین کی بڑی بھاری خدمت یہی ہوتی تھی۔ کہ وہ صوامع میں بیٹھے صحف آسمانی نقل کرتے رہتے تھے۔ چھاپہ خانہ کی ایجاد سے پیشتر یورپ بھر میں ایسے خادموں کی بڑی بھاری تعداد بائبل و اناجیل کے نسخے نقل کرنے میں مصروف رہتی تھی۔ انکو کلرجی کہا جاتا تھا۔ ان کلرجیوں کی یاد بعد میں کلیرکس کی شکل میں بگڑتے بگڑتے آجکل کے دفتروں کے کلرک یا ہیڈ کلرک کی شکل میں باقی رہگئی۔ ورنہ کلرجیوں کا بائبل نویسی کا صیغہ کالعدم ہو چکا ہے۔ یہ

بائبل نویسوں کا گروہ چونکہ اپنی روٹی کے فکر سے قطعاً آزاد ہو کر رات دن اسی تحریر کے کام میں لگا رہتا تھا۔ اس لئے قرآن پاک میں اس دینی خدمت کے کرنیوالوں کیلئے لفظ محرر کا استعمال کیا گیا۔ جسکے لغوی معنے آزاد کیا گیا ہیں۔ تحریر کے معنے ہی آزاد کرنے کے ہیں۔ چنانچہ قرآن پاک میں مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ النسلء ع۱۳۔ جو شخص کسی مومن کو غلطی سے مار ڈالے تو اسکے عوض میں وہ ایک غلام کو آزاد کرنے۔ اسی طرح قرآن مجید میں اکثر مقامات پر تحریر رقبہ یعنے غلام کو آزاد کرنیکا ذکر آیا ہے جس طرح کلرجی کا لفظ فی زمانہ کلرک بنکر رہ گیا۔ اسی طرح زمانہ سابقہ میں دنیا کے علایق سے آزاد رہ کر صحف آسمانی کی خدمت کا جو کام تھا۔ وہ تو چھاپہ خانہ کی وجہ سے کالعدم ہو گیا۔ ہاں اسکی یاد میں محرر اور تحریر کے الفاظ باقی ہیں۔ صدیقہ کی والدہ نے بھی یہی خیال کر کے کہ میرے ہاں لڑکا پیدا ہو گا۔ اسکو دین کی خدمت کے لئے مخصوص کر دینے کا وعدہ کرتے ہوئے محرر کا لفظ استعمال کیا۔ مگر جب بجائے لڑکے کے لڑکی پیدا ہوئی تو صدیقہ کی والدہ نے رب العزۃ کے دربار میں شکایت کی:۔

قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَىٰ۔

اے میرے پروردگار میرے ہاں تو یہ لڑکی پیدا ہوئی ہے۔ اور خدا بھی جانتا تھا کہ اسکے ہاں کیا پیدا ہو گا۔ اور لڑکا اور لڑکی دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ اب صدیقہ کی والدہ کو فکر ہوئی۔ کہ لڑکی کو کیا کرے۔ مگر وہ اپنے وعدہ کے مطابق لڑکی کو صومعہ کے خادموں کے پاس لیگئی۔ صومعہ کے یہ خادم اسوقت حسب معمول صحف نویسی میں مشغول تھے جب لڑکی کا معاملہ ان کے سامنے پیش ہوا۔ تو انہوں نے

يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ۔ (آل عمران ع۵) +

قلمیں ہاتھ سے پھینک دیں۔ اور اس بات پر بحث کرنے لگے۔ کہ لڑکی کو صومعہ میں قبول کیا جاوے یا نہ۔ اگر قبول کیا جاوے تو وہ کس کی زیر نگرانی۔

اعرابی۔ مگر میں نے تو ایک مولوی صاحب کو یہ قصہ بیان کرتے سنا ہے۔ کہ جب مریم صدیقہ کی پرورش کا سوال اٹھا۔ تو جتنے خادمان دین تھے۔ وہ دریا جاردان گئے

کنارے پر چلے گئے۔ اور انہوں نے دریا کے پانی میں اپنے اپنے قلم ڈال کر یہ فال لی۔ کہ جس کا قلم دریا کی دھار کے اوپر کی طرف جائے۔ وہی مریم کا کفیل ہو چنانچہ باقی سب کے قلم یا تو پانی میں ڈوب گئے۔ یا بہاؤ کی سمت بہ گئے۔ مگر حضرت زکریا کا قلم دریا کے بہاؤ کی مخالف سمت میں اوپر کی طرف بڑے زور سے چڑھنے لگا جس سے مریم کی کفالت کے جھگڑے کا فیصلہ حضرت زکریا علیہ السلام کے حق میں ہو گیا +

مسلم۔ یہ محض جاہلانہ ڈھکوسلے ہیں۔ قرآن پاک میں اس قسم کا کوئی بیہودہ پن نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک معمولی سی بات تھی۔ کہ جب مریم صدیقہ کی والدہ یا والدین لڑکی کو صومعہ میں لے گئے۔ تو جتنے صحف نویس تھے۔ وہ تحریر یا صحف نویسی کے کام کو چھوڑ کر اسطرف متوجہ ہو گئے۔ اور سوچنے لگے کہ لڑکی کو دینی خدمت کیلئے قبول کیا جاوے یا نہ اگر قبول کیا جاوے۔ تو اسکا کفیل کون ہو۔ نہ وہ دریا پار دن پر بھاگے گئے۔ نہ سر کنڈے کے قلم دریا میں چھوڑنے لگے وہ لوگ ایسے بے کار نہیں تھے۔ جو یوں کھیل تماشہ کرتے۔ یہ بیکاری کا شغل تو ہمارے مفسرین کے ہی ہاتھ لگا۔ کہ انہوں نے بات کا بتنگڑ بنانے کے لئے مسیح علیہ السلام اور انکی والدہ صدیقہ کی ہر ایک حرکت کو معجزانہ رنگ میں رنگ چھوڑا ہے۔ ہمارے ان ہی مفسرین کے سہارے مسیحی منادا اسلام اور مسلمانوں کے برخلاف اکثر کو دبھاند کرتے دیکھے جاتے ہیں۔ از ماست کہ بر ماست +

اعرافی۔ میں سمجھ گیا۔ اب آپ آگے ارشاد فرمائیں +

مسلم۔ صدیقہ کی والدہ کا ہرگز یہ منشا نہیں تھا۔ کہ انکی بچی عمر بھر کنواری رہے۔ کیونکہ بطور دیندار اور پرہیزگار ماں کے وہ لڑکی کے عمر بھر کنوارا رہنے کے خطرات سے بخوبی آگاہ تھی۔ چنانچہ لڑکی کو دین کی خدمت کیلئے رب العزۃ کے سپرد کرتے وقت اس نے یہ دعا کی:۔

اِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَاِنِّیْٓ اُعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔

اے میرے پروردگار میں نے اپنی بچی کا نام مریم رکھا میں اپنی اس بچی کو اور اسکی اولاد کو شیطان کے ہتھکنڈوں سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ صدیقہ کی والدہ کے ان الفاظ سے صاف ہویدا ہو رہا ہے کہ وہ نہ صرف اپنی دردمند بیٹی بچی کی عصمت و عفت

کی حفاظت کیلئے دعا مانگ رہی ہے۔ بلکہ وہ اس بچی سے ہونیوالی اولاد کی عصمت کے لیئے بھی دعا کرتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ صدیقہ کو صومعہ میں لیجانیکے وقت انکی والدہ کے دل میں اپنی دودھ پیتی بچی کی شادی خانہ آبادی کا کس قدر زبردست خیال موجود تھا۔ اب یہ بچی خادمان دین کے زیر سایہ خدا کی حفاظت میں دن بدن بڑھ رہی ہے۔ چنانچہ رب العزۃ خبر دیتا ہے کہ:۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا۔ (ال عمران ع۴)

صدیقہ کے رب نے صدیقہ کو اچھے طریقہ پر قبول کیا اور بے عیب طریقہ پر ان کا نشو ونما کر کے جوان کر دیا۔ اب صدیقہ عمر کے ایسے حصے میں پہنچ چکی تھی جبکہ انکے اپنے دل میں یا انکے محافظین کے دل میں صدیقہ کے متعلق امور خانہ داری کا خیال آنا غیر فطرتی نہیں تھا۔ چنانچہ رب العزۃ نے خانہ داری کے اس خیال کا نہایت ہی شستہ الفاظ میں یوں ذکر کیا ہے:۔

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ (ال عمران ع۵)

جس وقت خدا کے پاکیزہ بندوں نے مریم سے یہ کہا۔ کہ اے مریم اللہ تعالیٰ تجھے اپنی طرف سے ایک خوشی کی بات سناتا ہے۔ یعنے عیسے مسیح کی پیدایش جو مریم کا بیٹا کہلائیگا۔ وہ دنیا اور آخرت میں صاحب وجاہت ہوگا۔ اور وہ خدا کے مقربین میں سے ہوگا۔ اور بچپن اور جوانی میں ہی وہ لوگونکو خدا کا کلام سنائیگا۔ اور بہت نیک ہوگا۔ تو اس وقت جبکہ صدیقہ کے کان میں یہ الفاظ ڈالے گئے۔ وہ انکے مفہوم کو فوراً سمجھ گئیں۔ کیونکہ اب وہ بچہ نہیں تھیں۔ بلکہ جانتی تھیں۔ کہ بچہ کی پیدایش کیلئے قدرتی اسباب کیا ہوتے ہیں۔ چنانچہ صدیقہ نے اس خوشخبری کو سنکر ان پاک انسانوں کے سردار آقا سے کہا:۔

رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ۔

اے میرے آقا میرے ہاں کیونکر بچہ ہوگا۔ درآنحالیکہ مجھے کسی مرد نے چھوا تک بھی نہیں ہے۔ ان پاک انسانوں کے سردار نے جواب دیا۔ کہ

كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ اِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔

تیرا کہنا ٹھیک ہی۔ مگر رب العزۃ جب کسی بات کو منصہ شہود پر لانا چاہتا ہی تو وہ اسکے جملہ اسباب مہیا کر دیا کرتا ہی۔ اور اس کے ذرا سے اشارہ سے وہ بات ہو جایا کرتی ہی +

اعرابی۔ یہ عجیب بات ہی کہ آپ ملائکہ کا ترجمہ پاک انسان کرتے ہیں۔

مسلم۔ یہودیوں میں کاہنوں یا نبوت کرنیوالوں کا جو گروہ تھا۔ وہ اکثر اسی قسم کی پیشینگوئیاں کرتا رہتا تھا۔ چونکہ صومعہ میں بھی اسی قسم کے لوگ تھے۔ بنا برین صدیقہ کی موجودگی میں ان کاہنوں کا صدیقہ کے متعلق اثنار گفتگو میں اس قسم کی پیشگوئی کا کر بیٹھنا کوئی معجزہ نہیں تھا۔ بلکہ معمولی سی بات تھی۔ اسی لئے ملائکہ کا ترجمہ میں نے پاکیزہ انسان یا کاہنوں کی جماعت کیا ہے۔ اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں پاک انسان کے لئے ملک یا فرشتہ کا لفظ بھی استعمال کیا گیا ہی جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے میں یوسف علیہ السلام کے متعلق انکی دیکھنے والی مستورات کے منہہ سے یہ کلمات برآمد ہوئے۔

وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ۔ یوسف ع

اور وہ سب یوسف علیہ السلام کو دیکھکر پکار اٹھیں۔ خدا شاہد ہی کہ یہ انسان نہیں ہی بلکہ یہ تو یقیناً کوئی بڑا ہی بزرگ فرشتہ ہی۔ ظاہر ہی۔ کہ یوسف علیہ السلام اپنی پاکدامنی میں ضرب المثل تھے۔ اور جب عورتوں نے انکو ہر ایک ابتلا میں پھنسانے کے باوجود انکو اپنی پاکدامنی میں سمندری چٹان کی طرح مضبوط دیکھا۔ تو وہ بول اٹھیں۔ کہ یہ انسان نہیں۔ بلکہ کوئی فرشتہ ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہی کہ ملک یا ملائکہ کا لفظ پاک انسانوں کیلئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اسلئے میںنے ملائکہ کا ترجمہ پاک انسان کیا ہی +

اعرابی۔ مگر آپ نے رب کا ترجمہ آقا یا سردار کیسے کر لیا؟

مسلم۔ یہودی خود سردار کاہن کے لئے رب کا ہی لفظ استعمال کرتے تھے۔ قرآن مجید میں بھی اکثر مقامات پر رب کا لفظ استعمال ہوا ہے مثلاً ان دو قیدیوں میں جو یوسف علیہ السلام کے ساتھ قید خانہ میں بند تھے۔ ایک قیدی سے جو جلدی ہی رہا ہو جانیوالا تھا۔ یوسف علیہ السلام نے وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ کہا۔ کہ جب تو آزاد ہو جائے تو اپنے رب یعنے اپنے آقا کے پاس میرا بھی ذکر کر دینا۔

فَاَنْسٰهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ ۔ مگر شیطان نے اسکو بھلا دیا۔ کہ وہ اپنے سردار کے پاس یوسف علیہ السلام کا ذکر کرے۔ اس قیدی کے متعلق حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا تھا۔ کہ وہ آزاد ہو کر فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا (یوسف ع۶) اپنے رب یعنے سردار کو شراب پلایا کریگا۔ ان تمام حوالہ جات سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ قرآن مجید میں رب کا لفظ خداوند کریم کے علاوہ انسانوں میں سردار یا آقا کے معنوں میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی قاعدہ کے مطابق ہیں نے رب الکا ترجمہ انسانی کا سردار کیا ہے۔ پاکیزہ انسانوں کے اسی سردار نے پاکباز وںکی جماعت ہیں صدیقہ کے متعلق یہ پیشگوئی کی تھی۔ کہ مسیح کی پیدائش صدیقہ کے ذریعہ ہوگی۔ اسی سردار جماعت کو صدیقہ نے رب کہکر سوال کیا تھا۔ کہ میرے بچہ کیونکر ہوسکتا ہے جبکہ مجھے کسی انسان نے چھوا نہیں ہے۔ پس اس تمام معاملہ میں کسی قسم کی فوق العادت بات نہیں تھی +

اعرافی۔ میری تسلی ہوگئی۔ اب آپ آگے ارشاد فرمائیں۔

مسلم۔ اور اگر ملٰئکہ سے مراد آسمانی فرشتوں سے ہی لیجاوے۔ کہ فرشتوں کی فوج نے ہی صدیقہ کے پاس آکر یہ گفتگو کی ہوگی تو اس قسم کے آسمانی گیت ہر ایک اپنے ابن البد کی پیدائش کے متعلق روئے زمین پر سُنے جاتے ہیں جیسا کہ پچھلی کہانیوں ہیں ذکر کیا جاچکا ہے۔ اور اگر فرشتوں نے ہی یہ پیشنگوئی کی تھی تو انکو بھی کاہن یا بھوت کرنیوالے کہنا خلاف واقعہ نہیں ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مسیح اور انکی والدہ کے متعلق مسیحیوں نے اپنی کثیر التعداد "اپاکرفا" میں جس قدر قصے کہانیاں گھڑ رکھے تھے۔ ان سب کو ہمارے مفسرین نے قرآن مجید کی تفاسیر ہیں جمع کر چھوڑا ہے۔ موجودہ اناجیل صدیقہ کی منگنی کا ایک پاکباز شخص کے ساتھ ہو جانے کا ذکر کرتی ہیں۔ مگر اناجیل یہ بھی کہتی ہیں۔ کہ اس پاکباز شخص کے پاس پہنچنے سے پیشتر ہی صدیقہ روح القدس سے حاملہ پائی گئیں۔ اور اس پاکباز شخص نے انکو چھوڑ دینا چاہا۔ مگر فرشتوں نے اسکو ایسا کرنے سے منع کر دیا۔ قرآن مجید اس قسم کی بیہودگی کا کہیں اشارہ تک بھی نہیں کرتا۔ بلکہ اس پہلی خوشخبری کے بعد جو بالکل سرسری تھی۔

قرآن مجید صدیقہ کے ہاں بچہ کی ولادت کا مفصل ذکر دوسرے موقع پر کرتا ہے پہلی خوشخبری اور اسکے نتیجہ تک پہنچنے کیلئے کتنا زمانہ گذر گیا۔ اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ہاں قرآن مجید کے الفاظ پر تدبر کرنے سے اتنا پتہ ضرور لگتا ہے کہ جب بچہ کی پیدائش کے متعلق خوشخبری دینے والا پاک انسان ایک نئی شکل میں صدیقہ کے پاس آتا ہے۔ تو اس وقت صدیقہ کی شادی ہو چکی تھی۔ اور انکا صومعہ سے تعلق کٹ چکا تھا۔ مگر انکی رہائش ابھی تک خاوند سے بالکل الگ تھی۔ اور وہ اس سے ناآشنا تھیں۔ اسکے ساتھ ہی وہ اب صومعہ کے خادمان دین کے سامنے بھی کھلم کھلا نہیں پھرتی تھیں۔ بلکہ الگ مکان میں رہتی تھیں چنانچہ صدیقہ کی اس حالت کا ذکر دوسری مرتبہ رب العزۃ یوں فرماتا ہے:۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا۔ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا۔ فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا۔ (مریم ع۲)۔

اور تم اس کتاب میں مریم صدیقہ کا صحیح صحیح واقعہ لوگوں کو سنادو۔ یعنے جب مریم صدیقہ اپنے خاوند سے الگ ایک شرقی مکان میں رہتی تھیں۔ اور صدیقہ نے اہل صومعہ کی طرف سے پردہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ تو اسوقت ہم نے اپنے پاکباز بندہ کو صدیقہ کی طرف بھیجا۔ یہی پاکباز بندہ جسکو روح کے نام سے پکارا گیا ہے۔ صدیقہ کا اہل یا شوہر تھا۔ جس سے ابھی تک صدیقہ ناآشنا تھیں۔ اسکو ایک پر جلال جوان رعنائی شکل میں اپنے سامنے کھڑے دیکھا۔ تو وہ انکو نہ پہچانکر نہایت سراسیمہ ہو کر پکار اٹھیں۔

إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَٰنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا۔

اگر تو نیکوکار ہے تو میں تجھ سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں۔ صدیقہ کی اس سراسیمگی کو دیکھکر انکا شوہر نہایت سنجیدگی سے جواب دیتا ہے۔

إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا۔ (مریم ع۲)۔

مجھے تو تیرے رب نے تیرے پاس بھیجا ہے۔ تاکہ میں تجھے پاک نیک فرزند دوں۔

اعتراض۔ آپنے تو تمام بساط ہی الٹ دی ہے۔ حالانکہ آجتک کسی شخص نے "اہلہا" کا ترجمہ صدیقہ مریم کا خاوند نہیں کیا ہے۔ بلکہ سب یہی کہتے چلے آئے ہیں۔ کہ اہلہا کا مطلب

صدیقہ کے گھر والے ہیں +

مسلم - صدیقہ کے گھر والے تو صدیقہ کو اسکی پیدائش سے بھی قبل خدا کے ہاں نذر کر چکے تھے۔ اور صدیقہ بچپن سے ہی الگ رہتی تھیں۔ اب اتنے سوالوں کے بعد اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا کا ترجمہ گھر والوں سے الگ رہنا کرنا محض فضول ہے +

اعرابی - مگر اہل کا ترجمہ خاوند کس طرح کیا جا سکتا ہے ہم نے مانا کہ اہلیہ بیوی کو کہتے ہیں۔ کیا اہلیہ کا مذکر اہل خاوند کے معنوں میں استعمال ہو سکتا ہے؟

مسلم - اہل مذکر و مونث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ عزیز مصر کی عورت نے یوسف علیہ السلام پر الزام لگاتے ہوئے اپنے خاوند سے کہا تھا۔

مَا جَزَاءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْءًا (یوسف ع ۳)

جو شخص تیری بیوی کے ساتھ بدکاری کا ارادہ کرے۔ اسکی کیا سزا ہونی چاہیے؟ یہاں اہل بیوی کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ مگر اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا میں اہل خاوند کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اس میں زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ معاملہ بالکل صاف ہے +

اعرابی - مگر مفسرین تو یہ کہتے ہیں کہ حجاب سے مراد پردہ ہے۔ جو حضرت صدیقہ نے ذرا ایک طرف ہوکر ایام ماہواری سے پاک ہونیکے بعد غسل کرنیکے لئے کیا تھا۔ اور کہ اسی پردہ کے پیچھے فرشتہ جوان آدمی کی شکل میں صدیقہ کے سامنے آیا تھا؟

مسلم - یہ محض لغو بات ہے۔ قرآن پاک کے کسی لفظ سے نہ ایام ماہواری کا مفہوم نکلتا ہے نہ کسی طرف پردہ کرکے نہانے کا لفظ ملتا ہے۔ ایسی بیہودہ باتوں پر مطلق کان نہیں لگانا چاہیے معاملہ بالکل معمولی سا ہے۔ یعنے صدیقہ کی شادی ہو چکی تھی۔ مگر ابھی شوہر سے ناآشنا تھیں۔ صومعہ کی بجائے الگ مکان میں رہائش تھی۔ اور عام لوگوں کے سامنے آنا جانا بند کر چکی تھیں۔ جس پاک روح کے صدیقہ کے پاس آنیکا اشارہ ہے۔ وہ انکا شوہر تھا جسکو بادی النظر میں صدیقہ نے نہیں پہچانا تھا۔ مگر جب انہوں نے ان کو پہچان لیا تو پھر باطمینان قلب آپس میں گفتگو ہونے لگی +

اعرابی - مگر مفسرین نے جو یہ لکھا ہے کہ تقی ایک بدمعاش تھا۔ جو عورتوں کی عصمت پر ہاتھ ڈالنے کا عادی تھا۔ اور کہ صدیقہ نے بھی اسلئے کہا تھا کہ اگر تو تقی ہے تو میں تجھ سے خدا کی پناہ

مانگتی ہوں۔ یہ کیا معاملہ ہے؟

مسلم۔ استغفراللہ! یہ محض ہزلیات ہیں۔ جو ان مفسرین نے اپنی تفاسیر میں جمع کر لی ہیں۔ حالانکہ معاملہ بالکل معمولی سا ہے۔ مگر ان مفسرین نے اسکو فضول قصے کہانیوں کے رنگ میں ایسا رنگ دیا ہے کہ اصلیت ہی گم کر دی ہے۔ ذرا سوچو تو سہی کہ کیا خدا کے فرشتوں کو جوان رعنا کی شکل میں صدیقہ کے پاس آنیکا ہی موقع رہ گیا تھا جبکہ وہ ننگی نہا رہی تھیں۔ یہ محض بیحیائی کی باتیں ہیں۔ انکو ہرگز سچ نہیں ماننا چاہئے۔

اعرابی۔ میں سمجھ گیا۔ اب آپ آگے ارشاد فرمائیں۔

مسلم۔ جب صدیقہ کی سراسیمگی جو اپنے شوہر کو پہلی دفعہ یک لخت اپنے سامنے کھڑا دیکھکر ہوئی تھی۔ دور ہو گئی۔ تو اب دونوں میاں بیوی میں یوں بے تکلفی سے گفتگو ہونے لگی۔ صدیقہ نے کہا:۔

اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَکُ بَغِیًّا۔ (س ۱۶ ع ۲)

صاحب! میرے ہاں کیسے بچہ ہو سکتا ہے۔ درانحالیکہ مجھے کسی مرد نے چھوا تک بھی نہیں اور میں تو اس چار دیواری سے بھی کبھی باہر نہیں گئی۔

اعرابی۔ مگر مفسرین تو بغیا کا ترجمہ زناکار اور بدکار کرتے ہیں۔

مسلم۔ استغفراللہ! کیا ایک طاہرہ خاتون جسکو رب العزۃ نے دنیا بھر کی عورتوں پر شرف بخشا ہو۔ اپنے شوہر کے سامنے ایسے سوقیانہ خیالات کا اظہار کر سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ چونکہ صدیقہ پردہ نشین تھیں۔ اور وہ اپنی چار دیواری سے باہر نہیں نکلتی تھیں جس سے کسی کو شبہ ہو سکے کہ شاید شادی کے بعد چپکے سے اپنے خاوند کے گھر آئی ہونگی۔ اس لئے صدیقہ نے اس خفیف سے شبہ کا بھی بغیا کے نہایت پاکیزہ اشارہ سے ازالہ فرما دیا۔ اس نہایت ہی پاکیزہ خیال کو سنکر صدیقہ کا شوہر انکی تائید کرتا ہے۔ کہ کَذٰلِکِ یعنے واقعی جو آپ فرماتی ہیں وہ بجا و درست ہے۔ مگر اسکے ساتھ ہی وہ صدیقہ کو رب العزۃ کے نام پر یہ بات بھی سوجھاتا ہے۔ کہ:۔

قَالَ رَبُّکِ ھُوَ عَلَیَّ ھَیِّنٌ۔ (س ۱۶ ع ۲)

تیرے پروردگار کا یہ ارشاد ہے۔ کہ ان تمام عذرات کو دور کر دینا میرے لئے بالکل آسان ہے۔ اور کہ جس بچہ کی بشارت دیجا چکی ہے۔ وہ ان عذرات کے دور ہو جانیکے بعد

یقیناً پیدا ہوگا۔ تاکہ رب العزۃ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا (مریم ع)
ہمارے اس مولود مسعود کو دنیا جہان کے لئے باعث ہدایت و رحمت بنائے۔ اور رب العزۃ کے
ہاں اس مولود مسعود کا منصہ شہود پر آنا اٹل ہو چکا ہے۔ ذرا غور کرنے کا مقام ہے کہ میاں بیوی میں
کس طرح بتدریج باہمی غلط فہمی دور ہونے کے بعد بے تکلف گفتگو ہوتی ہے۔ اور یہ بے تکلفی آخر کار
فطرتی طور پر پیغام ربانی اور بشارت یزدانی یعنے مولود مسعود کو منصہ شہود پر لانے کے لئے فطرتی
اسباب کے حق میں ایک سنجیدہ صورت اختیار کر لیتی ہے یہاں پہنچکر قرآن مجید نہایت
ہی پاکیزہ اور لطیف پیرایہ میں اپنے آپکو اس مضمون سے الگ کر لیتا ہے۔ اور خاموش
ہو جاتا ہے۔ مگر میاں بیوی کی اس ملاقات کے نتیجہ کو وہ دنیا کے سامنے یوں پیش کرتا ہے:
فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا (مریم ع ۲)۔ صدیقہ مریم اپنے شوہر سے حاملہ ہو گئیں اور پھر
وہ انکے ساتھ ملک کے کسی دور دراز حصے میں چلی گئیں۔ اسطرح صدیقہ کے اس سوال
کا کہ میں نے نہ کسی مرد کو چھوا۔ نہ میں اپنی چار دیواری سے کبھی باہر نکلی۔ رب العزۃ نے
عملی جواب دیدیا۔ وہ اپنے پاکباز خاوند سے حاملہ ہوئیں۔ اور پھر انکی ہی معیت میں وہ اپنی
چار دیواری یا شہر و ملک تک سے باہر چلی گئیں۔ اناجیل تو یہ کہتی ہیں کہ وہ اپنے خاوند کیساتھ
ملک مصر میں چلی گئیں مگر قرآن مجید کسی خاص ملک یا شہر کا نام نہیں لیتا۔ بلکہ صرف اسی پر اکتفا کرتا ہے کہ
وہ دور دراز ملک میں چلی گئیں۔

اعتراض۔ مفسرین تو یہ کہتے ہیں کہ جب صدیقہ کو حمل ہو گیا۔ تو وہ ندامت کے مارے اکیلی جنگل میں
چلی گئیں اور کھجوروں کے ایک جھنڈ میں درد زہ سے بیتاب ہو کر بیٹھ گئیں۔

مسلم۔ یہ ان مفسرین کا محض بیہودہ پن ہے کہ وہ اپنی خوش اعتقادی نہیں بلکہ جہالت کی وجہ سے
صدیقہ کو یوں جنگلوں میں تنہا مارا مارا پھرتے دکھا رہے ہیں۔ جس صورت میں کہ صدیقہ کے
والدین۔ انکے متعلقین اور صومعہ کے دیگر خادموں کی ایک جماعت شہر میں موجود ہو۔ ان سب سے
بڑھکر خود صدیقہ کا جان نثار خاوند انکے ساتھ ہو۔ ایسی صورت میں یہ کہنا کہ صدیقہ تنہا جنگلوں
میں گھومتی پھریں محض بہتان ہے۔ رب العزۃ نے صدیقہ اور انکے بچہ کیلئے جو سرسبز و شاداب
اور محفوظ جگہ مقرر کر رکھی تھی۔ صدیقہ اپنے خاوند کے ساتھ اسجگہ تشریف لیگئیں۔ اور
وہاں ہی یہ مولود مسعود پیدا ہوا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔ وَاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ
قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ (المومنون ع ۳) ہمنے ان دونوں ماں بیٹو کو ایک سطح مرتفع پر آباد شہر میں

بحفاظت تمام رکھا۔ وہ شہر خوب شاداب تھا۔ مسیح کی ولادت کیوقت صدیقہ کو عام عورتونکی طرح دردزہ اٹھا اور وہ اس درد سے بیتاب ہوکر بولیں۔ یٰلَیۡتَنِیۡ مِتُّ قَبۡلَ هٰذَا وَكُنۡتُ نَسۡيًا مَّنۡسِيًّا۔ (مریم ع ۲) اے کاش میں اس دردزہ سے پہلے ہی مرچکی اور گمگشتی ہوتی۔

اعرابی۔ مگر جناب! مفسرین تو یہ لکھتے ہیں کہ چونکہ صدیقہ ابھی کنواری تھیں اور کنوارپن ہیں ہی انکے ہاں یہ لڑکا پیدا ہوا۔ اس لیئے وہ مارے ندامت کے یہ کہہ رہی تھیں کہ میں اتنے بڑے خاندانکی لڑکی۔ اور زکریا جیسا نبی میرا متولی۔ شہر کے تمام مرد و زن مجھ سے واقف۔ اب میں ان سبکو کیا منہ دکھاؤنگی۔ اس سے تو بہتر ہو کہ میں مرجاؤں۔ اور لوگ انکو میرا نام نشان بھی نہ ملے۔

مسلم۔ یہ ان مفسرین کی جہالت ہو کہ وہ اس قسم کے چھوٹے قصے تراشکر صدیقہ مریم کے دامن کو آلودہ کررہے ہیں۔ حالانکہ معاملہ صرف اتنا ہی ہو۔ کہ صدیقہ دردزہ سے بلبلا رہی تھیں اور جیسا عام قاعدہ ہو کہ جب انسان کو ناقابل برداشت تکلیف ہوتی ہو تو وہ موتکو ترجیح دیتا ہو۔ صدیقہ آخر عورت تھیں۔ دردزہ کو ناقابل برداشت پاکر انہوں نے وہی کلمات کہے جو آج بھی پہلوٹھی کا بچہ جنتے وقت مستورات کے منہہ سے اکثر نکلجاتے ہیں۔ ورنہ جن باتونکی طرف مفسرین نے اشارہ کیا ہے وہ محض لغو اور جھوٹ ہیں۔ حالانکہ اس وضع حمل کے وقت انکا خاوند بھی انکے پاس ہی موجود تھا۔ اور وہ اپنی جان نثار بیوی کے اس درد و کرب کو سنکر فَنَادٰىهَا مِنۡ تَحۡتِهَاۤ اَلَّا تَحۡزَنِىۡ قَدۡ جَعَلَ رَبُّكِ تَحۡتَكِ سَرِيًّا۔ (مریم ع ۲) مکانکے نچلے حصے سے انکو حوصلہ دلاتا ہو۔ کہ صدیقہ! غم نہ کرو۔ رب العزۃ اس تمام تکلیف کو دور کردیگا۔ اور اسکے بعد وہ دین و دنیا کی خوشیوں سے تمہیں مالا مال کردیگا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بچہ کے پیدا ہونے پر کونسی ماں ہے جسکی تمام تکلیف مبدل براحت و سرور نہیں ہوجاتی۔ مولود مسعود کی پیدائش کے بعد صدیقہ کی آنکھوں میں بھی ٹھنڈک آگئی۔ اور انہوں نے اپنے خاوند اور بچے کی معیت میں اسجگہ بود و باش رکھی عرصہ دراز کے بعد وہ اسی شہر میں واپس آگئیں۔ جہاں سے وہ اپنے خاوند کے ساتھ دوسرے شہر میں گئی تھیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہو۔ کہ:۔

فَاَتَتۡ بِهٖ قَوۡمَهَا تَحۡمِلُهٗ۔ (مریم ع ۲) صدیقہ اپنے خاوند کیساتھ بچے کو لیئے ہوئے اپنی قوم میں واپس آگئیں۔

اعرابی۔ مگر مفسرین تو یہ کہتے ہیں کہ جب صدیقہ کے دردزہ ہوا۔ اور انہوں نے موت کو یاد کیا۔ تو مسیح علیہ السلام نے انکے پیٹ کے اندر سے ہی یہ آواز دی تھی۔ کہ غم نہ کرو۔

مسلم۔ یہ ان مفسرین کی کوتاہ فہمی ہے کہ وہ معمولی سی بات کو بھی معجزانہ شکل دے رہے ہیں۔ حالانکہ امر واقعہ یہی ہے۔ کہ سیٹ کے اندر سے بچہ نے تسلی آمیز کلمات نہیں کہے تھے بلکہ یہ کلمات صدیقہ کے خاوند کی زبان سے نکلے تھے جنکے ساتھ صدیقہ اس شہر میں چلی گئی تھیں اور خاوند کا اپنی بیوی کو تسلی دینا بالکل قدرتی اور فطرتی جذبہ تھا یہ کوئی معجزہ یا انوکھی بات نہیں تھی۔

اعرافی۔ بالکل ٹھیک ہے۔ آپ آگے ارشاد فرمائیں۔

مسلم۔ جب صدیقہ اپنے خاوند اور بچے کے ساتھ اپنے شہر میں دوبارہ واپس آئیں تو انکی قوم نے صدیقہ کے یوں اپنے شہر کو چھوڑ کر باہر چلے جانے پر ناراضگی کا اظہار کیا اور کہنے لگے۔ یٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ۔ يٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا۔

اے مریم! تو نے یہ کیا نرالی رسم نکالی۔ اے ھرون کی بہن تیرا باپ تو ایسا بدعتی نہیں تھا۔ اور تیری ماں بھی یوں گھر سے باہر نہیں نکلتی تھی۔

اعرافی۔ جناب آپنے یہ خوب پردہ پوشی شروع کی ہے۔ حالانکہ تمام دنیا جہان کے مفسرین یہ کہ رہے ہیں کہ جب مریم اپنی قوم میں واپس آئی۔ تو اہل قوم نے مریم کی گود میں.... کا بچہ دیکھ کر یہ طعنہ دیا۔ کہ تو نے یہ کیا گل کھلایا۔ تیرا باپ اور تیری ماں تو بدچلن نہیں تھے۔ مگر تو نے کنوارپن میں ہی یہ بچہ کہاں سے پیدا کر لیا۔

مسلم۔ ہم ان مفسرین کو کیا کہیں۔ جبکہ امر واقعہ یہ ہو کہ اسوقت صدیقہ نہ تو کنواری ہی تھیں نہ ہی انہوں نے کسی ناجائز طریقہ سے بچہ لیا تھا جبکہ انکا خاوند بھی سالہا سال سے انکے ہمراہ تھا۔ قوم کو اگر صدیقہ کے برخلاف شکایت تھی۔ تو یہ کہ وہ سردار کاہن یعنے ہارون کی بہن کہلا کر انکی اجازت کے بغیر دوسرے ملک میں کیوں چلی گئی تھیں۔ ضرورت نہیں تھی کہ صدیقہ اس الزام کا جواب خود دیتیں جبکہ انکا خاوند انکے ساتھ موجود تھا۔ اور وہ اپنی بیوی کی حمایت کر سکتا تھا۔ چنانچہ صدیقہ نے فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ اپنے خاوند کیطرف ہی اشارہ کیا۔ کہ انسے پوچھ لیجئے۔ یہ مجھے کہاں لیگئے تھے۔ قوم نے اپنی حماقت سے یہ سمجھا کہ صدیقہ اپنے بچہ کیطرف اشارہ کر رہی ہیں۔ چنانچہ قوم نے بوکھلا کر کہا۔ كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا (مریم۔ ع۲) ہم اس نادان بچے سے کیا پوچھیں تو خود بتلا؟ ابن مریم نے جب دیکھا کہ ایکطرف تو یہ لوگ میری والدہ کو یوں سخت سست کہ رہے ہیں۔ دوسریطرف وہ مجھے بھی کل کا بچہ کہکر میرے ساتھ کلام کرنا بھی اپنی کسر شان سمجھتے ہیں تو اسکی غیرت وحمیت نے جوش مارا۔

اوران سنہ کبیٹ لوگوں کو یوں جواب دیا:-

اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَکًا اَیْنَ مَا کُنْتُ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَا دُمْتُ حَیًّا وَّبَرًّا بِوَالِدَتِیْ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا۔ مریم۔ ۲۔

میں خدا کا بندہ ہوں خدا نے مجھے کتاب دی۔ اور اسنے مجھے نبی بنایا۔ اور جہاں کہیں بھی میں ہوں اسنے مجھے برکت والا بنایا۔ اُسنے مجھے نماز اور تزکیہ کی ہدایت کی ہے جبتک کہ میں زندہ رہوں اُسنے مجھے اپنی والدہ کا خادم بنایا۔ اور اسنے مجھے سخت اور کرخت نہیں بنایا۔ خدا کا مجھپر سلام جسدن میں پیدا ہوا جس دن میں مروں گا۔ اور جس دن میں زندہ کیا جاؤنگا

مسیح کی پیدایش کے قصے کو یوں مفصل بیان کرکے قرآن پاک فیصلہ کرتا ہے۔ کہ

ذٰلِکَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِیْ فِیْہِ یَمْتَرُوْنَ مَا کَانَ لِلّٰہِ اَنْ یَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَہٗ۔ مریم ع۔ یہ ہی عیسٰی بن مریم کی پیدایش کا صحیح صحیح حال۔ جسکے متعلق لوگ یوں شک و شبہات میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ رب العزۃ کی ذات پاک اس بات سے قطعی بے نیاز ہے۔ کہ وہ اپنے لئے کسیکو بیٹا بنائے۔ اس تمام بیان کو سنکر بھی اگر کوئی شخص یہ کہے۔ کہ مسیح ضرور معجزانہ طریقہ پر بغیر باپ کے ہی پیدا ہوا تہا۔ اور کہ وہ خدا کا اکلوتا بیٹا تہا۔ تو اسکی سمجھ پر افسوس!

اعرافی حضرت مسیح کی پیدایش کے متعلق اس تمام بیانکو سنکر جو کہ آپنے تواریخ صحف اولی۔ اور قرآنمجید سے دیا ہے۔ میری تو بالکل تسلی ہو گئی ہے۔ کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو اپنی پیدایش کے لحاظ سے ہمارے رسولکریم علیہ التحیۃ والتسلیم پر کوئی فوقیت حاصل نہیں تہی۔ اور کہ مسیح علیہ السلام کی پیدایش دیگر تمام انسانونکی طرح میاں بیوی کے ملاپ سے ہی ہوئی تہی۔ اور کہ مسیحیونکا انکو بغیر باپ کے پیدا شدہ ماننا یورپ کے بت پرستونکی تقلید ہے۔ جو کہ مسیحیت کے یورپ میں پہیلنے سے پیشتر اپنے بزرگوں یا دیوی دیوتاؤنکو خدا کے فرزند مانتے تھے اور کہ مسیحیونکے اسی قسم کے اعتقاد بہت کو ہمارے مفسرین نے بھی اپنی تفسیرونکے ذریعہ مسلمانونکے گلے مڑھ دیا۔ یہ انکی سخت غلطی تھی۔ خدا ہمیں اس سے بچائے مگر اب میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آپ اسبات پر بھی روشنی ڈالیں کہ آیا مسیح ابن مریم آسمانپر چڑھ گیا یا زمین پر ہی دیگر انسانوں کی طرح مر گیا۔

مسلم۔ اس سوال کا جواب پھر دیا جاویگا۔ اب ذرا آرام کرو۔

اعرافی۔ بہت بہتر۔ اچھا خدا حافظ +

(کفر و اسلام کا چوتھا حصہ بھی ملاحظہ فرمائیے جو لکہا جا چکا ہے اور عنقریب فروری کے پرچہ میں شایع ہوگا۔ ایڈیٹر)

نہایت دلچسپ سوال؟ دیانندیوں نے سالہا سال کی عرقریزی اور زرپاشی کے بعد ڈھائی ہزار مسلمانوں کو مرتد بنایا۔ مگر دیوبندیوں نے ذراسی قلم کی جنبش سے آٹھ دس لاکھ احمدی مسلمانوں کو مرتد بنادیا۔ بتاؤ دیانندیوں اور دیوبندیوں میں سے کس نے مسلمانوں کی تعداد کو زیادہ گھٹایا۔ ایڈیٹر

ضروری اعلان

حنیف کے بعض قارئین کرام کے میرے پاس خطوط آئے ہیں۔ کہ حنیف میں ویدوں کے ترجمے کا کام کب شروع کیا جاویگا۔ میں ایسے تمام حضرات کی خدمت میں عرض کردینا چاہتا ہوں کہ اگر نعمت اللہ خان احمدی کی سنگساری کا حادثہ نہ ہوگیا ہوتا۔ تو میں اسوقت تک بہت سا ترجمہ ختم کرچکا ہوتا۔ مگر اس التوا کی وجہ نعمت اللہ خان کی سنگساری ہوئی ہے۔ اسلئے کہ اس سنگساری پر ہمارے علماء کرام نے عموماً اور علماء دیوبند نے خصوصاً جس قسم کی ملحدانہ فرط و انبساط کا اظہار کیا۔ اور اس سنگساری کے جواز میں جس قسم کے شر انگیز فتوے شایع کئے۔ اسنے میری آنکھوں پر سے ایک گہرے حجاب کو دور کردیا۔ اور مجھے پتہ لگ گیا کہ جس اسلام کیطرف میں غیر مسلموں کو دعوت دے رہا ہوں۔ وہ ہرگز ہرگز وہ اسلام نہیں ہے جسکی رو سے کسی مومن مسلم کی گردن کسی فروعی اختلاف کی بنا پر کاٹی جاسکتی۔ اور پھر اسپر ہندؤں کی طرح خوشی کا اظہار کیا جاسکتا ہو بلکہ جس اسلام کا میں قائل ہوں۔ اور جسکو میں منجانب اللہ سمجھتا ہوں۔ وہ اس سے بالکل الگ ہے میں نے اسبات کو نہایت سختی سے محسوس کیا۔ کہ غیر مسلموں کو دعوت اسلام دینے سے پیشتر اس اسلام کا اظہار کیا جائے۔ جو میرے نزدیک منجانب اللہ بنا بر دین قیم اور فطرۃ اللہ ہے۔ چنانچہ میں نے ویدوں کے ترجمے کے کام کو اٹھاکر ایکطرف رکھدیا۔ اور سب سے پہلی فرصت میں کفر و اسلام کا مضمون شروع کیا۔ جسکا کچھ حصہ قارئین کرام کے ہاتھوں میں پہنچ چکا ہے۔ اور ابھی بہت سا مضمون باقی ہے۔ غیر مسلموں کو دعوت اسلام دینے سے پیشتر میں اسبات کو نہایت ضروری سمجھتا ہوں کہ پہلے اسبات کا دوٹوک فیصلہ کرلیا جاوے کہ میں انکو کس اسلام کی دعوت دینا چاہتا ہوں میں اسکا نہایت کھلے الفاظ میں اظہار کررہا ہوں میں علماء دیوبند کو بھی پے در پے چیلنج دے رہا ہوں کہ اگر وہ اس اسلام کے برخلاف جسکا میں اظہار کررہا ہوں۔ کچھ لکھنے کا حوصلہ کرسکتے ہوں تو میدان میں نکل آئیں۔ میں نے کھلے بندوں انپر یہ فرد قرارداد جرم لگائی ہے کہ وہ ختم نبوۃ کے منکر ہیں۔ اسلئے کہ وہ مسیح ابن مریم کی آمد ثانی کے قائل ہیں۔ میں انسے دو ماہ سے جواب مانگ رہا ہوں۔ کہ قرآن مجید کی کوئی آیت مسیح ابن مریم یا مہدی کی آمد کے بارہ میں پیش کریں۔ مگر یہ چپ ہیں؟ جس سے صاف یہ ظاہر ہو رہا ہے۔ کہ ان لوگوں نے اپنے لئے ایک نیا اسلام گھڑ رکھا ہے جسکا قرآن مجید میں ذکر نہیں ہے۔ فطرۃ اللہ یا دین قیم یا اسلام کو ایسے بناوٹی ہتھکنڈوں سے پاک صاف کرچکنے کے بعد ویدوں کے تراجم کا کام شروع کردیا جاویگا احباب اطمینان رکھیں۔ (ایڈیٹر)

حنیف کا سلسلہ کتب

از غازی محمود دھرمپال بی۔ اے۔ ایڈیٹر حنیف۔ لودھیانہ

۱۔ کتاب الاعتذار — یہ کتاب رسالہ حنیف کا پہلا پرچہ ہے اسمیں ایڈیٹر حنیف نے ان تمام الزامات کا مفصل و مدلل جواب دیا ہے۔ جو کفر توڑ وغیرہ کے متعلق اسکی ذات پر لگائے گئے تھے اس کتاب میں ہندو مسلم اتحاد کا بھی بہترین نسخہ تجویز کیا گیا ہے۔ قیمت بارہ آنے ۱۲ر

۲۔ خنجر بیداد — یہ کتاب رسالہ حنیف کا دوسرا پرچہ ہے۔ اسمیں مذہب کے نام پر دنیا میں جو ظلم کی داستانیں قلمبند کیگئی ہیں سپارٹا کے مشہور و معروف مقنن لائیکرگس کے قوانین فارس میں بابا اور باریو نکے قتل کے واقعات۔ ایک مسیحی خاتون آغنشہ کی دردناک شہادت۔ پارسی مذہب کے بانی کے حالات نہایت وضاحت سے بیان کئے گئے ہیں۔ قابل دید کتاب ہے۔ قیمت ۱۲ر

۳۔ لو تھر ہند سوامی دیانند — اس کتاب میں آریہ سماج کے بانی اور ویدوں کے قابل ترین مفسر سوامی دیانند کی زندگی کے سبق آموز حالات و واقعات کو قلمبند کیا گیا ہے۔ یہ کتاب رسالہ حنیف کا تیسرا پرچہ ہے اسکی ضخامت ۱۰۰ صفحہ سے زیادہ ہے قیمت ۱۲ر

۴۔ کفر و اسلام حصہ اول — اس کتاب میں منکرین اسلام کی طرف سے اسلام پر جس قسم کے اعتراضات کئے جاتے ہیں۔ انکا ایک نہایت دلچسپ و محققانہ پیرایہ میں جواب دیا گیا ہے اسلام کی حقانیت کے متعلق یہ ایک ادرلا جواب کتاب ہے۔ قیمت بارہ آنے ۱۲ر

۵۔ کفر و اسلام حصہ دوم — اسلام کے مختلف فرقوں میں جو خانہ جنگی ہو رہی ہے اور ایکدوسرے پر کفر و ارتداد کے فتوی لگا کر خارج از اسلام سمجھا جاتا ہے۔ اور مسلمانوں میں نماز وغیرہ کے متعلق جس قدر جھگڑے یا اختلافات موجود ہیں ان سب کا اس کتاب میں دو ٹوک فیصلہ کر دیا گیا ہے۔ یہ کتاب نہیں۔ بلکہ کفر پروف ہے۔ جو شخص اس کو پڑھیگا اس پر پھر کسی کافر گر کا فتوے کوئی اثر نہیں کر سکیگا۔ قیمت بارہ آنے ۱۲ر

دیگر کتب — رسالہ حنیف میں ہر ماہ ایک سو صفحہ کی ایک مکمل کتاب شائع ہوتی ہے۔ اگر آپ اسکے مستقل خریدار بنجائیں تو آپکو ہر ایک کتاب معہ محصولڈاک ۸ر میں ملتی رہیگی بصورت دیگر آپکو فی کتاب ۱۲ر علاوہ محصولڈاک ادا کرنے پڑینگے حنیف کا سالانہ چندہ ۴ روپے ہے

ملنے کا پتہ منیجر حنیف۔ لدھیانہ حلقہ ۱۱

رجسٹرڈ نمبر ایل ۱۴۳۵

۷۸۶

قل صدق اللہ فاتبعوا ملۃ ابراہیم حنیفا

کہہ دے خدا نے سچ فرمایا پس ابراہیم حنیف کے دین کی پیروی کرو — آل عمران

حنیف

جلد دوم | فروری سنہ ۱۹۲۵ء | نمبر ۲

کفر اسلام حصہ چہارم

ایڈیٹر غازی محمود دھرمپال بی اے
لدھیانہ

قیمت سالانہ ۔۔ فی پرچہ بارہ آنے
ممالک غیر ۱۰ شلنگ

کام کی باتیں

۱۔ حنیف ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو لدھیانہ سے شایع ہوتا ہے۔

۲۔ حنیف کی سالانہ قیمت چھ روپیہ ششماہی ۳؍ روپے ممالک غیر ۱۰ شلنگ۔ فی پرچہ ۱۲؍ روپے +

۳۔ حنیف کا معمولی حجم ایک سو صفحہ ماہوار ہے۔ مگر اس میں کمی بیشی بھی ممکن ہے +

۴۔ حنیف کا ہر ایک پرچہ دوسرے پرچہ سے مختلف ہوگا۔ نمونہ دیکھکر اسکی خریداری کا فیصلہ کرنا غلط فیصلہ ہے +

۵۔ قیمت بذریعہ منی آرڈر آنے پر پرچہ فوراً جاری کردیا جاتا ہے۔ مگر دی۔ پی کی صورت میں جبتک وی۔ پی کا روپیہ وصول نہ ہو۔ پرچہ جاری نہیں ہوگا۔

۶۔ کسی ایسے منی آرڈر یا دی۔ پی کی رقم کے لیئے جو ڈاکخانہ کی غفلت کی وجہ سے حنیف کے دفتر میں نہ پہنچے۔ اڈیٹر جواب دہ نہیں ہوگا۔

۷۔ حنیف کا ہر ایک پرچہ ایڈیٹر کی زیر نگرانی ڈاکخانہ میں لایا جاتا ہے۔ اگر کسی صاحب کو وقت نہ ملے تو وہ اپنے ڈاکخانہ میں شکایت کریں۔

۸۔ کسی مہینہ کی ۱۵ تاریخ تک اگر کسی کو پرچہ نہ ملے اور وہ دفتر حنیف میں شکایت کرے تو اسکے صحیح ہونیکی صورت میں دوسرا پرچہ بیرنگ بھیجا جاسکتا ہے ۱۵ تاریخ کے بعد شکایت کی شنوائی نہوگی۔

۹۔ ایسے خط کا جواب جسکے لیئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ نہ بھیجا گیا ہو کوئی جواب نہیں دیا جائیگا۔

۱۰۔ حنیف میں کسی قسم کا ادویہ کا اشتہار بڑی سے بڑی اجرت پر بھی نہیں چھپیگا دیگر اشیا کا اشتہار باجرت دس روپیہ ماہوار فی صفحہ چھپ سکتا ہے بشرطیکہ ایڈیٹر کو یہ یقین دلایا جاوے کہ جن اشیا کا اشتہار ہے۔ ان میں کسی قسم کی دھوکہ بازی نہیں ہے۔

۱۱۔ اگر حنیف میں کسی اشتہار دھندہ کے برخلاف کسی خریدار کی کوئی شکایت آئیگی تو وہ مشتہر کے پاس بھیجدی جائیگی۔ اگر وہ دو ہفتہ کے اندر اندر خریدار کی تسلی نہیں کردیگا۔ تو شکایت کو درج رسالہ کردیا جائیگا۔

۱۲۔ اشتہار کی قیمت اشتہار کے مسودہ یا اشتہار کی کتابت شدہ کاپی کیساتھ پیشگی آنی چاہیئے۔

(ایڈیٹر)

ضروری اطلاع - حنیف کا مارچ اور اپریل کا پرچہ اکٹھا چھپیگا۔ اور بذریعہ رجسٹری تمام خریداروں کے نام مارچ یا اپریل کی کسی تاریخ کو روانہ ہوگا - [illegible] - ایڈیٹر
[illegible]

حنیف

فروری سنہ ۱۹۲۵ء

کفر توڑ کمبل

کہانی مشہور ہے۔ کہ کسی شخص نے کالے ریچھ کو دریا میں بہتا دیکھکر سمجھ لیا تھا کہ کمبل ہے۔ وہ اس کو پکڑنے کے لئے گیا۔ مگر ریچھ نے اس کو دبوچ لیا۔ کنارہ والوں نے جب دیکھا۔ کہ ہمارا ساتھی ڈوب رہا ہے تو وہ چلائے کہ میاں اگر کمبل قابو نہیں آتا۔ تو چھوڑ کر چلے آؤ۔ وہ شخص دریا کی منجدھار میں سے بولا۔ کہ حضرت! میں نے تو کمبل چھوڑ دیا ہے۔ مگر یہ کمبل مجھے نہیں چھوڑتا۔ کمبل کی کہانی صحیح ہو۔ یا غلط۔ مگر میری کتاب کفر توڑ کی کہانی بالکل اس کمبل سے ملتی جلتی ہے میں نے جون سنہ ۱۹۲۳ء میں لاہور میں چند کفر توڑ لیکچر دئے۔ بعض معززینوں نے سرکار میں شکایت کی۔ اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لاہور نے فوراً زیر دفعہ ۱۴۴ میری زبان بندی کا حکم نکالدیا۔ اسی پر بس نہیں۔ بلکہ زیر دفعہ ۱۰۸۔ ایک سال کے لئے ۵۔۵ ہزار کی دو ضمانتیں اور ۵ ہزار کا ذاتی مچلکہ بھی دھرا لیا۔ ابھی ایک سال کی مدت پوری نہیں ہوئی تھی۔ کہ سرکار نے زیر دفعہ ۱۵۳ (الف) مجھے ہتھکڑی لگالی۔ اور مطالبہ کیا۔ کہ یا تو کفر توڑ وغیرہ کتب کے جملہ حقوق سے سرکار کے حق میں دستبرداری دیدو ورنہ رگڑے جاؤ گے۔ میں نے سرکار کے حسب منشا تحریر عدالت میں داخل کردی۔ اور مقدمہ اٹھا لیا گیا۔ اور میں ایک سال کی نظربندی پوری کرنیکے لئے گھر میں آبیٹھا۔ خدا خدا کرکے ایک سال کا زمانہ یکم نومبر سنہ ۱۹۲۴ء کو پورا ہوا تھا کہ گورنمنٹ کو خود بخود یا ہندوؤں کی شکایت پر از سر نو میری "حفاظت" کا فکر لاحق ہوا۔ چنانچہ اس کیلئے میرے نام ۲۲ دسمبر سنہ ۱۹۲۴ء

کی دوپہر کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب لاہور کی عدالت سے پروانہ جاری ہوا۔ کہ تمکو اطلاع دیجاتی ہے۔ کہ ہماری عدالت میں ۱۴ جنوری سنہ ۲۵ء کو ٹھیک دس بجے حاضر ہو جاؤ۔ یہ پروانہ مجھے ۴ جنوری سنہ ۲۵ء کو ملا۔ میں سوچ رہا تھا کہ شاید سال نو کی تقریب میں سرکار کی طرف سے "خان بہادری" کا خطاب ملا ہوگا۔ اسی کیلئے طلبی ہوئی ہے۔ گھنٹے گھڑیاں۔ دن اور رات ہجران نصیب کی طرح کاٹے۔ آخر ۱۴ جنوری کی صبح کو لدھیانہ سے اندھیرے منہ بمبئی میل میں سوار ہو آٹھ بجے لاہور پہنچا۔ دوست احباب سے ملا۔ میں دس بجے میں مسٹر ایمرسن صاحب ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لاہور کی عدالت میں حاضر ہوگیا۔ صاحب بہادر کی موٹر جونہی برآمدے کے سامنے آکر ٹھہری۔ میں آگے بڑھا۔ اور عرض کیا میں حاضر ہوں جو حکم؟ صاحب بہادر نے فرمایا۔ دو بجے آؤ۔ "بہت اچھا" کہکر میں نے میاں عبدالرحیم صاحب و میاں عبدالکریم صاحب کاردار کی معیت میں ادھر ادھر ٹہل کر دو بجا دئے۔ دو بجے پھر صاحب بہادر کے پیش ہوا۔ سلام لینے کے بعد صاحب ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ بہادر نے ایک عجیب ادا سے مسکراتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تمہاری کتابیں بت شکن۔ کفر توڑ۔ سر توڑ۔ جڑمار ابتک چھپ رہی ہیں۔ اور فروخت ہو رہی ہیں۔ سرکار کا حکم آیا ہے۔ کہ تم سے وجہ پوچھی جاوے کہ کیوں نہ زیر دفعہ ۱۵۳- الف جو مقدمہ تمہارے برخلاف واپس لے لیا گیا تھا وہ دوبارہ جاری کیا جاوے۔ صاحب ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے یہ الفاظ سنکر مجھے پتہ لگا۔ کہ یہ تو کفر توڑ کمبل کی پرانی گرفت ہے۔ جسکو میں عرصہ سے چھوڑ چکا تھا میں نے اسکا جواب دیا کہ میں نے سرکار کیساتھ جو وعدہ کیا تھا۔ کہ میں ان کتابوں کو نہ چھاپونگا نہ فروخت کرونگا۔ نہ کسی کو انکا کاپی رائٹ دونگا۔ میں اسپر قایم رہا ہوں چنانچہ میں نے اس کے بعد انکو نہ فروخت کیا نہ چھاپا۔ نہ کسی کو انکا کاپی رائٹ دیا بلکہ میں نے اپنے حنیف کے پہلے پرچہ میں یہ اعلان بھی کر دیا تھا کہ دوسرے مسلمان اور کتب فروش بھی ان کتابوں کی اشاعت کو بند کر دیں۔ اب اگر کوئی شخص ان کتابوں کو اپنی ذمہ داری پر چھاپتا یا فروخت کرتا ہے تو اسکا جوابدہ میں ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اسپر ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے مجھے کہا۔ کہ تم اپنا تحریری بیان کل داخل کر دو۔ چنانچہ تقریباً اسی مطلب کا تحریری بیان میں نے ۱۵ جنوری کو داخل کر دیا۔ مجسٹریٹ نے اس بیان کو پڑھکر مفصلہ ذیل سوالات کئے۔

سوال۔ کیا تم نے سہارنپور میں ان کتابوں کو چھپوایا؟ جواب۔ ہرگز نہیں

سوال۔ کیا تم نے دیوبند میں ان کتابوں کو چھپوایا؟ جواب۔ ہرگز نہیں۔
سوال۔ کیا نجات بک ایجنسی بجنور کے ساتھ تمہارا تعلق ہے؟ جواب۔ ہرگز نہیں۔
سوال۔ تم نے ان لوگوں کو اپنی کتابیں چھاپنے سے منع کیوں نہیں کیا؟ جواب جب ان کتابوں کے حقوق سرکار نے مجھ سے چھینے نہیں تھے اسوقت ہی دوسرے لوگ میری مرضی اور اجازت کے بغیر ان کتابوں کو چھاپنے لگ گئے تھے۔ اور میرے منع کرنے سے منع نہیں ہوئے تھے۔ مگر جب انکو یہ پتہ لگا کہ میں نے ان کتب کے جملہ حقوق سے سرکار میں دست برداری داخل کردی ہے تو انہوں نے بالکل نڈر ہوکر انکو چھاپنا شروع کردیا چنانچہ میں نے اپنے رسالہ حقیقت میں اس بات کا ذکر بھی کردیا ہے۔ اب جبکہ ان کتب کیساتھ میرا کوئی تعلق ہی نہیں ہے تو میں کسیکو انکے چھاپنے سے کیسے روک سکتا ہوں۔ اور میرے روکنے سے کوئی رک بھی کیونکر سکتا ہے۔ ہاں اگر سرکار چاہے۔ تو انکو روک سکتی ہے۔
سوال۔ سرکار انکو کیسے روک سکتی ہے؟ جواب جس طرح مجھے روک سکتی ہے۔ اسی طرح ان کو بھی روک سکتی ہے۔ سوال۔ مگر یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی شخص مصنف کی اجازت کے بغیر اس کی کسی کتاب کو چھاپ لے؟ جواب مصنف کی اجازت کی تو کسی کو اسوقت ضرورت پڑ سکتی ہے جبکہ کسی کتاب کے جملہ حقوق مصنف کے ہاتھ میں محفوظ ہوں۔ مگر میری ان زیر بحث کتب کے جملہ حقوق اب میرے ہاتھ میں نہیں ہیں۔ بلکہ گورنمنٹ کے ہاتھ میں ہیں۔ اب یہ گورنمنٹ کا کام ہے کہ وہ ان لوگوں کو ان کتب کے چھاپنے سے منع کرکے اپنے حقوق کی نگہداشت کرے میرے اس آخری جواب کو سنکر ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب خاموش ہوگئے تھوڑی دیر کے بعد فرمایا۔ کہ اچھا ایکہزار روپیہ کا ذاتی مچلکہ اور ایکہزار روپیہ کی ضمانت اس مطلب کی داخل کرو کہ جب کبھی عدالت ہذا تم کو بلائے تو تم حاضر ہوجاؤ گے۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ عدالت نے جب کبھی مجھے بلایا ہے میں حاضر ہوگیا ہوں۔ اور میں نے حاضر ہونے سے گریز نہیں کیا۔ اب یہ مچلکہ اور ضمانت کیسی؟ جبکہ مجھ پر نہ کوئی مقدمہ ہے۔ نہ جرم اور پھر حاضری کی نہ کوئی تاریخ ہے۔ نہ دن۔ نہ ہفتہ۔ نہ مہینہ۔ نہ سال میں نے تو پہلے ہی ارادہ کیا کہ ضمانت دینے سے انکار کردوں مگر پھر یہ خیال کرکے کہ سرکار کے دربار دُربار کی یہ بھی ایک معشوقانہ ادا ہے۔ چلو جہاں اتنے تیر وسنان پہلے برداشت کئے ہیں۔ ایک چرکہ یہ بھی سہ لو چنانچہ میں نے ایک ہزار روپیہ کا ذاتی مچلکہ اور ایکہزار کی ضمانت اسیوقت داخل کردی۔

اور میں ۵ اجنوری کی شام کو بمبی میل میں سوار ہو کر رات کے ایک بجے واپس لدھیانہ آگیا۔

محبت کا دیوتا

پنجاب گورنمنٹ مجھے کتنا ہی پریشان کرے لیکن میں تو سرکار کو محبت کا دیوتا ہی ہونگا۔ مگر اس بلت کا کیا علاج کہ یونانی علم الاصنام کے ماہرین نے محبت کے دیوتا کی جو تصویر بنائی ہے۔ اس میں آنکھیں نداردہیں اور انگریزی میں مثل مشہور ہے کہ لو از بلائنڈ یعنے محبت اندھی ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ میں تو کفر توڑ وغیرہ کتب کو نہ چھاپتا ہوں نہ فروخت کرتا ہوں۔ مگر محبت کا دیوتا اسپر بھی اپنی محبت کو میرے برخلاف کم کرنیکے لیئے تیار نہیں ہے۔ دوسریطرف محبت کے دیوتا کی چار دیواری کے عین سامنے لاہور ہی میں ایسی ایسی کتب ہزاروں کی تعداد میں شایع اور فروخت ہو رہی ہیں۔ جو از حد دل آزار او فتنہ و شر کے پلندے ہیں۔ اگر محبت کے دیوتا کو علم نہ ہو تو لیجیئے میں انکا نمونہ پیش کرتا ہوں۔ لالہ دیوان چند نے اپنے پنجابی پریس لاہور میں پادری غلام مسیح کی کتاب بنام تحقیق الاسلام شایع کی ہے۔ جسکے چند فقرات نمونتاً پیش کرتا ہوں۔ پادریصاحب لکھتے ہیں:-

درج حضرت محمد کی پاک لاش پورے تین روز اسیجگہ پڑی رہی جسجگہ آپ نے وفات پائی تھی۔ اس عرصہ میں آپ کی لاش میں سخت بدبو اور سڑن پیدا ہوگئی وہ ایسی حالت کو پہنچگئی۔ کہ وہ وہاں سے اٹھائی ہی نہ جاسکتی تھی۔ نہ اسے کوئی اٹھا سکتا تھا آپکا بستر مرگ تک تبدیل کرنیکے قابل نہ رہا تھا۔ آپ کو چوتھے دن کی رات کو دفنانیوالے پکار رہے ہیں کہ ہم نے اپنے آپکو فراموش کرکے آپ کو دفن کیا تھا۔ اور اسیجگہ دفن کیا تھا جس جگہ آپنے وفات پائی تھی۔ ہم خدا ترس دنیا سے پوچھتے ہیں۔ کہ وہ خوف خدا کو دل میں رکھتی ہوئی جواب دیوے۔ کہ حضرت محمد کی لاش کی کیوں ایسی نوبت ہوگئی۔ آپکی وہ بیویاں کہاں تھیں۔ جنکے قصص و حکایت دنیا نے سنے ہیں۔ آپ کے غلام و لونڈیاں کہاں تھیں جنکی حکایات راویوں نے بیان کی ہیں۔ آپکے بھائی اور عزیز و اقارب کہاں تھے خصوصاً حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور آپکی دوسری بیٹیاں اور انکے داماد کہاں تھے؟ آپکے پیارے اصحاب

خصوصاً حضرت ابو بکر۔ اور عمر و عثمان غنی کہاں تھے۔ اگر یہ سب کے سب حضرت محمد کی لاش کی حفاظت کر رہے تھے۔ تو پھر ہمارے عزیز حضرت محمد کی لاش کیوں اتنے دن رکھی گئی۔ کیوں آپکی لاش کو سڑنے کی نوبت تک پہنچنے دیا گیا۔
تحقیق الاسلام حصہ سوم صہ ۴۲ مطبوعہ پنجابی پریس لاہور۔

رسول پاک کی لاش مبارک کے سڑنے وغیرہ کے بارے میں پادری صاحب نے جو "تحقیق" کی ہے۔ وہ کسی ضعیف سے ضعیف اور ناقص سے ناقص اسلامی کتاب سے بھی اسکا ثبوت نہیں دے سکینگے۔ اور نہ ہی وہ کسی اجہل سے اجہل مسلمانکو پیش کر سکینگے کہ جسکا عقیدہ یہ ہو کہ رسول پاک کی لاش سڑ اٹھی تھی۔ وہ کونسا کلمہ گو ہے جو پادری صاحب کے اس سراپا دل آزار کذب و بہتان کو پڑھے اور اسکا دل ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو جائے مگر کیا محبت کے دیوتا نے اس کتاب کو دیکھا؟ اگر دیکھا۔ تو اس نے کیا نوٹس لیا؟

۲۔ پنجاب گورنمنٹ کا محبت کا دیوتا اسی مسیحی مصنف اور ہندو پرنٹر کی اس کتاب کے مفصلہ ذیل فقرات کو بھی پڑھے:۔

"حضرت محمد کی وفات ہوئی۔ آپ تیسرے دن زندہ نہ ہوئے۔ آپکو بعد کے تین روز بعد دفن کیا گیا۔ پر آپ اکیلے دفن نہیں ہوئے۔ قرآن محمدی بھی آپکے ساتھ گیا۔ اسلام محمدی بھی آپکے ساتھ گیا حضرت محمد کی قبر شریف پر بزبان قرآن عربی یہ کتبہ لکھا رکھا گیا۔ شاعر مجنون۔ لست مرسلا۔ انک لمجنون۔ بل ھو شاعر۔ انت مفتر۔ ساحر کذاب۔ رجلا مسحورا۔ یقولون ھو اذن۔

۲۔ قرآن محمدی کی بابت کتبہ۔ اساطیر الاولین۔ افک مفتری۔ ان ھذا الا سحر یوثر۔

ہم یہاں پر اور کچھ لکھنا نہیں چاہتے۔ مگر ہم صرف محمد مکی اور مدنی کی قبر مقدس کو ان کتبات کیساتھ چھوڑنا چاہتے ہیں۔۔۔۔ اہل بصیرت حضرت محمد کی مدنی قبر کے کتبوں کو پڑھتے رہیں۔ تحقیق الاسلام حصہ سوم صہ ۴۱"۔

محبت کے دیوتا! کیا تجھے علم ہے کہ اس فاضل مسیحی مصنف نے دنیا کے نو کروڑ مسلمانوں کے آقا و نامدار کی لاش مبارک کی تذلیل و توہین کے بعد کس طرح اس سید الانبیا کی قبر پر شاعر۔ مجنون۔ مفتری۔ ساحر۔ کذاب۔ سحور وغیرہ کا کتبہ کندہ کیا ہے؟

اور کس طرح اس مسیحی فاضل نے قرآن پاک اور اسلام پاک کے زمین میں دفن ہونیکا اعلان کیا ہے؟ محبت کے دیوتا تیری معلومات کے ذرائع تو بہت وسیع ہیں۔ کیا تونے اس کا کوئی نوٹس لیا؟ یا کیا تو انتظاری کر رہا ہے۔ کہ مسلمانوں میں شور و شر پیدا ہو اور اُنکے ریزولیوشن تیرے پاس پہنچیں۔ تب تو اس مسیحی مصنف اور ہندو پرنٹر کی منتر کہ شرارت کا سدباب کرنے پر آمادہ ہو؟ محبت کے دیوتا! تیرے کان ہیں۔ اور تو شور کو خوب سنتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ مسلمانوں کو خدا نے شور کیوالی زبان ہی نہیں دی۔ نہ وہ شور کی اہمیت کو سمجھتے ہیں۔ حالانکہ انکا زبردست سے زبردست پریس ہے۔ پلیٹ فارم ہے۔ کونسلوں میں انکے نمائندے موجود ہیں مگر غالباً وہ زبان کھولنا پسند نہیں کرتے!

۳ محبت کے دیوتا! کیا تو نے اسی قسم کی کثرت سے چھپنے والی دوسری کتاب کے ان فقرات کا مطالعہ بھی کیا ہے؟

"اور محمد صاحب کا چال چلن ان باتوں سے ظاہر ہی ہے۔ کیونکہ جو کئی عورتوں کو رکھے وہ خدا کا عابد اور پیغمبر کیونکر ہو سکتا ہے۔ اور جو ایک عورت کی طرفداری سے بے آبروئی کرے اور دوسری کی عزت کرے تو وہ طرفدار ہو کر گنہکار کیوں نہیں ہوگا۔ اور جو کئی عورتوں سے بھی سیری نہ پا کر کنیز کو انکے ساتھ پھنسے۔ اس کے نزدیک شرم خوف۔ اور دھرم کیونکر ٹھہر سکتا ہے۔ کسی نے کہا ہے۔ کہ "کام۔ آتر انام۔ نہ بھیم نہ لجا" یعنے جو زانی آدمی ہیں۔ انکو گناہ سے ڈر یا شرم نہیں ہوتی۔ انکا خدا بھی محمد صاحب کی بیویوں اور پیغمبر کے جھگڑے کا فیصلہ کرنے میں گویا سرپنچ ہے۔ اب صاحبان عقل غور کریں۔ کہ یہ قرآن عالم یا خدا کا بنایا ہوا ہے۔ یا کسی بے علم مطلبی کا جس آدمی کو ذرا سی عقل ہے وہ بخوبی غور کر سکتا ہے۔ کہ یہ خداوند کے کام ہیں یا اپنی مطلب برآری کے۔ ایسی ایسی باتوں سے ٹھیک ثابت ہوتا ہے۔ کہ خدا کچھ نہیں کہتا تھا۔ صرف موقع محل دیکھکر اپنی مطلب برآری کے واسطے خدا کی طرف سے محمد صاحب کہدیتے ہیں۔ جو لوگ ان باتوں کو خدا ہی کی طرف سے کہتے ہیں۔ انکو ہم تو کیا سب عقلمند یہی کہینگے کہ خدا کیا ٹھہرا۔ گویا محمد صاحب کے لئے بیویاں لانیوالا نائی ٹھہرا۔"

دارد وستیارتھ پرکاش مطبوعہ یونین سٹیم پریس لاہور بار چہارم تعداد جلد ۵۰۰۰ ہزار

محبت کے دیوتا! جس کتاب کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے۔ اسکے ۵-۵ ہزار کے کئی ایڈیشن تو صرف اردو میں چھپے اور چھپ رہے ہیں۔ انگریزی۔ گورمکھی گجراتی اور ہندی میں اسکی اشاعت الگ ہورہی ہے۔ اس کتاب کے ذریعہ ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کی جڑوں میں جو ڈائنامیٹ لگایا جارہا ہے محبت کے دیوتا! کیا تجھے اسکا علم نہیں ہے؟ کیا جس ملک میں اس کتاب کی ہر ایک زبان کے اندر یوں کھلے بندوں اشاعت ہورہی ہو۔ اس ملک میں کبھی بھی ہندو مسلم اتحاد قایم رہ سکتا ہے؟ محبت کے دیوتا! تو نے مجھے تو گرفتار کیا۔ اور مجھ سے میری کتابوں کے جملہ حقوق چھین لئے مگر افسوس! تو نے ستیارتھ پرکاش کے چودھویں باب کے متعلق جو مسلمانوں کے دلوں میں ناسور ڈال رہا ہے۔ اسکے چھاپنے اور فروخت کرنیوالوں سے پوچھا تک بھی نہیں ہے کہ وہ اس فتنہ و فساد کے بیج کو کیوں دن دہاڑے ملک کے ہر ایک کونے میں بو رہے ہیں محبت کے دیوتا! کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تو مسلمانوں کے زخمی دلوں پر مرہم لگائے۔ اور اس شرارت کا سد باب کرے؟

فرزندان اسلام غور کریں

فرزندان اسلام! میں نے آپکے سامنے جن دو کتابوں کے اقتباسات پیش کئے ہیں۔ آپ انکا بغور مطالعہ فرمائیں اور سوچیں کہ اگر ان کتب کا جواب دیا جاتا ہے تو گورنمنٹ سمجھتی ہے کہ ہم ملک میں شورش پیدا کر رہے ہیں لیکن اگر ہم خاموش رہتے ہیں تو اسلام خطرہ میں پڑ رہا ہے۔ ایسی صورت میں کیا آپکا فرض نہیں ہے کہ آپ اپنے پریس اور پلیٹ فارم کے ذریعہ گورنمنٹ کی توجہ کو ان دونوں دل آزار کتب کی طرف کھینچیں۔ اور آپکے نمائندے کونسلوں میں سوال کریں کہ گورنمنٹ نے ان کتب کی اشاعت کو روکنے کیلئے کیا کارروائی کی؟ یا کیا کارروائی کرنا چاہتی ہے۔ اس سے آپکو گورنمنٹ کی پوزیشن کا پتہ لگجائیگا۔ اگر گورنمنٹ ان ہر دو کتب کی اشاعت کو روکدے اور انکے چھاپنے یا فروخت کرنیوالوں کے برخلاف کوئی قانونی کارروائی کرنیکے لیئے آمادہ ہو جائے تو آپ کو گورنمنٹ کا مشکور ہونا چاہیئے۔ ورنہ بصورت دیگر آپکا فرض ہوگا کہ آپ کوئی دوسرا مناسب طریقہ اختیار کریں؟

آریہ سماج کا پبلک اور گورنمنٹ کو مغالطہ

آریہ سماج پبلک اور گورنمنٹ کو مغالطہ دیتی ہے۔ جبکہ وہ یہ کہتی ہے کہ انکے مروجہ ستیارتھ پرکاش میں اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ السلام کے متعلق جو دل آزاری کی گئی ہے۔ وہ آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند کے قلم سے ہے۔ اور کہ اس کی ذمہ وار آریہ سماج نہیں ہے۔ حالانکہ یہ محض غلط ہے کیونکہ وہ ستیارتھ پرکاش جو سوامی دیانند کی حین حیات میں مروج تھا۔ اور جو سب سے پہلی دفعہ ۱۸۷۵ء میں بنارس میں چھپا تھا۔ اور جسکا میں نے اردو میں بھی لفظ بلفظ ایک ایڈیشن ۱۹۱۲ء میں شایع کر دیا تھا۔ اسمیں مسلمانوں کے متعلق یہ باب ہی ندارد ہے۔ اور جبتک سوامی دیانند زندہ رہے ستیارتھ پرکاش کا یہ ۱۸۷۵ء کا ایڈیشن ہی مروج رہا۔ مگر سوامی دیانند کے ۱۸۸۳ء میں مرنیکے بعد اس شرارت کا آغاز ہوا۔ جو مروجہ ستیارتھ پرکاش میں موجود ہے پس اس باب کی اشاعت کی تمام تر ذمہ واری آریہ سماج کے اراکین پر ہے۔ جو اس کو ہزاروں کی تعداد میں مختلف زبانوں میں چھاپکر اور ہندوستان میں پھیلا کر فتنہ و فساد کا باعث بنے ہیں۔ اگر ہم دلیل کے طور پر یہ بھی مان لیں کہ یہ باب بھی سوامی دیانند کے قلم کا لکھا ہوا ہے تو سوامی دیانند کو کیونکر یہ حق حاصل تھا کہ وہ پیغمبر اسلام علیہ السلام کے متعلق اسقدر ناشائستہ۔ دل آزار اور فتنہ زا حملے کرتا۔ اور اگر اسنے ایسا کیا ہی تھا تو اس شرارت کا خاتمہ سوامی دیانند کی زندگی کیساتھ ہی ہو جانا چاہیئے تھا۔ نہ یہ کہ آریہ سماج اسکے مرنیکے بعد اس فتنہ و شرارت کا دوامی اجارہ دار بنکر اسکی اشاعت کرتا۔ اور مسلمانوں کے زخمی دلوں پر نمک چھڑک کر ملک میں فتنہ و فساد کا باعث بنتا رہتا۔ پس ہر ایک کلمہ گو کا فرض ہے کہ وہ مروجہ ستیارتھ پرکاش کے چودھویں باب کے برخلاف پریس اور پلیٹ فارم اور کونسلوں کے ذریعہ صدائے احتجاج بلند کرکے گورنمنٹ کو مجبور کرے کہ وہ مروجہ ستیارتھ پرکاش کے چودھویں باب کو یا تو ضبط کرے۔ یا آریہ سماج کو اسکی اشاعت سے قانوناً روک دے۔ مجھے امید ہے کہ مسلم پریس اور مسلم قوم خاصکر جمعیت العلماء ہند اس طرف اپنی فوری توجہ کو مبذول فرما کر اسلام کی اور ہندو مسلم اتحاد کے متعلق بہترین خدمت سرانجام دینے کا ثواب حاصل کرینگے اور مجھے کامل امید ہے کہ ہر ایک اتحاد پسند ہندوستانی اور خاصکر مہاتما گاندھی بھی مسلمانوں کی اس حق بجانب جد و جہد میں مسلمانوں کا نہایت خلوص سے ساتھ دینگے۔ ایف ایم +

بیسویں فصل

عام تدبّر

اعرافی ۔ السلام علیکم ۔
مسلم ۔ وعلیکم السلام! اس دفعہ تو آپ بہت دن غیر حاضر رہے معلوم ہوتا ہے ۔ اب شکوک کم پیدا ہوتے ہیں؟

اعرافی حضرت! چاہا تو میں نے بھی ۔ کہ جلدی ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں مگر پھر یہہ سوچکر کہ آپ کو بار بار تکلیف دینا مناسب نہیں ۔ اس لئے میں نے کچھ دن یوں ہی گذار دئے ۔

مسلم ۔ یوں ہی گھر پر دن گذارنے والے تو آپ ہیں نہیں ۔ کسی نہ کسی کے ساتھ تو ٹکر بازی ہی ہوگی ۔

اعرافی ۔ (مسکرا کر) آپ سچ فرماتے ہیں ۔ میں بیکار تو نہیں رہا ۔ ادھر ادھر مذہبی دنگلوں اور لیکچروں میں گھومتا رہا ۔

مسلم ۔ کس کس دنگل میں گئے تھے ۔

اعرافی ۔ میں ایک دن تو آریہ سماج کے مندر میں جا گھسا تھا ۔ وہاں ایک بھگویں پوش ہندوؤں کے مسئلہ شرادھ کی خوب کھلی اڑا رہے تھے ۔ بہت سے مسلمان بھی اس سادھو مہاتما کے لیکچر میں موجود تھے ۔ جب یہہ سادھو صاحب ہندوؤں کے مسئلہ شرادھ کا تمسخرانہ لہجہ میں خاکہ اڑاتے تھے ۔ تو مسلمان خوب جھومتے تھے ۔ اور اکثر ہنستے بھی تھے ۔ مگر جب ان مہاتما جی نے مسلمانوں پر برسنا شروع کیا ۔ تو مسلمان ایک ایک کرکے وہاں سے کھسکنے لگے ۔ مگر میں وہاں ہی ڈٹا رہا ۔

مسلم ۔ کیوں نہ ہو ۔ بڑے بہادر ہو ۔ سادھو صاحب نے مسلمانوں پر کیا تیر و تفنگ چلائے تھے ۔ ذرا سناؤ تو سہی ۔

اعرافی۔ مجھے سادھو صاحب کا سارا لیکچر تو یاد نہیں۔ ہاں اتنا سا یاد ہے۔ کہ سادھو صاحب نے ہندوؤں کی مرست کے بعد مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ہمارے ہندو بھائی تو اپنے بزرگوں کے نام پر شرادھ کرتے وقت کھیر۔ پوری۔ لڈو جلیبی کڑاہ پرشاد کھلاتے ہیں۔ مگر اب ذرا ان میاں لوگوں کے شرادھ کی حقیقت بھی سنو۔ ان کے ہاں جب کوئی مرجاتا ہو۔ تو یہ صف ماتم بچھا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اور تین دن کے بعد مُردہ کا شرادھ کرتے ہیں۔ جس کو ان لوگوں کی اصطلاح میں قل کہا جاتا ہے۔ قل میں نہ تو کھیر پوری ہوتی ہے۔ نہ حلوا جلیبی ہوتے ہیں۔ مگر ہوتا کیا ہے؟ بھُنے ہوئے چنے۔ ذرا ان سے پوچھو تو سہی۔ کہ میاں اجب کسی بزرگ کا ساٹھ ستر سال کی عمر میں دیہانت (انتقال) ہوا تھا۔ تو اس وقت تو وہ ساگودانہ بھی نہیں کھا سکتا تھا۔ اب مرنے کے بعد اس کے نام پر چنے دیتے ہو۔ وہ چنے کیونکر چبائیگا۔ مرتے وقت تو وہ دوا تک کا قطرہ نہیں پی سکتا تھا۔ اب تم چنوں جیسی ثقیل غذا اس کے نام پر تجویز کرتے ہو یہ تو بڑا ظلم ہے۔ اس سادھو نے ایسے انداز سے اس مضمون کو ادا کیا کہ جتنے سننے والے تھے سب ہنس رہے تھے۔ مگر سادھو صاحب کی زبان قینچی کی طرح چل رہی تھی۔ اسی پر بس نہ کر کے وہ ذرا اور آگے بڑھے۔ اور فرمانے لگے کہ ہندوؤں کے پتر لوگ تو سال کے بعد شرادھ کھانے آتے ہیں۔ مگر ہمارے میاں بھائیوں کے مُردوں کی روحیں ہر جمعرات کو ان کے ہاں آجاتی ہیں۔ چنانچہ ہر دیندار مسلمان جمعرات کے دن ان روحوں کے لئے ضرور روٹی۔ یا کھیر یا پلاؤ پر ختم دلاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگلی دنیا میں بڑی قحط سالی ہے۔ نہ وہاں ان روحوں کو روٹی ملتی ہے۔ نہ کھیر۔ پلاؤ۔ ہندوؤں کے ہاں تو شرادھ کے دنوں میں برہمن لوگوں کی پیٹ پوجا ہوتی ہے۔ مگر ان میاں لوگوں کے ہاں ہر جمعرات کے دن مسجد کے میانجی مُردوں کو روٹی پہنچاتے ہیں۔ یہ اچھی کمسریٹ ہے۔ کھائیں میانجی اور نام لیں مُردوں کا۔ اسی سے سمجھ لو۔ کہ جس بات کے ابتدا میں ہی بناوٹ ہے تو اس کی انتہا کیسی ہوگی؟ اور پھر ان لوگوں کی ضعیف الاعتقادی تو دیکھو۔ یہ کہتے ہیں۔ کہ جب مردہ کو قبر میں رکھکر چلے آتے ہیں تو وہ زندہ ہو جاتا ہے۔ اور دو فرشتے اس سے سوال و جواب

کرتے ہیں۔ اگر وہ سوالوں کا جواب ٹھیک دے دیتا ہے۔ تو وہ سکھی رہتا ہے۔ اگر ٹھیک نہیں دیتا۔ تو فرشتے اس کو گرزوں سے مارتے ہیں۔ اور وہ مُردہ چیختا چلاتا ہے۔ بھلا اگر یہ صحیح ہو۔ تو پھر کیوں نہ قبر میں ایک طرف طاقی رکھکر دیکھتے رہا کریں۔ جب ہی مُردہ زندہ ہو جائے۔ فوراً طاقی کے راستے اس کو باہر نکال لیا۔ ان میاں لوگوں میں جو زیادہ دہی ہوتے ہیں۔ وہ مردوں کی چھاتی پر کوئی کتاب بھی رکھ دیتے ہیں۔ تاکہ وہ قبر میں زندہ ہوکر اسکو پڑھتا رہے۔ ذرا تم ان کے قبرستان میں جاکر تو دیکھو کہ قبروں کے اوپر پانی اور اناج بھی رکھا ہوتا ہے۔ دیا بھی جلایا جاتا ہے۔ شاید اس لئے کہ رات کے وقت جب روح اناج کھانے اور پانی پینے کے لئے آئے تو اندھیرے میں راستہ نہ بھول جاوے۔ ذرا اور سنو! ان کے ہاں جو بڑے پیروں کی خانقاہیں ہیں۔ ان پر یہ میاں لوگ پیر صاحب کے نام عرضیاں اور چٹھیاں لکھکر رکھ آتے ہیں۔ کہ اگر پیر جی میری فلاں مراد پوری کر دیں۔ تو میں ان کے نام پر ملیدہ کھلاؤں گا۔ یا بکرا چڑھاؤں گا۔ بھلا پیر میں اگر دوسروں کی مرادیں پوری کرنے کی طاقت ہو تو وہ آپ لاکھوں من مٹی کے نیچے سے کیوں نہ باہر نکل آئیں۔ غرضیکہ یہ سادھو ایسے بُرے طریقہ سے دل لگی کر رہا تھا کہ سننے والے ہنس رہے تھے۔

مسلم۔ مگر آپ یہ باتیں سُنکر ہنس رہے تھے یا رو رہے تھے؟

اعرابی۔ حضرت! میں تو نہ ہنستا تھا۔ نہ روتا۔ بلکہ نہایت توجہ سے سُن رہا تھا۔ مگر دل میں خیال ضرور آرہا تھا۔ کہ اگر مسلمانوں کی یہ رسمیں داخل اسلام و جزو ایمان ہیں۔ تو سادھو صاحب کے اعتراضوں کا جواب ضرور ہونا چاہئے۔

مسلم۔ میاں یہ باتیں نہ داخل اسلام ہیں۔ نہ جزو ایمان۔ جن لوگوں کو روح اور اس کی جسم سے علیحدگی اور بعد ازاں اس کی ہستی کے متعلق کافی علم نہیں ہے۔ وہ اس قسم کے توہمات میں پھنس رہے ہیں۔ یہ سادھو صاحب مسلمانوں کی حالت پر تو ہنس رہے تھے۔ مگر ان کے ہاں پنر جنم یا آواگون کا جو مسئلہ ہے۔ اگر اس کو بیان کیا جاوے تو شاید سننے والوں کے پیٹ میں مارے ہنسی کے اپھارہ ہی ہو جائے۔ مگر مذہبی آدمیوں کو اس قسم کے معاملات پر اس طرح

یعنی دل لگی نہیں کرنی چاہیئے۔ بلکہ نہایت متانت اور سنجیدگی سے گفتگو ہونی چاہیئے +

اعرافی۔ میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ آپ اس زندگی اور موت کے مسئلہ پر آج کچھ روشنی ڈالیں۔ آپ نے وعدہ بھی تو کیا تھا کہ آپ مسیح علیہ السلام کی زندگی یا موت کے متعلق میرے شکوک کا ازالہ فرمائینگے۔ کیونکہ میرا ذاتی خیال تو یہی ہے کہ اگر واقعی مسیح علیہ السلام اب تک اپنے خاکی جسم کے ساتھ زندہ ہوں۔ اور انہوں نے اسی جسم کے ساتھ دوبارہ دنیا میں آنا ہو تو کیوں نہ ہم بجائے اسلام کے مسیحیت کو قبول کر لیں۔ جبکہ اسلام کے نبی علیہ السلام تو مسیحیوں کے قول کے مطابق مر چکے ہیں۔ اور ان کا یسوع مسیح زندہ ہے۔ کیونکہ مردہ نبی سے زندہ نبی ہر حالت میں واجب اتباع اور افضل ہوتا ہے۔

مسلم۔ مسیح کو مردہ یا زندہ مان کر بھی تو آپ مسلمان رہ سکتے ہیں مسیحی ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ مسیح علیہ السلام کی معجزانہ پیدائش کی طرح مسیح کو زندہ یا مردہ ماننا بھی تو ہمارے لئے جزو ایمان نہیں ہے۔ جب آپ مسیح کو چند ملّاؤں کی تفاسیر کی بنا پر بغیر باپ کے پیدا شدہ مانتے تھے۔ تب بھی آپ مسلمان تھے۔ مگر اب جب کہ آپ نے ان کو انسانی باپ کے نطفہ سے پیدا شدہ تسلیم کر لیا ہے۔ تب بھی آپ مسلمان ہیں۔ اسی طرح اگر آپ اسی قسم کی تفاسیر کی بنا پر مسیح کو بجسد عنصری آسمان پر بیٹھا ہوا اور قیامت کے قریب فرشتوں کے پروں پر سوار ہو کر دمشق کے منارہ پر نزول فرمانے کا عقیدہ اختیار کر لیں۔ تو آپ کے اسلام میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔ اگر آپ مسیح کو عام انسانوں کی طرح فوت شدہ اور ان کی ہڈیوں تک کو ریزہ ریزہ ہو کر زمین میں پیوست شدہ مان لیں تب بھی آپ کے ایمان یا اسلام میں کسی قسم کا نقص واقع نہیں ہوگا۔ بلکہ آپ جیسے پہلے مسلمان تھے۔ ویسے ہی اس دوسری صورت میں بھی مسلمان ہی رہینگے۔ اس لئے کہ اسلام کی کتاب پاک قرآن مجید نے یہ تعلیم تو دی ہے کہ تم کسی نبی کی نبوت سے انکار مت کرو۔ بلکہ سب انبیاء پر ایمان لاؤ۔ مگر قرآن پاک نے یہ کہیں اشارہ تک بھی نہیں کیا۔ کہ اگر تم فلاں نبی کو مردہ یا زندہ نہیں مانوگے تو تم مسلمان نہیں

بلکہ کافر ہو جاؤ گے +

اعرافی۔ مگر یہ جو مسلمانوں میں مسیح کی حیات وموت کے متعلق اس قدر سرپھٹول ہو رہے ہیں۔ اور کفر کے فتوے لگ رہے ہیں۔ آخر اسکی کچھ وجہ ؟

مسلم۔ اس کی وجہ ہے نفسانیت۔ عناد۔ جہالت۔ عدم تدبر اور عدم تحقیقات

اعرافی۔ واقعی جب مسیح کی حیات وموت ہمارے ایمان کا جزو نہیں ہے۔ تو پھر اس مسئلہ پہ فتنہ وفساد برپا کرنا اور مسلمانوں کا باہمی کفر وارتداد کے فتوے لگانا بڑا ہی افسوسناک ہے +

مسلم۔ اس میں کچھ نہیں۔

اعرافی۔ کیا جناب نے کھوتہ پیر کی قبر کا واقعہ بھی سنا ہے ؟ عدم تدبر یا عدم تحقیقات کا وہ بہترین نمونہ ہے +

مسلم۔ میاں ! یہ کھوتہ پیر کی قبر کا قصہ کیا بلا ہے ؟

اعرافی۔ حضرت ! یہ میرا اپنا چشم دید واقعہ ہے۔ اجازت ہو تو عرض کردوں ؟

مسلم۔ ضرور سناؤ۔

اعرافی۔ جن دنوں میں میں غیر مسلم تھا۔ میرا یہ قاعدہ تھا کہ گرمی کے موسم میں کسی پہاڑ پر چلا جایا کرتا تھا۔ ایک دفعہ جو میں ایک سرد پہاڑ پر موسم گرما گذارنے کے لیے روانہ ہوا۔ تو مجھے بہت سا سفر پیدل کرنا پڑا۔ ایک دن میں پہاڑی سڑک پر چلا جا رہا تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ لوگوں کا جم غفیر ہے۔ بڑا بھاری میلہ لگ رہا ہے۔ ایک طرف قبر تھی اس پر سرخ جھنڈا اڑ رہا تھا۔ ایک مجاور وہاں بیٹھا تھا۔ پہاڑی لوگ دھڑا دھڑ اس قبر پر چڑھاوا چڑھاتے اور متھا ٹیکتے جا رہے تھے۔ میں نے ذرا آگے بڑھکر پوچھا کہ میاں یہہ کس پیر کی قبر ہے مجاور نے مجھے ذرا تعلیمیافتہ سمجھ کر یہہ کہکر ٹال دیا۔ کہ بابو جی ! آپ کو اس سے کیا مطلب۔ اپنا راستہ پکڑو۔ میرے دل میں اور بھی شک پیدا ہوا کہ آخر یہ کیسا پیر ہے۔ جس کا نام تک بتانے سے پرہیز کیا جا رہا ہے۔ میں نے ایک دیہاتی سے جو وہاں چڑھاوا چڑھا کر واپس جا رہا تھا۔ پوچھا۔ کہ میاں یہ کون سے پیر کی قبر ہے۔ دیہاتی نے نہایت سادہ لوحی سے جواب دیا۔ کہ یہ

یہاں کھوتہ پیر کی درگاہ ہے۔ میں اس جواب کو سُن کر پہلے سے بھی زیادہ حیران ہوا۔ کہ یہ کھوتہ پیر کون تھا؟ ہر چند دریافت کیا۔ مگر کسی سے پتہ نہ چلا۔ جس سے پوچھتا۔ وہ یہی کہتا کہ ہمیں صرف اتنا ہی پتہ ہے۔ کہ یہ میاں کھوتہ پیر کی درگاہ ہے۔ آخر اسی مجمع میں مجھے ایک شخص نظر آیا۔ جس کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کچھ تعلیم یافتہ ہے۔ میں اس کی طرف بڑھا۔ اور اس سے بھی وہی سوال کیا وہ شخص میرے سوال کو سُنکر ہنس پڑا اور کہنے لگا کہ بابو صاحب! آپنے اس سے کیا لینا ہے۔ آپ جائیں۔ اپنا رستہ پکڑیں مگر میں بضد ہوا۔ آخر اس نے مجھے ذرا الگ لے جاکر نہایت پُر مذاق طریقہ پر یہ قصہ سُنایا۔ کہ ایک کمہار اپنے کھوتوں پر گیہوں لادے اس گھاٹی پر سے گذر رہا تھا۔ کہ مارے تکان کے اس کا ایک کھوتہ یہاں پر گر کر مر گیا۔ یار لوگوں نے دیہاتی جاہلوں کو مونڈنے کے لئے اسی جگہ اس کی قبر بنا کر اوپر جھنڈا گاڑ دیا۔ اور مشہور کر دیا۔ کہ رات کو کھوتہ پیر جی یہاں سما گئے پیر جی کے سماجانیکا قصہ جب مشہور ہوا تو لوگ جوق در جوق آنے شروع ہوئے۔ چڑھاوا بھی چڑھنے لگا۔ چنانچہ آج بھی اسی کی یادگار میں میلہ لگ رہا ہے۔ وہ صاحب جو مجاور بن کر بیٹھ رہے ہیں۔ وہ میرے ساتھی اور پتی دار ہیں ہم سال بھر تک اردگرد کے پہاڑی لوگوں میں میاں کھوتہ پیر کی کرامات کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ سال کے بعد میلہ لگا دیتے ہیں۔ اس طرح سال چھ مہینے کے خرچ کے لئے دانے۔ گڑ۔ شکر۔ اور کچھ ٹکے مل جاتے ہیں۔ مزے سے کٹتی ہے۔ میں نے اس کہانی کو سنکر قہقہہ لگایا۔ مگر ساتھ ہی مجھے از حد افسوس بھی ہوا۔ کہ اس ملک میں کسی معاملہ کی آزادانہ تحقیقات کا مادہ کس قدر کم ہے۔ اور کہ لوگ ہر ایک معاملہ میں کورانہ تقلید کے کس قدر عادی ہیں۔

مسلم۔ تمہاری یہ کہانی واقعی سبق آموز ہے۔ جس ملک میں اس قدر جہالت ہو وہاں اگر مسیح کی حیات و ممات کے مسئلہ پر سر پھٹول ہوں اور کفر و ارتداد کے فتوے لگیں۔ تو تعجب کی کونسی بات ہے۔

اعرابی۔ مگر اس کے متعلق کچھ تحقیقات تو ہونی چاہیئے۔ تاکہ مسیحی پادری جو بعض سادہ لوح مسلمانوں کو یہ کہکر بہکا دیتے ہیں کہ ہمارا یسوع مسیح زندہ ہے۔ اور تمہارا رسول

مر گیا۔ اور کہ تم مردہ رسول کو چھوڑ کر زندہ مسیح پر ایمان لاؤ۔ اُن کا منہہ تو بند کیا جا سکے۔

مسلم۔ مگر آپ اس کے متعلق کس طرح کی تحقیقات کرنا چاہتے ہیں؟

اعرافی۔ جس طرح بھی آپ پسند فرمائیں۔

مسلم۔ میں تو یہہ چاہتا ہوں کہ اس مسئلہ کی تحقیقات مسیحی علماء اور مسیحی فلاسفروں کے ذریعہ کی جاوے۔ تو زیادہ اچھا ہے۔ تاکہ اس بات پر روشنی ڈالی جا سکے کہ اگر مسیح کو زندہ بھی مان لیا جاوے تو اس صورت میں انکو ہمارے رسول کریم علیہ السلام پر کوئی فضیلت نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ اس زندگی کو جو ہم بجسد عنصری بسر کرتے ہیں۔ اس زندگی پر جو اس جسم سے علیحدہ ہو کر ملتی ہے۔ کسی قسم کی کوئی فضیلت نہیں ہے۔ بلکہ جسمانیوں پر روحانیوں کو ہی فضیلت ہے۔

اعرافی۔ اس طرح تو یہ مضمون نہایت دقیق ہو جائے گا۔ شاید میں اس کو آسانی سے سمجھ بھی نہ سکوں۔

مسلم۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ مضمون نہایت آسان اور عام فہم ہو گا۔ خاص کر جبکہ ہم یورپ یا امریکہ کے مسیحی حکماء یا فلاسفروں اور سائنسدانوں کی مدد سے اس کو حل کرینگے تو مضمون اور بھی دلچسپ ہو جائیگا۔

اعرافی۔ بہت بہتر۔

مسلم۔ مگر آپ کو پہلے اس بات کو سمجھ لینا چاہئے کہ روح انسانی جسم میں دوران خون کا نام نہیں ہے۔ نہ ہی وہ ایسی چیز ہے۔ جو جسم کے ساتھ ہی فنا ہو جاتی ہو۔

اعرافی۔ مگر کیا ہی اچھا ہو۔ اگر ہم اہل یورپ کی طرح اس بات کو تسلیم کر لیں۔ کہ روح محض کیمیاوی عمل ہے۔ جو جسم کے ساتھ پیدا ہوتی اور جسم کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہے تو تمام قضیوں کا ہی خاتمہ ہو جائے۔ نہ عذاب قبر۔ نہ منکر نکیر کا ڈر۔ نہ حساب کتاب۔ یا سزا و جزا کا فکر۔ نہ بہشت کی تمنا نہ دوزخ کا ڈر اس اعتقاد کے ساتھ مسیح کے زندہ آسمان پر اڑ جانے یا بجسد عنصری زمین پر کسی جگہ زندہ رہنے کے اعتقاد کا بھی فوراً خاتمہ ہو جاتا ہے۔ مسلمانوں میں جو مسیح کے آسمان پر چلے جانے یا وہاں سے واپس آنے کے متعلق اتنے جھگڑے فساد ہو رہے ہیں۔ وہ بھی مٹ جائینگے۔ بڑی جلدی

فیصلہ ہو جائے گا۔ یورپ اور امریکہ والے روح کو کیمیاوی ترکیب مان کر
ان تمام مذہبی جھگڑوں سے آزاد ہو کر کیسے مزہ سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔
کیوں نہ اس بارے میں ان کی ہی تقلید کی جاوے؟
متکلم۔ میاں! تمہارا خیال بڑا ملحدانہ ہے۔ اس خیال کو تو حکماء یورپ نے
ترک کر دیا ہے۔ آؤ ذرا پہلے اسی بات پر غور کر لیں کہ روح کو جسم کے ساتھ ہی
فنا ہو جانے والی چیز مان کر کہیں ہم لوگ اسی دنیا میں جور و ستم۔ فسق و فجور۔ اور
بدترین گناہوں کی بادشاہت قائم کرنے والے تو نہیں بن جائیں گے۔
کیونکہ اگر اس بات کو تسلیم کر لیا جاوے کہ روح ایک کیمیائی فعل ہے۔ جو کہ
چند عناصر کے معتدل ملاپ سے پیدا ہوتی اور ان عناصر کے اعتدال
کے ٹوٹنے پر ختم ہوتی ہے۔ اور کہ روح کے لئے کوئی مستقبل نہیں ہے۔
تو مجھے اس بات کی مطلق ضرورت نہیں ہے کہ میں ایک انسانی جسم کو قائم
رکھوں۔ جو کہ غلاظت مجسم ہو۔ اور جو بھوک پیاس اور بیماریوں کا شکار رہتا ہو
میں یا تو اس جسم کو آنِ واحد میں ختم کر ڈالوں گا۔ یا اگر میں اس کو ختم نہیں کرونگا
تو میں نیکی اور بدی کے تمام خیالات کو بالائے طاق رکھ کر "کھاؤ۔ پیو۔ موج
کرو۔ کیونکہ روح کا جسم کے ساتھ ہی خاتمہ ہو جاتا ہے" کے غلط اصول پر عمل
کرونگا۔ میرے لئے نیکی نیکی نہیں رہے گی اور بدی بدی نہیں رہیگی۔ میں
نیکی کے لئے تکلیف برداشت کرنا اور بدی سے نفرت کرنا ایک قسم کی
حماقت سمجھونگا۔ میں دنیا کے ان تمام مذہبی ریفارمروں۔ قدسیوں اور
روحانیوں پر احمق ہونے کا فتویٰ لگا دوں گا۔ جنہوں نے کہ کسی آئندہ
زندگی کے بھروسے پر تکالیف برداشت کیں۔ پھانسی پر چڑھے۔ تلوار سے
قتل ہوئے۔ یا آگ میں جلائے گئے۔ اور میں ان تمام بدمعاشوں۔ رہزنوں
قزاقوں۔ حرامکاروں۔ اور زناکاروں کو عقلمند۔ دوراندیش اور برگزیدہ
انسان تصور کروں گا۔ جو نو نقد نہ تیرہ ادھار کے مقولہ پر کاربند ہو کر جب تک
زندہ رہے۔ دنیوی حظوظ اور لذات سے محظوظ ہوتے رہے۔ اگر روح
جسم کے ساتھ فنا ہونے والی ہو تو ایک بازاری عورت ایک عصمت مآب

زیادہ نفع میں رہیگی۔ ایک ڈاکو اور قزاق کی زندگی دنیا کے کسی بھی بڑے سے بڑے مذہب کے بانی کی زندگی ہے جس نے کہ دوسروں کی بھلائی میں اپنے آپ کو قربان کر دیا۔ زیادہ دور اندیشی کی زندگی تصور کی جائیگی۔ اس لئے کہ زندگی کی دوڑ موجودہ جسم سے شروع ہوکر موجودہ جسم کے خاتمہ کے ساتھ ہی ختم ہوگئی۔ اس دوڑ میں جس نے نیکی کے لئے دکھ اٹھایا وہ احمق اور کوتاہ اندیش تھا۔ اور وہ گھاٹے میں رہا۔ اور وہ جو ہر ایک جائز و ناجائز وسیلے سے حیوانیت کے تمام تقاضاؤں سے آنند اٹھاتا رہا۔ وہ عقلمند اور دور اندیش تھا۔ اور وہ نفع میں رہا۔ اس لئے کہ ان کی زندگی کی دوڑ ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی۔ اور ان کی روح بھی اس دوڑ کے ساتھ ہی ختم ہوگئی یہ ایک ایسا خوفناک نظارہ ہے۔ کہ جس کو سامنے لانے کے ساتھ ہی ایک باخدا انسان کانپ اٹھتا ہے۔ اور اس کو وہ تمام گمراہ لوگ جو روح کو ایک کیمیائی فعل مانتے اور جسم کے ساتھ ہی اس کا ختم ہو جانا تسلیم کرتے ہیں۔ ایک بدترین شکل میں نظر آتے ہیں۔ اس خطرناک خیال کی بیخ کنی کے لئے حکماء یورپ نے بڑا زور مارا ہے۔ اور انہوں نے روح کی آئندہ زندگی کے متعلق بنہایت کثرت سے کتب شایع کی ہیں۔ جن میں سے تازہ تصنیف "پروفس آف لائف آفٹر ڈیتھ" ہے۔ اس کتاب میں لنڈن کے مشہور و معروف انگریزی رسالہ ریویو آف ریویوز کے قابل ایڈیٹر مسٹر ڈبلیو ٹی سٹیڈ مرحوم نے اپنی زندگی میں ہی روح کے جسم سے علیحدہ ہوکر زندہ و قایم رہنے کے متعلق جو مضمون لکھا تھا اس کا کچھ حصہ بدیں الفاظ ہے۔

اس بات کے ثبوت میں کہ موت کی گھاٹی کے بعد انسان کی ہستی اسی طرح قایم رہتی ہے جس طرح کہ اس دنیا میں ہوتی ہے۔ نہایت ہی صحیح صحیح تجربات و مشاہدات پیش کیے جاسکتے ہیں جو کہ سایکالوجی کی سائنس کے عین مطابق اترتے ہیں۔ سائیکل ریسرچ سوسائٹی کے اس قسم کے تجربات اور مشاہدات نے روح کی آئندہ زندگی سے انکار کرنے والے مجھ جیسے کٹر سائنٹفک دماغ رکھنے والے

اور مادہ پرست کے اعتقاد کو بھی بیخ و بن سے اڑا دیا اور چور چور کر دیا ہے۔ اب میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں۔ کہ جب خاک میں خاک مل جاتی ہے اور تمام عناصر الگ ہو جاتے ہیں۔ تو روح اس صورت میں بھی قایم رہتی ہے۔ روح کی شخصیت اور اس کے خواص کو ایک منٹ کے لئے بھی نقصان نہیں پہنچتا۔ ...... باہر کا جسم یا ڈھانچہ تباہ ہو جاتا ہے۔ مگر روح بدستور قایم رہتی ہے۔ الہام نے ہمیشہ اس کی تصدیق کی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ مادی سائنس ایک دفعہ از سر نو مذہب کی اس حقیقت کو پایۂ ثبوت تک پہنچانے اور اس کو تسلیم کرنے کے لئے بطور ایک لونڈی کے مذہب کے سامنے جھک جائیگی خواہ بطور سائنس دانوں کے ہم اس بات کو پسند کریں۔ یا نہ سوال یہ ہے۔ کہ صداقت کیا ہے؟ روح کی آئندہ زندگی کے تسلیم کرنے میں اگر اس وقت کسی قسم کا کوئی نقص نظر آتا ہے۔ تو اس کو نظر انداز کرتے ہوئے سب سے بڑے فائدے کی چیز یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ انسان کا اپنے خالق خداوند قدوس کے ساتھ جو تعلق ہے وہ اسی جسم کے ساتھ ختم نہیں ہو جاتا۔ بلکہ خداوند قدوس انسان کی روح کے لئے ایک ابدی زمانہ رکھتا ہے۔ تاکہ روح کو اپنے لطف و کرم سے بہرہ اندوز کرے" (صفحہ ۲۸۴)

مرحوم مسٹر ڈبلیو۔ ٹی سٹیڈ نے اپنے خیالات کا اظہار سنہ ۱۹۰۱ء میں کیا تھا مگر بطور ایک سائنسدان کے انہوں نے جو لبدا زاں تجربے اور مشاہدے کئے۔ ان سے وہ یقینی طور پر اس نتیجہ پر پہنچ گئے۔ کہ روح کثیف جسم کو چھوڑ کر لطیف جسم کے ساتھ موجود رہتی ہے۔ چنانچہ اس مسئلے کو انہوں نے جن الفاظ میں حل کیا ہے۔ وہ یہ ہیں:۔

"بغیر تار کے برقی پیغام رسانی اور بغیر تار کے ٹیلیفون میں بجلی کے جو

استعمال حال میں کیئے گئے ہیں۔ وہ اگرچہ بذات خود کسی ہستی کی حقیقت یا اس کے مستقل طور پر قایم رہنے کے متعلق کچھ ثابت نہیں کرتے تو بھی وہ اس بات کے لئے قیمتی ہیں کہ وہ ہمیں اس قابل بناتے ہیں۔ کہ ہم موت کے بعد زندگی کے ثابت کرنے میں جو مشکلات اور جو ممکنات ہیں انہیں واضح کرسکیں +

اس (مسئلہ) کی بابت جس کے متعلق کہ ہم بحث کرنے والے ہیں ٹھیک ٹھیک خیال باندھنے کے لئے فرض کرلو کہ دوسری دنیا بحر اوقیانوس کی طرح ہے۔ جیساکہ کولمبس کے زمانے سے پیشتر ہمارے بزرگ اُسے سمجھتے تھے۔ اس تشبیہہ کو مکمل کرنے کے لئے یہ فرض کر لینا ضروری ہے۔ کہ بحر اوقیانوس میں جہاز مشرق سے مغرب کی طرف سفر کر سکتے ہیں۔ اور کہ سمندر کی لہریں یا زبردست مشرقی طوفان ایسے تیز ہیں کہ یوروپ سے امریکہ کی طرف جانے والا مسافر پرانی دنیا میں واپس نہیں آسکتا۔ اس سے ہم ان مشکلات کا جن پر کہ میں بحث کرنے والا ہوں۔ ایک سادہ لیکن بالکل صاف خیال باندھنے کے قابل ہوسکینگے۔

اگر کرسٹوفر کولمبس امریکہ کو دریافت کرنے کے بعد بحر اوقیانوس کو عبور کرکے واپس پہنچنے کے ناقابل ہوتا تو کچھ عرصے کے بعد یوروپ نے یہہ نتیجہ نکال لیا ہوتا کہ وہ اس بحر ناپیدا کنار میں تباہ ہو گیا ہے۔ اگر اور بے تعداد مسافر وہی مغربی سفر اختیار کرتے اور کبھی واپس نہ آتے تو یہ نتیجہ پکے یقین کی صورت قبول کر لیتا۔ جب کہ یہہ سچ ہے۔ کہ کرسٹوفر کولمبس اور وہ لوگ کہ جنہوں نے اس کی پیروی کی ہوتی۔ زندگی کا لطف اٹھارہے ہوتے۔ اور براعظم امریکہ میں ایک نئی قوم کی بنیاد ڈال رہے ہوتے۔ مگر تاہم اُن کے لئے یہہ ناممکن ہو جاتا کہ وہ اپنے پس ماندگان کو اپنی اس ہستی کا یقین دلاسکیں۔ ایسی صورت میں امریکہ کی بابت یورپ کا یہ خیال ہوتا کہ "وہ ایسی نامعلوم مسافت ہے۔ کہ جہاں سے کوئی مسافر واپس نہیں آتا۔" اور اُن کے دوست اور رشتہ دار یہ کہکر ان بہادروں کا نوحہ کرتے کہ ہائے وہ چلے گئے اور کبھی واپس نہیں آئیں گے۔

مگر یہہ سب کچھ ہونے پر بھی کولمبس اور اس کے بہادر آدمی اس نئی دنیا میں

اپنی جنم بھومی کی نسبت بہتر حالت میں زندہ ہوتے +

ایسے حالات میں کیا واقعہ ہوا ہوتا؟ زیادہ اغلب یہی ہے۔ کہ ان لوگوں کے دل بھی کہ جو کولمبس کی دانائی پر بہت ہی پکا یقین رکھتے تھے۔ اپنے اس اعتماد میں ڈانواں ڈول ہو جاتے۔ اور اگر یہہ اعتماد بالکل اُٹھ نہ گیا ہوتا تو اُس کی تہ میں شاید کوئی ایسی بات چاہیے ہوتی کہ وقتاً فوقتاً رات کو خواب میں اس کے دوستوں نے اس کو ایک عجیب اور نئی دنیا میں زندہ اور اچھی حالت میں دیکھا ہوتا۔ لیکن ایسی باتوں پر یقین کرنے کی نسبت کچھ زیادہ وقعت نہ رکھتا +

آؤ اب ہم اپنے آپ کو کولمبس کے زمانے سے اپنے موجودہ زمانہ میں لے آویں۔ مگر کچھ دیر کے لئے ہمیں فرض کرنا چاہیئے۔ کہ بحر اوقیانوس کو مغرب سے مشرق کی طرف عبور کرنے میں پہلی جو ناممکن حالت تھی وہ اب بھی جاری ہے۔ لیکن کولمبس کے بعد کئی صدیوں کے اندر ان لوگوں کی تعداد جو مشرق سے مغرب کی طرف گئے تھے۔ بہت بڑھ گئی ہے۔ اور انہوں نے براعظم امریکہ پر اپنی اعلیٰ لیاقت اور تہذیب کے ساتھ ایک بڑی قوم بنا لی ہے۔ اب ہماری طرح وہ تار برقی کو معلوم کرتے ہیں۔ اور ہماری طرح ٹیلیفون استعمال کرتے ہیں۔ کچھ عرصے کے بعد وہ بغیر تار کے برقی پیغام رسانی کا اصول معلوم کرتے ہیں۔ اور اس پر عملدرآمد کرتے ہیں۔ اور اُس کے بعد بغیر تار کے ٹیلیفون کو مکمل کرتے ہیں +

نووارد اپنے آپ کو واپس پہنچنے کے ناقابل پاکر فوراً کوشش کرینگے کہ پرانی دنیا کو اپنی بڑی معلومات کی خبر پہنچانے کے قابل ہونے کیلئے موجودہ سائنس کے تمام ذرایع استعمال میں لاویں وہ بغیر تار کے پیغام رسانی کے استعمال کو مکمل کرنے اور پھیلانیکی کوشش کرینگے۔ تاکہ براعظم یورپ کے کنارے پر اپنے دوستوں تک یہہ خوشخبری پہنچانیکے قابل ہو سکیں۔ شروع شروع میں اس طرف خبر حاصل کرنیکے کسی مقام کے نہ ہونے سے وہ ناکامیاب رہینگے لیکن کچھ عرصہ کے بعد حسن اتفاق سے امریکہ سے ایک بلا تار کا برقی پیغام کسی بحری ساحل کے مارکنی اسٹیشن پر

(جہاں موجد بغیر تار برقی کا آلہ لگا ہو) پکڑا جائے گا +

جب وہ پیغام آویگا۔ تو وہ کس طرح حاصل کیا جاوے گا۔ اغلباً یہ غیر مکمل بے معنی اور ظاہر بلا مطلب ہو گا۔ یہ کسی مشاق مسخرہ کی طرف منسوب کیا جاوے گا یا ایک ایسا اٹکل پچ پیغام سمجھا جاویگا۔ جو یورپ کے کسی مقام سے کسی نے بھیجا ہو۔ اور اس طرح ایک لمبے عرصے تک خبر رسانی کی کوشش میں ناکامیابی رہیگی۔ کچھ وقفہ کے بعد کچھ مطلب رکھنے والا پیغام پہنچیگا۔ جواب دینے کی کوشش کی جاویگی۔ لیکن جواب شاید نہیں پہنچ سکینگے۔ جب کہ دوسری طرف کوئی اس پیغام کو حاصل کرنے کے لئے بھی موجود ہو گا۔ ممکن ہے کہ آلات کے کیل کانٹے درست نہ ہوں۔ یا پیغام ہی ایسے ٹوٹے پھوٹے ہوں کہ سمجھ میں آنے کے نا قابل ہوں۔ چند دلیر آدمی جن کا یہ اعتقاد (خواہ وہ کیسا ہی روایت کی بنا پر یا دھندلا ہی کیوں نہ ہو کہ سمندر کے لہروں کے پرے ایک اور دنیا ہے۔ کبھی بھی دور نہیں ہوا تھا۔ تجربے کرتے جاوینگے اپنا وقت اور روپیہ ضایع کرتے جاوینگے اور سائنٹفک دنیا کے ہنسی مخول سہتے جاویں گے +

آخر کار بے تعداد ناکامیابوں کے بعد یہ ممکن ہے۔ کہ آخری تحقیقات کرنے والی مہم کا کپتان مندرجہ ذیل صاف اور ٹھیک ٹھیک مطلب کو لئے ہوئے پیغام حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے:۔

"از طرف کپتان سمتھ "استقلال" جہاز والا بنام فلان لنڈن

ہم زندہ اور خیریت سے ہیں۔ ہم نے نئی دنیا معلوم کر لی ہے۔ جو کرسٹوفر کولمبس اور اس کے آدمیوں کی اولاد سے پر ہے" +

بغیر تار کے ایسے پیغام کے پہنچنے سے کیا نتیجہ ہو گا۔ یہ اغلباً مہم کی روانگی کے اتنے سالوں کے بعد پہنچیگا۔ کہ ابتدا میں کسی کو یاد بھی نہیں ہو گا کہ کپتان سمتھ کون تھا۔ جب سابقہ کاغذات ملاحظہ کئے جاوینگے۔ اور اس جہاز اور اس کے کپتان کی ہستی کا ثبوت مل جاویگا۔ تو لوگ چونک اٹھینگے اور بہت کچھ بحث مباحثہ ہو گا۔ نا معلوم ملک میں پہنچنے کے لئے ازسر نو کوشش شروع

ہو جاویگی۔ لیکن دنیا کے "سیانے" آدمیوں کی بڑی تعداد اس پیغام کو عملی تمسخر تصور کریگی۔ اور سائنس دان ہونے کا دعوےٰ کرنے والے لوگ اپنے آپ کو پوری تسلی دینے کے لئے یہ ثابت کر دینگے۔ کہ ایسی کسی نئی دنیا کا موجود ہونا اور کسی ایسے پیغام کا درست ہونا ہی بالکل ناممکن ہے +

لیکن کچھ عرصے کے بعد اور پیغام آدینگے۔ جواب بھیجنے اور اُنکا جواب حاصل کرنے کا کوئی طریقہ معلوم کیا جاویگا۔ آخر کار سائنس دان دنیا اس صداقت کو قبول کرنے کے لئے جاگ اُٹھیگی۔ کہ اس عجیب + و رتقریبًا ناقابل یقین بات کا جس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا تھا۔ کہ بحرِ اوقیانوس سے پرے ایک اور دنیا ہے اور کہ اس کے باشندے بغیر تار کے برقی پیغام رسانی کے ذریعے یورپ کے ساتھ خط وکتابت کر سکتے ہیں"۔ پورا پورا ثبوت مل گیا ہے۔ اور تب جن مشکلات کا اُنہیں سامنا کرنا پڑے گا۔ وہ ٹھیک ویسی ہی مشکلات ہونگی۔ جس کا کہ ہمیں دوسری دنیا کے متعلق تحقیقات اور اس کا لوگوں کو یقین کرانے میں سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن صبر۔ استقلال اور سمندر پار کے حالات جاننے کے کام کی رکوں کے لئے کافی گنجائش رکھکر کہ جس سے آخر کار براعظم امریکہ کی موجودگی بہت مضبوط طور پر قایم ہوگی ویسے ہی میں یقین کرتا ہوں کہ دوسری دنیا کی ہستی بہت جلدی تمام شک وشبہ اور کل بیہودہ حجتوں سے پرے قایم ہونیوالی ہے" +

میاں اعرافی! تم نے دیکھ لیا کہ یورپ کے مسیحی عقلمندوں کا رجحان کس طرف ہے۔ وہ روح کو کیمیاوی فعل نہیں مانتے۔ بلکہ وہ نہایت بے صبری کے ساتھ اس بات کی تلاش میں ہیں۔ کہ کسی طرح انکو پتہ لگ جائے کہ جسم کی موت کے بعد روح کی کیا حالت ہوتی ہے۔

اعرافی۔ واقعی یہ خیال تو نہایت مبارک ہے۔ اور ہمارے لئے تو خاصکر خوشی دینے والا ہے۔ اس لئے کہ قرآن پاک نے ہمیں تو مفصل طور پر روح کی آئندہ زندگی اور اس کی خوشیوں کی حقیقت کو کھولکر بتا دیا ہے +

مسلم۔ ان مسیحی فلاسفروں یا حکماء کے اقوال پیش کرنے سے میرا مطلب یہ ہرگز نہیں۔ کہ اس سے ہمارے ایمان میں زیادتی ہوتی ہے۔ یا انکو ہم لفظًا ومعنًا صحیح

تسلیم کریں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ مطلب صرف اتنا ہے۔ کہ مسیحی دنیا باوجود اپنے علم وہنر کے اس روشنی سے محروم ہے۔ جو کہ رب العزۃ نے قرآن پاک کے ذریعہ ہمیں دی ہے۔ آؤ ذرا ان لوگوں کی اس کشمکش کو تو دیکھیں۔ جو یہ بلا واسطہ طریقہ پر اسلام کی روشنی کو حاصل کرنے کے لئے کر رہے ہیں۔

اعرافی :- بہت بہتر۔

اکیسویں فصل

تجربات

وہی مسیحی فاضل مسٹر ڈبلیو۔ ٹی۔ سٹیڈ صاحب جن کا حوالہ اوپر دیا جا چکا ہے اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کہ انسان کی روح جسم سے الگ ہو کر نہ تو فنا ہو جاتی ہے۔ نہ ہی کسی دوسرے حیوان یا نباتات کی جون میں چلی جاتی ہے بلکہ وہ اپنی انسانی شخصیت کے ساتھ قایم رہتی ہے۔ اپنے تجربات و مشاہدات کا بدیں الفاظ ذکر کرتے ہیں :-

"اب میں اسکو چھوڑ کر براہ راست اس ثبوت کو بیان کرتا ہوں۔ کہ جس نے مجھے موت کے بعد ہستی کے قایم رہنے کی صداقت کا یقین دلایا ہے۔ میں یہ پہلے ہی بتا دینا چاہتا ہوں۔ کہ مجھے یہ طاقت حاصل ہے کہ جسے خود بخود لکھنے کا عطیہ کہا جاتا ہے۔ اس سے میری مراد یہہ ہے۔ کہ اپنے دل کو یکسو کرنے کے بعد اپنی قلم کو کاغذ پر رکھ کر میرا ہاتھ دور بیٹھے دوستوں کے پیغام لکھ سکتا ہے۔ خواہ وہ اس دنیا میں زندہ موجود ہوں خواہ اس دنیا کی اصطلاح کے موافق وہ مر چکے ہوں اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا ایسے خود بخود پہنچنے والے پیغاموں کا کسی زندہ دوست کی طرف سے حاصل کرنیکا فائدہ یہہ ہے۔ کہ جس شخص کی طرف سے پیغام آتا ہے۔ اس سے ذکر کرکے اُن کے

ٹھیک ہونے کی تصدیق کرنی ممکن ہے۔ غلط فہمی سے بچنے کی خاطر میں یہ ذکر کر دیتا ہوں کہ میری صورت میں پیغام بھیجنے والا شاذ و نادر ہی اس کے بھیجنے کی طرف سے باخبر ہوتا ہے۔ اور بعض دفعہ یہ معلوم کر کے کہ اس کے بے خبر دل نے وہ پیغام بھیجا تھا۔ حیران ہو جاتا ہے۔ اور ناراض ہو جاتا ہے۔ اس کی تشریح کرنے کے لئے میں ذیل میں ایک ایسے ہی تجربے کی بابت بیان کرتا ہوں۔ جو میرے تجربوں کی ابتدا میں ہی واقع ہوا تھا۔

میری ایک دوست لیڈی جو میرے ہاتھ کے ذریعے کتنے ہی فاصلے پر سے جیسے کہ وہ اپنے ہاتھ سے لکھ سکتی ہیں۔ اس سے زیادہ آزادانہ طور پر لکھ سکتی ہیں۔ لنڈن سے تقریباً ۳۰ میل کے فاصلے پر ہیس میر نامی گاؤں میں چھٹی کا دن گزارنے کے لئے گئی ہوئی تھیں۔ انہوں نے وعدہ کیا تھا۔ کہ بدھوار کو اگر وہ واپس آگئیں تو وہ میرے ساتھ کھانا تیسرے پہر کھائینگی سوموار کی شام کو میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ آیا وہ گاؤں سے چل پڑی ہیں یا نہیں؟ چنانچہ اپنی قلم کاغذ پر رکھکر میں نے دماغی طور پر اُنسے دریافت کیا کہ آیا وہ لنڈن واپس پہنچگئی ہیں۔ میرے ہاتھ نے مندرجہ ذیل عبارت لکھ دی:۔

"میں بہت افسوس سے آپ کو یہ بتاتی ہوں کہ میرے ساتھ ایک بہت دردناک واقعہ پیش آیا ہے۔ کہ جس کا ذکر کرنے میں بھی مجھے شرم معلوم ہوتی ہے میں ۲۔۷ بعد دوپہر کو ہیس میر سے ایک سیکنڈ کلاس گاڑی میں جس میں دو عورتیں اور ایک مرد تھا روانہ ہوئی جب ریل گاڑی گوڈرلنگ کے سٹیشن پہ کھڑی ہوئی تو وہ دونوں عورتیں گاڑی سے اُتر گئیں اور میں اس آدمی کے ساتھ اکیلی گاڑی میں رہ گئی۔ گاڑی کے روانہ ہونیکے بعد یہ شخص اپنی جگہ سے اُٹھکر میرے پاس آگیا۔ میں چوکس ہوگئی اور میں نے اس کو پیچھے دھکیلا۔ اس نے پیچھے ہٹنے سے انکار کیا۔ اور مجھے چومنے کی کوشش کی۔ میں غصہ میں آگئی۔ یہاں تک کہ ہمارے درمیان کشمکش شروع ہوگئی۔ میں نے اس کا چھاتہ پکڑ لیا اور دے مارا۔ لیکن یہ ٹوٹ گیا۔ اور مجھے اس بات کا فکر ہو رہا تھا کہ وہ مجھ پر قابو پالے گا۔ جبکہ گاڑی گڈل اسٹیشن پر پہنچنے سے

پہلے دھیمی ہونی شروع ہوگئی۔ اس نے خوف زدہ ہوکر مجھے چھوڑ دیا اور گاڑی کے پلیٹ فارم پر پہنچنے سے پہلے ہی وہ کود پڑا اور بھاگ گیا۔ میں بہت پریشان ہوگئی۔ لیکن چھاتہ میرے پاس ہے"۔

میں نے اپنے سکرٹری کو ایک رقعہ دے کر بھیجا جس میں صرف اتنا ذکر تھا کہ مجھے اس حادثہ کی بابت معلوم کرکے بہت افسوس ہے۔ اور میں نے مندرجہ ذیل الفاظ اور بڑھا دئیے:۔

"تسلی رکھو اور اس آدمی کا چھاتہ بدھوار کو اپنے ساتھ لاؤ"۔

اس پر اس لیڈی نے جواب میں لکھا "کہ مجھے بڑا افسوس ہے کہ آپ کو اس واقعہ کا علم ہے۔ میں نے مصمم ارادہ کرلیا تھا کہ میں کسی کو نہیں بتاؤنگی میں ٹوٹا ہوا چھاتہ لے آؤں گی۔ لیکن یہ میرا چھاتہ تھا نہ کہ اُس کا"۔

جب وہ بدھ کے روز سہ پہر کا کھانا کھانے کے لئے آئیں تو اُنہوں نے اس کہانی کی حرف بحرف تصدیق کردی اور ٹوٹا ہوا چھاتہ دکھلایا جو کہ اُن کا اپنا تھا۔ اور اس آدمی کا نہیں تھا۔ اس پیغام کے بھیجنے میں یہ ایک غلطی کس طرح واقع ہوگئی۔ اس کا مجھے کچھ پتہ نہیں ہے۔ شاید باقی کے سارے بیان کے صحیح ہونے کی تائید میں یہ واحد غلطی ہوگئی ہوگی۔ میں یہ جتلا دوں کہ مجھے اس گاڑی کی بابت جس میں لیڈی مذکور سفر کر رہی تھیں کوئی خیال تک نہ تھا۔ اور ذرا بھی شک و شبہ نہ تھا کہ اُنکے ساتھ ایسی مصیبت پیش آئی ہے۔

میں یہ جتلانا چاہتا ہوں اس وقت سے لے کر گزشتہ پندرہ سال کے اندر میں اپنے بہت سے دوستوں سے اس قسم کے خود بخود پہنچنے والے پیغام حاصل کرتا رہا ہوں اور آجکل بھی حاصل کرتا ہوں۔ ان میں سے بعض میں غلطیوں کی فی صدی تعداد ذرا زیادہ ہوتی ہے۔ مگر عموماً یہ کل پیغام اس قدر درست ہوتے ہیں کہ اُن سے بہت حیرانی پیدا ہوتی ہے۔ ایسے دوستوں کے ساتھ جو ابھی اس دنیا میں موجود ہیں۔ اور جو میرے ساتھ ہمدردی رکھتے ہیں خود بخود ٹیلی پیتھی (دماغی خبر رسانی) کا طریقہ میرے لئے ویسا ہی درست ہے جیسا کہ تار برقی یا کسی اور صداقت کا جس کی ہر روز تصدیق ہوسکتی ہے بوجود

ہونا درست ہے۔ اب دوسرا سوال یہ ہے کہ آیا زندہ آدمیوں کے یہ خود بخود دماغی خبر رسانی کا طریقہ جو خشکی پر بلا تار کے برقی پیغام رسانی کے مشابہ ہے۔ ان لوگوں تک بھی بڑھایا جا سکتا ہے۔ جو موت کے دریا کو عبور کر چکے ہیں۔ اس موقعہ پر میں اپنا ہی تجربہ بیان کرتا ہوں ÷

میری دو دوست لیڈیاں تھیں کہ جو آپس میں ایک دوسرے پر بہنوں کی طرح فدا تھیں۔ جب معمول اُنہوں نے ایک دوسرے سے وعدہ کیا تھا کہ جو کوئی پہلے مر گئی۔ وہ دوسری کے پاس اپنے آپ کو ظاہر کرنے کے لئے کوشش کریگی۔ تاکہ موت کے بعد کی دنیا کی صداقت مثل تصدیق چشمدید ہو جائے۔ اُن میں سے ایک جس کا کرسچین نام جولیا تھا عہد و پیمان کرنے کے تھوڑے عرصہ میں بوسٹن میں مر گئی۔ چند ہفتے کے اندر اس نے اپنی دوست لیڈی کو چکاگو میں سوتے ہوئے جگایا۔ اور اپنے آپ کو اسکے بستر کے پاس ظاہر کیا۔ جبکہ وہ بہت ہی خوش دکھلائی دیتی تھی۔ چند منٹ چپ چاپ کھڑی رہنے کے بعد وہ آہستہ آہستہ ہلکی دھند کی شکل میں تبدیل ہو گئی۔ جو آدھا گھنٹہ تک چھت میں رہی۔ چند ماہ کے بعد وہ لیڈی انگلستان میں چلی آئی۔ وہ اور میں ایسٹ نوکیسل میں جو کہ انگلستان کے مغرب کی طرف واقعہ ہے۔ ٹھہرے ہوئے تھے۔ جب کہ جولیا دوسری دفعہ واپس آئی۔ اسکی دوست لیڈی ابھی سوئی نہیں تھی۔ وہ اچھی طرح بیدار تھی۔ اس نے پھر جولیا کو ویسا ہی صاف صاف دیکھا جیسا کہ اسکی زندگی میں دیکھا تھا۔ لیکن جولیا اس وقت بھی بول نہ سکی۔ اور اسکی شکل پھر غائب ہو گئی۔ اس کی دوست لیڈی نے جولیا کے دوسری دفعہ ملنے کا مجھ سے ذکر کیا۔ اور مجھ سے دریافت کیا۔ کہ آیا میں اس سے کوئی پیغام حاصل کر سکتا ہوں۔ میں نے کہا کہ میں کوشش کرونگا۔ اور دوسری صبح کو حاضری کہانے سے پیرے اپنے کمرہ میں میرے ہاتھ کے ذریعے ایک بہت پُر معنی پیغام لکھا گیا۔ جو مختصر لیکن بہت پُر مطلب تھا میں نے پیغام بھیجنے والے کی شناخت کا ثبوت پوچھا۔ میرے ہاتھ نے لکھا کہ اُس لیڈی کو کہو کہ اس بات کو یاد کرے جو میں نے اس کو کہی تھی۔ جب کہ

ہم آخری دفعہ منروا سے ملی تھیں میں نے اعتراض کیا کہ پیغام بے معنی سا ہے۔ میرے ہاتھ نے اسی بات پر قایم رہ کر کہا کہ وہ دوست لیڈی اس بات کو سمجھ لیگی۔ میں اس پیغام کے بیہودہ پن پر ایسا آزردہ خاطر ہوا کہ بہت دیر تک میں نے اسکو پہنچانے سے انکار کیا۔ جب آخر کار میں نے وہ پیغام اس کی دوست لیڈی کو پہنچایا تو وہ چلا اُٹھی۔ کہ کیا درحقیقت اس نے یہ لکھا ہے۔ تب ضرور یہ لکھنے والی جولیا ہی ہے۔ اور اس میں کچھ بھی غلطی نہیں ہے۔ میں نے حیران ہوکر دریافت کیا کہ تم منروا کے پاس کس طرح جا سکتی تھیں۔ تب اس نے جواب دیا کہ آپ اس کی بابت درحقیقت کچھ نہیں جانتے۔ جولیا نے اپنی موت سے کچھ دن پہلے مس ولرڈ کا جو عورتوں کی کرسچین ٹمپرنس یونین کی بانی تھی۔ دوسرا پیارا نام منروا رکھا ہوا تھا۔ اور اس کو ایک بروچ نذر کیا تھا کہ جس پر منروا کی تصویر تھی۔ اس نے اس کے بعد اُسے منروا کے سوا کسی اور نام سے نہیں بلایا۔ اور جو پیغام کہ اُس نے تمہارے ہاتھ سے لکھا ہے مجملاً وہی ہے۔ جو کہ اُس نے مجھے آخری دفعہ دیا تھا۔ جبکہ منروا اور میں جولیا کے بستر مرگ پر آخری سلام اور آخری ملاقات کے لئے آئی تھی +

اس پیغام میں بھی ذراسی غلطی ہوگئی تھی۔ منروا جولیا کے پاس آئی تھی نہ کہ جولیا منروا کے پاس گئی تھی۔ لیکن باقی کا پیغام درست تھا +

تب میں نے تجویز کی کہ میں اور پیغام حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں میری دوست لیڈی ایک لمبے میز کے ایک سرے پر بیٹھ گئی اور میں دوسرے سرے پر جب میرا ہاتھ چند ایک سوالات کا جواب لکھ چکا تو میں نے جولیا سے اُن کے صحیح ہونے کی تصدیق کے لئے ایک اور ثبوت کے طور پر دریافت کیا۔ کہ آیا وہ میرے ہاتھ کے ذریعے اپنی دوست لیڈی کو کسی ایسے حادثہ کی یاد دلا سکتی ہے۔ جو اُن دونوں کی زندگی سے تعلق رکھتا ہو۔ اور جس کا مجھے کچھ علم نہ ہو۔ جیوں ہی میں نے یہ کہا اُسی وقت مجھے جواب مل گیا میرے ہاتھ نے یہ لکھا کہ اس سے دریافت کرو کہ آیا اُسے وہ واقعہ یاد ہے۔ جب کہ

ہم اکٹھی گھر جا رہی تھیں۔ اور وہ گر گئی تھی۔ اور اس کی ریڑھ کی ہڈی پر چوٹ آئی تھی۔ جیوں ہی کہ میں نے پیغام پڑھا۔ تو میں نے کہا۔ کہ اس بات سے کچھ پوری ہو گئی ہے۔ کیونکہ مجھے بالکل پتہ نہیں تھا کہ تمہارے ساتھ کبھی ایسا واقعہ پیش آیا ہے۔ میں نے میز کی دوسری طرف نظر اُٹھا کر دیکھا کہ میری دوست بہت حیران ہے۔ اس نے اعتراض کیا کہ جولیا میری زندگی میں میری ریڑھ کی ہڈی کو کبھی چوٹ نہیں لگی۔ میں نے اپنے ہاتھ کو لعنت ملامت کر کے مخاطب کیا۔ کہ تم نے خوب گڑبڑ مچا دی ہے۔ میں نے تو ہزاروں چھوٹے چھوٹے حادثات میں سے ایک کی بابت دریافت کیا تھا۔ جو تم دونوں کو اکٹھے پیش آئے ہوں گے۔ اور تم نے ایک حادثے کی بابت لکھ دیا ہے۔ جو کہ کبھی واقعہ نہیں ہوا۔ میرے ہاتھ نے مستقل مزاجی سے لکھا کہ میں راستی پر ہوں۔ وہ بھول گئی ہے۔ میں نے بات کاٹ کے کہا۔ کہ اس طرح تو کوئی بھی کہہ سکتا ہے۔ کیا تم یہ بات اُسے یاد دلا سکتی ہو؟ جواب ملا کہ ہاں! میں نے جواب دیا کہ پھر بتاؤ یہ کب واقعہ ہوا تھا؟ جواب ملا کہ سات سال ہوئے ہیں +

یہ واقعہ کہاں ہوا تھا؟

سٹرہیٹر واقعہ لین انیس ہیں۔

یہ کس طرح واقعہ ہوا تھا؟

ایک سنیچر کی شام کو وہ اور میں دفتر سے گھر کی طرف جا رہی تھیں زمین پر برف پڑی ہوئی تھی۔ جب ہم مسز ہول کے گھر کے سامنے پہنچیں تو میری اس دوست لیڈی کا پاؤں چکنے پتھر پر سے پھسل پڑا۔ اور وہ گر گئیں اور اُن کی پیٹھ پر چوٹ آئی +

جب میں نے یہ پیغام اونچی آواز میں پڑھے تو وہ دوست لیڈی بول اٹھیں کہ اوہو! جولیا تمہاری مراد اس واقعہ سے تھی۔ اب مجھے وہ اچھی طرح یاد ہے۔ میں پیٹھ کے درد کے باعث دو یا تین دن تک بستر پر پڑی رہی تھی۔ لیکن مجھے اس بات کا علم نہیں تھا۔ کہ میری ریڑھ کی ہڈی کو چوٹ

آئی ہے +

مجھے اسی طرح کی اور زیادہ مثالیں دینے کی چنداں ضرورت نہیں ہے اس طرح شروع کی ہوئی خط وکتابت پندرہ سال سے زیادہ عرصے سے ہوتی رہی مجھے جولیا کی ہستی اور اس کی شناخت کی بابت کچھ بھی شک نہیں ہے۔ ٹھیک جس طرح کہ مجھے اپنی بیوی یا اپنی بہن کی بابت کچھ شبہ نہیں ہے۔

اس مثال میں مرحوم مرنے سے پہلے کئے ہوئے وعدہ کو پورا کرنے کی خاطر دوبار جسمانی شکل میں ظاہر ہوئی تھی۔ اس کے بعد پیغاموں کے لکھنے کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ جس کی تصدیق پہلے ایک گمراہ کنندہ پیارے نام سے ہوئی جس سے کہ پیغام بھیجنے والا معلوم ہوتا تھا اور دوسرے اپنی دوست کو پوری تشریح کے ساتھ ایک ایسے واقعہ کی یاد دہانی سے ہوئی جو کہ وہ بھول چکی تھی۔ ان پیغاموں کے حاصل کرنے میں خود میرے سوا کسی اور میڈیم کا دخل نہیں تھا میرا ارادہ کسی بات کو غلط یا خود بنا کر پیش کرنے کا نہیں تھا جیسا کہ میرے مذکورہ بالا بیان سے ثبوت ملتا ہے کہ میں کافی ثبوت کا طالب تھا نہ کہ میں ضعیف الاعتقاد لیکن باتیں ٹھیک ویسے ہی ظہور میں آئیں۔ جیسا کہ میں نے بیان کی ہیں۔ تب اگر میں نے ان کل پیغاموں کو حاصل کر کے ایسا محسوس کیا کہ میں درحقیقت روحانیوں کے ساتھ خط وکتابت کر رہا تھا۔ تو کیا آپ اس سے متعجب ہو سکتے ہیں؟

ان اشخاص میں بھی کہ جو میرے مذکورہ بالا بیان کی صداقت میں تامل کرنیکی جرات نہیں کرینگے۔ ایسے شخص موجود ہونگے۔ جو یہ کہینگے کہ اس سے تو صرف زندہ آدمیوں کے ساتھ دماغی خبر رسانی ٹیلی پیتھی، کا مسئلہ صحیح ثابت ہونے سے بڑھکر اور کسی بات کا ثبوت نہیں ملتا۔ میں بھی ان کے اس بیان کی صداقت کو تسلیم کرتا ہوں۔ بشرطیکہ یہ بات بھی قبول کر لی جاوے کہ ہمیں کسی شخص کے اندرونی خیالات کا بغیر اس شخص کے اس بات سے خبردار ہونیکے پتہ لگ سکتا ہے۔ مندرجہ بیان میں پیغام

بھیجنے والے کے دماغ کی بے خبری کی حالت میں وہ کچھ معلوم ہوا کہ جو اسے ہوش کی حالت میں فراموش ہو چکا تھا۔ انسان کے بےخبر دماغ کے ذریعہ خبر رسانی (ٹیلی پیتھی)، کا عمل ہمیں اس دنیا سے گزرے ہوئے انسانوں سے حاصل کئے ہوئے پیغاموں میں یقین کرنے کی طرف لیجاتا ہے لیکن اس دنیا سے گزری ہوئی روحوں نے بھی اسی قسم کے پیغام بھیجے ہیں۔ کہ جن کے بارے میں ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس دنیا کے دماغ کے لحاظ سے بے خبر یا باخبر انسانوں کے ذریعہ ٹیلی پیتھی کے عمل سے اُن کا کوئی تعلق ہے +

یہ وہ پیغام ہیں جو نہ صرف گذشتہ اور موجود واقعات کا پتہ دیتے ہیں بلکہ جن کے ذریعہ بعض اوقات زمانہ مستقبل میں ہونے والے واقع۔ یا واقعات کے بارے میں بھی پہلے سے خبر ملتی ہے +

ٹھیک اسی دن جس دن مذکورہ بالا پیغام ثبوت کے طور پر مجھ تک پہنچا۔ جولیا نے ایک پیشینگوئی کی۔ یا اُسے پیشینگوئی تو کیا کہیں در اصل وہ ایک دوست نے ذریعے دوسرے دوست کو ایسے وعدے کرنے سے باز رکھنے کے لئے اطلاع تھی کہ جنہیں وہ پورا نہ کرسکیگا۔ کیونکہ وہ اسوقت انگلینڈ سے تین ہزار میل کے فاصلے پر ہوگا۔ میرے دوست نے اس اطلاع پر تمسخر اُڑایا۔ یہ خبر دوبارہ ملی۔ دونوں بار میرے دوست نے اس پر حقارت سے دیکھا۔ لیکن میرے دوست کو جو وعدے کئے تھے۔ وقت آنے پر فسخ کرنے پڑے۔ کیونکہ اُنکے لئے اس دور دراز جگہ میں جانا ضروری ہوگیا جس کا جولیا نے نام بتایا تھا جس کے بارے میں اس نے پیشینگوئی کی تھی +

ممکن ہے اس واقعہ کے بارے میں یہ اعتراض کیا جاوے۔ کہ اس پیشینگوئی کے پورا ہونے میں اس پیشینگوئی کا بتا دینا بھی مددگار ثابت ہوا ہے۔ خیر دلیل کے لئے اگر یہ مان بھی لیا جاوے۔ تو یہ اعتراض اُس شہادت کے بارے میں نہیں کیا جا سکتا جو کہ میں اب پیش کرنے لگا ہوں چند سال گزرے میرے ہاں ایک بہت دماغ والی لیڈی نوکر تھی لیکن اُسکا مزاج بہت متلون اور جسم کمزور تھا۔ ایک سال جنوری میں اس سے اسقدر

تنگ آگیا۔ کہ میں اُسے برطرف کرنے کے بارے میں سنجیدگی کے ساتھ سوچنے لگا۔ اسی وقت جولیا نے میرے ہاتھ کے ذریعہ یہ لکھا۔ "ای۔ ایم۔ کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ۔ وہ اس سال کے اخیر تک ہمارے پاس پہنچ جاویگی"۔ میں حیرانی سے چونک پڑا کیونکہ کوئی بات ایسی نہ تھی جس سے مجھے اس لیڈی کے مرنے کا گمان ہو سکتا۔ میں نے اس پیغام کا اس سے کچھ ذکر نہ کیا۔ اور اُسے اپنے ہاں بدستور ملازم رہنے دیا۔ میرے خیال میں یہ خبر شاید ۵ یا ۱۱ جنوری کو مجھے ملی۔

فروری۔ مارچ۔ اپریل اور مئی کے مہینوں میں بھی اسی ذریعہ سے پھر یہ خبر ملتی رہی۔ ہر بار اور باتوں کے بارے میں لمبی خط و کتابت کے ضمن میں یہ الفاظ "ای۔ ایم اس سال کے اخیر تک مرجائیگی" بطور یاد دہانی کے لکھے ہوئے ہوتے۔ جولائی میں ای۔ ایم بے خبری سے ایک کیل نگل گئی۔ یہ کیل اس کے اپنے پنڈکس (انتڑیوں کا ایک حصہ) میں جا کر بیٹھ گئی۔ دونوں ڈاکٹروں کو جو اس کا علاج کرتے تھے۔ اس کے بچنے کی امید نہ رہی پھر جب جولیا میرے ہاتھ کے ذریعے کچھ لکھ رہی تھی۔ میں نے اشارتاً کہا "میں خیال کرتا ہوں کہ ویسا ہی ہو رہا ہے جیسی کہ آپ نے پیشینگوئی کی تھی"۔ اس پر میری حیرانی کی کوئی حد نہ رہی۔ جب یہ لکھا گیا "نہیں وہ اس مصیبت سے بچ رہے گی۔ لیکن پھر بھی وہ اس سال کے اختتام تک گزر جاوے گی"۔ ای۔ ایم اچانک تندرست ہو گئی۔ ڈاکٹروں کو بہت تعجب ہوا اور وہ اپنا روزمرہ کا کام کرنے لگی۔

ماہ اگست۔ ستمبر۔ اکتوبر اور نومبر میں اس کی موت کے دن کے نزدیک پہنچنے کی خبر میرے ہاتھ کے ذریعے یاد دلائی جاتی رہی۔ ماہ دسمبر میں وہ ان فلوائنزا (سخت زکام) سے بیمار ہو گئی۔ میں نے پھر جولیا سے کہا "آیا وہی کچھ ہونے والا ہے جس کی پیشنگوئی کی گئی ہے"۔ میں پھر حیران ہوا۔ جب جولیا نے یہ لکھا۔ "نہیں وہ معمولی طور سے ہمارے پاس نہیں آئیگی لیکن وہ سال کے اخیر سے پہلے ضرور آویگی"۔ میں بہت ڈرا۔ لیکن مجھے بتلایا گیا کہ

میں اس کو روک نہیں سکتا۔ کرسمس کے دن آئے۔ ای۔ ایم سخت بیمار ہوئی۔ لیکن سال گذر گیا۔ اور وہ زندہ رہی۔ میں نے جولیا کو کہا "ای۔ ایم ابھی تک زندہ ہے۔ آپ غلطی پر تھیں"۔ جولیا نے جواب دیا "میرے کہنے میں چند دنوں کی غلطی ہو سکتی ہے۔ لیکن جو کچھ میں نے کہا ہے۔ وہ ٹھیک ہے +

جولیا نے ۱ جنوری کے قریب میرے ہاتھ کے ذریعے لکھا "آپ جب ای۔ ایم کو کل ملنے جاؤ۔ تو اس کو الوداع کہہ آنا۔ تمام ضروری تیاری کر چھوڑو تم پھر اس کو اس دنیا میں نہیں دیکھو گے"۔ میں اس سے ملنے گیا۔ اس کو بخار چڑھا ہوا تھا۔ بری طرح سے کھانسی ہوتی تھی۔ وہ ایک ایسے ہسپتال میں جانے کو تھی۔ جہاں بہتر طور پر اس کی خبر گیری ہو سکے۔ جب تک میں اس کے پاس رہا وہ اپنے کام کے بارے میں جو کچھ کرنا چاہتی تھی۔ اس کا ذکر کرتی رہی۔ جب میں نے اسے الوداع کہا تو میں نے خیال کیا کہ آیا جمیں نے کیا۔ اب بھی تو غلطی نہیں کھائی +

دو دن کے بعد مجھے تار ملا کہ ای۔ ایم سخت بے ہوشی کی حالت میں چار منزل پر ایک کھڑکی سے گری اور نیچے مردہ پائی گئی! یہ پہلی اطلاع کے دینے کے بعد بارہ ماہ کے اختتام سے ایک دو دن پہلے واقع ہوا +

اس بیان کی صداقت اصل پیغاموں کے دستاویزات سے ثابت ہو سکتی ہے۔ جن پر میرے دو سکرٹریوں کے دستخط ہیں۔ جن کو میں نے جولیا کے اس بارے میں خبر پہنچانے کا پتہ دیا تھا۔ اور جن کو اس کے پوشیدہ رکھنے کا حکم تھا +

اس سے بہتر پیشین گوئی اور مضبوط مثال کیا ہو سکتی ہے۔ یہ ایک دفعہ نہیں بلکہ بارہ دفعہ تحریر میں آئی۔ تم اس کا چاہے کچھ ہی باعث تصور کرو۔ لیکن ٹیلی پیتھی چاہے وہ خبر یا باخبر انسانوں کے ذریعے ہو۔ اس کا باعث نہیں ہو سکتی +

اس لیڈی نے جس کا نام ای۔ ایم سے مخفف کیا گیا ہے۔ اور جس کی خوفناک موت کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ میرے ساتھ وعدہ کیا تھا۔ کہ اگر وہ مجھ سے

پہلے مری تو وہ میرے لئے چار کام کریگی - وہ اپنی حین حیات میں میرے ہاتھ کے ذریعہ ہمیشہ لکھتی رہی تھی اور اس نے وعدہ کیا تھا کہ اول وہ اگر ہو سکا تو وہ اپنے موت کے بعد کے حالات میرے ہاتھ کے ذریعہ تحریر کریگی - دوسرے اگر ہو سکا تو وہ اپنے ایک یا دو دوستوں کو دکہائی دیگی تیسرے وہ اپنی تصویر فوٹو کے ذریعہ کھچوائیگی - اور چوتھے وہ کسی میڈیم کے ذریعے میرے پاس پیغام بھیجیگی - جس پر کہ ایک دائرے میں کراس کا نشان ہوگا +

لیڈی ای - ایم - نے اپنے چاروں وعدونکو پورا کیا ہے +

(۱) انہوں نے کئی بار میرے ہاتھ کے ذریعے لکھا ہے - اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسی ہی آسانی سے میرے ہاتھ کے ذریعے لکھ سکتی ہیں جیسے کہ وہ اس دنیا میں پہلے لکھا کرتی تھیں +

(۲) وہ میرے دو دوستوں کو دکہائی دے چکی ہیں - جن میں سے ایک مرد ہے اور ایک عورت - وہ ایک دفعہ آدمیوں سے پُر کہانا کہانیوالے کمرے میں نظر آئیں اور صرف اپنے دوستوں کو دکہائی دیں - جنہوں نے بیان کیا ہے - کہ اُنہوں نے انہیں صاف طور پر دیکھا - ایک اور موقع پر وہ گلی میں عین دن کے وقت ظاہر ہوئیں - کچھ دور تک چلتی دکہائی دیں اور پھر گم ہوگئیں - اُن کی شکل اُن کی پہلی شکل سے اس قدر مشابہ تھی کہ یہ کہنا کہ کوئی اور وجود ہو سکتا ہے - بہت مشکل تھا +

(۳) ان کی موت کے بعد کم از کم آدھی درجن بار اُنکا فوٹو لیا جا چکا ہے اُنکی تمام تصویریں بخوبی پہچانی جا سکتی ہیں - اور اُن میں سے کوئی اُنکی حین حیات میں لی ہوئی کسی فوٹو کی نقل نہیں ہے +

(۴) اب صرف ایسے پیغام کا ثبوت باقی رہتا تھا کہ جس پر دائرے میں کراس کا نشان ہو - چند مہینوں تک مجھے ایسا کوئی پیغام نہ ملا - میں اس بارے میں تمام امید کھو چکا تھا - جب ایک دن ایک میڈیم نے جو کہانا کہا رہا تھا - پہلی دفعہ ہی کوشش کرنے سے یہہ پیغام لکھا "ولیم کو کہہ دو - کہ جو کچھ میں نے کہا ہے - اس کے لئے مجھ پر الزام نہ لگائے میری

طاقت میں نہ تھا۔ کہ میں ایسا نہ کرتی" پھر اس پر دائرے کے اندر کراس کا نشان کھنچ گیا۔ اس نشان سے میرے سوا اور کوئی واقف نہ تھا۔ میں نہ اس میڈیم کو جانتا تھا۔ اور نہ ہی اس وقت حاضر تھا۔ نہ ہی میرا کوئی ایسا دوست وہاں تھا۔ جسے ای۔ ایم سے پیغام حاصل کرنے کی امید ہو۔

کیا یہہ تعجب کی بات ہے۔ کہ ایسے تجربوں کے بعد مجھے روحوں کی طرف خبر بھیجنے اور اُن سے خبر حاصل کرنے کے امکان میں اس سے زیادہ شک نہیں ہے جتنا کہ اس مضمون کو ہاربنجر آف لائٹ کے ایڈیٹر تک پہنچانے میں رہتا ہے۔

میں روحوں کے فوٹو کھینچنے کی طرف اشارہ کر چکا ہوں۔ میں اُس بیان کی صداقت پر اعتراض کرنے والے کو بے ہتھیار کرنے کے لئے پہلے ہی یہ تسلیم کرتا ہوں کہ روحوں کے جھوٹے فوٹو کھینچنا جس قدر آسان ہے۔ اس قدر کوئی اور چیز آسان نہیں ہے۔ اور ایک ہوشیار شعبدہ باز نہایت محتاط سے محتاط آدمی کو دھوکا دے سکتا ہے لیکن پہلے سے خاص نشان کی ہوئی پلیٹیں کہ جن کو میں خود ہی لگاتا ہوں اور جن کو میں خود ہی کیمرہ میں رکھکر شیشے کا منہ کھولتا ہوں۔ اور جنہیں میں خود ہی ڈیولپ (تیار) کرتا ہوں اس قسم کے دھوکے میں آنے سے مجھے قطعی طور پر بچاتی ہیں۔ مگر روحوں کے فوٹو کی صداقت میں میرا یقین اس سے بھی بہت زیادہ مضبوط بنیاد پر قایم ہے۔ کیونکہ ایک تجربہ کرنے والا ممکن ہے۔ پھر بھی اپنی چوکسی میں غلطی کر جائے روحوں کے فوٹو کی صداقت کا سب سے بڑھکر ثبوت یہہ ہے۔ کہ ایک ایسے مردہ انسان کی صاف طور سے پہچانی جانے والی فوٹو ایک ایسے فوٹوگراف سے کھچ جاتی ہے۔ کہ جس کی ہستی سے وہ فوٹوگراف بالکل ناواقف ہو۔ اور کیمرہ کے سامنے بیٹھے ہوئے انسان کو بھی اپنے آس پاس کوئی شکل دکھائی نہ دیتی ہو۔ میں نے ایسے فوٹو ایک دفعہ نہیں بلکہ بہت دفعہ لئے ہیں۔ میں یہاں ان میں سے ایک کا بیان کرونگا۔ فوٹوگراف جو روحوں کی تصویریں کھینچتا ہے۔ ایک ان پڑھ بہت بوڑھا آدمی ہے۔ اور ہم

لوگ ایک وقت میں اس کے اس کام میں بہت روک بنے ہوئے تھے۔
وہ روحوں کو دیکھنے اور روحوں کی باتیں سننے کی طاقت بھی رکھتا ہے
بوئر لوگوں کے ساتھ گزشتہ جنگ کے دنوں میں میں ایک دوست کے ساتھ
فوٹو گرافر مذکورہ سے تصویر اتروانے گیا۔ میں ابھی بیٹھا ہی تھا۔ کہ اس
بوڑھے آدمی نے کہا "ایک دن مجھے بہت ڈر لگا تھا کیونکہ ایک بوڑھا بوئر
بندوق لئے ہوئے سٹوڈیو (تصویر لینے کے کمرے) میں آیا۔ اسکی ہیبتناک
شکل سے خوفزدہ ہو گیا تھا میں نے اسکو کہا "تم یہاں سے چلے جاؤ۔ کیونکہ
میں بندوقونکو پسند نہیں کرتا" اس پر وہ چلا گیا۔ لیکن آج اب وہ تمہارے
ساتھ آیا ہے۔ اب اسکے پاس بندوق نہیں ہے۔ اور نہ ہی اسکی ویسی
ڈراؤنی شکل ہے۔ کیا وہ اندر آجاوے"؟

میں نے جواب دیا "ہاں" اور پوچھا کہ "تم اسکا فوٹو بھی کھینچ سکتے ہو"+

بوڑھے آدمی نے جواب دیا "میں ٹھیک نہیں کہہ سکتا۔ میں
کوشش کرونگا"+

اس پر میں کیمرہ کے آگے بیٹھ گیا۔ باقاعدہ لینس کا شیشہ ننگا کیا گیا
نہ ہی مجھے اور نہ ہی میرے دوست کو اس کمرے میں فوٹو گرافر اور ہمارے
سوائے کوئی شخص دکھائی دیتا تھا۔ پیشتر اس کے فوٹو گرافر نے کیمرے
سے پلیٹ کو نکالا۔ میں نے اس فوٹو گرافر سے پوچھا:-

"تم اس دن بوئر کے ساتھ بولے تھے۔ کیا تم آج بھی اس
کے ساتھ بات چیت کر سکتے ہو"؟

بوڑھے آدمی نے کہا "ہاں میں کوشش کر سکتا ہوں"+

میں نے کہا "اس کا نام پوچھو"+

فوٹو گرافر دماغی سوال پوچھنے اور اس کا جواب سننے کی حالت
میں معلوم ہوا+

پھر اس نے کہا "وہ کہتا ہے میرا نام پائیٹ بوتھا ہے"+

میں نے کہا۔ ارے پائیٹ بوتھا! میں فلپ بوتھا۔ لوئیس بوتھا۔ کرس

بوتھا۔ اور کتنے ہی اور بوتھا ز جانتا ہوں۔ لیکن پائیٹ بوتھا تو میں نے کبھی نہیں سُنا!"

بوڑھے آدمی نے پھر کہا۔" وہ اپنا نام یہی بتاتا ہے" +

جب اس نے پلیٹ کو تیار کیا۔ تو میرے پیچھے ایک بال دار لمبا مضبوط آدمی دکھائی دیا جس کو ایک بوئر یا ایک موزک کہا جاسکتا تھا۔ میں نے اس وقت اور کچھ نہ کہا اور جنگ کے خاتمہ کی انتظار کی آخرکار جب مشہور جنرل بوتھا لنڈن میں آئے۔ تب میں نے پرانی اورنج فری سٹیٹ کے وزیر اعظم مسٹر فشچر کے ذریعے انکے پاس یہ فوٹو بھیجا۔ دوسرے دن مسٹر ویزل ایک اور فری سٹیٹ کا ڈیلی گیٹ مجھ سے ملنے آیا +

اُس نے دریافت فرمایا۔" آپ نے یہ فوٹو جو آپ نے فشچر کو دیا تھا کہاں سے حاصل کیا ہے"؟

میں نے جس طرح سے حاصل کیا تھا ٹھیک ٹھیک بتا دیا +

اس نے سر ہلایا اور کہا۔" میں ایسی گپوں میں یقین نہیں رکھتا۔ آپ ٹھیک ٹھیک بتائیں کہ آپ نے یہ فوٹو کہاں سے حاصل کیا تھا جس کا یہ فوٹو ہے۔ ولیم سٹیڈ کو نہیں جانتا تھا۔ اور وہ کبھی انگلینڈ میں نہیں آیا" +

میں نے جواب دیا۔" کچھ ہی ہو۔ میں بتاچکا ہوں جس طرح سے میں نے اسے حاصل کیا اگر آپ کو پسند نہیں تو آپ مجھ پر یقین نہ کریں۔ لیکن آپ اس بارے میں اس قدر فکرمند کیوں ہیں"؟

اس نے کہا۔" کیوں؟ کیونکہ وہ میرا نزدیکی رشتے دار تھا۔ اُسکی تصویر میرے وطن میں میرے گھر میں لٹکتی ہے" +

میں نے کہا۔" ہاں کیا وہ مرچکا ہے"؟

اُس نے جواب دیا۔" کیمبرے کے محاصرے میں یہ بوئر دل کا پہلا کمانڈر تھا کہ جو مارا گیا" +

میں نے پوچھا۔" اس کا نام کیا تھا"؟

اس نے بتایا۔" پاسٹرس یوہنس بوتھا۔ لیکن ہم اُسے ہمیشہ پائیٹ

بوتھا بلایا کرتے تھے"+

یہ فوٹو اب تک میرے پاس ہے۔ حال میں ہی دو اور فری سٹیٹ کے باشندوں نے اسے پہچانا ہے۔ جو کہ پرائیوٹ بوتھا سے اچھی طرح واقف تھے۔ کم ازکم یہ واقعہ ایسا نہیں ہے۔ جس کی ٹیلی پیتھی جواب دیسکتی ہے۔ نہ ہی یہہ دھوکا کہا جاسکتا ہے۔ یہ صرف اتفاقاً تھا۔ کہ میں نے فوٹوگرافر سے اس روح کا نام دریافت کیا۔ جس قدر میں معلوم کرسکتا ہوں۔ نہ ہی انگلینڈ میں ایسا کوئی شخص تھا۔ جو جانتا ہو کہ پرائیوٹ بوتھا کبھی ہوا تھا+

جس چیز کی ضرورت ہے۔ وہ یہہ ہے۔ کہ وہ انسان جو موت کے بعد زندگی میں یقین نہیں رکھتے۔ وہ ایمانداری سے بتائیں کہ کس قسم کی شہادت پیش کرنے سے انہیں یقین آسکتا ہے۔ میں نے ان مضامین میں جو کچھ بتایا ہے۔ وہ میرے خیال میں موت کے بعد زندگی کے قیام کی مدلل شہادت ہے۔ مذکورہ بالا تمام واقعات میرے ذاتی تجربے ہیں۔ انکی صداقت کا یقین میرے ناظرین کے لئے میری سچائی کی نسبت انکے اندازہ پر منحصر ہے۔ یہ باتیں دراصل ایسے ہی وقوع میں آئیں۔ جیسی کہ میں نے تحریر کی ہیں۔ فرض کرو۔ اگر یہہ باتیں آپ کے سامنے وقوع میں آتیں تو آپ انہیں تسلیم کرنے سے انکار کرتے؟ کم ازکم اس مضمون میں پوری پوری سائنٹیفک تجربہ کی بنا پر تحقیقات سے یہ امر صاف طور پر ثابت ہوتا ہے۔ کونسی اور شہادت۔ کس قسم کی شہادت۔ کن حالات میں شہادت یقین دلانے کے لئے چاہیئے؟

میں یہہ نہیں کہتا کہ کسی دوسرے آدمی کی گواہی پر جلدی سے کسی بات کو تسلیم کر لینا چاہیئے۔ یہ سچ ہے۔ کہ تمام انسان ٹھیک اسی طرح میڈیم نہیں جیسے کہ تمام ٹیلی فون مازکوئی پیغام (بغیر تار کے خبر) حاصل نہیں کرسکتے۔ میں اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتا ہوں۔ کہ میں بذات خود میڈیم ہوں۔ اس سے ایک دقت تو حل ہو جاتی ہے لیکن اس دنیا میں

بہرت سے ایماندار میڈیم ہیں۔ شاید کچھ تمہارے اپنے کنبے میں ہوں اگر تم اُنہیں معلوم کرنا چاہو +

اخیر میں یہ عرض ہے۔ کہ میں پچھلے پندرہ سال سے پے درپے براہ راست شہادتوں کے ذریعے اس یقین پر پہنچا ہوں۔ کہ موت کے بعد انسانی وجود قایم رہتے ہیں۔ اور ان کے ساتھ بات چیت کی جاسکتی ہے۔ لیکن میں نے ہمیشہ کہا ہے۔ کہ "میں اس وقت تک اس بات پر اپنا آخری یقین ظاہر کرنے کے لئے انتظار کرونگا۔ جب تک میرے اپنے کنبہ میں سے کوئی گزر نہیں جاتا" +

بارہ مہینے گزرے کہ اسی دسمبر کے مہینے میں میرا سب سے بڑا لڑکا جس کو میں نے اس امید کے ساتھ تربیت دی تھی کہ وہ میرے بعد میرا جانشین ہوگا تینتیس برس کی عمر میں فوت ہوگیا۔ میرے اور اس کے درمیان سب سے زیادہ نزدیکی کا رشتہ تھا۔ کوئی مجھے جھوٹ موٹ میرے پیارے لڑکے کی طرف سے پیغاموں کو بتاکر دھوکا نہیں دیسکتا +

اب بارہ مہینے گزر چکے ہیں۔ اس عرصہ میں تقریباً ہر ہفتہ میرے لڑکے نے اپنے پیغاموں کے ذریعہ مجھے خوش کیا۔ اور تسلی دی۔ اور میں محسوس کرتا ہوں کہ وہ اب پہلے سے بھی زیادہ میرے نزدیک اور میرے لئے عزیز بنگیا ہے۔ اس سے پہلے بارہ مہینے میں گھر سے باہر رہا تھا۔ اُس عرصہ میں مجھے اُسکی طرف سے کم خبر ملی۔ بہ نسبت اس کے کہ پچھلے بارہ مہینے میں کہ جب سے وہ اس دنیا کو چھوڑ چکا ہے۔ میں نے اپنے ہاتھ سے اسکے ساتھ خط وکتابت نہیں کی۔ میں اس سے اسقدر واقف تھا کہ میں نے خیال کیا کہ جو کچھ میں لکھونگا۔ وہ شاید گزشتہ زمانے میں اسکے ساتھ میری بات چیت کی بیخبر گونج نہ ہو۔ اُس نے میرے ساتھ دو کم واقف شخصوں کے ذریعے خط وکتابت کی۔ اور وہ پیغام سب کے سب اسکے اپنے چال چلن اور طرز خیالات کی ویسی ہی صاف مہر رکھتے ہیں۔ جیسے کہ اس دنیا میں اسکے قیام کے دنوں میں میرے نام کے خط رکھتے تھے +

اس کے بعد میرے لیئے اب شک کی گنجائش نہیں رہی۔ میرے لیئے مسئلہ حل ہو گیا ہے سچائی کی تصدیق ہو گئی ہے۔ اور مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ مجھے تمام دنیا کو کھلم کھلا یہ کہنے کا موقع مل گیا ہے کہ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے۔ میرے لیئے اس بارے میں شک کرنا ناممکن ہے"۔

اعرافی۔ اس مسیحی فاضل کی مذکورہ بالا تحقیقات واقعی اس خیال کی سخت تردید کرتی ہے۔ کہ روح جسم کے ساتھ ہی فنا ہو جاتی ہے۔

مسلم۔ مگر ایک دوسرے مسیحی سائنس دان کے خیالات و مشاہدات کا بھی حال سنو!

بائیسویں فصل

مشاہدات

اعرافی۔ یہ مسیحی سائنسدان کون صاحب ہیں؟

مسلم۔ یہ صاحب ایک بڑے اعلیٰ پایہ کے سائنس کے پروفیسر ہیں ان کا نام ہے۔ سر ولیم کروکس۔ سر ولیم کروکس روح کی آئندہ زندگی کے ثبوت میں اپنے مشاہدات کا بدیں الفاظ ذکر کرتے ہیں:۔

میرے نزدیک اہل سائنس کا یہ فرض ہے۔ کہ وہ ان مشاہدات پر غور کریں جو کہ عام طور پر دیکھنے میں آتے ہیں۔ اور جن مشاہدات کی طرف پبلک کی توجہ اسقدر لگی ہوئی ہے۔ تاکہ وہ جان سکیں کہ آیا یہ مشاہدات درحقیقت کسی اصلیت پر مبنی ہیں۔ یا محض ایک قسم کی شعبدہ بازی ہے۔ مادی اشیا کا ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جائے جانا۔ اور اس قسم کی آوازوں کا آنا جو کہ برقی طاقت سے پیدا شدہ آوازوں سے ملتی ہوں۔ اس قسم کے مشاہدات ہیں جنکی صداقت کا مجھے اسی طرح کامل طور پر یقین ہے۔ جس طرح کہ میں

کیمسٹری کے ابتدائی اصولوں پر یقین رکھتا ہوں۔ میری تحقیقات سب کی سب سائنس کی بنا پر نہایت ہی ٹھیک پیمانہ پر رہی ہے۔ اور میں صاف الفاظ میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں۔ کہ میرا ان مشاہدات میں یقین نہایت ہی کامل چھان بین کے بعد پختہ ہو گیا ہے۔ میں نے بطور ایک سائنسدان کے ایسی تحقیقات کی ہے۔ جو معمولی آدمی نہیں کر سکتا۔ ایک سائنسدان علم و عقل کی بدولت شروع سے اخیر تک اپنے سامنے تجربات و مشاہدات کا ایک سلسلہ رکھتا ہے۔ اور وہ یہ بھی جانتا ہے۔ کہ جہاں ایک طرف ان مشاہدات میں خطرہ اور شبہ موجود ہے۔ وہاں دوسری طرف اس کو بالکل یقینی صداقت بھی نظر آتی ہے۔ لیکن جہاں قدم قدم پر عجائبات نظر آرہے ہوں۔ وہاں اس کے لیئے لازم ہوتا ہے۔ کہ وہ ان کی صداقت کو جانچنے کے لیئے زیادہ سے زیادہ اور سخت سے سخت تجربات کرے۔ اہل تحقیق کو ضرور اپنا کام کرنا چاہیئے۔ خواہ انکا کام مقدار میں کتنا ہی تھوڑا کیوں نہ ہو۔ لیکن اس کام کا کافی معاوضہ مل جاتا ہے۔ تو اہل سائینس کو تسلی ملنی چاہیئے۔ کہ عجائبات کی اس روحانی دنیا میں جسکی طرف کہ اہل سائنس اپنے قدم بڑھا رہے ہیں۔ کیا اس سے بڑھکر کوئی حیرانی کی بات ہو سکتی ہے۔ کہ وہ اپنے حواس خمسہ پر اعتبار نہ کر کے بہت سے دوسرے آلات کا بھی استعمال کرتے۔ تا کہ انکو کسی قسم کا شبہ نہ رہے۔ جن اہل سائنس کے سامنے یہ تجربات کیئے جا رہے ہیں۔ ان کی تعداد اگرچہ زیادہ نہیں ہے۔ مگر اس میں شک نہیں کہ یہ مضمون فزیالوجی کا ایک معرکہ کا مضمون ہے۔ اور جب مشاہدات ہمارے دل میں ایک خاص یقین پیدا کر دیتے ہیں تو ہم ان کو روحانی ماننے کیلئے مجبور ہوتے ہیں۔ اس وقت تک میں نے جو مادی مشاہدات کئے ہیں۔ ان سے میری عقل حیران ہے۔ اور مجھے ان کا کوئی حل نہیں سوجھتا۔ یہی حالت روحانی اور دماغی مشاہدات کی ہے۔ جن سے کوئی فلاسفر انکار کرنے کی جرات نہیں کر سکتا۔ اسی طرح بہت سے ایسے واقعات کا سلسلہ ہے کہ جن کو بیان کرنے سے قلم قاصر ہے۔ لیکن ان باتوں کا ٹھیک کامیابی سے پتہ

لگانیکے لئے فلاسفر کو آگے آنا چاہئے اور بغیر کسی قسم کے تعصب یا ضد کے تجربہ کرنا چاہئے۔ اور اس بارے میں اس کو ایسی ہی بے رحمی اور سرد مہری سے تحقیقات کرنی چاہئے۔ جیسے کہ اس کے سائنس کے آلات بے رحم ہوتے ہیں۔ اس صورت میں اس کو یقین ہو جائے گا کہ جو واقعات اس کے سامنے ہو رہے ہیں۔ وہ خواہ اس کے نزدیک ممکن ہوں۔ یا ناممکن لیکن اس میں شک نہیں۔ کہ وہ ہو ضرور رہے ہیں۔ اس مسافر کی طرح جو کہ ایک دور دراز کے ملک میں تحقیقات کر رہا ہو۔ ایسا ملک جسکے عجائبات کی بابت اس نے دوسروں کی زبانی بہت کچھ سن رکھا ہو۔ میں چار سال سے اس روحانی عجائبات کی دنیا میں نہایت ہی سرگرمی اور سرد دری سے تحقیقات کر رہا ہوں۔ اس بارے میں جو تجربات اور مشاہدات میں نے کئے ہیں۔ میں یہ شہادت دیسکتا ہوں۔ کہ اگرچہ وہ میرے پیشتر سے جمے ہوئے مادی سائنس کے اعتقادات کے برخلاف تھے لیکن اب بھی جب میں ان مشاہدات کو یاد کرتا ہوں۔ تو میرے دل میں یہ تعصب پیدا ہوتا ہے۔ کہ وہ لوگ جو یہہ دلیل دیتے ہیں کہ یہ تجربات و مشاہدات مادی سائنس کے اصولوں کے برخلاف ہیں۔ انکی یہ دلیل بالکل نامعقول معلوم ہوتی ہے۔ جبکہ امر واقعہ یہہ ہے۔ کہ یہہ مشاہدات و تجربات سب کے سامنے کئے گئے۔ اور یہ تو ہو نہیں سکتا۔ کہ دیکھنے والوں کے سب ہوش مارے گئے ہوں۔ جو یہہ کہتا ہے۔ کہ دنیا میں کوئی ایسی چیز ہے جسکو کہ نظر بندی یا مخبوط الحواسی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ جس کے ذریعہ تمام ارد گرد کے دیکھنے والے ہاں میں ہاں ملاتے جاتے ہیں میرے نزدیک ایک بالکل لغو اور لچر خیال ہے میں اس قسم کی کسی نظر بندی کا قائل نہیں ہوں۔ سپرچوئلزم ایک قسم کا مذہب ہے۔ جسکی صداقت کے ہزاروں لاکھوں قائل ہیں۔ بہت سی حالتوں میں وہ میڈیم یا معمول کو عام لوگوں کے سامنے نہیں لاتے۔ کیونکہ وہ ان روحانی واقعات کو اہل سائنس کے تجربات کا تختۂ مشق بنانے کو معیوب سمجھتے ہیں۔ لیکن بطور ایک دوست کے مجھے یہہ خاص استحقاق دیا گیا تھا۔ کہ میں ان روحانی واقعات کا مشاہدہ اور تجربہ کروں۔

درخواست پر خود میرے ہی گھر میں یہ واقعات دکھائے گئے۔ اور میں یہ شہادت دیتا ہوں کہ یہ کسی قسم کی شعبدہ بازی نہیں تھی۔ کیونکہ میں نے اسکو سائنس کے ان تمام ممکن ذرایع سے جانچا۔ اور پڑتالا۔ جو کہ ان واقعات کی صداقت کو پانے کے لیے لازمی اور ضروری تھے۔ یہ واقعات دن کی روشنی میں کئے گئے جبکہ میڈیم کے علاوہ بہت سے دوسرے دوست بھی موجود تھے۔ میں نے ان واقعات کے متعلق جو کچھ تحقیقات کی ہے۔ میں اس کو بیان کرنا چاہتا ہوں۔ جرثقیل کے کسی قسم کے آلات کے بغیر بھاری بھاری بوجھ کا ایک جگہ سے دوسری جگہ تک منتقل کئے جانا مختلف قسم کی اونچی اور نیچی آوازوں کا آنا جسمونکے بوجھ میں تبدیلی ہونا میڈیم سے بہت فاصلے پر اشیا کا خود بخود حرکت میں آنا۔ میز اور کرسی کا بغیر کسی انسانی سہارے کے سطح زمین سے بلند ہونا۔ انسانی جسم کا ہوا میں معلق ہونا۔ چھوٹی چھوٹی اشیا کا بغیر چھونے کے ادھر ادھر حرکت کرنا۔ روشن شکلوں کا نمودار ہونا۔ ہاتھوں کا دکھائی دینا۔ جو کہ یا تو خود بخود روشن تھے۔ یا روشنی میں دیکھے گئے۔ براہ راست لکھنا۔ مختلف روحوں کی شکل وصورت کا نظر آنا۔ یہ تمام واقعات ایسی حالت میں ہوتے تھے۔ کہ یہ ماننا پڑتا ہے۔ کہ ان کو وقوع میں لانے والی کوئی عاقل ہستی ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ وہ ہستی کیا ہے ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ میں تجربات اور مشاہدات کی بنا پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ عاقل ہستی نہ تو میڈیم تھا۔ نہ ہی کمرے میں موجودہ اصحاب میں سے کوئی تھا۔ نہ ہی کمرے میں کسی انسان کا یہ فعل تھا۔"

پروفیسر کروکس صاحب نے بہت سے ایسے واقعات بیان کئے ہیں۔ جو کہ مذکورہ بالا بیان کی تائید میں ہیں۔ اور نتیجہ نکالا ہے کہ یہ تمام واقعات کسی بیرونی عاقل ہستی کے فعل کا نتیجہ ہیں۔ یہاں پر ان کے ایک تجربہ کا ذکر کیا جاوے گا۔ جو کہ نہایت ہی عجیب وغریب ہے۔ اس کی سرخی "روح کی شکل" ہے۔ پروفیسر کروکس صاحب کے گھر میں ایک میڈیم کو جس کا نام فلورنس ککُ تھا۔ لے جایا گیا۔ مس ککُ ایک غیر معمولی میڈیم تھی۔ جو روح اس میں کام کر رہی تھی۔ اس کا نام کیٹی کنگ تھا۔ کیٹی کنگ نے اپنے آپ کو

کس طرح ایک مادی شکل میں ظاہر کیا۔ اس کو پروفیسر کروکس کے ہی الفاظ میں ذیل میں بیان کیا جاتا ہے:۔

اس ہفتہ میں جبکہ روح کیٹی کنگ میڈیم سے الگ ہو کر جانے کو تھی تو اُس نے اپنے آپ کو ایک مادی شکل میں ظاہر کیا۔ تاکہ میں اس کی تصویر اُتار دوں۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے فوٹوگرافی کے پانچ مختلف مجموعے مہیا کئے گئے۔ ان میں سے ہر ایک مجموعے میں پانچ پانچ کیمرے تھے۔ ایک ہول پلیٹ کا کیمرا۔ دوسرا کوارٹر پلیٹ کا۔ اور دو بائنا کو رسٹیریوسکوپک کیمرا تھا۔ ان تمام کیمروں کو کیٹی کی تصویر لینے کے لئے ہر ایک موقع پر استعمال میں لایا گیا۔ جبکہ وہ تصویر کے لئے مادی شکل میں نمودار ہوئی تھی۔ تصویر سے پہلے تمام پلیٹوں کو اچھی طرح سے امتحان کے بعد تیار رکھا گیا۔ تاکہ تصویر لیتے وقت دیری نہ ہو۔ یہ پلیٹ میں نے اپنے ہاتھ سے تیار کئے تھے۔ اور میری مدد پر دو اسسٹنٹ تھے۔ میری لائبریری بطور ایک تاریک کمرے کے استعمال میں لائی گئی۔ اس کے دروازے "لیبوریٹری" میں کھلتے تھے۔ ان میں سے ایک دروازے کے کواڑ اُتار دیئے گئے۔ اور اسکی جگہ پردہ لٹکا دیا گیا۔ تاکہ کیٹی آسانی سے اندر باہر آجا سکے۔ ہمارے دوست جو وہاں موجود تھے پردے کو اچھی طرح سے دیکھ سکتے تھے۔ اور کیمرے اُسے پیچھے کی طرف کچھ فاصلے پر رکھے گئے۔ تاکہ کیٹی کی تصویر لینے کے لئے تیار رہیں ہر شام کے وقت پانچ کیمروں میں تین یا چار دفعہ تصویر لیجاتی تھی اور ہر ایک موقع پر پندرہ مختلف تصویریں اتاری جاتی تھیں۔ بعض ان میں سے دھوتے وقت خراب ہو گئیں۔ اس طرح میں نے چوالیس "نیگیٹو" تیار کئے جن میں سے بعض نہایت اعلیٰ تھے۔ کیٹی نے یہ ہدایت کر دی تھی۔ کہ تمام حاضرین توجہ کے ساتھ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہیں۔ لیکن اس نے مجھے اجازت دیدی تھی۔ کہ میں جو کچھ بھی چاہوں کروں۔ یعنے بند مکان میں جس طرح چاہوں کیٹی کو دیکھوں بھالوں۔ میں کئی دفعہ اس بند کمرے میں اس کے پیچھے گیا۔ اور میں نے کیٹی اور میڈیم کو دیکھا لیکن بعض اوقات بند کمرے میں اسکے پیچھے گیا

اور میں نے کیٹی اور میڈیم کو دیکھا۔ لیکن بعض اوقات بند کمرے میں سوائے میڈیم کے کوئی نہیں ہوتا تھا۔ اور کیٹی کی سفید پوشاک غائب ہو جاتی تھی۔ گزشتہ چھ ماہ سے مس کک اکثر میرے گھر پر آتی رہی اور وہ بعض اوقات ایک ایک ہفتہ میرے پاس ٹھہرتی رہی۔ اس کے ساتھ ایک چھوٹا سا بغیر قفل کے بیگ ہوتا۔ اس کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ جتنی دیر وہ میرے پاس ٹھہرتی ہے میری بیوی میں اور گھر کے دوسرے تمام ممبر موجود رہتے ہیں۔ اور اسکو الگ کمرے میں کبھی سونے نہیں دیا جاتا۔ جیسے حالات میں صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ وہ کسی قسم کی بناوٹ کی تیاری نہیں کر سکتی۔ میں اپنی لائبریری کے کمرے کو اپنے ہاتھ سے آپ صاف کرتا۔ اور اس کو تاریک کمرہ بناتا ہوں جبکہ مس کک کھانا کھانے کے بعد ہمارے ساتھ گفتگو میں مشغول ہوتی ہے۔ اور ایک منٹ کے لئے کبھی ہماری آنکھوں سے اوجھل نہیں ہو سکتی چنانچہ وہ اسی حالت میں سب کے سامنے بند کمرے میں لائی جاتی ہے۔ اور اُسکے گھنے پر کمرے کا اندر سے قفل لگا دیا جاتا ہے۔ اور اس کی چابی میں اپنے پاس رکھتا ہوں۔ گیس کی روشنی بجھا دی جاتی ہے۔ اور مس کک کو اندھیرے میں چھوڑ دیا جاتا ہے۔ تاریک کمرے میں داخل ہو کر مس کک فرش پر لیٹ جاتی ہے۔ اور اس کا سر ایک تکیہ پر ہوتا ہے۔ اور وہ بیہوش ہو جاتی ہے۔ تصویر اُتارتے وقت کیٹی نے معمول کے چہرے پر ایک دوشالہ ڈالدیا۔ تاکہ اس پر روشنی نہ پڑے۔ جس وقت کیٹی نزدیک کھڑی ہوتی تھی۔ تو میں اکثر پردے کو ہٹا دیتا تھا۔ اور ہم سب سات یا آٹھ اصحاب جو کہ تاریک کمرے میں موجود ہوتے تھے مس کک اور کیٹی کو برقی روشنی میں ایک ساتھ دیکھتے تھے۔ اس موقع پر ہم میڈیم کے چہرے کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ کیونکہ وہ شالی سے ڈھکا ہوا ہوتا تھا۔ بلکہ اس کے ہاتھ اور پاؤں نظر آتے تھے۔ میڈیم کے ہاتھ پاؤں حرکت کرتے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ میں نے ایک تصویر دونوں کی اکٹھی لی۔ مگر اس تصویر میں کیٹی مس کک کے چہرے کے سامنے بیٹھی ہے۔ اس تمام عرصہ میں کیٹی کا مجھ پر اس قدر اعتبار ہو گیا کہ جب تک میں تصویر کے لئے پہنچ

ہاتھ سے مکمل انتظام نہیں کرتا تھا۔ وہ تصویر نہیں لینے دیتی تھی۔ اس کا یہ اعتبار یہاں تک بڑھ گیا۔ کہ اس نے مجھے اپنے ہر ایک شبہ کو حل کرنے کا موقع دیا۔ جو کہ کسی دوسرے طریقہ پر ناممکن تھا۔ وہ مجھے ہدایت کر دیتی تھی کہ حاضرین میں سے کس کس شخص کو کس کس جگہ بٹھانا چاہیے۔ ان تصاویر میں سے ایک نہایت ہی دلچسپ تصویر وہ ہے۔ جس میں کہ میں کیٹی کے پاس ہی کھڑا ہوں۔ اس کے پاؤں ننگے ہیں۔ اور وہ فرش پر کھڑی ہے۔ میں نے مس کک کو کیٹی کی سی پوشاک پہنا کر اپنے پاس کھڑا کر لیا۔ اور ہم تینوں کی اسی کیمرے اور اسی روشنی میں تصویر اُتاری گئی جس میں کہ باقی کی تصویریں اُتاری گئیں تھیں۔ اس تصویر میں میری تصویر قد و قامت کے لحاظ سے مجھ سے ملتی جلتی ہے۔ مگر کیٹی کا قد اس تصویر میں مس کک سے بہت بڑا نظر آتا ہے۔ اس کا چہرہ میڈیم کے چہرے سے بالکل مختلف ہے۔ اور دونوں کی تصویروں میں اور بھی بہت سے اختلافات ہیں۔ مگر کیٹی کے نورانی چہرے کی خوبصورتی کو فوٹوگرافی کے ذریعے ظاہر نہیں کیا جاسکتا فوٹوگرافی سے اس کے چہرے کا ڈھانچہ نظر آتا ہے۔ مگر اس سے اسکے چہرے کی نورانی۔ پاکیزگی۔ یا اس کے خوبصورت اعضا کی حرکات و سکنات کا جبکہ وہ اپنی زندگی کے خوشگوار لمحوں کا ذکر کر کے خوش ہوتی۔ یا ناخوشگوار لمحوں کا ذکر کر کے آزردہ ہوتی ہے۔ کیونکر تصویر اُتاری جاسکتی ہے۔ خاصکر جبکہ وہ اپنی زندگی کے اُن واقعات کا ذکر کرتی ہے۔ جو کہ ہندوستان میں اس کے قیام کے دنوں میں وقوع ہوئے تھے۔ کیٹی کے بارے میں اس قدر بیان کرنے کے بعد اب میں ان اختلافات کا بیان کرنا چاہتا ہوں۔ جو کہ کیٹی اور میڈیم مس کک کی شکلوں میں دیکھے گئے۔ میں کہتا ہوں کہ کیٹی اور مس کک دو علیحدہ علیحدہ شخصیتیں ہیں۔ مس کک کے چہرے پر بہت سے ایسے نشانات ہیں۔ جو کہ کیٹی کے چہرے پر نہیں ہیں مس کک کے بال سیاہی مائل بھورے ہیں۔ مگر کیٹی کے سر کے بال سنہری رنگ کے تھے۔ ایک شام کو میں نے کیٹی کی نبض پر ہاتھ رکھا۔ اس کی رفتار ۵۰

تھی۔ مگر مس لک کی نبض کی رفتار ۹۰ تھی۔ کیٹی کے دل کی رفتار مس لک کے دل کی رفتار سے زیادہ باقاعدہ تھی۔ اسی طرح تجربہ کرنے پر کیٹی کے پھیپھڑے مس لک کے پھیپھڑوں سے زیادہ توانا معلوم ہوئے کیونکہ جس وقت میں نے یہ تجربہ کیا۔ اس وقت مس لک کو کھانسی کا مرض تھا۔ اور وہ زیر علاج تھی۔ جب کیٹی کے رخصت ہونے کا وقت آیا تو میں نے اس کو آخری دفعہ دکھائی دینے کے لئے کہا۔ چنانچہ اس نے حاضرین میں سے سب کے ساتھ کلام کی۔ اور مجھے اس لئے مس لک کی حفاظت کے بارے میں خاص ہدایت کی۔ ان ہدایات میں سے جو کہ شورٹ ہینڈ رائٹنگ سے لکھی گئی تھیں۔ میں مفصلہ ذیل کو یہاں پر نقل کرتا ہوں:-

"مسٹر کرکس نے ان تجربات میں سے بہت عمدگی کا ثبوت دیا ہے۔ میں فلورینس کو اس کے ہاتھ میں سونپتی ہوں۔ تاکہ وہ اس کی احتیاط رکھے۔ مجھے یقین کامل ہے کہ وہ اس بھروسے میں پورا اترے گا۔ وہ کسی مصیبت کے وقت اس کی میری نسبت بہتر مدد کر سکتا ہے"+

یہ کہکر کیٹی نے مجھ کو بند کمرے میں بلایا۔ پردہ کو بند کر کے اس نے تھوڑی دیر تک مجھ سے گفتگو کی۔ اور پھر کمرے میں اس جگہ گئی۔ جہاں پر کہ مس لک بے ہوش پڑی تھی۔ اس پر جھک کر کیٹی نے اس کو چھوا۔ اور کہا۔

"جاگو! فلوری۔ جاگو! اب میں جاتی ہوں"+

مس لک جاگی۔ اور اس نے کیٹی سے زیادہ دیر تک ٹھہرنے کی درخواست کی۔ مگر کیٹی نے کہا۔ "میری پیاری! اب میں زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکتی۔ کیونکہ میرا مقصد پورا ہو گیا۔ خدا آپ کو برکت دے"۔ یہ کہکر وہ مس لک سے کئی منٹ تک گفتگو کرتی رہی۔ یہاں تک کہ مس لک کے آنسوؤں نے اس کو بولنے سے بند کر دیا۔ میں کیٹی کی ہدایت کے مطابق

مس گک کو سہارا دینے کے لئے آگے بڑھا۔ جو کہ فرش پر گرنے کو تھی میں نے اردگرد دیکھا لیکن نورانی شکل کیٹی غائب ہو گئی۔ جب مس گک کو اچھی طرح ہوش آگیا تو روشنی کی گئی۔ اور اس کو باہر لایا گیا۔ میں نے مس گک کو ہر ایک امتحان کے اندر سے گزارا۔ اور میں نے دیکھا کہ اس میں کسی قسم کا دھوکہ نہیں تھا۔ میں یقیناً کہہ سکتا ہوں۔ کہ اگر وہ کسی قسم کا دھوکہ کرنا بھی چاہتی۔ تو اس کا فوراً پتہ لگ جاتا۔ کیونکہ وہ فطرتاً دھوکہ دہی سے پاک ہے۔ میں یہہ خیال نہیں کرسکتا۔ کہ ایک ۱۵ سال کی سکول میں پڑھنے والی لڑکی اس قسم کی مسلسل دھوکہ دہی کرسکتی ہو۔ اور اس کا پتہ نہ لگایا جاسکے۔ خاص کر اس صورت میں جب کہ وہ ہر وقت ان تمام آزمائشوں کے لئے تیار رہو۔ جو کہ ایک سائنسدان کرسکتا ہے۔ اور وہ عمل سے پہلے یا بعد ہر ایک قسم کی تحقیقات یا تلاشی دینے کے لئے بالکل مستعد ہو۔ اور یہہ تمام باتیں اس کے والدین کے گھر میں نہیں بلکہ میرے گھر میں واقع ہوتی ہوں اور اس کے والدین کو بھی یہ علم ہو کہ اس پر یہہ تجربات کئے جارہے ہیں۔ اور وہ ان تجربات میں شامل ہوں۔ ان تمام باتوں کی موجودگی میں یہ خیال کرنا کہ کیٹی کنگ کسی قسم کی جلسازی یا بناوٹ تھی۔ انسانی عقل کو جواب دیدینا ہے میں یقیناً اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ کیٹی کوئی دھوکہ نہیں تھی۔ بلکہ وہ فی الحقیقت روح تھی۔ جو کہ لطیف جسم کے ساتھ ظاہر ہونے کی طاقت رکھتی تھی +

مسلم:- پروفیسر سر ولیم کروکس کے مذکورہ بالا تجربات و مشاہدات کا بیان پڑھکر تمہارے دل میں کیا خیال پیدا ہوتا ہے +

اعرابی:- "میرے دل میں یہہ بات یقین کی حد تک پہنچ گئی ہے۔ کہ جسم سے الگ ہو کر نہ روح فنا ہو جاتی ہے۔ نہ ہی وہ کتے۔ بلی۔ بندر سوئر یا گھاس پات کے جسم میں چلی جاتی ہے۔ جیسا کہ آریوں۔ یا ہندؤں کا عقیدہ ہے۔ بلکہ وہ اپنی انسانی شخصیت کے ساتھ قائم رہتی ہے" +

مسلم "تم بالکل ٹھیک کہتے ہو۔ یہی قرآن مجید کی تعلیم ہے۔ مگر اس بات کو تمہارے دل پر زیادہ گہرے طور پر نقش کرنے کے لئے میں تمہارے سامنے ابھی اس مسئلہ کے اور بھی کئی پہلوؤں کو پیش کرنا چاہتا ہوں لیکن اپنے الفاظ میں نہیں۔ بلکہ یورپ اور امریکہ کے نہایت ہی مشہور و معروف فلاسفروں کے الفاظ میں پیش کروں گا۔ تاکہ تم کو اس بات کا کامل یقین ہو جائے۔ کہ جسم سے الگ ہو کر نہ تو روح فنا ہو جاتی ہے۔ نہ ہی وہ کسی حیوان یا گھاس پات اور کیڑے مکوڑے کی جون میں چلی جاتی ہے اور کہ جس طرح روح کو کیمیائی فعل ماننے کا خیال نہایت ہی فاسد اور غلط ہے۔ اسی طرح اواگون کا وہم بھی نامعقول وہم ہے"۔

اعرافی۔ میں نہایت ہی دلی توجہ کے ساتھ ان باتوں کو سُن رہا ہوں کیونکہ اس سے میری معلومات میں بڑا اضافہ ہو رہا ہے۔

مسلم۔ مگر ایک بات خوب یاد رکھو۔ یورپ اور امریکہ کے سائنسدان کچھ ہی کہتے پھریں۔ ہمیں اُن پر اندھا ایمان لانے کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ جن مسائل کو وہ آج حل کر رہے ہیں۔ ان کو قرآن پاک نے صدیوں پہلے سے حل کر چھوڑا ہے ہمیں ان فلاسفروں اور سائنس دانوں کی دوڑ دھوپ کا ذرا دلچسپی سے مطالعہ کرنا چاہئیے تاکہ اسلام اور قرآن پاک کی تعلیم کی عظمت کا ہمیں بخوبی علم ہو سکے اور ہم جان سکیں۔ کہ رب العزۃ نے قرآن پاک کی شکل میں ہمیں ایک ایسی کامل و مکمل نعمت عطا کی ہے۔ کہ جس کے سامنے دنیا جہان کی کل نعمتیں ہیچ ہیں +

اعرافی۔ آمنا و صدقنا۔

مسلم۔ میاں اعرافی۔ کیا تم انڈرو جیکسن ڈیوس کے نام سے واقف ہو

اعرافی "میں امریکہ کے مشہور و معروف انڈرو جیکسن ڈیوس کے نام سے اچھی طرح واقف ہوں۔ وہ ایک اعلیٰ درجے کے فلاسفر سائنسدان

سپر چولسٹ اور یوگی بلکہ مہا یوگی تھے"؟

مسلم۔ "تم اُن کے نام سے کیسے واقف ہو"؟

اعرافی۔ "آریہ سماج کے پلیٹ فارم پر سے جو لیکچر دیے جاتے ہیں۔ اُن میں اُن کا بڑے زور شور سے ذکر کیا جاتا ہے۔ اور اُنکی تحریر اُنکو بطور سند کے پیش کیا جاتا ہے۔ چنانچہ سوامی دیانند کی سوانح عمری مرتبہ پنڈت لیکھرام کے صفحہ ۵-۹ پر اُن کی تحریر کا بڑے زور شور سے ترجمہ درج کیا گیا ہے۔ آریہ سماج میں انڈرو جیکسن ڈیوس کو ایک پرم یوگی مانا جاتا ہے"۔

مسلم۔ "تم ٹھیک کہتے ہو۔ مگر تم کو یہ بھی معلوم ہونا چاہئے۔ کہ امریکہ میں انڈرو جیکسن ڈیوس کے نام کی ٹینی سن۔ ایمرسن۔ ڈارون۔ والس ہیکل اور ٹنڈل جیسے شاعروں۔ فلاسفروں۔ سائنسدانوں اور اہل کمال اصحاب کے ناموں سے بھی زیادہ عزت کی جاتی ہے۔ اور اسکی تصانیف کو کمال ذوق و شوق سے پڑھا جاتا ہے۔ مگر کیا تم جانتے ہو۔ کہ روح کی آئندہ زندگی کے بارے میں ایسے فاضل اجل کی کیا رائے تھی"؟

اعرافی۔ "میں نہیں جانتا"۔

مسلم۔ "انڈرو جیکسن ڈیوس اس بات کا قایل نہیں تھا کہ روح جسم کے ساتھ ہی فنا ہو جاتی ہے۔ اور وہ اس فاسد خیال کا بھی قائل نہیں تھا کہ انسان کی روح جسم سے الگ ہو کر کتے۔ بلی۔ گھوڑے۔ سانپ۔ بچھو۔ کیڑے مکوڑے یا گھاس۔ پات اور درختوں کے قالب میں چلی جاتی ہے۔ بلکہ وہ اس بات کو نہ بطور ایمان کے بلکہ اپنے تجربات و مشاہدات کی بنا پر بطور ایک صداقت کے تسلیم کرتا تھا۔ کہ انسان کی روح کثیف جسم سے الگ ہو کر اپنی انسانی شخصیت میں ایک لطیف جسم کے ساتھ قایم و دایم رہتی ہے۔ اگر تم پسند کرو تو میں تمہارے سامنے اس فاضل سائنسدان کے ایک مشاہدے کا ذکر کر سکتا ہوں"۔

اعرافی۔ "میں انڈرو جیکسن ڈیوس کے اس بارے میں تجربات و مشاہدات

کا ذکر سننا دل سے پسند کرتا ہوں"۔

مسٹر "سنو۔ انڈر ڈیکسن صاحب لکھتے ہیں :۔

موت کے معنے سوائے اس کے کچھ نہیں۔ کہ وہ ایک قسم کی تبدیلی ہے۔ تبدیلی سے مراد یہ نہیں ہے۔ کہ انسان کی شخصیت کسی دوسری شکل میں بدل جاتی ہے۔ بلکہ تبدیلی سے مراد یہ ہے کہ روح بطور اصول کے ایک دوسرے جسم میں موجود رہتی ہے۔ جو کہ اس دنیا کا کثیف جسم نہیں ہوتا۔ بلکہ روحانی دنیا سے تعلق رکھنے والا لطیف جسم ہوتا ہے۔ اور وہ جسم اس دنیا کے تعلقات کی بجائے روحانی دنیا کے نہایت ہی خوبصورت اور خوش و خرم تعلقات سے محظوظ ہوتا ہے۔ یہ خیال مت کرو۔ کہ جسم کی موت کے ساتھ ہی روح کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ یا موت کے بعد روح کسی غیر جنس کے قالب میں چلی جاتی ہے۔ بلکہ موت کے بعد جو تبدیلی ہوتی ہے۔ وہ اتنی ہی ہوتی ہے جتنی کہ ایک غنچہ میں ہوتی ہے جبکہ وہ پھوٹ کر پھول کی خوبصورت شکل میں آجاتا ہے۔ پس موت روح کے لئے ایک معمولی چیز ہے۔ دوسرے الفاظ میں موت ایک بہتر دنیا اور بہترین تعلقات میں نیا جنم لینا ہے۔ اس قسم کی تبدیلیوں کی بہت سی مثالیں نیچر میں دیکھنے میں آتی ہیں۔ وہ نیچر جو خداوند قدوس کا ایک لاتغیر الہام ہے۔ ہر ایک چیز ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہوتی یا نیا جنم لیتی ہے۔ مگر یہ تبدیلی بہتری اور تکمیل کی طرف ہوتی ہے۔ اور ان تغیرات کا نام انسان نے موت رکھدیا ہے۔ موت ایک دروازہ ہے۔ جو کہ ایک نئی مگر بہتر اور زیادہ مکمل حالت کی طرف کھلتا ہے۔ یہ وہ فتح کا دروازہ ہے۔ جس میں سے گزر کر ایک پاکیزہ روح اس جسم سے الگ ہو کر ایک زیادہ روشن زیادہ خوبصورت اور زیادہ عظیم الشان دنیا میں جاتی ہے جس طرح ایک میٹھی خوشگوار اور گہری نیند میں انسان کو کوئی دکھ محسوس نہیں ہوتا۔ اسی طرح ایک طبعی موت کی حالت میں بھی اس کو کوئی دکھ محسوس نہیں ہوتا۔ بلکہ راحت ہوتی ہے۔

اس بات کی تصدیق کے لئے میں اپنے اس مشاہدہ کا ذکر کرتا ہوں جس سے کہ موت کی جسمانی اور روحانی فلاسفی پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ ایک ساٹھ سالہ

بڑھیا عورت بیمار تھی۔ جب اس کی موت کا وقت قریب آیا۔ تو میں خوش قسمتی سے جسم اور دماغ کے لحاظ سے اعلیٰ حالت میں تھا۔ اور میں ایک روحانی استغراق کی حالت میں روح کے جسم سے الگ ہونے کا مشاہدہ کرسکتا تھا +

میں نے دیکھا۔ کہ کثیف یا مادی جسم روح کی ضرورتوں کو پورا کرنے سے عاجز تھا۔ مگر جسم کے اعضا روح کو اپنے سے الگ ہونے کے راستے میں حائل تھے۔ چنانچہ روح اور جسم بطور دوستوں کے ایک کو دوسرے سے ہمیشہ کے لئے الگ الگ کرنے والی تمام طاقتوں کا مقابلہ کر رہے تھے۔ یہ کشمکش بادی النظر میں بہت تکلیف دہ معلوم ہوتی تھی لیکن جب میں نے غور سے دیکھا تو میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ کیونکہ میں نے معلوم کیا۔ کہ جسم کی وہ حرکات کسی قسم کے دکھ یا تکلیف کی علامات نہیں تھیں۔ بلکہ وہ اس بات کی علامت تھیں۔ کہ روح جسم سے ہمیشہ کے لئے علیحدہ ہونے کی تیاری کررہی ہے۔ یک لخت کثیف جسم کے سر کے ارگرد ایک نہایت ہی لطیف۔ نرم چمکدار اور روشن حلقہ نمودار ہوا۔ اور میں نے دیکھا۔ کہ دماغ کے بالائی اور زیریں حصے بہت پھیل گئے ہیں۔ میں نے یہ بھی دیکھا۔ کہ دماغ نے اپنے فعل کو ترک کردیا ہے۔ اس کے بعد میں نے ملاحظہ کیا۔ کہ دماغ کے ان حصوں میں برقی اور مقناطیسی لہروں نے زیریں حصے میں سے نکل کر اپنا غلبہ پالیا یکلخت دماغ ایسا صاف اور نازک ہوگیا۔ کہ اس کی لطافت و نزاکت تندرستی کی حالت سے دس گنا زیادہ ہوگئی۔ موت کے لمحوں سے پہلے قدرتی طور پر دماغ کی ایسی ہی حالت ہوتی ہے۔ اس کے بعد موت کا فعل یا روح کا جسم سے الگ ہونے کا عمل مکمل طور پر شروع ہوا۔ دماغ نے جسم کے تمام اعضا کی برقی قوت مقناطیس۔ حرکت۔ زندگی اور حس کے تمام عناصر کو اپنے مختلف حصوں میں جمع کرنا شروع کردیا۔ اور سر نہایت ہی پُر جلال ہوگیا۔ اور میں نے نہایت ہی غور سے اس بات کا مشاہدہ کیا۔ کہ جس قدر جسم کے زیریں حصے سیاہ اور ٹھنڈے ہوتے جاتے تھے۔ اسی قدر دماغ زیادہ چمکدار اور روشن ہوتا جاتا تھا۔ اب میں نے اس چمکدار۔ اور روشن کرہ کے اندر جس

نے کہ سر کو گھیر رکھا تھا۔ میں نے ایک دوسرے سر کی مدھم سی شکل دیکھی لطیف سر کی یہ مدھم شکل زیادہ سے زیادہ صاف ہوتی چلی گئی۔ رفتہ رفتہ یہ اس قدر مکمل اور اس قدر روشن ہوگئی کہ میں اس پر ٹکٹکی باندھکر دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔ جب یہ لطیف سر کثیف سر کے اندر سے اس کے اوپر شکل اختیار کر رہا تھا۔ تو میں نے دیکھا۔ کہ کثیف سر میں سے جو دوسرا لطیف عنصر خارج ہو رہا ہے۔ اس میں بڑی حرکت موجود ہے۔ لیکن جب لطیف سر بالکل صاف اور مکمل ہوگیا۔ تو یہ روشن عنصر آہستہ آہستہ جاتا رہا جس طرح لطیف سر بنا تھا۔ اسی طرح میں نے نہایت ہی موزونیت کی حالت میں گردن۔ کندھوں۔ سینہ اور تمام لطیف جسم کو بنتے دیکھا۔ جو نقائص یا عیب اس مادی جسم میں موجود تھے۔ میں نے دیکھا۔ کہ لطیف جسم میں وہ بالکل دور ہو گئے تھے۔ جب یہ لطیف روحانی جسم بن رہا تھا۔ تو میں صاف طور پر اس کو دیکھ رہا تھا۔ اس حالت میں کثیف جسم کی بعض حرکات سے یہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ وہ تکلیف میں ہے۔ مگر یہ غلط تھا۔ دراصل یہ حرکات زندگی کے تمام عنصروں کے دماغ میں کھچ آنے کی علامات تھیں۔ جو کہ بعد ازاں لطیف جسم میں منتقل ہو گئے۔ جب روح کا لطیف جسم مکمل ہوگیا۔ تو یہ مادی جسم یا دماغ کے اوپر جو کہ اب مرچکا تھا۔ ایک زاویہ قائمہ بناتا ہوا کھڑا تھا لیکن پیشتر اس کے کہ روح کا یہ لطیف جسم کثیف جسم کے ساتھ اپنے تعلقات کو ہمیشہ کے لئے کاٹ لیتا۔ میں نے دیکھا کہ اس لطیف جسم کے پاؤں اور مردہ جسم کے سر کے درمیان ایک برقی طاقت کی لہر اپنا عمل کر رہی ہے۔ اس سے مجھے معلوم ہوگیا۔ کہ جس کو موت کہا جاتا ہے۔ وہ دراصل جنم ہے۔ جو کہ روح ایک کثیف جسم سے لطیف جسم میں جنم لیتی ہے۔ اور کہ روح کے کثیف جسم کے بعد اس کو ایک ایسا خوبصورت اور لطیف جسم ملتا ہے۔ جو کہ زیادہ روشن اور خوشی دینے والا ہوتا ہے۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ روح کا کثیف جسم سے الگ ہو کر لطیف جسم یا روحانی دنیا میں داخل ہونا بعینہٖ ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ بچے کا ماں کے پیٹ سے موجودہ دنیا میں جنم لینا ہے

یہاں تک کہ جس طرح بچے کی پیدائش کے وقت ماں اور بچے کے تعلق کو ظاہر کرنے والی "نال" موجود ہوتی ہے۔ اسی طرح لطیف جسم اور کثیف جسم کے درمیان وہ نال موجود تھی۔ جو کہ دونوں جسموں کی علیحدگی سے چند منٹ پیشتر لطیف جسم کے پاؤں اور کثیف جسم کے سر کے درمیان موجود تھی۔ اور مجھے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ لطیف جسم کے کثیف جسم سے علیحدہ ہو جانے کے بہت تھوڑی دیر پہلے زندگی کی ایک برقی رو مُردہ جسم میں واپس چلی گئی۔ اور اس میں پھیل گئی۔ جس سے کہ وہ جسم یک لخت سڑ جانے سے کچھ دیر تک محفوظ رہا۔ میں نے دیکھا۔ کہ روح نے اپنے لطیف جسم کے ساتھ اپنے ارد گرد کے کرّہ کو اپنے لئے موافق بنانا شروع کر دیا۔ اور ایک ایسی راحت محسوس کی۔ جو کہ روحانی دنیا سے تعلق رکھتی ہے۔ میں نے دیکھا۔ کہ جب اس کے عزیز و اقارب ایک مردہ جسم پر رو رہے تھے۔ تو روح فلاسفرانہ راحت کے ساتھ ان کے رونے دھونے میں کوئی دلچسپی نہیں لیتی تھی۔ اے کاش! تم ایک مردہ جسم کی طرف سے جو کہ تمہارے رونے دھونے کو نہیں سن سکتا۔ اپنی توجہ کو اس روح کی طرف موڑ دو۔ اے کاش تمہاری آنکھیں کھل سکیں۔ اور تم اس روح کو اپنے لطیف جسم کے ساتھ دیکھ سکو۔ جو کہ ایک لطیف شکل میں تمہارے درمیان موجود ہے۔ مگر جو کہ نہایت ہی خوش ہے۔ اور پہلے سے زیادہ خوبصورت جسم رکھتی ہے۔ یہ تمام عمل ڈھائی گھنٹہ میں مکمل ہو گیا لیکن یہ کوئی کلیہ قاعدہ نہیں ہے۔ کہ ہر ایک روح جسم سے الگ ہو کر اتنے ہی عرصے میں اپنے لئے لطیف جسم کو حاصل کر سکتی ہے۔ اپنی جگہ یا پوزیشن کو بدلنے کی بجائے میں نے اس روح کی حرکات کا بغور مطالعہ کرنا شروع کیا۔ جوں ہی کہ وہ ارد گرد کے کرے کے ساتھ مانوس ہو گئی۔ وہ فوراً مردہ جسم کے سر کے نیچے اتر کر کمرے کے دروازے میں سے باہر چلی گئی۔ جو کہ بالکل کھلا چھوڑا گیا تھا۔ اور اس کے جانے کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ یہ موسم بہار کا مہینہ تھا۔ میں نے دیکھا۔ کہ وہ کمرے سے باہر نکل کر کھلی ہوا میں چلی گئی ہے۔ میری خوشی اور راحت کی کوئی انتہا نہ رہی جبکہ میں نے پہلی ہی مرتبہ

اس بات کا مشاہدہ کیا۔ کہ جس ہوا کو ہم کثیف جسم کے ساتھ سانس لینے کے کام میں لاتے ہیں۔ روح اپنے لطیف جسم کے ساتھ اس ہوا میں قدم رکھتی ہوئی چل سکتی ہے۔ وہ اس کرہ ہوائی میں اسی طرح آرام اور آسانی سے چل رہی تھی۔ جس طرح کہ ہم زمین پر چلتے ہیں۔ جوں ہی روح گھر سے باہر نکلی میں نے دیکھا۔ کہ اس کی دو سہیلی روحوں نے اس کا استقبال کیا اور تینوں نے ایک دوسرے کو پہچاننے کے بعد نہایت ہی خوشی اور تپاک سے ہماری زمین کے اردگرد پھیلے ہوئے کرہ ہوائی میں بلند ہونا شروع کیا۔ وہ اس کرہ ہوائی میں ایسے قدرتی اور برادرانہ طریقے پر چل رہی تھیں۔ جیسا کہ کوئی نہایت ہی آنند اور خوشی کے ساتھ ایک خوبصورت پہاڑ کی سیر کر رہا ہو۔ میں ان کو دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ میری نظر سے اس قدر دور ہوگئیں کہ میں نے ان کو پھر نہ دیکھا۔ اور میں اپنی معمولی حالت پر آگیا اوہ! کس قدر زمین و آسمان کا فرق! بجائے اس کے کہ میں اب اس نہایت ہی خوبصورت روح کو دیکھتا۔ میری نظر اب اس مردہ اور ٹھنڈے جسم کے کوئے پر پڑی جس میں سے کہ روح کی تیتری پرواز کر چکی تھی۔ وہ جن کی روحانی آنکھیں کھل چکی ہیں انکے لئے یہ انکشاف بہت دزندار اور راحت دینے والے ہونگے۔ لیکن وہ جو ظاہر پرست اور مادہ پرست ہیں۔ وہ ان مشاہدات کو ایک مجذوب کی بڑ سمجھینگے۔ مادہ پرست لوگوں کو میں اتنا ضرور کہنا چاہتا ہوں کہ میں روح کی جسم سے علیحدگی اور اس کے ایک لطیف جسم کے ساتھ قایم رہنے کے متعلق ان روحانی تجربات و مشاہدات کا قایل نہیں ہوں۔ بلکہ میں ایسی باتوں میں قانون قدرت اور دلیل کے سوائے کسی دوسری سند کو نہیں مانتا ہوں۔ بنابریں روح کے غیر فانی ہونے کے متعلق میں افسانوں یا کتابوں کی تعلیم پر تکیہ نہیں لگاتا بلکہ میں قوانین قدرت اور اپنی ترقی یافتہ عقل پر بھروسہ کرتا ہوں۔ میں اس بات کو بطور ایمان کے ماننے کیلئے تیار نہیں ہوں کہ چونکہ ہم حضرت مسیح کے دوبارہ جی اٹھنے کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ اس لئے روح بھی ایک غیر فانی چیز ہے۔ میں اس کو ناکافی سمجھتا ہوں۔ اور میں اس بات

کو بھی ناکافی سمجھتا ہوں۔ کہ چونکہ فلاں مذہبی کتاب میں روح کے غیر فانی ہونے کی تعلیم دی گئی ہے۔ اس لیئے وہ غیر فانی ہے میں ایسی باتوں کو محض فضول سمجھتا ہوں۔ کیونکہ میرے نزدیک وہ لوگ جو کتابوں یا انسانوں اور انکی تعلیم پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ ان لوگونکی ہرگز تسلی نہیں کرسکتے جو کہ قانون قدرت اور دلیل پر چلتے ہیں۔ اس پہلو میں میں اپنے ان تین نتائج کو بیان کرونگا۔ جو کہ قدرت کے معالعہ کے بعد میں نے اخذ کئے ہیں۔ اور مجھے امید ہے کہ آپکی تحقیقات اور دلیل کی طاقت کو ان نتائج پر غور کرنیکا موقع ملیگا۔ میں روح کو مفصلہ ذیل وجوہات کی بنا پر غیر فانی مانتا ہوں:-

اول۔ قدرت انسان کے جسم کی نشوونما کا ایک ذریعہ ہے۔

دوم۔ انسان کا جسم روح کی نشوونما کا ذریعہ ہے۔

سوم۔ کائنات کی دوسری چیزوں کی طرح روح بھی نشوونما پاتی ہے تاکہ اپنی شخصیت کو ان ذرات میں قایم رکھ سکے۔ جو کہ دایم ہیں۔

ہر ایک روح میں ایسی قدرت موجود ہے۔ کہ جس کی بنا پر وہ غیر فانی ہے۔ اور اس کی اس قدرت کو کوئی طاقت نیست و نابود یا مضطرب نہیں کرسکتی۔ یہ وہ مشاہدات ہیں جن سے دنیا بے خبر ہے۔ مگر یہ مشاہدات بالکل صاف ہیں اور یہ انسان کی خوشی کو دوبالا کرنے والے ہیں۔ اخیر میں میں یہہ کہونگا کہ موت کوئی ڈر کی چیز نہیں ہے۔ بشرطیکہ یہ طبعی حالت میں واقع ہو۔ اور کسی حادثہ سے نہ ہو۔ موت ایک ایسا رہنما ہے۔ جو کہ روح کو بہتر سے بہتر اور شاندار سے شاندار تعلقات کی طرف لے جا رہا ہے۔ انسانوں کی یہ سخت غلطی ہے۔ کہ وہ ایک روح کے اس زمین سے سفر کرنے کی حالت پر روتے ہیں۔ کیونکہ یہ سفر اگرچہ بیرونی آنکھوں کے نزدیک بہت رنجدہ اور ناخوشگوار ہے۔ مگر روح کے لیئے یہ راستہ نہایت ہی خوشی اور خوشبو سے پر ہے۔ جس کی آنکھیں کھل چکی ہیں۔ اور جو ایک ازلی صداقت کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑ چکے ہیں۔ انکے لیئے رنج رنج نہیں ہے اور انکے لیئے موت موت نہیں ہے۔ بلکہ وہ ایک دائمی زندگی کے وارث ہیں"۔

مسلم "میاں اعرافی اینڈرو جیکسن ڈیوس کے مذکورہ بالا مشاہدہ کا مطالعہ کر کے تم اپنے لئے کیا نتیجہ نکالتے ہو؟"

اعرافی "میرے دل میں یہ سوال پیدا ہو رہا ہے۔ کہ روح نے اپنے لئے جو لطیف جسم اختیار کیا۔ اور جس کو اینڈرو جیکسن ڈیوس نے دیکھا آیا وہ جسم ان ہی مادی اجزا کا مجموعہ تھا۔ یا کسی غیر مادی اجزا کا"؟

مسلم۔ تمہارا یہ سوال بہت ٹھیک سوال ہے۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ تم مادی اور غیر مادی کی ماہیت کو بھی سمجھ لو۔ اور تم کو پتہ لگجائیگا۔ کہ کثیف اجسام لطیف اجسام کا ہی نتیجہ ہیں۔ اگر لطیف اجسام نہ ہوں۔ تو کثیف اجسام کا ظہور نہیں ہو سکتا۔ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ تمہارے سامنے اجسام کی کثافت یا لطافت کے بارے میں مشہور و معروف سائنسٹ مسٹر کیمیلی فلیموری‌ن کے بیان کو پیش کر دوں۔ صاحب موصوف کثیف و لطیف اجسام کے مسئلہ کو بدیں الفاظ حل کرتے ہیں:۔

فزیالوجسٹ ہمیں بتاتے ہیں۔ کہ خیالات دماغ کا نتیجہ ہیں۔ اور کہ دماغ کے بغیر کوئی خیال پیدا نہیں ہو سکتا۔ اور کہ جب دماغ مر جاتا ہے۔ تو ہمارا بھی کلی طور پر خاتمہ ہو جاتا ہے۔ مگر یہ بات تجربات و مشاہدات کے خلاف ہونیکی وجہ سے غلط ہے ہمیں اس بارے میں آزادانہ تحقیقات کی ضرورت ہے۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ آزادانہ تحقیقات کو بہت بُری نظر سے دیکھا جاتا ہے اسکی وجہ یہ ہے۔ کہ ہر ایک چھوٹے سے چھوٹا دماغ بھی اپنے کچھ نہ کچھ پوشیدہ بھید رکھتا ہے۔ جنکو کہ وہ آزادانہ تحقیقات سے ہوا لگانے سے ڈرتا ہے مثلاً اگر میں یہ کہوں۔ کہ روح کی ابدیت جو کہ فلسفہ کے ذریعہ ثابت ہو چکی ہے چشم دید واقعات کی بنا پر بھی ثابت ہونے والی ہے۔ تو بہت سے تنگ مزاج میری بات پر ہنسنے لگجائینگے۔ ایسے لوگوں کو نئی تحقیقات اور نئے تجربات سخت پریشان کر دیتے ہیں۔ وہ اپنے پشتینی خیالات میں کسی قسم کی تبدیلی کے خواہشمند نہیں دیکھے جاتے۔ انکے نزدیک بنی نوع انسان کی ترقی کی تواریخ محض نکمی چیز ہے۔ ان کے نزدیک محققوں کی تحقیقات اور موجدوں کی ایجادیں تمام کی

تمام ایک قسم کے خوفناک جرم ہیں۔ جو کہ ان کے پہلے خیالات میں انقلاب
پیدا کرتے ہیں۔ انکے نزدیک انسانی نسل شروع سے ایسی ہی چلی آئی ہے۔
جیسی کہ وہ آجکل دیکھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ تار برقی۔ ریل ٹیلیفون وغیرہ
شروع دنیا سے موجود چلی آتی ہیں لیکن وہ اپنی اسحالت کو بھول جاتے ہیں
جبکہ اُنکے آباو اجداد ننگ دھڑنگ یا بھوج پتر لپیٹے ہوئے جنگلوں میں
رہتے تھے۔ وہ بنی نوع انسان کی نئی جدوجہد کی کوئی داد دینے کیلئے تیار نہیں
ہوتے۔ ایسے لوگونکے علاوہ وہ طبقہ بھی قابل غور ہے۔ جو یہ کہتا ہے۔ کہ ہم
کسی ایسی بات کو نہیں مان سکتے۔ جو کہ ہمارے حواس خمسہ سے ہمکو معلوم نہ
ہو جائے۔ گزشتہ نصف صدی تک ایسے لوگونکے خیالات کی حکومت کا دور
دورہ رہا لیکن آج ہم کیا دیکھتے ہیں وہی حواس خمسہ جن پر ہم بھروسہ کرتے ہیں
ہمیں سخت دھوکہ دینے والے ثابت ہو چکے مثلاً ہم سورج۔ چاند اور ستارونکو
اپنے ارد گرد چکر لگاتا ہوا دیکھتے ہیں۔ مگر یہ بالکل غلط ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ
زمین ساکن ہے لیکن یہ بھی غلط ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ صبح کے وقت سورج
مشرق میں طلوع ہوتے وقت ہم سے نیچے ہوتا ہے لیکن یہ غلط ہے۔ ہم کہتے
ہیں کہ فلاں ٹھوس چیز کو چھوا لیکن یہ غلط ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم نے گانے کی
آواز سنی۔ مگر یہ غلط ہے۔ کیونکہ راگ بذات خود بے آواز چیز ہے۔ بلکہ ہوا کی حرکات
نے ایک بے آواز چیز کو ہم تک پہنچا دیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم روشنی میں خوبصورت
رنگونکو دیکھتے ہیں لیکن دراصل نہ روشنی ہے۔ نہ کوئی رنگ۔ یہ تمام بیرنگ
ایتھر کی حرکات کے کرشمے ہیں۔ ہم کہتے ہیں۔ کہ آگ میں جلنے سے ہمارے پاؤنکو
دکھ ہوتا ہے۔ مگر پاؤں دکھ محسوس نہیں کرتا۔ بلکہ دکھ کا تعلق ہمارے دماغ سے
ہے۔ ہم سردی اور گرمی کا نام لیتے ہیں مگر نہ سردی ہے۔ نہ گرمی۔ بلکہ حرکت کی کمی
بیشی کا نام ہی سردی اور گرمی ہے۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ہمارے
حواس خمسہ ہمکو سخت دھوکہ دیتے ہیں۔ کیونکہ حواس خمسہ کا علم کچھ اور ہے اور
حقیقت کچھ اور ہے۔ کہا جاتا ہے کہ انسانی معلومات کے پانچ دروازے
ہیں۔ یعنے بینائی۔ شنوائی۔ ذائقہ لمس اور سونگھنے کی قوت۔ جب ان پانچ

دروازوں کے ذریعے ہمیں اردگرد کی چیزونکا ہی پتہ نہیں لگ سکتا۔ تو جو چیزیں انسے دور کی ہیں۔ انکا تو کیا ہی پتہ لگنا ہے۔ سونگھنا چکھنا اور چھونا تو بالکل نا مکمل دروازے ہیں۔ آنکھ اور کان کسی قدر اچھے ہیں۔ لیکن دراصل روشنی سے ہی ہم اردگرد کی چیزونکا علم حاصل کرتے ہیں۔ اور روشنی بذات خود ہوا کے مسلسل حرکت کرنیکا نتیجہ ہے۔ اس طرح حواس خمسہ کا علم اس چھوٹے سے جزیرے سے مشابہت رکھتا ہے۔ جو کہ ایک بے انتہا سمندر میں واقع ہو۔ جہاں پر کہ جانی گئی اشیاء کی نسبت نہ جانی گئی اشیاء بیشمار گنا زیادہ ہوں۔ اس وقت تک جو تجربات و مشاہدات ہو چکے ہیں۔ انسے یہ ثابت ہو چکا ہے۔ کہ کثیف دنیا کے علاوہ لطیف دنیا بھی موجود ہے۔ اور انسان کا کثیف جسم کس چیز سے بنا ہے۔ ایک اوسط درجے کے نوجوان آدمی کا وزن ۷۰ سیر ہوتا ہے۔ اس میں ۵۲ سیر پانی ہوتا ہے۔ جو کہ خون یا گوشت میں موجود ہوتا ہے۔ اب تم جسم کے مختلف رگ و ریشہ۔ ہڈی۔ گوشت پوست کا معائنہ کرو۔ تم کو معلوم ہو جائیگا۔ کہ یہ سب کے سب عضلات آکسیجن۔ نائٹروجن۔ ہائڈروجن اور کاربانک ایسڈ گیس سے بنے ہوئے ہیں۔ پانی کیا ہے؟ وہ گیسوں یعنے آکسیجن اور ہائڈروجن کا ملاپ ہے۔ ہوا آکسیجن اور نائٹروجن کا ملاپ ہے۔ جس میں کہ کسی قدر رطوبت بھی شامل ہے۔ جو کہ بذات خود منجمد شکل میں آکسیجن ہے۔ اس طرح ہمکو معلوم ہو گیا۔ کہ ہمارا جسم حالت تبدیل کردہ گیسونکا مجموعہ ہے۔ پہلے خیال تھا کہ اس جسم کے اجزا سات سال کے اندر بالکل تبدیل ہو جاتے ہیں۔ مگر اب معلوم ہوا ہے۔ کہ سات سال نہیں۔ بلکہ چند ماہ میں تمام ذرات تبدیل ہو جاتے ہیں۔ آج سے تین ماہ پیشتر ہمارے گوشت پوست کے ذرات موجودہ ذرات نہیں تھے۔ بلکہ وہ دوسرے ذرات تھے۔ جو کہ تبدیل ہو گئے۔ ہمارے کندھے۔ ہمارے چہرے۔ آنکھ۔ منہ۔ بازو اور بال اس لگاتار حرکت کرنیوالے ذرات کے دریا کا حصہ ہیں۔ جو کہ ہر وقت بہتا چلا جا رہا ہے۔ یہ ایک شعلہ ہے۔ جو کہ نئے سے نئے تیل سے جلتا رہتا ہے۔ پانی کے وہ ذرات جو آج سے تین ماہ پیشتر

ہمارے جسم میں تھے۔ وہ آج ہمیشہ کے لیے اس جسم سے جدا ہو گئے۔ یہ تمام ذرات منجمد شکل میں گیس نکا بلکہ ہوا کا مجموعہ ہیں۔ الغرض ہمارا موجودہ کثیف جسم ایک طرح پر ہوا کا جسم ہے۔ جس کے ذرات تغیر پذیر اور متحرک رہتے ہیں۔ ہمارے کھانے پینے کی تمام اشیاء مثلاً آلو۔ گوبھی سیب ناشپاتی وغیرہ بھی علیٰ ہذا القیاس ہوا کی منجمد اشکال ہیں۔ وہ طاقت جس کو کہ روح کہا جاتا ہے وہ ہوا کے ان ذرات کو کھانے یا سانس کے ذریعے اپنے جسم کو بناتی ہے اور یہی جسم جو کہ ہوا کے ذرات کا نتیجہ ہے کثیف جسم کہلاتا ہے۔ ہمارا یہ جسم خواہ کتنا بھی کثیف کیوں نہ ہو۔ مگر دراصل وہ ایتھر کے ذرات سے بنا ہے جنکو کہ روح ایک خاص قانون کے مطابق ایک باقاعدہ شکل میں لاتی ہے۔ مگر روح ایک غیر مرئی چیز ہے جس طرح وہ طاقت غیر مرئی ہے۔ جو کہ کائنات کے مختلف ذرات کو ایک قسم کی ہم آہنگی میں باندھے ہوئے ہے۔ آج سے چند صدیاں پیشتر یہ خیال تھا۔ کہ جسم کے جس حصے کو چوٹ پہنچتی ہے۔ وہی حصہ دکھ محسوس کرتا ہے۔ مثلاً انگلی کے درد کی جگہ انگلی ہی بتائی جاتی تھی۔ بہت سے سادہ لوگ اور بچے اب بھی ایسا ہی مانتے ہیں لیکن یہ غلط ہے۔ کیونکہ دکھ محسوس کرنیکی جگہ دماغ ہے۔ اگر ان پٹھوں کا تعلق جو کہ انگلی اور دماغ کے درمیان ہیں کاٹ دیا جاوے تو خواہ انگلی کو جلا بھی ڈالو۔ کوئی دکھ محسوس نہیں ہوگا فزیالوجی نے اس کو تحقیقاً ثابت کر دیا ہے۔ فزیالوجی نے یہ بھی ثابت کر دیا۔ کہ دماغ اور جسم کے اعضاء کے درمیان خبر رسانی کی تاریں اس قدر تیز ہیں کہ وہ ۲۸ میٹر فی سیکنڈ کے حساب کی تیزی سے دماغ میں خبر پہنچاتی ہیں فزیالوجی نے دماغ کو دکھ سکھ محسوس کرنیکا مرکز ثابت کر دیا۔ لیکن فزیالوجی اس سے آگے نہ بڑھی۔ کیونکہ انگلی کی مانند اپنی کوئی لاتغیر شخصیت نہیں ہے۔ دماغ کے تمام ذرات میں ایک بھی ذرہ ایسا نہیں ہے۔ جو کہ جسم کے دوسرے ذرات کی طرح بدلتا اور حرکت کرتا نہ رہتا ہو۔ اگر دماغ کے ذرات کی حرکت یا تغیر و تبدیل بند ہو جائے۔ تو یہ موت کی علامت ہوگی۔ دماغ بھی جسم کے دوسرے حصوں کی طرح مادہ کے لگاتار لہر پر قیام پذیر ہے نہیں یہ

خیال کرنا کہ ہماری روح دماغ کے ان ہی حرکت و تبدیلی پذیر ذرات کا نام ہے سخت حماقت ہے۔ وہ روح جو کہ اپنی شخصیت کے ساتھ قایم ہے۔ اور وہ روح جو اُن اعمال کی ذمہ واری کو اس وقت بھی محسوس کرتی ہے۔ جو کہ اس نے آج سے دس بارہ یا بیس پچیس سال پیشتر کئے تھے۔ جبکہ اس وقت کے جسم کے تمام اعضا کے بلکہ خود دماغ کے اس وقت کے ذرات کبھی کے تبدیل ہو گئے ہیں۔ وہ فزیالوجسٹ جو یہہ کہتے ہیں۔ کہ روح کوئی علیحدہ شخصیت نہیں ہے۔ بلکہ وہ دماغ کا ہی نام ہے۔ وہ اپنے ان انگھڑ آباد اجداد کی مانند ہیں۔ جو یہہ کہتے ہیں کہ دکھ کی جگہ انگلی میں موجود ہے۔ گو وہ حقیقت سے زیادہ دور نہیں رہجاتے ہیں لیکن جب وہ دماغ تک ہی پہنچکر رہجاتے ہیں۔ اور دماغ کے ذرات کو ہی سب کچھ مان لیتے ہیں تو کہنا پڑتا ہے کہ وہ روح کی حقیقت سے بے خبر ہیں۔ اور اُن کی یہ پوزیشن اور بھی قابل افسوس ہو جاتی ہے۔ جبکہ وہ یہ بھی جانتے ہوں کہ دکھ سکھ کا احساس اسی وقت ہوتا ہے۔ جبکہ جسم کے ان ذرات میں کمی بیشی ہو۔ پس مذکورہ بالا بیان سے سائنس کی بناپر جو نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ وہ یہ ہیں:۔

اول۔ جس قدر یہ کثیف کائنات نظر آتی ہے۔ وہ دراصل لطیف کا نتیجہ ہے۔ جو کہ غیر مرئی اجزا ہیں +

دوم۔ یہ غیر مرئی اجزا ایک خاص طاقت کے ذریعہ باقاعدہ اشکال میں لائے جاتے ہیں +

سوم۔ یہ طاقت ایک لابدی شخصیت ہے۔ اور مادہ کا کثیف ٹھوس یا بھاری ہونا محض نسبتی صفات ہیں۔ وہ کوئی ہستیئے مطلق نہیں ہے۔ اور جس کو ہم کثیف مادہ کہتے ہیں۔ وہ ان اثرات کے سوائے کچھ نہیں ہے جو کہ غیر مرئی ذرات کی لگاتار حرکت ہمارے حواس خمسہ پر ڈالتی ہے۔ اور جب ہم سائنس کے ذریعہ اس مادہ کا پتہ لگاتے ہیں۔ تو یہہ بالکل غائب ہو جاتا ہے۔ قانون مطلق جو ہم پر حکومت کر رہا ہے۔ وہ ہماری روح کو اعلیٰ سے اعلیٰ منازل میں پہنچانے کا مقتضی ہے۔ روح جس قدر کثیف اجسام سے الگ

ہو کر لطیف اجسام میں چلی جاتی ہے۔ اسی قدر وہ کثیف اجسام کے دکھ سکھ سے بالاتر ہو جاتی ہے"۔

مسلم۔ میاں اعرابی! میں امید کرتا ہوں۔ کہ مذکورہ بالا بیان سے تمہارے سوال کا جواب مل گیا ہے"۔

اعرابی۔ بیشک میرے سوال کا جواب مل گیا۔ اور میں کثیف اور لطیف اجسام کی فلاسفی کو اب بخوبی سمجھ گیا ہوں۔ اور میں اس بات کو بھی بخوبی سمجھ گیا۔ کہ وہ چیز جس کو مادہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس کی دائمی ہستی کوئی نہیں ہے۔ اور کہ ہماری موجودہ زندگی جو مادیات پر انحصار رکھتی ہے۔ اس زندگی کے سامنے ہیچ ہے جو موجودہ اجسام سے الگ ہوکر لطیف و روحانی حالت میں ہمیں حاصل ہوتی ہے۔

مسلم۔ بہت ٹھیک۔ مگر ذرا ان باتوں کو ذہن میں رکھنا۔ کیونکہ آگے چلکر ہمیں ان سے بہت مدد ملے گی۔

تئیسویں فصل

روح کی آئندہ زندگی

اور

ایک اہم سوال کا جواب

مسلم۔ میاں اعرابی۔ روح کی آئندہ زندگی کے متعلق تم نے بہت سے تجربات و مشاہدات کا حال سنا۔ اب تم کو اس مضمون کا مطالعہ کرنا چاہیے جو کہ مادی سائنس کے مشہور عالم پروفیسر الفرڈ رسل والس نے روح کی آئندہ زندگی کی نوعیت کے متعلق لکھا ہے۔ اور جو بدیں الفاظ ہے:۔

"اس سوال کا جواب کہ آیا جسم سے الگ ہو کر روح اپنی شخصیت کے ساتھ قایم رہتی ہے۔ یا جسم کے ساتھ ہی فنا ہو جاتی ہے۔ نہ صرف ہماسے لئے بطور الگ اشخاص کے جاننا ضروری ہے۔ بلکہ یہہ ایک ایسا سوال ہے کہ جسکا جواب بنی نوع انسان کی آئندہ قسمت کا فیصلہ کن ثابت ہو گا۔ اگر تمام انسان یہ مان لیں کہ موجودہ زندگی کے بعد کوئی زندگی نہیں ہے اور اگر چونکے دلپر یہ بات نقش کر دیجائے۔ کہ جو کچھ خوشی ہے وہ اس زمینی زندگی کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔ تو میرے نزدیک بنی نوع انسانکی حالت سخت مایوسی بخش ہو گی۔ کیونکہ اس صورت میں ان کے دل سے انصاف پسندی۔ حق پرستی۔ اور بے غرضی کافور ہو جائے گی۔ اور ہر ایک بھوکے ننگے۔ لچے۔ لفنگے۔ اور خود غرض انسان کے دل میں یہ خواہش پیدا ہو گی۔ کہ جہاں تک ہو سکے وہ اس زندگی کو مزے سے گذارنے کیلئے دوسرونکے تمام حقوق کو پائمال کر دے۔ اس صورت میں انسانی نسل کی آئندہ ترقی کا وہ معیار جو کہ بعض فلاسفروں کی طرف سے ہمارے پیش کیا جاتا ہے بحیثیت مجموعی انسانونکے لئے کوئی کشش کی چیز نہیں رہیگا۔ خاصکر اگر اس باتکو مان لیا جاوے کہ یہ تمام دنیا مع اسکے باشندوں کے ہمیشہ کیلئے بالکل نیست و نابود ہو جانیوالی ہے وہ فلاسفر جو یہ سنہری تعلیم دے رہے ہیں کہ ہم کو دوسرونکی بھلائی کے لئے کوشش کرنی چاہیئے۔ ان کی یہ تعلیم ان لوگونکے لئے بالکل بے معنی ہو جائے گی۔ جو روح کو جسم کے ساتھ فنا ہو جانیوالی چیز سمجھکر اس دنیا کے موجودہ عیش و عشرت میں ہی غرق ہیں یہ خیال کہ جس طرح ہمارے آباؤ اجداد نے ہماری بہتری چاہی تھی۔ اسی طرح ہم بھی آنیوالی نسلونکی بہتری کا خیال رکھیں۔ بالکل فضول خیال ہو جائیگا جبکہ ہر ایک شخص اپنی ہی خود غرضی میں مست ہو گا۔ اب بھی باوجود اس مذہبی تعلیم کے جو کہ ہمارے اخلاق پر اثر ڈالے ہوئے ہے۔ خود غرضی کا راج عالمگیر ہو رہا ہے لیکن اگر مذہبی تعلیم کے یہ نیک اثرات بھی اڑا دئے جائیں گے۔ اور دنیا بالکل دہریہ بنجائیگی۔ اور لوگوں کو آئندہ زندگی کا کوئی اعتبار نہیں رہیگا۔ تو اسکا لازمی نتیجہ جس کی لاٹھی اسکی بھینس ہو گا۔ زبردست کمزوروں کو تباہ کر ڈالینگے

اور ظالموں اور بدکرداروں کی بے لگام شہوت پرستی اور خود غرضی کا دنیا میں عالمگیر راج ہو جائیگا۔ مگر خوشی کی بات ہے کہ دنیا میں ایسا جہنم مشکل سے ہی دیکھنے میں آئیگا۔ اس لئے کہ روح کا جسم کے ساتھ ہی فنا ہوجانیکا خیال بالکل لغو اور جھوٹ ہے۔ اور اس بات کے ثابت کرنے کے لیے کہ روح جسم سے الگ ہو کر بھی برابر قایم و دایم رہتی ہے۔ دنیا میں بڑے زور شور سے تجربات و مشاہدات کئے جا رہے ہیں۔

۲۔ خیالات کی موجودہ بیسویں صدی ہیں جبکہ دنیا تو بالکل مادہ پرست بن رہی ہو۔ یا بہت سے خداوں کو مان رہی ہو۔ یا ویدانتی ہو رہی ہو۔ ایسی بیدینی۔ الحاد۔ دہریت اور مادہ پرستی کے سر پر موجودہ "سپرچولزم" بطور آسمانی گولے یا بجلی کے گرا ہے۔ اور اس نے اس تمام بیدینی۔ الحاد اور دہریت کو چور چور کر کے اس بات کو ثابت کر دیا ہے۔ کہ دماغ کثیف جسم کے بغیر بھی فعل کرتا رہتا ہے۔ اور طاقت بغیر مادی جسم کے بھی اپنا عمل کرتی ہے۔ اور اس پہلو میں آئے دن کے تجربات و مشاہدات ہر ایک طبقہ کے انسانوں مثلاً اہل سائنس۔ اہل صنعت اور اہل مذاہب کے دلوں پر اپنا سکہ جماتے چلے جا رہے ہیں۔ دنیا کی تواریخ میں موجود زمانہ نہایت ہی خطرناک مادہ پرستی کا زمانہ ہے۔ اور سوسائٹی کا ہر فرد اس بات پر فخر کرتا ہے کہ وہ کسی ایسی بات کو تسلیم نہیں کرتا۔ جو کہ مادی سائنس کے مطابق نہو۔ ایسی مادہ پرستی کی حالت میں سپرچولزم بطور ایک ناخواندہ مہمان کے آیا اور اس نے گذشتہ پچاس سال کے عرصہ میں اس خطرناک مادہ پرستی کو پرے دھکیل کر اپنے لئے جگہ بنالی۔ اب سپرچولزم دنیا کے ہر ایک مہذب ملک میں پھیل رہا ہے اسکا لٹریچر بہت وسیع ہو گیا ہے۔ اسکے کثرت سے اخبارات جاری ہیں۔ اور سپرچولیسٹ اصحاب کی سینکڑوں سوسائٹیاں موجود ہیں اور لاکھوں آدمی ان سوسائٹیوں کے ممبر ہیں۔ انسانی سوسائٹی کے تمام طبقوں کے لوگ بادشاہوں سے لیکر معمولی مزدوروں تک سائنس علم ادب اور فلاسفی کے عالموں سے لیکر عام آدمیوں تک سپرچولزم کے سامنے سر بسجود ہیں۔ اور کثرت سے ایسے لوگ جو سخت بیدین تھے۔ سپرچولزم کی طاقت نے انکو سیدھا راستہ دکھایا۔ بڑے بڑے دہریوں ملحدوں

بیدینوں اور کٹر سے کٹر مادہ پرستونکی بد اعتقادی کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر سپرچوئلزم نے انکو اس بات کا قایل کر دیا۔ کہ موت کے بعد روح قایم و دایم رہتی ہے۔ اور کہ موجودہ مادی دنیا کے علاوہ ایک روحانی دنیا بھی موجود ہے۔ میں نے سپرچوئلزم کا پینتیس سال تک نہایت ہی غور و خوض کے ساتھ مطالعہ کیا۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ آجتک ایک بھی ایسا شخص دیکھنے میں نہیں آیا جس نے ایک دفعہ سپرچوئلزم کی تواریخ اور اسکے لٹریچر کا کماحقہ مطالعہ کر لیا ہو۔ اور وہ اُن روحانی تجربات و مشاہدات کا بھی مطالعہ کر چکا ہو۔ جو کہ سپرچوئلزم پیش کرتا ہے۔ اور اس کے بعد آسنے یہ کہنے کی جرأت کی ہو کہ یہ تمام محض بناوٹ اور جعلسازی ہے۔ بلکہ اسکو اس صداقت کے سامنے سر جھکانا پڑتا ہے۔ اور یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ عام طور پر تعلیمیافتہ اور خاصکر سائنٹفک اصحاب سپرچوئلزم کا بخت مخالفت کی بنا پر مطالعہ کرتے آتے ہیں اور انکو یقین ہوتا ہے کہ یہ کوئی ایسی جعلسازی یا مکر و فریب ہو گا کہ وہ فوراً اسکو طشت از بام کر دینگے مگر کامل تحقیقات کے بعد وہ اسکی صداقت کو تسلیم کرنیکے لئے مجبور ہو جاتے ہیں چنانچہ پروفیسر ہیر جو کہ ایک مشہور امریکن کیمسٹ ہے۔ آنریبل رابرٹ اوین۔ جو کہ بہت بڑا عالم فلاسفر اور مادہ پرست تھا۔ اور مسٹر کروکس جو کہ موجودہ زمانہ کا اپنی قسم کا اکیلا کیمسٹ ہے۔ اسی طرح بیسیوں ایسے عالم۔ فلاسفر۔ سائنسدان اسی نیت سے سپرچوئلزم کا مطالعہ کرنے لگے تھے تاکہ وہ اسکو ایک قسم کی جعلسازی ثابت کریں اور انہوں نے چند گھنٹے۔ چند دن یا چند ہفتے تک مطالعہ کرکے جلدی سے نتیجہ نہیں نکالا۔ وہ سالہا سال تک نہایت ہی صبر و استقلال کے ساتھ اسکی جانچ پڑتال کرتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ جسقدر زیادہ انہوں نے اس بات کی تحقیقات کی۔ اور ہر ایک قسم کے تجربات اور مشاہدات کی بنا پر انہوں نے اسکا پتہ لگایا۔ اسی قدر وہ اس بات کے قایل ہوتے گئے کہ سپرچوئلزم ایک سچی سائنس ہے۔ یعنے جسم سے الگ ہو کر انسان کی روح فنا نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ اپنی انسانی شخصیت کے ساتھ قایم و دایم رہتی ہے۔ بنابریں انہوں نے اعلان کر دیا۔ کہ سپرچوئلزم نہ تو کوئی جعلسازی ہے۔ نہ ہی کوئی فریب ہے۔ نہ ہی

یہ کسی قسم کی باطل پر مبنی ہے۔ بلکہ ایک عظیم الشان عالمگیر صداقت ہے ۔

۳۔ ان تمام تجربات اور مشاہدات کو جو کہ اس پہلو میں کیئے جا چکے ہیں۔ دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک تو جسمانی اور دوسرے دماغی۔ ان دونوں قسم کے تجربات ومشاہدات میں دماغ کا عمل دیکھا جاتا ہے پہلی قسم کے تجربات ومشاہدات میں ہم جسمانی باتوں کو لیتے ہیں۔ ان میں اس قسم کی آوازیں شامل ہیں۔ جو کہ معمولی ٹنک ٹنک سے لیکر ایک بڑے بھاری ہتھوڑے کی آواز تک سنی گئی ہیں جبکہ ان آوازوں کا نکالنے والا تجربہ اور مشاہدہ کرنیوالوں میں سے کوئی نہیں تھا اسکے بعد جسمونکے وزن میں کمی بیشی ہونیکا تجربہ تھا۔ جو کہ کئی دفعہ کرکے دیکھا گیا۔ اسکے بعد بغیر انسانی ہاتھ کی مدد کے میز کرسی۔ اور گانے بجانے کے آلات کا ایک جگہ سے دوسری جگہ رکھ دینا تھا سب سے زیادہ عجیب یہ بات تھی کہ پھول اور پھل اور بعض صورتوں میں اور مختلف قسم کی دیگر چھوٹی چھوٹی اشیا دور دور کے فاصلے سے بغیر انسانی مدد کے لائی گئی تھیں۔ اس سے آگے ہمنے ایسے تجربات کئے۔ جو کہ تواریخ میں یادرہینگے یعنے انسانی جسم کا ہوا میں معلق رہنا۔ اور اسکا اسی معلق ہونیکی حالت میں کچھ دور تک چلنا۔ اس سے بھی زیادہ عجیب تجربہ یہ تھا کہ بغیر انسانی ہاتھ کے کئی رسیوں میں گرہیں دی گئیں اور سربمہر صندوق میں سے بغیر قفل کہولنے کے روپیہ نکالا گیا اور ایک ٹھوس دہات کے ٹکڑے کے اندر سے انگوٹھیونکو گذارا گیا۔ حالانکہ اس ٹکڑے میں کوئی ایسا سوراخ موجود نہیں تھا۔ کہ جس میں سے انگوٹھی ایک قدرتی طریقہ پر گذر سکی ۔

یہ تمام تجربات نہایت ہی ہوشیار سائنسدان۔ اور انکے مددگاروں کے سامنے کئے گئے ہیں نے خود اپنی آنکھوں سے دنکے وقت پردہ کی دیواریں سے چھڑی اور رومال کو گذرتے دیکھا۔ مگر جب پردہ کی دیوار کا ملاحظہ کیا گیا تو اس میں کوئی سوراخ نظر نہ آیا۔

۴۔ اسکے علاوہ ہم اُن تجربات پر غور کرتے ہیں جو کہ جسم اور دماغ کا مشترکہ نتیجہ کہے جاسکتے ہیں مثلاً براہ راست لکھنا اور نقشہ کشی کرنا۔ یہ ایک ایسا تجربہ ہے کہ غالباً کوئی بھی اسکو کرسکتا ہے۔ یہ مختلف طریقوں میں دیکھا گیا ہے مثلاً بائبل

کو سے کا غذات فرش پر پھینکدئے گئے۔ اور جب چند منٹ کے بعد انکو دیکھا گیا گیا تو وہ لکھے ہوئے تھے اسی طرح ناقابل گذر مکانات میں چھت کے فرش پر لکھا گیا۔ اس کے علاوہ بند سلیٹ پر بھی تحریر دیکھی گئی۔ حالانکہ سلیٹ تجربہ کرنے والے شخص کے سامنے یا اس کے ہاتھ کے نیچے پڑی رہی۔ اس کے علاوہ چند ایسے مشاہدات بھی ہیں۔ جن کو کہ موسیقی کے مشاہدات کہہ سکتے ہیں یعنے موسیقی کے آلات کو بجایا جاتا ہے۔ جبکہ وہ آلات بالکل قفل کے اندر موجود ہوتے ہیں۔ میں نے ایک موسیقی کے صندوق میں آلہ موسیقی کو ایک خاص شخص کی درخواست پر خودبخود بجتے اور پھر بند ہو جاتے سنا۔ ایک نہایت ہی عجیب وغریب مشاہدہ جس کو ہزاروں آدمیوں نے دیکھا یہ تھا۔ کہ ایک اکتارہ ایک ہاتھ سے پکڑ رکھا گیا۔ اور وہ کسی دکھائی دینے والے ہاتھ کی مدد کے بغیر بجتا تھا +

۵۔ اس کے علاوہ کیمیکل مشاہدات بھی ہیں۔ ان میں سے ایک مشاہدہ آگ کے اثر سے محفوظ رہنے کا ہے۔ مسٹر ڈی۔ ڈی۔ ہوم جو چند سال ہوئے فوت ہو چکے ہیں۔ جو کہ ایک نہایت ہی اعلیٰ درجہ کے میڈیم تھے۔ ایک دہکتا ہوا کوئلہ ہاتھ میں پکڑ کر کمرہ کے اندر لئے پھرتے تھے۔ اور اپنی خاص طاقت کے ذریعہ وہ ایسے اشخاص کی طرف اشارہ کرتے تھے۔ کہ جن کے ہاتھ میں وہ کوئلہ دے دیا جاتا تھا۔ اور اس سے اسکو کوئی گزند نہیں پہنچتا تھا۔ ایک دوسرا عجیب وغریب مشاہدہ روح کا اپنے اردگرد کے مادہ سے جسم اختیار کر کے ظاہری شکل میں نمودار ہونا ہے۔ مسٹر کرکس نے ان مشاہدات کا تجربہ کیا اور ان کے نتائج کو شایع کر دیا۔ ان مشاہدات کا نہایت سختی سے امتحان کیا گیا۔ اور کئی ہفتوں تک امتحان کیا گیا۔ تصویریں اُتاری گئیں۔ تولا گیا۔ اور انکو ماپا گیا۔ اس نے اس بات کو جانچنے کے لئے ہر ایک ایسا امتحان کیا۔ جو کہ ایک سائینٹسٹ کر سکتا ہے۔ اور اس نے آخرکار اعلان کر دیا۔ کہ یہ درحقیقت بالکل سچی ہستیاں ہیں۔ اور روحی ہستیاں ہیں۔ ان روحانی شخصیتوں کا اس سے بڑھکر ثبوت اور کیا مل سکتا ہے۔ کہ تم

ان کی تصویر اتار لو۔ دوسرا عجیب و غریب مشاہدہ یہ ہے۔ کہ یہ روحانی شخصیتیں بعض اوقات عارضی طور پر اپنے اردگرد کے مادہ کو جمع کر کے ہاتھ یا منہ کی شکل ظاہر کرتی ہیں۔ ان ہاتھوں کو آبلتی ہوئی پیرافین میں ڈبویا گیا۔ لیکن ان کو کوئی گزند نہ پہنچا۔ اب ان مشاہدات پر غور کرو۔ جو کہ خود بخود لکھنے کے بارے میں دیکھے گئے۔ یعنے ایک شخص اپنی مرضی کو دخل دیئے کے بغیر لکھتا جاتا ہے۔ اور جو کچھ لکھ رہا ہے اس کا اس کو خود بھی علم نہیں ہوتا۔ اس قسم کی بے شمار تحریریں ہمارے مشاہدہ سے گذریں۔ دوسری قسم کے مشاہدات روحوں کو دیکھنا اور ان سے کلام کرنا ہے۔ جو اشخاص یہ طاقت رکھتے ہیں۔ وہ روحوں کی شکل و شباہت اور ان کے مطالب کو ایسے صاف الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ روحوں کے عزیز و اقارب آسانی سے اس بات کا پتہ لگا سکتے ہیں۔ کہ آیا وہ درست ہے۔ یا نہیں۔ بعض اوقات یہ اشخاص ایسی باتوں کا پتہ دیتے ہیں۔ جو بہت سے میلوں کے فاصلے پر واقع ہو رہی ہیں۔ اور وہ بعض اوقات روح کی مدد سے ایک ایسی زبان میں گفتگو کرنے لگ جاتے ہیں جس کو وہ مطلق نہیں جانتے ہوتے۔ اس قسم کے تجربات اور مشاہدات ہر ایک طبقہ کے مرد اور عورت۔ نوجوان اور بوڑھوں تعلیمیافتہ اور غیر تعلیمیافتہ میڈیم کی معرفت کئے جا چکے ہیں ان تجربات اور مشاہدات کا لایق سے لایق اہل سائنس نے امتحان کیا۔ اور ان کو درست پایا۔ ایسی صورت میں یہ کہنا کہ یہ کسی قسم کی دھوکہ بازی ہے۔ بالکل ناممکن امر ہے۔ یہ تجربات اور مشاہدات امریکہ۔ یورپ۔ اسٹریلیا۔ انگلینڈ۔ فرانس سپین۔ روس وغیرہ تمام ممالک میں کئے گئے۔ ان میں کہیں شخصی اختلاف دیکھا گیا۔ جو اس بات کی علامت ہے۔ کہ وہ ایک ہی بات کی نقلیں نہیں تھیں۔ بلکہ اپنے قدرتی رنگ میں نمودار ہوتے تھے میڈیم خواہ مرد ہو۔ خواہ عورت۔ لڑکا ہو۔ خواہ لڑکی تعلیمیافتہ ہو۔ خواہ غیر تعلیمیافتہ ہو۔ مہذب ہو۔ خواہ غیر تہذیب کا آدمی۔ تمام حالات میں ان تجربات اور مشاہدات کو درست پایا گیا۔ اس سے

ہم نتیجہ نکالتے ہیں۔ کہ یہ مشاہدات قدرتی تھے۔ اور کہ یہ اس تعلق کو ظاہر کرتے ہیں۔ جو کہ روح اور جسم کے درمیان ہے۔ یہ تجربات اور مشاہدات صاف طور انسانی روح کے بارے میں ہیں۔ جو کہ انسانی حرکات میں اور روزمرہ کے خیالات کے ساتھ ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ان میں انسانی آواز کا۔ لکھنے اور نقش کرنے منطق اور دلیل کے مطابق ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ اس بات کے ثبوت میں کہ کسی متوفی شخص کی رح کو کیونکر اس کی روح سمجھا جاسکتا ہے۔ کافی سے زیادہ شہادتیں موجود ہیں یہاں پر ایک مثال اپنے ذاتی تجربہ کی پیش کرتا ہوں۔ میرا ایک بھائی تھا۔ جس کے ساتھ میں نے ابتدا عمر کے سات سال بسر کئے تھے۔ وہ پچاس سال سے زیادہ کا عرصہ ہوا کہ فوت ہوگیا۔ میرے اس بھائی کا لنڈن میں ولیم مارٹن نامی ایک دوست تھا۔ میرے بھائی کا نام ولیم والس تھا۔ میں نہیں جانتا تھا۔ کہ میرے بھائی کے دوست کا نام ولیم تھا۔ کیونکہ وہ اس کو ہمیشہ مارٹن ہی کہتا تھا۔ اس سے زیادہ مجھے کچھ علم نہیں تھا۔ ایک دفعہ جبکہ میں واشنگٹن میں روحانیوں سے کلام کر رہا تھا۔ تو مجھے مفصلہ ذیل پیغام ملا۔

"میں ولیم مارٹن ہوں۔ میں اپنے پرانے دوست کے لئے لکھ رہا ہوں جس کا نام والس تھا۔ تا کہ تم کو یہ بتاؤں کہ وہ کسی دوسرے موقع پر تم سے ہم کلام ہوگا"۔ میں اس بات کو یقینی طور پر جانتا ہوں کہ امریکہ میں میرے اور ایک دوسرے شخص کے سوائے کسی کو یہ علم نہیں تھا کہ مارٹن میرے بھائی کا دوست تھا۔ اور کسی کو میرے بھائی کا علم نہیں تھا۔ نہ ہی یہ علم تھا کہ وہ کیملے فورنیا میں رہتا تھا۔ اس سے مجھے یقین ہوگیا کہ روح اپنی شخصیت کا بخوبی اظہار کرسکتی ہے۔ سپرچولزم روح کے متعلق ایسے اجسام اور حالات کی واقفیت ہم پہنچاتا ہے جس کو مادی سائنس قبول کرنے سے جھجکتی ہے۔ سپرچولزم ہمیں بتاتا ہے۔ کہ ذہن بغیر مادہ کے قایم رہتا ہے۔ اور روح کثیف جسم سے الگ ہو کر قایم رہتی ہے اس سے اس بات کی کہ روح جسم کے ساتھ ہی فنا ہو جاتی ہے۔ بڑے زوردار طریقہ میں تردید ہو جاتی ہے۔ اس سے ایک نہایت ہی زبردست ثبوت اس بات

کا ملتا ہے کہ وہ جن کو ہم مردہ سمجھتے ہیں وہ بدستور زندہ ہیں۔ اور کہ ہمارے ایسے عزیز و اقارب ہمارے نزدیک ہی ہیں۔ اگرچہ ہم ان کو نہیں دیکھتے اس سے روح کی آیندہ زندگی کا زبردست ثبوت ملتا ہے۔ جو کہ ایک بڑی ہی اطمینان دینے والی سچائی ہے۔ اس سچائی کے بغیر بہت سے انسان شکوک و شبہات کا شکار ہو کر تباہ ہو رہے ہیں"+

مسلم۔ میاں اعرابی! پروفیسر الفرڈ رسل والس صاحب کے مذکورہ بالا بیان سے تم کیا نتیجہ نکالتے ہو؟

اعرابی۔ میں تو اس سے یہی نتیجہ نکالتا ہوں کہ روح کی آئندہ زندگی اور پاک روحوں کی آئندہ خوشیوں کا رب العزۃ نے جو ذکر قرآن مجید میں کیا ہے۔ وہ بالکل صحیح ہے۔

مسلم۔ یہ ٹھیک ہے۔ مگر کیا تم یہ نہیں سمجھتے کہ ہماری موجودہ زندگی کیسی ہیچ اور اس کے مقابلہ پر وہ زندگی جو اس جسم سے علیحدہ ہو کر ملنے والی ہے۔ یا ملتی ہے۔ وہ کیسی اعلیٰ اور سرور و راحت کی زندگی ہے۔ بشرطیکہ ہماری روح اس دنیا کی آلائشوں میں پھنسکر اس قدر زخمی اور بے حس نہ ہو جائے کہ وہ اس روحانی دنیا کی نعمتوں کو محسوس کرنے سے ہی عاری ہو جائے؟

اعرابی۔ یہ بہت صحیح ہے۔

مسلم۔ اچھا تو پھر اب ہم مسیحی دنیا کے ان عالموں۔ فلاسفروں۔ اور سائنسدانوں کی طرف سے اپنی توجہ کو ہٹا کر قرآن پاک کی طرف لاتے ہیں۔ تاکہ ہمیں ان مسائل کے حل کرنیکا موقع مل سکے۔ جو آپ کی پریشانی اور گھبراہٹ کا باعث ہوئے تھے۔

اعرابی۔ حضرت! سچ تو یہ ہے۔ کہ آپ اب خواہ مزید تکلیف اٹھائیں۔ یا نہ میرے شکوک تو اس تمہید سے ہی حل ہو گئے۔

مسلم۔ وہ کیسے؟

اعرابی۔ یسوع مسیح اگر بجسد عنصری زندہ بھی ہو تو وہ اس جسمانی زندگی کے ساتھ ہمارے رسول کریم کی روحانی زندگی پر کبھی فضیلت نہیں پا سکتا۔ اس لئے کہ جسمانی زندگی روحانی زندگی سے ہر حالت میں کمتر و ادنیٰ ہے۔

مسلم - میاں! تم نے بہت بڑی چھلانگ ماردی - ابھی چند منٹ پیشتر تو یہ کہہ رہے تھے کہ اگر مسیح ابن مریم بجسد عنصری زندہ ہو - تو ہم کیوں نہ مسیحی ہو جائیں - اس لئے کہ ایک فوت شدہ نبی کی نسبت زندہ نبی افضل و اعلیٰ ہوتا ہے - لیکن اب تم مسیحی فاضلوں - فلاسفروں - اور مسیحی سائنسدانوں کے تجربات و مشاہدات کو سنکر فوراً اس نتیجہ پر پہنچ گئے ہو کہ مسیح خواہ بجسد عنصری زندہ بھی ہوں تو بھی وہ ہمارے رسول کریم کی روحانی زندگی پر فضیلت نہیں رکھ سکتے - اتنے بے صبر کیوں ہوتے ہو - ذرا قرآن پاک کی شہادت بھی تو سن لو -

اعرابی - آپ قرآن پاک کی شہادت سنائیں یا نہ سنائیں - میں خوب سمجھ گیا کہ جو بچہ صحیح و سالم ماں کے پیٹ سے پیدا ہو کر اس روشن و بہتر دنیا کے اندر آگیا ہے - وہ اس بچے سے بدرجہا افضل ہے - جو ابھی ماں کے پیٹ میں ہی قید پڑا ہے -

مسلم - اس سے تمہارا کیا مطلب؟

اعرابی - اس سے میرا مطلب یہ ہے - کہ ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیائے شکم سے طبعی عمر پاکر عالم ارواح میں داخل ہو چکے ہیں - جبکہ مسیح ابن مریم ابھی بجسد عنصری خدا معلوم کہاں اس دنیا کے اندر پڑے ہیں - ایسی صورت میں ابن مریم کی جسمانی زندگی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر باعث فضیلت نہیں ہو سکتی جس پر کوئی مسیحی سنا ڈینگ مار کر مجھے بہکا سکے -

مسلم - اتنی جلدی مت کرو - ذرا قرآن مجید کی شہادت سنو - رب العزۃ فرماتا ہے

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ
وَلَٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ - (پ۲ - ع۳) +

تم ان لوگوں کو جو خداوند قدوس کی راہ میں فنا ہو چکے ہیں - مردہ مت کہو - بلکہ وہ تو زندہ موجود ہیں - لیکن تم اس بات کی حقیقت سے بے خبر ہو +

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ
عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ - (پ۴ - ع۸) +

تم اُن لوگوں کو جو فنا فی سبیل اللہ ہو گئے ہیں۔ مُردہ مت تصور کرو۔ بلکہ وہ تو
زندہ موجود ہیں اور خداوند قدوس کے ہاں زندگی کی خوراک پاتے ہیں"

وَقَالُوْا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا
جَدِيْدًا ۔ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ۔ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا
يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۔ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ۔ قُلِ الَّذِيْ
فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۔ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَ
يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ۔ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ
فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا (پ ۱۵ ع ۵)

"وہ لوگ جو روح کو ایک کیمیائی فعل کا نتیجہ مانتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں۔ کہ روح جسم کے ساتھ ہی فنا ہو جاتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جس وقت ہماری ایک ایک ہڈی الگ الگ ہو جائیگی۔ اور ہم سڑ گل کر ریزہ ریزہ ہو جائینگے۔ کیا یہ ممکن ہے۔ کہ اس صورت میں ہم ایک بالکل نئے جسم کے ساتھ قایم رہیں۔ ایسے لوگوں کو سُنا دو۔ کہ خواہ تم پتھر اور لوہے کے ذروں بھی تبدیل ہو جاؤ۔ یا تم اپنے آپ کو ایسی حالت میں پہنچا ہوا بھی مان لو۔ کہ جو تمہارے نزدیک قطعی ناممکن ہے۔ تو بھی تمہاری شخصیت قایم رہے گی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو ایسا لطیف جسم کون دیگا۔ ان سے کہدو کہ جس خداوند قدوس نے تم کو موجودہ کثیف جسم دیا ہے۔ وہی تم کو ایک لطیف جسم کے ساتھ زندہ رکھیگا یہ سُنکر وہ لاجواب ہو کر اپنے سر کو ہلا کر کہتے ہیں۔ کہ اچھا ہم نے مانا کہ ایسا ہو گا۔ لیکن یہ تو بتاؤ۔ کہ ایسا کب ہو گا۔ اُن سے کہدو۔ کہ ممکن ہے۔ ایسا جلدی ہی ہو جائے جس دن خداوند تعالیٰ تم کو اپنی طرف بلائیگا۔ تو تم اس کی طرف جاؤ گے۔ اور تم خداوند قدوس کی تقدیس کرو گے۔ اور خیال کرو گے۔ کہ تم نے دنیا میں جو کثیف جسم کے ساتھ زندگی بسر کی تھی۔ وہ اس جسم کی زندگی کے مقابلہ میں بالکل ہیچ تھی۔ اور نہایت تھوڑی مدت کی تھی +

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ

لَهِیَ الْحَیَوَانُ لَوْ كَانُوا یَعْلَمُوْنَ (العنکبوت ع ۷)

اس دنیا کی جسمانی زندگی کیا ہے؟ یہ تو محض کھیل تماشہ ہے۔ ہاں دوسری دنیا کی جو زندگی ہے۔ وہ یقیناً دائمی زندگی ہے۔ کاش لوگ اس حقیقت کو جان لیں۔

وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (الانعام ع)

اس دنیا کی جسمانی زندگی کچھ نہیں بلکہ وہ تو محض کھیل تماشہ ہے۔ ہاں دوسری دنیا کی جو زندگی ہے۔ وہ اس سے ہر طرح بہتر ہے۔ مگر کن لوگوں کے لیے ان کے لئے جو رب العزۃ کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔ کیا یہ لوگ اس قدر سی بات کو بھی نہیں سمجھ سکتے؟

اِعْلَمُوْا اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِیْنَۃٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَیْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ كَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ یَهِیْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَكُوْنُ حُطَامًا وَفِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ شَدِیْدٌ وَّمَغْفِرَۃٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ سَابِقُوْا اِلٰى مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّۃٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اُعِدَّتْ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ۔ (الحدید ع ۳)

اے لوگو کان کھول کر سن لو۔ اور خوب جان لو۔ کہ تمہاری اس دنیا کی زندگی محض کھیل تماشہ ہے ظاہری ٹیپ ٹاپ ہے۔ آپس کی ڈینگ بازی ایک دوسرے کی نسبت مال و اولاد کی کثرت کے لئے مرمٹنے کی خواہشات ہیں۔ یہ تمام جدوجہد ایسی ہی ہے جیسا کہ بارش سے گھاس پھوس اور اناج پیدا ہوتے ہیں۔ کاشتکار اپنی کھیتی باڑی کو دیکھکر خوش ہوتا ہے۔ جب اسکا اناج پک جاتا ہے۔ تو کیا حالت ہوتی ہے۔ وہی کھیتی جو ابھی سرسبز شاداب تھی۔ سوکھکر کانٹا ہو جاتی ہے۔ آخر کار بیلوں کے پاؤں کے نیچے

روندی جاتی ہے۔ خوب یاد رکھو کہ اس دنیا کی زندگی پر اترانے والوں کو مرنے کے بعد بہت دکھ اٹھانا پڑے گا۔ اور نیکو کاروں کے لئے رب العزۃ کے ہاں بخشش اور من بھاتی خوشی ہوگی پس خوب یاد رکھو۔ کہ اس دنیا کی زندگی محض دھوکہ کی ٹٹی ہے۔ پس تم کو چاہئے۔ کہ تم خدا کی بخشش اور جنت کی طرف ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ وہ جنت اتنی وسیع ہے جتنے کہ زمین و آسمان۔ یہ اُن لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ جو رب العزۃ اور اس کے انبیاء و رسل پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ رب العزۃ کا فضل ہے جس کو چاہے دیدے۔ رب العزۃ کا فضل بہت بڑا ہے۔

اعرابی۔ سبحان اللہ! رب العزۃ نے کیسے کھلے الفاظ میں اس دنیا اور دوسری دنیا کا باہم مقابلہ کر کے دکھایا ہے +

مسلم۔ اب آپ ذرا غور فرمائیں۔ کہ ایک طرف تو ایک شخص خواہ وہ معمولی انسان ہو۔ خواہ انبیاء و رسل میں سے کوئی نبی یا رسول اس کھیل تماشے کی جگہ سے نکل کر جنت میں پہنچ گیا ہے۔ مگر دوسرا شخص ابھی اس جسم اور اسی دنیا کے اندر مقید ہے۔ بتاؤ۔ دونوں میں سے آپ کس کو افضل سمجھیں گے؟

اعرابی۔ حضرت! میں تو پہلے ہی عرض کر چکا ہوں۔ کہ وہ جو اس جسم کے قید و بند سے آزاد ہو کر رب العزۃ کے حضور میں روحانیوں میں جا شامل ہوا ہے۔ وہ اس سے بدرجہا افضل ہے۔ جو ابھی اس دنیا میں جسمانی قید و بند میں موجود ہے۔

مسلم۔ اب اگر کوئی مسیحی پادری یہ ڈینگ مارے۔ کہ مسلمانوں کا رسول مرگیا اور ہمارا مسیح بجسد عنصری زندہ موجود ہے۔ تو آپ اس کے متعلق کیا رائے قایم کریں گے؟

اعرابی۔ میں تو پہلے ہی کہہ چکا ہوں۔ کہ مسیح کے بجسد عنصری زندہ موجود ہونے کی ڈینگ مارنے والا شخص خواہ وہ مسیحی ہو خواہ مسلمان میرے نزدیک مسیح

ابن مریم کی فضیلت میں ہرگز ہرگز اضافہ نہیں کرتا۔ بلکہ ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو جسد عنصری سے آزاد ہو کر رب العزۃ کے حضور میں روحانیوں میں جا شامل ہوئے مسیح پر ہر طرح فوقیت حاصل ہے۔ اس لئے کہ ہمارے نبی کریم رب العزۃ کے فرمان کے مطابق مقام محمود سے فائز المرام ہو چکے۔ جبکہ مسیح ابن مریم ابھی بجسد عنصری خدا معلوم کہاں پڑے ہیں؟ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ مسیح کی الوہیت کا عقیدہ محض فاسد ہے +

مسلم۔ آپ نے بہت ٹھیک نتیجہ نکالا۔ واقعی اگر مسیح ابن مریم کو ابھی تک جسمانی قید و بند میں پڑا ہوا مان لیا جاوے۔ تو یہ امر مسیح کی الوہیت کو توڑنے کے لئے بہترین حربہ ثابت ہوگا۔ اچھا تو ان باتوں کو خوب یاد رکھنا۔ آگے چلکر ہمیں ان سے بہت مدد ملیگی۔

اعرابی۔ بہت بہتر +

چوبیسویں فصل

مسیح کی حیات و موت

مسلم۔ کیا آپ نے کبھی اس بات پر غور کیا ہے۔ کہ مسیحیت کا دارومدار کس بات پر ہے +

اعرابی۔ میرا خیال ہے۔ کہ مسیحیت کا تمام دارومدار مسیح کی الوہیت اور کفارہ پر ہے۔

مسلم۔ بہت ٹھیک۔ مگر مسیح کی الوہیت کا حال تو آپ نے دیکھ لیا۔ اب ذرا کفارہ کے مسئلہ پر بھی غور کیجئے۔

اعرابی۔ اس مسئلہ پر تضیع اوقات کرنے سے کیا فائدہ؟

مسلم۔ یہ تضیع اوقات نہیں۔ بلکہ اس بات کا پتہ لگانے کے لئے کہ مسیح کا زندہ رہنا یا مقتول و مصلوب ہو جانا ان تمام باتوں میں سے کونسی صحیح مانی جاوے جس سے کفارہ کے مسئلہ پر غور کرنا آسان ہو جائے۔

اعرافی۔ بہت بہتر۔ تو آپ ذرا اس پر روشنی ڈالیں۔

مسلم۔ مسیحیت کا سارا زور اس بات پر ہے۔ کہ آدم نے گناہ کیا۔ اور زمین اس کی وجہ سے لعنتی ہوئی۔ اس لعنت کو دور کرنے کے لئے ضروری تھا کہ خداوند خدا اپنے اکلوتے بیٹے کو دنیا میں بھیجتا۔ تاکہ وہ صلیب پہ لعنت کی موت مرکر دنیا کے گناہوں کا بوجھ اپنی گردن پر اٹھا لے جاتا۔ چنانچہ لکھا ہے:۔

"یقیناً اس نے ہماری مشقتیں اٹھالیں۔ اور ہمارے غموں کا بوجھ اپنے اوپر چڑھایا۔ ہم نے اس کا یہ حال سمجھا۔ کہ وہ خدا کا مارا کوٹا اور ستایا ہوا ہے۔ پر وہ ہمارے گناہوں کے سبب گھایل کیا گیا۔ اور ہماری بدکاریوں کے سبب کچلا گیا۔ اور ہماری ہی سلامتی کے لئے اس پر سیاست ہوئی۔ تاکہ اس کے مار کھانے سے ہم چنگے ہوں۔ ہم سب بھیڑوں کی مانند بھٹک گئے۔ ہم میں سے ہر ایک راہ کو پھرا۔ پر خداوند نے ہم سبھوں کی بدکاری اس پر لادوی۔ وہ تو نہایت ستایا گیا۔ اور غم زدہ ہوا۔ تو بھی اس نے اپنا منہ نہ کھولا۔ وہ جیسے برہ جسے ذبح کرنے لے جاتے۔ اور جیسے بھیڑ اپنے بال کترنیوالے کے آگے بے زبان ہے۔ اسی طرح اس نے اپنا منہ نہ کھولا۔ ایذا دنے کے اور اس پر حکم کرکے وہ اسے لیگئے پر کون اس کے زمانہ کا بیان کریگا۔ کہ میں زندوں کی زمین سے کاٹ ڈالا گیا۔ میری گروہ کے گناہوں کے سبب اس پر مار پڑی۔ اس کی قبر بھی شریروں کے درمیان ٹھہرائی گئی تھی۔ پر وہ اپنے مرنے کے بعد دولتمندوں کے ساتھ ہوا۔ کیونکہ اس نے کسی طرح کا ظلم نہ کیا۔ اور اس کے منہ میں ہرگز چھل نہ تھا لیکن خداوند کو پسند آیا۔ کہ اسے کچلے۔ اس نے اسے غمگین کیا۔ جب اس کی جان گناہ کے لئے گذرانی جاوے۔ تو وہ اپنی نسل کو دیکھیگا

اور اس کی عمر دراز ہو گی۔۔۔۔۔ وہ انکی بدکاریاں اپنے اوپر اُٹھالیگا۔۔۔۔ اس نے اپنی جان موت کے لئے انڈیل دی۔ اور وہ گنہگاروں کے درمیان شمار کیا گیا۔ اور اس نے بہتوں کے گناہ اُٹھا لئے۔ اور گنہگاروں کی شفاعت کی۔

یسعیاہ باب ۵۳۔ آیت ۴-۱۲ +

۲۔ ابن آدم اس لئے نہیں آیا۔ کہ خدمت لے۔ بلکہ خدمت کرے۔ اور اپنی جان بہتیروں کے بدلے میں فدیہ دے۔ متی ۲۰/۲۸ +

۳۔ جس طرح موسیٰ نے سانپ کو بیابان میں اونچے پر چڑھایا۔ اسی طرح ضرور ہے۔ کہ ابن آدم بھی اونچے پر چڑھایا جاوے۔ تاکہ جو کوئی ایمان لائے اس میں ہمیشہ کی زندگی پائے۔ یوحنا ۳/۱۴-۱۵

۴۔ دوسرے دن اس نے یسوع کو اپنی طرف آتے دیکھکر کہا۔ دیکھو! یہہ خدا کا برہ ہے۔ جو دنیا کا گناہ اُٹھائے جاتا ہے۔ یوحنا ۱/۲۹

۵۔ اے میرے بچو! یہ باتیں میں تمہیں اس لئے لکھتا ہوں۔ کہ تم گناہ نہ کرو۔ اگر کوئی گناہ کرے تو باپ کے پاس ہمارا ایک مددگار موجود ہے یعنی یسوع مسیح راستباز۔ اور وہی ہمارے گناہوں کا کفارہ ہے۔ نہ صرف ہمارے ہی گناہوں کا بلکہ تمام دنیا کے گناہوں کا بھی۔ یوحنا کا پہلا خط ۲/۱-۲

۶۔ اس مرضی کے سبب ہم یسوع مسیح کے جسم کے ایک ہی بار قربان ہونیکے وسیلے سے پاک کئے گئے ہیں۔ اور ہر ایک کاہن تو کھڑے ہو کر ہر روز عبادت کرتا ہے۔ اور ایک ہی طرح کی قربانیاں بار بار گذرانتا ہے۔ جو ہرگز گناہوں کو دور نہیں کر سکتیں لیکن یہ شخص ہمیشہ کے لئے ایک ہی قربانی گذرانکر خدا کی دہنی طرف جا بیٹھا۔ اور اسی وقت سے منتظر ہے۔ کہ اس کے دشمن اس کے پاؤں کے تلے کی چوکی بنیں کیونکہ اس نے ایک ہی قربانی چڑھانے سے ان کو ہمیشہ کے لئے کامل کر دیا ہے۔۔۔۔۔ کیونکہ خداوند فرماتا ہے۔۔۔۔ انکے گناہوں اور بیدینیوں کو پھر کبھی یاد نہ کرونگا۔ اور جب انکی معافی ہو گئی ہے۔ تو پھر گناہ کی قربانی نہیں رہی۔ عبرانیوں ۱۰/۱۰-۱۸

۷۔ وہ آپ ہمارے گناہوں کو اپنے بدن پر لئے ہوئے صلیب پر چڑھ
گیا۔ تاکہ ہم گناہوں کے اعتبار سے مر کر راستبازی کے اعتبار سے
جئیں۔ اور اسی کے مار کھانے سے تم نے شفا پائی۔ پطرس کا پہلا خط ۲/۲۴
۸۔ سب نے گناہ کیا۔ اور خدا کے جلال سے محروم ہیں۔ مگر اس کے
فضل کے سبب اس مخلصی کے وسیلے سے جو مسیح یسوع میں ہے مفت راستباز
ٹھہرائے جاتے ہیں۔ اسے خدا نے اس کے خون کے باعث ایک
ایسا کفارہ ٹھہرایا۔ جو ایمان لانے سے فائدہ مند ہوا۔ تاکہ جو گناہ پیشتر ہو چکے
تھے۔ اور جن سے خدا نے تحمل کر کے طرح دی تھی۔ ان کے بارے میں
وہ اپنی راستبازی ظاہر کرے۔ رومیو ۳/۲۵ +
۹۔ تاکہ امت کے گناہوں کا کفارہ دینے کے واسطے ان باتوں میں جو
خدا سے علاقہ رکھتی ہیں ایک رحمدل اور دیانتدار سردار کاہن بنے۔
عبرانیوں ۲/۱۷ +
۱۰۔ جتنے شریعت کے اعمال پر تکیہ کرتے ہیں۔ وہ سب لعنت کے
ماتحت ہیں ...... اور شریعت کو ایمان سے کچھ واسطہ نہیں۔
بلکہ لکھا ہے۔ کہ جس نے ان پر عمل کیا۔ وہ ان کے سبب سے جیتا رہیگا۔
مسیح جو ہمارے لئے لعنتی بنا۔ اس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت
سے چھڑایا۔ کیونکہ لکھا ہے۔ کہ جو کوئی لکڑی پر لٹکایا گیا۔ وہ لعنتی ہے
گلتیوں ۳/۱۱-۱۳ +
۱۱۔ ہم اس کو دیکھتے ہیں۔ جو فرشتوں سے کچھ ہی کم کیا گیا۔ یعنے یسوع کو۔ کہ موت
کا دکھ سہنے کے سبب جلال اور عزت کا تاج اسے پہنایا گیا۔ تاکہ
خدا کے فضل سے وہ ہر ایک آدمی کے لئے موت کا مزہ چکھے۔
..... بہت سے بیٹوں کو جلال میں داخل کرے۔ تو ان کی نجات کے بانی
کو دکھوں کے ذریعے کامل کرے۔ اس لئے کہ پاک کرنے والا اور
پاک ہونے والے سب ایک ہی اصل سے ہیں۔ عبرانیوں ۲/۹-۱۱ +
۱۲۔ اور وہی بدن یعنے کلیسیا کا سر ہے۔ وہی مبدا ہے۔ اور مردوں میں سے

جی اُٹھنے والوں میں سے پہلوٹھا۔ تاکہ سب باتوں میں اس کا اول درجہ
ہو۔ چونکہ باپ کو پسند آیا کہ ساری معموری اس میں سکونت کرے۔ اور
اس کے خون کے سبب جو صلیب پر بہا صلح کر کے سب چیزوں کا
اسی کے وسیلے سے اپنے ساتھ میل کرے۔ خواہ وہ زمین کی
ہوں خواہ آسمان کی۔ اور اس نے اس کے جسمانی بدن موت کے
وسیلے سے تمہارا بھی میل کر لیا۔ جو پہلے خارج اور برے کاموں کے سبب
دل سے دشمن تھے۔ تاکہ وہ تم کو مقدس بے عیب اور بے الزام بنا کر
اپنے سامنے حاضر کرے۔ کلسیوں ۱/۱۹-۲۲ +

۱۳۔ خدا نے اپنے اکلوتے بیٹے کو دنیا میں بھیجا ہے۔ تاکہ ہم اس کے
سبب سے زندہ رہیں۔ محبت اس میں نہیں کہ ہم نے خدا سے محبت کی۔
بلکہ اس میں ہے۔ کہ اس نے ہم سے محبت کی۔ اور ہمارے گناہوں
کے کفارہ کے لئے اپنے بیٹے کو بھیجا۔ یوحنا ۴/۹-۱۰ +

۱۴۔ اگر خدا ہماری طرف ہے۔ تو کون ہمارا مخالف ہے۔ جس نے اپنے بیٹے
کو بھی دریغ نہ کیا۔ بلکہ ہم سب کی خاطر اسے حوالہ کر دیا۔...... مسیح
یسوع وہ ہے۔ جو مر گیا۔ بلکہ مُردوں میں سے جی اُٹھا۔ اور خدا
کی دہنی طرف ہے۔ اور ہماری شفاعت بھی کرتا ہے۔ رومیوں ۸/۳۱-۳۴

۱۵۔ اگر مسیح نہیں جی اُٹھا۔ تو ہماری منادی بھی بیفائدہ ہے۔ اور تمہارا
ایمان بھی بیفائدہ۔ بلکہ ہم خدا کے جھوٹے گواہ ٹھہرے۔ کیونکہ ہم نے
خدا کی بابت یہ گواہی دی۔ کہ اس نے مسیح کو جلا دیا۔ حالانکہ نہیں جلایا....
اور اگر مردے نہیں جی اٹھتے۔ تو مسیح بھی نہیں جی اٹھا۔ اور اگر مسیح نہیں
جی اٹھا تو تمہارا ایمان بے فائدہ ہے۔ تم اب تک اپنے گناہوں میں
گرفتار رہو۔ بلکہ جو مسیح میں سو گئے ہیں وہ بھی ہلاک ہوئے۔ اگر ہم صرف
اسی زندگی میں مسیح میں امید رکھتے ہیں تو ہم سارے آدمیوں سے
زیادہ بدنصیب ہیں۔ اکرنتھیوں ۱۵/۱۴-۱۹ +

میاں اعرابی۔ تم نے دیکھا۔ کہ انجیل کا سارا زور اس بات پر خرچ ہو رہا

کہ مسیح دنیا کے گناہوں کا بوجھ اُٹھا کر صلیب پر لعنت کی موت مر گیا۔ اور کہ اگر مسیح صلیب پر مر کر اور دنیا کے گناہوں کا کفارہ ہو کر مردوں میں سے جی نہیں اُٹھا تو پولوس رسول کے الفاظ میں مسیحی دین باطل ہو جاتا ہے۔ مگر کفارہ کے لئے ضروری ہے کہ مسیح کو مقتول یا مصلوب مانا جاوے۔ اگر مسیح ابھی تک زندہ ہے۔ یا وہ طبعی موت نہیں مرا۔ تو کفارہ باطل ہو گیا۔ اب اگر اناجیل کی اس تعلیم کے مقابلہ پر کوئی آسمانی کتاب یہ ثابت کر دے کہ مسیح مقتول یا مصلوب نہیں ہوا۔ تو تم مسیحیت کے متعلق کیا نظریے قائم کرو گے؟

اعرافی۔ اگر یہ ثابت ہو جائے۔ کہ مسیح صلیب پر لعنت کی موت نہیں مرا۔ تو اس میں کیا شک ہے۔ کہ مسیحی دین۔ مسیحی عقیدہ۔ مسیحی ایمان پولوس رسول کے الفاظ میں از سرتاپا باطل ہے۔ بے فائدہ اور باعث ہلاکت ہو جاتا ہے۔

مسلم۔ بہت اچھا۔ اب آپ ذرا قرآن پاک کا مطالعہ فرمائیں۔ رب العزۃ مسیح علیہ السلام کے بارے میں فرماتا ہے:۔

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ۝ بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا۔

(النساء۔ ع ۲۲)

اور اہل کتاب کا یہ کہنا بھی محض کفر ہے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم کو جو خدا کا رسول تھا قتل کر ڈالا۔ حالانکہ انہوں نے نہ اسکو قتل کیا۔ نہ صلیب پر چڑھایا۔ ہاں وہ ان کے لئے باعث اختلاف ہوا۔ اور وہ لوگ جو مسیح علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں۔ وہ اس کی طرف سے محض شک میں ہیں۔ ان کو ٹھیک بات کا تو پتہ نہیں ہے۔ وہ اٹکل سے کام لے رہے ہیں۔ اور یہ تو امر واقعہ ہے کہ مسیح کو ہرگز قتل نہیں کیا گیا۔ بلکہ رب العزۃ نے اس کو اپنے ہاں مقرب ٹھہرایا۔ اور رب العزۃ قدرت و حکمت والا ہے۔

اعرافی۔ اس سے تو مسیحی دین کے کفارہ کا مسئلہ بالکل بیخ و بن سے اکھڑ گیا۔

اس لئے کہ جب مسیح نہ قتل کیا گیا نہ صلیب پر مرا۔ تو وہ کفارہ کیسے ہوا؟

مسلم۔ یہ بالکل ٹھیک ہے۔ مسیح کے قتل ہونے یا ان کے صلیب دئے جانے کی قرآن پاک نے نہایت شد و مد سے تردید کی ہے۔ اس سے یہودیوں اور عیسائیوں دونوں پر اتمام حجت ہوگئی۔ کیونکہ یہودی تو یہ کہتے تھے۔ کہ مسیح ابن مریم نعوذ باللہ جھوٹا تھا۔ اور جھوٹا نبی قتل کیا جاتا ہے۔ بنا برین مسیح بھی قتل کیا گیا۔ اور مسیحی یہہ کہتے تھے کہ وہ ابن اللہ تھا۔ اور کہ وہ گنہگاروں کے لئے صلیب پر لعنت کی موت مر کر کفارہ ہوا۔ رب العزۃ نے ان دونوں کو مسیح ابن مریم کے متعلق یہ کفر بولنے سے منع کیا۔ اور صاف صاف فرما دیا کہ مسیح ابن مریم نہ تو ابن اللہ تھا۔ نہ ہی وہ جھوٹا نبی تھا۔ بلکہ وہ عبداللہ اور رسول اللہ یعنے خدا کا بندہ اور خدا کا سچا نبی تھا۔ اور کہ وہ نہ تو یہودیوں کے ہاتھ سے قتل کیا گیا۔ نہ ہی وہ مسیحیوں کے اعتقاد کے مطابق صلیب پر لعنت کی موت مر کر گنہگاروں کے لئے کفارہ ہوا۔ نہ ہی وہ مرنے کے بعد اسی خاکی جسم کے ساتھ تین دن کے بعد زندہ ہو کر آسمان پر خدا کے داہنے ہاتھ جا بیٹھا۔ رب العزۃ فرماتا ہے۔ کہ مسیح ابن مریم کے متعلق یہودیوں اور مسیحیوں کے اس قسم کے خیالات مسیح ابن مریم کے بارے میں محض کفر ہیں

میاں اعرافی! اب آپ پولوس رسول کے اس بیان کا دوبارہ مطالعہ فرمائیے یعنے

"اگر مسیح نہیں جی اٹھا۔ تو ہماری منادی بے فائدہ ہے۔ اور تمہارا ایمان بھی بے فائدہ ہے۔ بلکہ ہم خدا کے جھوٹے گواہ ٹھہرے۔ کیونکہ ہم نے خدا کی بابت یہ گواہی دی۔ کہ اس نے مسیح کو جلا دیا۔ حالانکہ نہیں جلایا۔ اور اگر مردے نہیں جی اٹھتے۔ تو مسیح بھی نہیں جی اٹھا اور اگر مسیح نہیں جی اٹھا تو تمہارا ایمان بے فائدہ ہے۔ تم اب تک اپنے گناہوں میں گرفتار ہو۔ بلکہ جو مسیح میں سو گئے ہیں وہ بھی ہلاک ہوئے۔ اگر ہم صرف اسی زندگی میں مسیح میں امید رکھتے ہیں۔ تو ہم سارے آدمیوں سے زیادہ بدنصیب ہیں۔ اکرنتھیوں ۱۵/۱۲-۱۹

اعرافی۔ حضرت! سچ تو یہ ہے کہ رب العزۃ نے نہایت زوردار الفاظ میں

ان لوگوں کو جو مسیح کو ابن اللہ مانتے تھے۔ خود ان کے اپنے منہ سے ہی ہلاک ہونیوالے ٹھہرایا۔ اس لئے کہ جب مسیح قتل ہی نہیں کیا گیا۔ اور نہ صلیب پر کھینچا گیا۔ تو وہ مرنے کے تین دن بعد زندہ ہو کے آسمان پر بھی نہیں گیا پھر وہ کیونکر ان کے گناہوں کا کفارہ ہو گیا۔ مجھے تو آج پتہ لگا۔ کہ یہہ مسیحی لوگ ہمارے رسول کریم علیہ السلام اور ہمارے قرآن پاک کو نعوذ باللہ کیوں جھوٹا کہتے ہیں۔ اس لئے کہ قرآن مجید نے تو مسیح کے قتل و صلیب کی تردید کر کے گویا کفارہ کے مسیحی عقیدہ کو ہی بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا ہے مگر جناب! ایک بات ہے۔ اگر اجازت ہو تو عرض کروں؟

مسلم۔ بڑے شوق سے۔

اعرابی۔ مسیحی پادری کے سوالوں کا جواب تو مجھے مل گیا۔ مگر ان مسلمانوں کے حملوں کا کیا جواب؟

مسلم۔ میاں! مسلمانوں کی طرف سے کیسے حملے؟

اعرابی۔ واہ! کیا جناب کو پتہ نہیں ہے۔ کہ مسلمان یہ کہتے ہیں کہ جب مسیح کو یہودیوں نے پکڑ کر ایک کوٹھڑی میں قید کر دیا تو رات کے وقت آسمان سے فرشتے اس کوٹھڑی کی چھت پھاڑ کر مسیح کو اپنے پروں پر سوار کر کے آسمان پر لیگئے جہاں وہ ابتک موجود ہیں۔ صبح کو جب یہودی لوگ مسیح کو پھانسی دینے کیلئے کوٹھڑی سے نکالنے کے واسطے آئے اور انہوں نے اپنے سردار کو اندر بھیجا۔ تو اُسنے دیکھا۔ کہ مسیح تو اندر نہیں ہے۔ وہ باہر آیا۔ تاکہ اپنی قوم کو اس عجیب و غریب واقع کی خبر دے۔ مگر خدا نے اس یہودی کی شکل ہو بہو مسیح کی سی بنا دی یہودیوں نے سمجھا کہ یہی مسیح ہے چنانچہ انہوں نے اسکو پکڑ کر پھانسی پر لٹکا دیا۔ وہ بہتیرا چلایا کہ یارو! میں تو تمہارا آدمی ہوں۔ مگر یہودیوں نے کہا کہ ہم خوب جانتے ہیں تو بہانہ بناتا ہے۔ تو ہمارا آدمی نہیں۔ بلکہ تو وہی ابن مریم ہے۔ جسکو ہم قتل کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اسکی ایک نہ سنی۔ اور پھانسی پر لٹکا کر مار ہی ڈالا پس یہودیوں نے تو یہہ سمجھ لیا کہ ہم نے مسیح کو صلیب پر لٹکا کر مار ڈالا۔ اور مسیح کے شاگردوں نے یہ خیال کیا۔ کہ ہمارا خداوند ہمارے لئے کفارہ ہو گیا

کیوں جناب! یہ کیسا گڑبڑ جھالا ہے؟
مسلم۔ میاں قرآن مجید میں تو اس قسم کی گڑبڑ کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ ممکن ہے لفظ شُبِّہَ سے یہ تمام کہانی اختراع کر لی گئی ہو۔ حالانکہ اسکے لئے قرآن پاک میں کوئی گنجایش نہیں ہے۔ اسلئے کہ رب العزۃ نے شُبِّہَ کی تفسیر کیلئے اسی آیت میں پے در پے ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ جو اس بات کو واضح کر دیتے ہیں کہ شبہ سے مراد اختلاف۔ شک۔ اتباع الظن ہے۔ اور یہ اسوقت ہوتا ہے جبکہ کسی امر کے متعلق انسانوں کو مَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ یعنے کماحقہ علم نہ ہو۔ چونکہ مسیح کی پیدایش اور موت کے متعلق یہودیوں اور عیسائیوں میں اس قسم کے اختلافات شکوک اور اتباع الظن کی حالت تھی۔ اسلئے رب العزۃ نے مسیح کے متعلق ان تمام باتوں کے ازالہ کیلئے ایک ہی لفظ شُبِّہَ فرما کر پوزیشن صاف کر دی اس میں نہ مسیح کے آسمان پر اڑ جانیکا ذکر ہے۔ نہ معجزہ نہ کرامات نہ ہی مسیح علیہ السلام کی ہمارے نبی کریم پر کوئی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ نہ ہی یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ چونکہ مسیح آسمان پر اُڑ گیا۔ اسلئے وہ ہمارے نبی کریم علیہ السلام سے افضل تھا۔
اعرابی۔ جزاک اللہ۔ میرا اطمینان ہو گیا۔ مگر مجھے یہاں پر ایک قصہ یاد آگیا ہے۔ اجازت ہو تو عرض کر دوں؟
مسلم۔ اگر حسب موقع و با معنی ہو۔ تو کچھ حرج نہیں۔ سنا دو مفسرین بھی تو اپنے من گھڑت قصے سنا ہی دیتے ہیں۔ تم بھی سنا دو۔
اعرابی۔ میں نے سنا ہے۔ کہ ایک شہر کا نام اندھیر نگری تھا۔ جو ایک راجہ کے زیر فرمان تھا۔ اندھیر نگری کے راجہ نے یہ حکم دے رکھا تھا۔ کہ اسکے راج میں ہر ایک چیز ٹکے سیر بکے۔ چنانچہ گھی۔ دودھ۔ کھانڈ۔ شکر غرضیکہ ہر ایک چیز اندھیر نگری میں ٹکے سیر بکتی تھی کسی شاگرد نے اپنے اوستاد سے کہا کہ حضرت! اگر اندھیر نگری میں چل بسیں تو ہر روز تر مال کھایا کریں۔ اوستاد نے کہا۔ کہ ایسا خیال نہ کرو۔ مگر شاگرد ہٹیل تھا۔ وہ اُستاد کو اندھیر نگری میں لے ہی تو گیا۔ اوستاد شاگرد ٹکے سیر کا دودھ۔ گھی۔ کھانڈ۔ شکر کھا پی کر خوب دنبے بنگئے۔ اتفاقاً راجہ نے کسی کھجڑ دے شخص کو پھانسی کا حکم دیا۔ جب اسکو پھانسی چڑھانے لگے تو

پھانسی کا پھندا بڑا نکلا۔ جلادوں نے کہا حضور ملزم کی گردن پتلی ہے۔ اور پھانسی کا پھندا بڑا ہے۔ فٹ نہیں بیٹھتا۔ راجہ نے حکم دیا۔ اچھا کوئی موٹا سا آدمی لے آؤ۔ چنانچہ اندھیر نگری میں تلاش کرتے کرتے یہی دونوں استاد شاگرد موٹے دبیے ملے۔ دونوں کو پکڑ کر پھانسی کے تختے پر لیگئے۔ راجہ نے کہا ان میں سے ایک کو لٹکا دو۔ پہلے شاگرد کو لٹکانے لگے تو وہ رو دیا اور بولا۔ کہ اُستاد جی بچاؤ۔ اُستاد جی کہنے لگے کہ کمبخت میں نے تو تمہیں منع کیا تھا کہ اندھیر نگری میں مت جاؤ۔ مگر تم نے نہ مانا۔ اب بچنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے۔ وہ ذرا کان میں سنلو۔ اُستاد نے شاگرد کے کان میں پھونک ماری۔ وہ سمجھ گیا۔ ادھر اُستاد نے جلادوں کو کہا کہ پہلے مجھے پھانسی دو۔ شاگرد بولا۔ نہیں پہلے مجھے لٹکاؤ۔ اُستاد نے کہا۔ یہ کم بخت جھوٹا ہے۔ پہلے مجھے ہی لٹکاؤ۔ شاگرد نے کہا۔ کہ یہ اُستاد ہی بے پیرا ہے۔ پہلے مجھے چلتا کرو۔ دونوں خوب گتھم گتھا ہو گئے۔ راجہ نے دیکھا کہ یہ عجیب احمق ہیں۔ ایک سے پہلے دوسرا پھانسی چڑھنا چاہتا ہے۔ اس نے دونوں کو بلایا۔ اور پوچھا یہ کیا معاملہ ہے۔ اُستاد نے کہا۔ حضور بات صرف اتنی ہے۔ کہ اسوقت پاؤ گھنٹے کے لئے آسمان کے دروازے کھل گئے ہیں۔ اور فرشتے استقبال کیلئے آ گئے ہیں۔ جو پہلے پھانسی پائیگا۔ وہ سیدھا بہشت میں جائیگا۔ اسلئے ہم دونوں لڑ رہے ہیں کہ اس موقع سے کون فائدہ اٹھائے۔ راجہ نے کہا۔ تم دونوں پھانسی کے قابل نہیں ہو۔ ہٹ جاؤ۔ پہلے ہم پھانسی پا کر بہشت میں جائینگے۔ چنانچہ استاد شاگرد تو بچ گئے۔ اور اندھیر نگری کا راجہ پھانسی پر لٹک گیا۔ اور مر گیا۔

مسلم۔ میاں! تم نے یہ لطیفہ تو خوب سنایا۔ مگر اس کا موقع و محل؟

اعرابی۔ حضرت! آپ ذرا خیال تو فرمائیں کہ یہودیوں کی طرف سے پھانسی تو مسیح کیلئے گاڑی جاوے۔ اور لٹک جائے اس پہ یہودیوں کا ہی سردار۔ اور یہودی بھی کون! جنکے بارے میں مسیح نے کہا تھا۔ کہ تم ہاتھی نگلجاتے ہو۔ اور مچھر چھانتے ہو۔ ایسی زیرک قوم کا سردار پھانسی پر لٹکا دیا جاتا۔ اور یہ قوم دن دہاڑے بھی اسکو پہچان نہ سکتی۔ یہ تو بڑا اندھیر ہے۔

مسلم۔ کیا خوب!

اعرابی جناب میں سمجھ گیا کہ قرآن پاک نے جو نہایت زوردار الفاظ میں مسیح کے قتل یا صلیب دیئے جانیکی تردید کی ہے۔ وہ بالکل صحیح ہے۔ مگر عرض یہ ہے کہ آپ نے رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کا ترجمہ مقرب ٹھہرانیکا کیسے کر لیا؟ حالانکہ جملہ مفسرین۔ نے تو اسکا ترجمہ یہی کیا ہے کہ خدا نے مسیح کو بجسد عنصری آسمان پر اٹھا لیا۔

مسلم۔ قرآن پاک نے تو آسمان پر اٹھانیکا کہیں اشارہ تک بھی نہیں کیا اور نہ ہی رَفَعَهُ اللّٰهُ میں آسمان یا زمین کا لفظ یا اشارہ ہے۔ قرآن پاک نے مسیح علیہ السلام کے متعلق دوسری جگہ بھی تو یہی فرمایا ہے۔ کہ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ۔ (آل عمران ع۵) یعنے مسیح کو رب العزۃ نے دنیا و آخرۃ میں وجیہہ اور مقربین میں سے قرار دیا۔ اور پھر کتنی سخت غلطی ہے۔ کہ رب العزہ کو زمین سے الگ کہیں آسمانوں پر ہی بیٹھا ہوا مانا جاوے۔ حالانکہ قرآن پاک نے فرمایا ہے۔ کہ رب العزۃ تمہاری شاہرگ سے بھی زیادہ نزدیک ہے۔ اور کہ جہاں کہیں تم تین ہوتے ہو۔ وہاں چوتھا خدا بھی ہوتا ہے۔ جہاں تم پانچ ہوتے ہو وہاں چھٹا خدا بھی ہوتا ہے جب خدا مسیح ابن مریم کی شاہرگ سے بھی زیادہ نزدیک تھا۔ تو اسکو ضرورت نہیں تھی کہ وہ مسیح کو آسمانوں پر لیجاتا۔ کیا خدا زمین پر نہیں تھا؟ یا کیا آسمان اوپر ہی ہے۔ زمین کے چاروں طرف نہیں ہے؟ اور پھر آسمانوں کو زمین پر کونسی فضیلت تھی جو مسیح کو زمین سے اٹھا کر آسمان تک لیجانیکی ضرورت محسوس کی گئی۔ پس یہ آسمان پر اٹھائے جانیکی کہانی غلط اور بے بنیاد ہے۔ قرآن پاک میں اسکا کہیں ذکر نہیں ہے۔ نہ ہی اسکا کوئی سر پیر ہے۔ بات صرف اتنی ہی ہے کہ یہودی مسیح علیہ السلام کو جھوٹا نبی بنا کر واجب القتل گردانتے تھے اور مسیحی انکو ابن اللہ سمجھتے تھے۔ جو انکے لئے صلیب پر لعنتی موت مر کر کفارہ ہو گیا۔ رب العزۃ نے اُن دونوں قوموں کو مسیح کے بارے میں کفر بولتے ہوئے دیکھ کر قرآن پاک کے ذریعہ فیصلہ کر دیا۔ کہ مسیح ابن مریم خدا کا سچا نبی تھا۔ وہ نہ قتل کیا گیا۔ نہ صلیب پر کھینچا گیا اور کہ اس بارے میں یہودیوں اور مسیحیوں کا جو بھی عقیدہ ہے۔ وہ محض غلط اور بے بنیاد ہے۔ قصہ ختم۔

اعرابی۔ مگر ہمیں اب مسیح کے بارے میں کیا اعتقاد رکھنا چاہیئے؟

مسلم۔ یہی کہ وہ خدا کا سچا نبی تھا۔ اور کہ وہ نہ قتل کیا گیا۔ نہ صلیب دیا گیا وہ

ابن اللہ نہیں تھا۔ بلکہ عبداللہ تھا۔

اعرافی۔ میرے سوال کا مطلب یہ ہے کہ مسیح کو اب ہم بجسد عنصری زندہ مان لیں۔ یا فوت شدہ؟

مسلم۔ جس طرح بھی آپ مناسب تصور فرمائیں انکو مان لیں۔ خواہ بجسد عنصری زندہ مان لیں۔ خواہ فوت شدہ۔

اعرافی۔ مگر قرآن مجید نے اسکے متعلق کیا فیصلہ کیا ہے؟

مسلم۔ قرآن مجید نے یہ کہیں بھی نہیں کہا۔ کہ تم مسیح کو بجسد عنصری زندہ مانو وہ تو صرف اتنا ہی کہتا ہے۔ کہ مسیح خدا کا سچا رسول تھا۔ وہ ابن اللہ نہیں تھا بلکہ عبداللہ تھا۔ وہ نہ قتل کیا گیا نہ صلیب دیا گیا۔

اعرافی۔ تو پھر میں اب مسیح کے بارے میں کیا عقیدہ رکھوں؟

مسلم۔ وہی جو قرآن پاک نے فرمایا ہے۔

اعرافی۔ یہ تو درست ہے۔ مگر میں مسیح کو بجسد عنصری زندہ مانوں یا فوت شدہ؟

مسلم۔ جیسے بھی آپکی مرضی۔ اسلئے کہ مسیح کو زندہ یا فوت شدہ ماننے سے آنکی ہمارے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ پر کسی قسم کی کوئی فضیلت یا فوقیت ثابت نہیں ہوسکتی۔ ہاں یہ ضروری ہے۔ کہ ہم قرآن پاک کی اس تعلیم پر ایمان لائیں۔ کہ مسیح قتل نہیں کیا گیا۔ اور وہ صلیب پر مارا نہیں گیا۔ دیگر انبیاء و رسل کی طرح وہ قدرتی موت مر گئے ہوں تو بھلا ہی مر گئے ہوں۔ اس سے نہ یہودیوں کو ڈینگ مارنے کا موقع مل سکتا ہے۔ نہ مسیحیوں کو کفارہ کا ڈھکوسلا گھڑنے کا موقع ہوسکتا ہے۔ مگر قرآن پاک نے یہ کہیں زور نہیں دیا۔ کہ تم مسیح کو قدرتی طور فوت شدہ مانو۔ ورنہ تم کافر ہو جاؤ گے۔

اعرافی۔ تو پھر مسیح کی زندگی اور موت کے متعلق جو اس قدر مباحثے مسلمانوں میں ہو رہے ہیں۔ تو کیا یہ گوسائیں جی کے چیلوں کی طرح مفت کی غلط فہمی نہیں ہے۔

مسلم۔ گوسائیں جی کے چیلوں سے تمہارا کیا مطلب؟

اعرافی۔ حضرت! اجازت ہو تو یہ قصہ بھی سنا دوں؟

مسلم۔ سناؤ۔ شاید ہم اس سے کوئی اچھا نتیجہ نکال سکیں۔

اعرابی۔ سُنا ہے کہ ایک گوسائیں جی اپنے دو چیلونکو منطق پڑھایا کرتے تھے دونوں چیلونکی آپس میں خوب کٹا چھنی ہوتی تھی۔ ایک دن گوسائیں جی نے بڑے چیلے کو جمنا جی سے پانی کی لٹیا لانے کے لئے بھیجا۔ اسکو وہاں ذرا دیر ہوگئی اس کی عدم موجودگی میں گوسائیں جی اپنے کاٹھ کے تخت پر دراز ہوگئے۔ چیلے نے انکی ٹانگیں دبانی شروع کیں۔ گوسائیں جی نے جو کروٹ بدلی۔ تو دوسری ٹانگ پہلی ٹانگ پر رکھ لی۔ یہ دوسری ٹانگ بڑے چیلے کے حصے میں آیا کرتی تھی۔ چھوٹے چیلے نے جو دیکھا کہ بڑے چیلے کی ٹانگ اس کے حصے کی ٹانگ پر آچڑھی ہے۔ تو اُس نے نہ آؤ دیکھا۔ نہ تاؤ۔ لکڑی اٹھا اس ٹانگ کو زدو کوب کرنا شروع کردیا۔ گوسائیں جی چیخ چلا رہے ہیں کہ کم بخت تُو نے مجھے مار ڈالا اتنے میں بڑا چیلا بھی جمنا جی سے واپس آگیا۔ اس نے جب دیکھا۔ کہ اس گوربھائی نے میرے حصے کی ٹانگ کو کوٹ بیٹھا ہے۔ تو اس نے بھی بھنگ گھوٹنے کا ڈنڈا اٹھا گوسائیں جی کی دوسری ٹانگ کا کچومر نکال ڈالا۔ گوسائیں جی چیخ رہے ہیں۔ مگر یہ منطقی حضرات ایک نہیں سُنتے اور دھڑا دھڑ گوسائیں جی کی ٹانگوں پر لٹھ برسائے جارہے ہیں اور اتنا بھی نہیں سوچتے کہ ٹانگیں تو آخر ان کے گورو جی کی ہی ہیں۔ آخر اڑوس پڑوس والوں نے ان احمقوں کو سمجھایا کہ یہ کیا بیہودگی ہے۔ جو تم کر رہے ہو۔ گوسائیں کے یہ سعادتمند چیلے ہٹ تو گئے۔ مگر اسوقت جبکہ گوسائیں جی عرصہ دراز کے لئے صاحب فراش ہو چکے تھے۔ یہی حالت مجھے ان مسلمانوں کی معلوم ہوتی ہے۔ جو مسیح کی زندگی اور موت کے متعلق آپس میں لڑتے مرتے اور ایک دوسرے پر کفر و ارتداد اور قتل و رجم کے فتوے لگا رہے ہیں۔

مسلم۔ میاں! تم ٹھیک کہتے ہو۔ واقعی جب مسیح علیہ السلام کو زندہ یا فوت شدہ ماننا ہمارے لئے جزو ایمان نہیں ہے۔ تو اس مسئلہ پر ایک دوسرے کو کافر و مرتد قرار دینا بھی مسلمانوں کی سخت غلطی ہے۔

اعرابی۔ مگر اس میں مسلمانوں کا بھی کیا قصور ہے جبکہ تفسیروں میں مسیح کے متعلق اس قسم کے قصے کہانیاں پرانے مفسرین نے کثرت سے بھر رکھی ہیں۔

مسلم۔ مگر قرآن مجید نے یہ تو نہیں کہا۔ کہ تم مفسرین کی تفسیر ونکو بھی جزو ایمان سمجھو۔ اور انکو بلا چون وچرا صحیح تسلیم کر لو۔ خواہ تمہارے ایسا کرنے سے دشمنان اسلام کو تمہارے برخلاف خوردہ گیری کا اور اسلام پر تضحیک واستہزا کا بھی موقع کیوں نہ ملتا ہو۔

اعرافی۔ حضرت! مجھے ایک کنکر سوامی کا قصہ یاد آگیا۔ جو ان لوگونکی حالت سے بالکل ملتا جلتا ہے۔ جو ہر ایک تفسیر کو بلا چون وچرا صحیح تسلیم کر کے جزو ایمان سمجھے بیٹھے ہیں۔ اجازت ہو تو میں عرض کروں؟۔

مسلم۔ میاں! اس طرح قصے سناتے جاؤ گے۔ تو لوگ یہ کہہ اٹھینگے۔ کہ دیکھو! صاحب! مفسرین کے قصونکو تو غلط بتا رہے ہیں۔ اور خود اپنے قصے گھڑتے چلے جا رہے ہیں۔

اعرافی۔ مگر کیا وہ یہ نہیں سمجھ لینگے کہ جس طرح ہمارے قصے من گھڑنت ہیں اسی طرح اکثر صورتوں میں مفسرین نے بھی قصہ تراشی سے کام لیا ہے حالانکہ رب العزۃ کی کتاب میں مفسرین کے قصوں کا کہیں اشارہ تک بھی نہیں ہے +

مسلم۔ اچھا میاں! تم اپنا قصہ سنا لو۔ کچھ ٹھکانے کی ہی کہو گے۔

اعرافی۔ حضرت! میں نے سُنا ہے۔ کہ کسی گاؤں میں ایک نابینا سادھو رہتے تھے۔ لوگ انکو کنکر سوامی کے نام سے پکارتے تھے۔ اسکی وجہ یہ تھی۔ کہ سوامی جی نے اپنی کٹیا میں دو فٹ گہرا گڑھا کھود رکھا تھا جس میں وہ ہر روز ایک کنکر ڈال دیا کرتے تھے۔ جب کوئی دیہاتی انسے پوچھتا کہ سوامی جی آج کونسی تاریخ ہے تو وہ جھٹ گڑھے کے کنکر گنکر بتا دیتے کہ آج فلاں تاریخ ہے۔ گاؤں والوں میں تعلیم کا چرچا کم تھا۔ اور وہ سوامی جی پر پختہ اعتقاد رکھتے تھے۔ کہ جو کچھ سوامی جی فرماتے ہیں۔ وہ بالکل پتھر کی لکیر ہے۔ گاؤنکے نزدیک ہی ایک بڑا شہر آباد تھا جہاں علم کا بڑا چرچا تھا۔ مگر گاؤں والے ایسے دقیانوسی واقع ہوئے تھے۔ کہ وہ اس شہر میں جا کر کوئی نئی بات سیکھنے یا جاننے کو سخت بدعت سمجھتے تھے۔ دیہاتی مدارس کے انسپکٹر نے کئی دفعہ کوشش کی کہ اس گاؤں کے لڑکوں کی تعلیم کے لئے کوئی مدرسہ جاری کر دے۔ مگر گاؤں والے

جب کنکر سوامی جی سے پوچھتے۔ تو وہ انکو منع کر دیتا۔ کہ خبردار گاؤں میں مدرسہ نہ کھلنے دینا۔ تباہ ہو جاؤ گے۔ کنکر سوامی جانتے تھے۔ کہ اگر گاؤں والے پڑھ لکھ گئے تو سوامی جی کی دودیا بیکار ہو جائیگی۔ اس طرح عرصہ تک اس گاؤں میں مدرسہ نہ جاری ہو سکا۔ وہی کنکر سوامی اور انکا گڑھا اور کنکر شماری کی جنتری وہاں قائم رہے۔ ایک دن انسپکٹر صاحب نے کسی شخص کو شہر سے اس گاؤں میں بھیجا کہ جب کنکر سوامی اپنی کٹیا سے باہر قضاء حاجت کیلئے جائیں تو انکے گڑھے میں دو تین سیر چھوٹے چھوٹے سنگریزے ڈال دینا۔ چنانچہ اس شخص نے گاؤں میں جاکر ایسا ہی کیا۔ اور سوامی جی کا گڑھا سنگریزوں سے بھر دیا۔ جب سوامی جی باہر سے واپس آکر اپنے آسن پر بیٹھ گئے تو گاؤں کے چودھری نے آکر سوامی جی سے پوچھا کہ مہاراج! آج کونسی تاریخ ہے۔ سوامی جی جھٹ گڑھے کے کنکر گننے کے لئے اندر گئے۔ اور کنکر شماری شروع کر دی۔ باہر چودھریصاحب بیٹھے ہیں اور اندر سوامی جی کنکر گن رہے ہیں جب بہت دیر ہو گئی تو چودھری صاحب بولے۔ کہ سوامی جی مہاراج! آگے تو آپ نے تاریخ بتانے میں کبھی اتنی دیر نہیں لگائی تھی۔ آج کیا معاملہ ہے۔ سوامی جی بولے بس گن چکا۔ چودھری صاحب آج تو بڑی لمبی تاریخ نکلی۔ چودھریصاحب نے پوچھا۔ آخر کتنی لمبی؟ سوامی جی بولے۔ کہ آج چیت کی ایکہزار چھ سو تین تاریخ ہے چودھریصاحب نے حیران ہو کر کہا۔ کہ سوامی جی اتنے دن تو سال میں بھی نہیں ہوتے یہ آپ نے کیا کہا؟ سوامی جی خفا ہو کر بولے رابے گنوار کے لٹھ۔ تو کیا پھر ہماری جنتری جھوٹ کہتی ہے؟

مسلم۔ میاں! تم نے یہ لطیفہ تو خوب مزیدار سنایا +

اعرابی۔ حضرت! میرا تو یہی خیال ہے۔ کہ ہمارے ان مسلمانوں کی حالت بھی جو قرآن پاک کے نہایت سادہ اور عام فہم مضامین کو نظرانداز کرکے تفسیروں کے گورکھ دھندوں میں پھنسکر ایک دوسرے سے لڑ مر رہے ہیں اس کنکر سوامی کی سی ہے۔ جو کچھ قصے کہانی کسی نے تفاسیر میں بھر دئے یہ انکو ہی گننے میں مصروف اور منہمک ہیں۔ اگر کوئی اسپر اعتراض کرے تو یہ اسکو گنوار کا لٹھ بتاتے ہیں

اور ذرا نہیں سوچتے۔ کہ تفاسیر پر یوں اندھا ایمان لانے سے قرآن پاک اور اسلام پر کس قدر مخالفین کو اعتراض کرنیکا موقع ملجاتا ہے۔

مسلم۔ میاں! واقعی تم سچ کہتے ہو۔

اعرافی۔ مگر حضرت! کیا آپکو علم ہے۔ کہ آج نئے محلہ میں ایک احمدی حافظ انور علی صاحب کا مسیح کی حیات و ممات پر لیکچر ہوگا؟

مسلم۔ مجھے علم نہیں لیکچر کا وقت کیا رکھا ہے؟

اعرافی۔ بس یہی چار بجے بعد از دوپہر۔

مسلم۔ تو پھر چار تو اب بجے والے ہیں۔ کیا لیکچر سُننے کا شوق ہے؟

اعرافی۔ دل تو چاہتا ہے کہ ذرا سُن آؤں

مسلم۔ جاؤ شوق سے سُنو۔ مگر دیکھنا کسی سے اُلجھ نہ جانا۔

اعرافی۔ آپ اطمینان فرمائیں۔ میں ہرگز کسی سے نہیں اُلجھونگا۔

مسلم۔ اچھا! خدا حافظ۔

پچیسویں فصل

احمدی اور غیر احمدی

اعرافی۔ السلام علیکم۔

مسلم۔ وعلیکم السلام! سنائیے صاحب۔ احمدی کے لیکچر میں آپ تشریف لیگئے تھے؟

اعرافی۔ جی ہاں! حافظ انور علی صاحب نے مسیحؑ کو فوت شدہ ثابت کرنیکی خوب کوشش کی۔

مسلم۔ یہ حافظ انور علی صاحب کون ہیں؟

اعرافی۔ یہ تو میں نہیں جانتا۔ مگر وہ ایک فہیم و فہیم اور نابینا آدمی ہیں۔ حافظ صاحب نے بڑا مزیدار لیکچر دیا۔

مسلم۔ مگر آپنے اکیلے ہی لیکچر کا مزہ اڑایا۔ کچھ مجھے بھی تو اسکا حصہ دیجئے۔ کچھ سُنائیں تو سہی۔ آخر حافظ صاحب نے کیا فرمایا؟

اعرانی جناب احافظ صاحب نے پہلے تو سفر کی تکان کا ذکر کیا۔ اسکے بعد یہاں آنیکی
وجہ بیان فرمائی پھر اُنہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ تم میں ایک گروہ ایسا ہونا
چاہیئے۔ جو دعوت الی الحق کرتا رہے۔ فی زمانہ ایسا گروہ احمدی جماعت ہے جسکو مسیح موعود
حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے خدا کی مدد پاکر تیار کیا ہے۔ اسکے بعد حافظ صاحب نے
مرزا صاحب کی پیشینگوئیوں کا بیان فرمایا۔ پنڈت لیکھرام کے قتل کے متعلق جو آپ نے
پیشینگوئی کی تھی۔ اسپر بڑا زور دیا۔ اسکے بعد عبداللہ آتھم کے متعلق جو پیشگوئی کی تھی۔ اسپر
بڑا زور دیا۔ اسکے بعد عبداللہ آتھم کے متعلق پیشینگوئی کا ذکر کرکے عیسائیوں پر برس پڑے
عیسائیوں پر برسنے برسلتے وہ مسلمانوں کو لتاڑنے لگے۔ کہ یہ لوگ ایسے بیحس اور بیغیرت ہیں
کہ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فوت شدہ مانتے ہیں۔ مگر مسیح کے متعلق انکا عقیدہ
ہے کہ وہ ابھی تک زندہ ہے۔ اور آسمان پر بیٹھا ہے۔ ہمارے نبی کریم پر دشمن حملہ کریں تو
وہ پہاڑونکی غاروں میں جاکر چھپیں مگر مسیح پر حملہ ہو تو مسلمان کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انکو
فرشتوں کے پروں پر بٹھا کر آسمان پر اٹھا لیا۔ یہ مسلمانوں کی بڑی بے عقلی کی بات ہے۔ کہ وہ
عیسائیوں کو اپنے اوپر یوں غلبہ دیتے ہیں۔ حالانکہ انجیل یہ کہتی ہے کہ یسوع مسیح ایلی
ایلی۔ لما سبقتنی کہتا ہوا صلیب پر مرگیا۔ مگر ہمارا یہ اعتقاد نہیں۔ بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ
مسیح صلیب پر تو نہیں مرا تھا۔ ولکن شبہ لہم ہاں وہ یہودیوں کے نزدیک مردونکی مانند
ہوگیا تھا۔ یعنے بیہوش ہوگیا تھا یہودیوں نے اسکو مردہ سمجھکر صلیب سے اُتار دیا۔ اور
ایک قبر میں رکھدیا۔ جب مسیح کو ہوش آیا تو وہ اس ملک سے ہجرت کرکے افغانستان ہوتا
ہوا کشمیر پہنچا اور سرینگر میں رہا۔ وہاں ہی فوت ہوا چنانچہ سرینگر کے محلہ خان یار میں اسکا
مقبرہ بھی ہے۔ یہ سارا حال نوٹووچ روسی سیاح کی کتاب میں لکھا ہے۔ جو چاہے دیکھ لے
بھلا اگر مسیح آسمان پر اُڑ گیا تھا تو وہ کسیکو جاتا ہوا کیوں نظر نہ آیا پھر چالیس پچاس میل اوپر تو
سانس لینے کے قابل ہوا ہی نہیں ہے مسیح نے سانس کیسے لیا ہوگا۔ اور بغیر خوراک کے
وہ زندہ کیسے رہا ہوگا۔ اگر خوراک کہاتا ہوگا تو قضاء حاجت بھی کرنا ہوگا۔ اس لحاظ سے
تو مسیح نے آسمان کو بول و براز سے بہت خراب کر رکھا ہوگا۔ پھر اسکا بول و براز صاف کرنیکے
لئے وہاں کوئی بھنگی بھی ہوگا یا نہیں پس مسلمانوں کا یہ عقیدہ کہ مسیح اپنے خاکی جسم کے ساتھ
آسمان پر چلا گیا۔ بالکل غلط ہے۔ اس سے یہی تو لوگوں کو مسلمانوں پر حملہ کرنیکا موقعہ ملتا ہے اور

مسلمان مسیحیوں کے اعتراضوں کا کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ اسکے بعد حافظ صاحب نے قرآن مجید کی بہت سی آیات پڑھیں اور انسے مسیح کی موت پر استدلال کیا۔ آخر میں حافظ صاحب نے فرمایا کہ اگر کسی مسلمان کو میرے لیکچر پر کوئی اعتراض ہو تو کرے۔

مسلم۔ تو کیا کسی نے اعتراض کیا؟

اعرابی۔ ایک طرف سے ایک لمبی واڑھی کے مسلمان نے کہا کہ حافظ صاحب آپ مجھے دیکھ سکتے ہیں؟

حافظ صاحب حضرت! میں نابینا ہوں جب آپ خود جانتے ہیں کہ میں آپکو نہیں دیکھ سکتا تو آپکا سوال ہی عبث ہے۔

مسلمان۔ حافظ صاحب! میں آپکے سامنے کھڑا ہوں۔ مگر پھر بھی آپ مجھے نہیں دیکھ سکتے اگر آپ اسوقت جبکہ مسیح آسمان کی طرف اڑے جارہا تھا۔ موجود بھی ہوتے۔ تب بھی آپ انکو نہ دیکھ سکتے پس آپ جیسے نابینا آدمی کا یہ کہنا کہ مسیح آسمان کی طرف اڑتا ہوا نظر نہ آیا محض فضول ہے۔ اسپر سب حاضرین ہنس پڑے۔ اور حافظ صاحب بھی مسکرا دیے۔ ادھر ایک کونے سے ایک لڑکا کھڑا ہوکر کہنے لگا کہ حافظ جی میں بھی کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ حافظ جی بولے ہاں ضرور پوچھو!

لڑکا۔ حافظ جی! جب بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے۔ تو وہ کھاتا پیتا ہے یا نہیں؟

حافظ جی۔ کیوں نہیں۔ وہ ضرور کھاتا پیتا ہے۔

لڑکا۔ حافظ صاحب! اگر لڑکا ماں کے پیٹ میں دو چھٹانک خوراک ہر روز کھاتا اور ایک چھٹانک بول و براز خارج کرتا ہو تو آپ مہربانی کرکے فرمائیں کہ ماں کے پیٹ میں نو مہینے کے اندر کتنے من لڑکے کا پیشاب اور پاخانہ جمع ہو جائیگا؟

حافظ جی ہش ہش!! کیسا فضول اور بیہودہ سوال ہے!!

لڑکا۔ حافظ جی یہ فضول سوال نہیں ہے۔ بلکہ نہایت صحیح سوال ہے۔

حافظ جی۔ میاں لڑکے! یہ کیونکر صحیح ہے؟

لڑکا۔ حافظ جی! میرا مطلب یہ ہے کہ جب لڑکا ماں کے پیٹ میں خاکی جسم کیساتھ زندہ ہوتا اور کھاتا پیتا رہتا ہے مگر اسکے بول و براز سے ماں کے پیٹ میں ڈھیر نہیں لگجاتا تو اسی طرح مسیح کے خاکی جسم کیساتھ آسمان پر زندہ رہنے اور کھانے پینے سے آسمان پر بول و براز کا ڈھیر نہیں لگ سکتا جسکو صاف کرنیکے لئے قادیان سے کسی بھنگی کو آسمان پر جانیکی ضرورت پڑے لڑکے کی اس معقول تقریر پر سب مسلمانوں نے فرمائشی قہقہہ لگایا۔ اور حافظ صاحب سر کو

کھجلانے لگ گئے۔ مگر لڑکے نے چھوٹتے کیساتھ ہی حافظ صاحب کے ایک دوسری چوٹ لگائی۔ کہ حافظ صاحب آپ نے چالیس پچاس میل اوپر ہوا کی قلت کے باعث مسیح کے سانس لینے کی مشکل کو بیان فرمایا ہے۔ ذرا آپ مہربانی کرتے اتنا تو فرما دیں۔ کہ ماںکے شکم میں بچے کے سانس لینے کیلئے کونسا برقی پنکھا لگا ہوا ہوتا ہے۔ یا کس راہ سے بچے تک ہوا جاتی ہے جس میں سانس لیکر وہ زندہ رہتا ہے۔ لڑکے کے اس جواب پر مسلمانوں نے پھر قہقہہ لگایا۔ حافظ صاحب داڑھی کے بالوں میں انگلیاں ڈالکر سوچ ہی رہے تھے کہ وہ اس لڑکے کو کیا جواب دیں کہ اتنے میں ایک کونے سے ایک غیر احمدی نابینا حافظ چلا اُٹھے۔ کہ میاں! میں نے بھی تو کچھ پوچھنا ہے۔ یہ حافظ صاحب بھی بڑے لحیم شحیم تھے لوگوں نے جو اس قوی ہیکل دیو کو ایک کونے میں سے سر بلند کرتے دیکھا تو وہ سب ہنس پڑے کہ اب خوب برابر کی ٹکر ہوگی۔ کیونکہ ریل کے انجن کی طرح آنکھیں دو نوں نکال دینگے خوب بھڑینگے۔

مسلم۔ میاں! یہ غیر احمدی حافظ صاحب کون تھے؟

اعرافی۔ حضرت! میں تو انکو جانتا نہیں تھا۔ مگر عام لوگ اُنکو حافظ غاماں کہتے تھے۔

مسلم۔ اچھا! تو کیا حافظ گاماں صاحب نے بھی ٹکر ماری؟

اعرافی۔ بڑے زور سے۔ حافظ غاماں نے حافظ انور علی صاحب کو یوں مخاطب کیا۔ اجی حافظ انور علی صاحب! معاف کرنا! میں آپکا پیر بھائی تو نہیں ہوں۔ مگر ندیدہ بھائی ضرور ہوں اسلئے کہ جیسے آپ آنکھوں سے معذور ہیں۔ ویسے ہی میں معذور ہوں۔ گو آپکا اسم مبارک انور علی ہے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح برعکس نہند نام زنگی کافور کسی نے آپکا نام باوجود آپکے نابینا ہونیکے غلطی سے انور علی رکھکر غلطی کی۔ اسیطرح آپ مسلمانوں کو بے غیرت۔ بیحس وغیرہ کہکر دوسری غلطی کر رہے ہیں۔ کیا میں آپ کے اعتراض کا جواب دوں؟

انور علی۔ ضرور دیجئے۔

حافظ غاماں۔ آپ نے مسیح علیہ السلام کو زندہ ماننے پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس سے مسیحیوں کو مسلمانوں پر گرفت کا موقع ملتا ہے۔ کہ تمہارا نبی فوت ہوگیا۔ اور ہمارا مسیح زندہ ہے۔ کیا آپکو معلوم نہیں کہ مسیحیوں کے اس قسم کے اعتراضات کا جواب دلی کے مولینا شاہ صاحب نے کیا دیا تھا؟

انور علی۔ مجھے معلوم نہیں +

غاماں۔ بڑا افسوس ہے کہ آپ اتنے بڑے لیکچرار مگر آپکو دلی کے مولینا شاہ صاحب اور پادری صاحب کی گفتگو کا ہی پتہ نہیں ہے۔

انور علی۔ تو مہربانی کر کے آپ بتا دیجئے نہ۔

حافظ غاماں۔ واہ صاحب استاگزدتو بنے آپ قادیان میں جا کر مرزا غلام احمد کے اور تعلیم پانا چاہتے ہیں مجھ سے۔ یہ اچھی رہی!

انور علی۔ کچھ مضایقہ نہیں۔ آخر ہم دونوں ہیں تو ندیدہ بھائی ہی۔

حافظ غاماں۔ (مسکرا کر) اچھا تو پھر سنئے۔ ایک دن ایک پادری صاحب دلی کے مولینا شاہ صاحب کے پاس آکر کہنے لگے۔ کہ شاہ صاحب ہیں نے آپ سے کچھ پوچھنا ہے۔ مولینا شاہ صاحب نے کہا۔ بڑے شوق سے۔ پادری صاحب نے پوچھا کہ عقل اسکو تسلیم نہیں کر سکتی کہ حضرت محمد صاحب معراج کیلئے آسمان پر کیسے چڑھ گئے؟ مولینا شاہ صاحب نے فرمایا۔ کہ جس سیڑھی کے ذریعہ حضرت مسیح صاحب، آسمان پر چڑھے تھے۔ اور خداوند کے داہنے ہاتھ جا بیٹھے تھے۔ وہی سیڑھی لگی ہوئی تھی۔ اسی کے راستے ہمارے حضرت صاحب بھی چڑھ گئے۔ شاہ صاحب کا یہ جواب سنکر پادری صاحب خاموش ہو گئے۔ ذرا دیر کے بعد بولے کہ اچھا شاہ صاحب اسکو تو جانے دیجئے۔ مگر یہ فرمائیں کہ حضرت محمد صاحب کو آپ شفیع مانتے ہیں۔ مگر انہوں نے اللہ میاں کے دربار میں اپنے نواسوں کی شفاعت کر کے انکو قتل ہونے سے کیوں نہ بچا لیا۔ شاہ صاحب نے جوابدیا۔ آپ بجا فرماتے ہیں۔ ہمارے حضرت صاحب اللہ میاں کے پاس اپنے نواسوں کے بچاؤ کیلئے شفاعت لیکر گئے تو تھے۔ مگر اللہ میاں نے جوابدیا۔ میاں! تم اپنے نواسوں کی سفارش کرنے آئے ہو۔ مگر ان کمبختوں نے میرے اکلوتے بیٹے کو پھانسی پر لٹکا دیا۔ اور وہ ایلی۔ ایلی لما سبقتنی پکارتا پکارتا مر گیا۔ مگر انہوں نے ذرا رحم نہ کیا۔ جب میں ان کمبختوں کے ہاتھ سے اپنے اکلوتے بیٹے کو نہ بچا سکا تو تمہارے نواسوں کو کیا کروں! چنانچہ ہمارے حضرت صاحب اللہ میاں کے دربار سے واپس لوٹ آئے۔ شاہ صاحب کا یہ جواب سنکر پادری صاحب تو دم بھاگ گئے سو جناب انور علی صاحب! پادریوں یا عیسائیوں کے طعن و تشنیع کو تو آپ جانے دیجئے۔ انکا جواب تو بڑا آسان ہے۔ ہاں یہ فرمائیے کہ مسیحؑ کے زندہ ماننے میں آپکو کیا عذر ہے؟

انور علی۔ حافظ صاحب آپنے بجا فرمایا۔ مگر ذرا آپ اتنا تو سوچیں کہ دنیا میں کوئی شخص

دسال تک زندہ بھی رہ سکتا ہے؟

حافظ غاماں۔ یہ کوئی ناممکن امر نہیں چنانچہ خداوند کریم نے حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے کہ:۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖ فَلَبِثَ فِیْھِمْ اَلْفَ سَنَۃٍ اِلَّا خَمْسِیْنَ عَامًا (العنکبوت ع) ۔ اور البتہ تحقیق ہم نے نوح ؑ کو اسکی قوم کی طرف رسول کر کے بھیجا پس نوح ؑ نے اپنی قوم میں ۹ سو پچاس برس تک منادی کی۔ یہ تو ہے قرآن مجید کی شہادت۔ مگر احقاف میں منقول ہے۔ کہ حضرت نوح ؑ کی عمر ۱۴ سو برس کی ہوئی۔ اور صاحب عین المعانی نے لکھا ہے۔ کہ حضرت نوح ؑ کو ۱۳ سو ستر برس کی عمر میں نبوت ملی۔ ۹ سو پچاس برس آپنے دعوت الی الحق کی۔ اور طوفان کے بعد تین سو پچاس برس تک آپ اور زندہ رہے۔ اس لحاظ سے آپکی عمر ایکہزار چھ سو ستر برس کی ہوئی۔ جب ایک پیغمبر کی عمر ۱۶۷۰ برس ہو سکتی ہے۔ تو دوسرے نبی مسیح ؑ کی عمر ایکہزار نو سو برس کی ہوتی کیا مشکل ہے اور پھر جسوقت قرآن مجید نے مسیح کا حال سنایا تھا۔ اسوقت تو مسیح کی عمر کے چھ سو برس کے قریب ہی گذرے تھے۔ تو اس میں ناممکن کیا بات ہے۔

مسلم۔ حافظ غاماں نے بات تو خوب پتہ کی کہی۔ حافظ نور علی صاحب نے اسکا کیا جواب دیا؟

اعرابی۔ حضرت! حافظ غاماں کی تقریر پر مسلمان تو سبحان اللہ پکار اُٹھے۔ مگر حافظ نور علی کے منہ پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ آخر بڑی دھیمی آواز سے یوں بولے۔

نور علی۔ اسمیں ناممکن تو کوئی بات نہیں ہے۔ مگر پھر بھی مسیح کو بجسد عنصری زندہ ماننے میں مسیحیوں کو خواہ مخواہ یہ کہنے کا موقع ملجاتا ہے۔ کہ تمہارا نبی مرگیا۔ اور ہمارا مسیح زندہ ہے۔ پس تم مردہ نبی کو چھوڑ کر زندہ مسیح پر ایمان لاؤ۔ چنانچہ بہت سے سادہ لوح مسلمان پادریوں کے جال میں پھنسکر عیسائی ہو جاتے ہیں۔

مسلم۔ اسکا حافظ غاماں نے کیا جواب دیا؟

اعرابی۔ حضرت! حافظ جی نے بڑے غصے سے گرج کر اسکا یہ جواب دیا۔

حافظ غاماں۔ ارے تو نے یہ پادریوں کی آڑ کیوں پکڑ رکھی ہے۔ سیدھا کیوں نہیں کہتا کہ مسیح کو فوت شدہ مانکر ہی مرزا غلام احمد مسیح موعود بن سکتا ہے۔ یہ کیا بیہودگی ہے۔ کہ پادری یہ کہتے ہیں وہ کہتے ہیں۔ کیا تو حافظ قرآن ہو کر یہ نہیں جانتا۔ کہ خداوند کریم نے اصحاب کہف کے متعلق فرمایا ہے۔ وَتَحْسَبُھُمْ اَیْقَاظًا وَّھُمْ رُقُوْدٌ وَّنُقَلِّبُھُمْ ذَاتَ

بِالْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ (الکهف ع)، اور تم اصحاب کہف کو سمجھتے ہو کہ وہ جاگتے پڑے ہیں۔ مگر در اصل وہ سو رہے ہیں۔ اور ہم اسی نیند کی حالت میں انکو دائیں بائیں کروٹیں دلا رہے ہیں اور انکا کتا بھی اپنے دونوں ہاتھ چوکھٹ پر پھیلائے بیٹھا ہے۔ ارے میاں! ہماری پاک و مقدس کتاب قرآن مجید نے تو اصحاب کہف اور انکے کتے تک کو زندہ کہا ہے۔ حالانکہ وہ مسیح ابن مریم سے بہت عرصہ پہلے پیدا ہوئے تھے۔ اس صورت میں اگر ہم مسیح علیہ السلام کو زندہ مانتے ہیں تو وہ ہمارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر کیونکر فضیلت لیجا سکتے ہیں؟

مسلم۔ کیا خوب! میاں یہ حافظ غاماں تو بڑی خوبی کا آدمی نکلا۔

اعرابی حضرت! حافظ غاماں کی اس تقریر کو سنکر جملہ مسلمان عش عش کر اٹھے۔ اور حافظ نور علی احمدی کی زبان میں لکنت آگئی۔ وہ کچھ بولنا چاہتے تھے۔ مگر لوگوں نے شور مچا دیا کہ یہ مرزائی لوگ مسیح کو اسلئے فوت شدہ کہ رہے ہیں۔ تاکہ مرزا صاحب کو اسکی جگہ بٹھا دیں۔ جب احمدیوں نے دیکھا کہ ہمارا کام بگڑ گیا ہے۔ تو انہوں نے اپنے ایک آدمی کو کہا کہ میاں خیرالدین۔ دیکھنا۔ مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا۔ تم اذان دیدو چنانچہ احمدی موذن نے بڑے زور سے اذان دینی شروع کی۔ چونکہ غیر احمدی لوگ احمدیوں کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ اس لئے وہ احمدیوں کی اذان سنکر فوراً وہاں سے چل دیئے۔ راستے میں سرگوشیاں کرتے اور حافظ غاماں کو شاباش دیتے چلے آرہے تھے کوئی مرزا غلام احمد صاحب کے طمس و نفاس کا قصہ کہتا چلا آرہا تھا۔ کوئی کچھ۔ کوئی کچھ۔ غرضیکہ عجیب کھلی اڑ رہی تھی۔

مسلم۔ مجھے اندیشہ تھا۔ کہ کہیں احمدیوں کے جلسہ میں جاکر آپ کسی نئی انجمن میں نہ پھنس جائیں اچھا ہوا۔ آپنے احمدی اور غیر احمدی حافظوں کی ٹکر بھی دیکھ لی۔ اور نہیں پتہ لگ گیا۔ کہ مسیح کو بجسد عنصری زندہ ثابت کرنیکے حق میں بھی دلائل و قرائن موجود ہیں۔ مگر باوجود ان باتوں کے مسیح کو زندہ یا فوت شدہ ماننا ہمارے ایمان کا کوئی جزو نہیں ہے

اعرابی۔ مگر یہ جو کہا جاتا ہے۔ کہ قیامت کے قریب مسیح علیہ السلام آسمان سے دوبارہ نزول فرمائینگے۔ اسکے متعلق قرآن مجید کیا فیصلہ کرتا ہے؟

مسلم۔ قرآن مجید میں اس بات کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ کہ مسیح علیہ السلام آسمان سے

دو نزول فرمائینگے۔ یا وہ قیامت کے نزدیک آسمان سے نازل ہو کر دین اسلام کی تکمیل کرینگے۔ اسلام کی تکمیل رب العزۃ نے کر دی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے:۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ (المائدہ ع) آج ہم تمہارے دین کو تمہارے لئے کامل کر چکے اور ہم نے اپنی اس نعمت کو تمہارے حق میں پورا کر دیا۔ اور تمہارے لئے اسی دین اسلام کو پسند کیا۔ نہ صرف یہی بلکہ رب العزت نے ہمارے رسول کریم علیہ التحیہ والتسلیم کے بارے میں بھی فرما دیا ہے کہ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ۔ (الاحزاب ع) محمد تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں ہاں وہ تو خدا کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں۔ اب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہمیں نہ کسی نبی کی ضرورت ہے نہ مسیح کی۔ اسلیئے کہ رب العزۃ نے اپنا کامل و مکمل کلام جو اپنے بندوں کو دینا تھا وہ قرآن مجید کی شکل میں دیا جا چکا۔ اور رب العزۃ نے اسکی تصدیق کر دی۔ کہ قرآن ہی مکمل و مفصل کتاب اور اسلام ہی مکمل و اکمل دین ہے۔ جو لوگ مسیح کی آمد ثانی کے منتظر ہیں۔ وہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے منکر بنا بریں ایک کمزور عقیدہ کے مالک ہیں۔ اور انکا مسیح ناصری کی آمد ثانی کے متعلق غلط اعتقاد مسلمانوں میں سخت فتنہ و فساد کا باعث ہوا ہے۔ انہی غلط عقیدہ کی آڑ میں گذشتہ تیرہ سو سال کے اندر درجنوں لوگ مسیح موعود بنکر لاکھوں سادہ لوح مسلمانوں کو فرقہ بندیوں میں پھنسانے اور مسلمانوں میں فتنہ و شر کا بازار گرم کرنیکا باعث ہوئے۔ اور ابتک بھی ہو رہے ہیں۔ مگر مسلمان پھر بھی مسیح ناصری کی آمد ثانی کے مضر عقیدہ کو ترک نہیں کرتے۔ حالانکہ قرآن پاک میں اسکا کہیں اشارہ تک بھی نہیں ہے۔ خدا ہمیں اس سے بچائے۔ اور مسلمانوں کو اس غلط عقیدہ سے نجات دے +

اعرابی۔ آمین + حضرت! میں آپکا نہایت ممنون و مشکور ہوں۔ کہ آپنے مسیح علیہ السلام کی حیات و موت کا مسئلہ بھی میرے لئے بوجہ احسن حل کر دیا۔ اور میرے شکوک کا ازالہ فرما دیا۔ اگر اجازت ہو تو میں آپ سے اب ایک دو ضروری مسائل اور دریافت کروں +

مسلم۔ اب پھر کبھی سہی۔ اعرابی۔ بہت بہتر +

ریویوز

۱۔ الفیض { یہ ماہواری رسالہ زیر ادارت مولینا نور احمد صاحب و مولینا محمد سلیمان صاحب بی اے امرتسر سے شایع ہوتا ہے۔ اسکے مضامین بہت اعلیٰ پایہ کے ہوتے ہیں دسمبر کے پرچہ میں اسلام کی صداقت کے عنوان سے ایک بہت عمدہ مضمون شایع ہوا ہے۔ نبوت کے ۲۳ دعویداروں کا سلسلہ بھی عمدہ فوایدی مضمون ہے۔ لکھائی چھپائی بھی بہت عمدہ ہوتی ہے۔ الفیض اس بات کا مستحق ہے۔ کہ اعلیٰ درجہ کا تعلیمیافتہ طبقہ اسکی طرف متوجہ ہو۔ سالانہ قیمت تین روپیہ۔

۲۔ القریش { یہ رسالہ امرتسر سے زیر ادارت مولینا محمد علی صاحب ماہوار شایع ہوتا ہے۔ گو یہ قریش کا برادریکا پرچہ ہے۔ مگر اس میں عام مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے متعلق بھی اچھے اچھے مضامین نکلتے رہتے ہیں۔ القریش کو شکایت ہے کہ برادری نے اسکی کماحقہ سرپرستی نہیں کی ایڈیٹر حنیف ان خرافات برادریوں کا قایل نہیں ہے۔ وہ القریش کو بھی یہی مشورہ دیگا۔ کہ وہ برادری کے جھگڑوں کو ترک کر کے وسیع معنوں میں خدمت اسلام کریں۔ قیمت فی پرچہ ۴ر

۳۔ تذکرۃ الانصار { مولینا محمد شمس الحق صاحب نے اس کتاب میں پارچہ بافی اور پارچہ بافوں کے متعلق عمدہ معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ انکا خیال ہے کہ وہ قوم جسکو جولاہا کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ چونکہ اسکا تعلق ابوایوب انصاری سے ہے۔ اسلئے اس قوم کا نام انصاری ہے۔ امر واقعہ تو یہ ہے کہ جس قدر نام اس قوم کے مشہور ہیں۔ اس قدر شاید ہی کسی دوسری قوم کے ہوں۔ مومن۔ نورباف۔ سفیدباف۔ جولاہا۔ بافندہ۔ نساج۔ تنتوادایہ وغیرہ۔ فَلَہُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی۔ چونکہ یہ قوم روئے زمین پر پھیلی ہوئی ہے۔ اسلئے ہر ایک آب ہوا میں اسکے نام بھی الگ الگ ہیں۔ مگر اسکا کام سب جگہ وہی ہے۔ یعنی انسانوں کو دھوتی لنگوٹی دینا۔ اور انکا ننگ ڈھانپنا۔ تذکرۃ الانصار کی قیمت ۲ر۔ ملنے کا پتہ۔ جمعیت الانصار علی گڈھ۔

۴۔ مقدس رسول { یہ کتاب مولینا ثناء اللہ صاحب امرتسری کی تصنیف ہے۔ جو آریوں کی کتاب رنگیلا رسول کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ رنگیلا رسول نامی کتاب میری نظر سے نہیں گذری۔ مگر مولینا نے اپنی کتاب میں آریوں کی نامبردہ کتاب میں سے جو اقتباسات دئے ہیں انسے معلوم ہوتا ہے کہ رنگیلا رسول کوئی نہایت ہی شر انگیز کتاب ہوگی۔ مولینا ممدوح نے نہایت متانت اور سنجیدگی سے محققانہ جواب دیا ہے اور الزامی جواب سے اجتناب کیا ہے۔ لکھائی چھپائی۔ کاغذ نہایت عمدہ۔ قیمت ۱۰ر ملنے کا پتہ اہلحدیث امرتسر

حنیف کا سلسلہ کتب

از

غازی محمود دھرمپال بی۔ اے۔ ایڈیٹر حنیف۔ لودھیانہ

۱۔ کتاب الاعتذار یہ کتاب رسالہ حنیف کا پہلا پرچہ ہے۔ اس میں ایڈیٹر حنیف نے ان تمام الزامات کا مفصل و مدلل جواب دیا ہے جو کفر توڑ وغیرہ کے متعلق اسکی ذات پر لگائے گئے تھے۔ اس کتاب میں ہندو مسلم اتحاد کا بھی بہترین نسخہ تجویز کیا گیا ہے قیمت ۱۲ار +

۲۔ خنجر بیداد یہ کتاب رسالہ حنیف کا دوسرا پرچہ ہے۔ اسمیں مذہب کے نام پر دنیا میں جو جور و ستم کی داستانیں قلمبند کیگئی ہیں۔ اسپارٹا کے مشہور و معروف مقنن لائیکرگس کے قوانین فارس میں باب اور بابیوں کے قتل کے واقعات۔ ایک مسیحی خاتون آغشہ کی دردناک شہادت۔ پارسی مذہب کے بانی کے حالات نہایت وضاحت سے بیان کئے گئے ہیں۔ قابل دید کتاب ہے قیمت ۱۲ار۔

۳۔ لوتھر ہند سوامی دیانند اس کتاب میں آریہ سماج کے بانی اور وید کے قابل ترین مفسر سوامی دیانند کی زندگی کے سبق آموز حالات و واقعات کو قلمبند کیا گیا ہے۔ یہ کتاب رسالہ حنیف کا ڈبل پرچہ ہے اسکی ضخامت ۱۰۰ صفحہ سے زائد ہے قیمت عہ

۴۔ کفر و اسلام حصہ اول اس کتاب میں منکرین اسلام کیطرف سے اسلام پر جس قسم کے اعتراضات کئے جاتے ہیں۔ انکا ایک نہایت دلچسپ اور محققانہ پیرایہ میں جواب دیا گیا ہے۔ اسلام کی حقانیت کے متعلق یہ ایک اور لاجواب کتاب ہے۔ قیمت بارہ آنے ۱۲ار +

۵۔ کفر و اسلام حصہ دوم اسلام کے مختلف فرقوں میں جو خانہ جنگی ہو رہی ہے اور ایک دوسرے پر کفر و ارتداد کے فتوے لگا کر خارج از اسلام سمجھا جاتا ہے اور مسلمانوں میں نماز وغیرہ کے متعلق جسقدر جھگڑے یا اختلافات موجود ہیں ان سب کا اس کتاب میں دو ٹوک فیصلہ کر دیا گیا ہے۔ یہ کتاب نہیں بلکہ کفر توڑ ہے جو شخص اسکو پڑھ لیگا۔ اسپر پھر کسی ملا کے کفر کا فتوی کوئی اثر نہیں کریگا۔ قیمت ۱۲ار +

۶۔ کفر و اسلام حصہ سوم مسیح علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق جسقدر اختلافات ہیں۔ ان پر تواریخی اور مذہبی پہلو سے سیر کن بحث کی گئی ہے۔ قیمت بارہ آنے (۱۲ار) +

دیگر کتب رسالہ حنیف میں ہر ماہ ایکسو صفحہ کی مکمل کتاب شایع ہوتی ہے۔ اگر آپ اسکے مستقل خریدار بنجائیں تو آپکو ہر ایک کتاب معہ محصولڈاک ۸ر میں ملتی رہیگی بصورت دیگر آپکو فی کتاب ۱۲ار علاوہ محصولڈاک ادا کرنے پڑینگے حنیف کا سالانہ چندہ ؂ ہے۔

ملنے کا پتہ۔ منیجر حنیف۔ لدھیانہ۔ حلقہ ۱۱